وَقَالَ الرَّسُولُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا
ترجمان القرآن
یعنی
قرآنِ حکیم کے مطالِب اُردو زبان میں
ضروری تفسیر کے ساتھ
www.KitaboSunnat.com
اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰ... یَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ
از
امام الہند مولانا ابوالکلام احمد آزاد رحمہ اللہ
اسلامی اکادمی
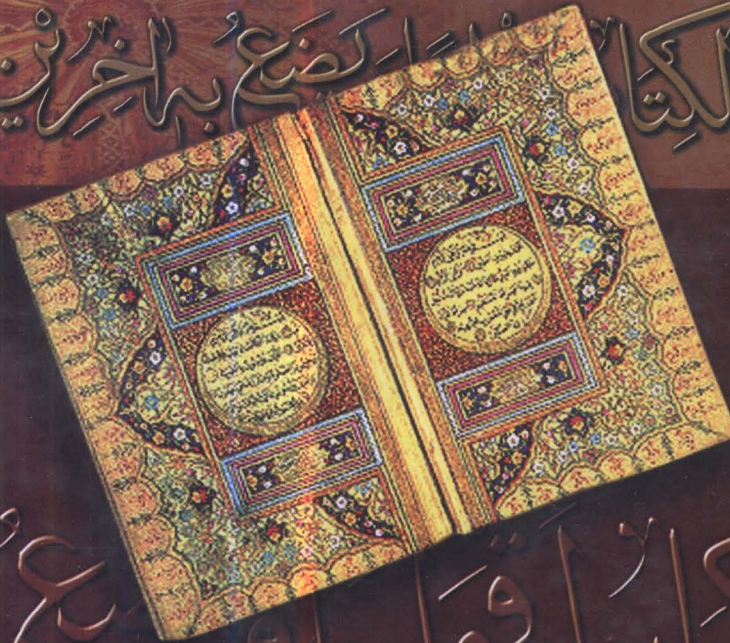
إنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

از

ابو الکلام احمد

جلد اول

سورۂ فاتحہ سے سورۂ الانعام تک

اسلامی اکادمی
۱۷ اردو بازار لاہور فون : ۷۳۵۷۵۸۷-۰۴۲

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

تعداد:.. 1000

ناشر:.. ابومومن منصور احمد

مطبع:.. عرفان افضل پریس

اسلامی اکیڈیمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور
Phone: 042-7357587

انتساب

غالباً دسمبر ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ میں رانچی میں نظر بند تھا- عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا تو مجھے محسوس ہوا' کوئی شخص پیچھے آ رہا ہے- مڑ کے دیکھا تو ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا

''آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں جناب' میں بہت دور سے آیا ہوں''

''کہاں سے؟''

''سرحد پار سے''

''یہاں کب پہنچے؟''

''آج شام کو پہنچا- میں بہت غریب آدمی ہوں- قندھار سے پیدل چل کر کوئٹہ پہنچا- وہاں چند ہم وطن سوداگر مل گئے تھے- انہوں نے نوکر رکھ لیا- اور آگرہ پہنچا دیا- آگرہ سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں''

''افسوس تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی؟''

''اس لیے کہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں- میں نے الہلال اور البلاغ کا ایک ایک حرف پڑھا ہے''

یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا' اور پھر یکا یک واپس چلا گیا- وہ چلتے وقت اس لیے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا، میں اسے واپسی کے مصارف کے لیے روپیہ دوں گا' اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے- اس نے یقیناً واپسی میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا-

مجھے اس کا نام یاد نہیں- مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں- لیکن اگر میرے حافظہ نے کوتاہی نہ کی ہوتی' تو میں یہ کتاب اس کے نام سے منسوب کرتا-

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

ابوالکلام
کلکتہ

دُنیا میں جب کبھی وحی الٰہی کی رحمت نمودار ہوئی ہے تو اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ انسان کو نئی نئی باتیں سکھا دی ہوں، کیونکہ خدا پرستی کے بارے میں کوئی انوکھی بات سکھائی ہی نہیں جاسکتی۔ اس کا کام صرف یہ رہا ہے کہ انسان کے وجدانی عقائد کو علم و اعتراف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتائے اور یہی سورۃ فاتحہ کی خصوصیت ہے اس سورۃ نے نوع انسانی کے وجدانی تصورات ایک ایسی تعبیر سے سنوار دیے کہ ہر عقیدہ، ہر فکر، ہر جذبہ اپنی شکل و نوعیت میں نمودار ہو گیا اور چونکہ یہ تعبیر حقیقت حال کی سچی تعبیر ہے اس لیے جب کبھی ایک انسان راست بازی کے ساتھ غور کرے گا بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ اس کا ہر بول اور ہر لفظ اس کے دل و دماغ کی قدرتی آواز ہے۔ (ابوالکلام)

فہرست مضامین

- دیباچہ 39
- جلاوطنی 39
- نظر بندی 40
- دوبارہ تلاشی اور مسودات کی ضبطی 40
- رہائی اور تحریک لاتعاون 41
- گرفتاری اور تمام مسودات کی بربادی 42
- ترجمان القرآن کی از سرنو ترتیب 43

اصول ترجمہ وتفسیر 45

- قرون اخیرہ اور قرآن کے مطالعہ وتدبر کا عام معیار 45
- بعض اسباب ومؤثرات جو فہم حقیقت میں مانع ہیں 46
- جستجوئے حقیقت 52
- ترجمان القرآن کا مقصد ونوعیت 53
- تفسیر سورۂ فاتحہ 54
- خاتمہ 55

دیباچہ طبع ثانی 57

ام القرآن یعنی تفسیر سورہ فاتحہ

(۱) سورت کی اہمیت اور خصوصیات 59

- سورۂ فاتحہ میں دین کے تمام مقاصد کا خلاصہ موجود ہے 60
- دین حق کا ماحصل 61
- سورۂ فاتحہ کا اسلوب بیان 61
- دین حق کی مہمات 62

(۲) الحمد للہ 65

- حمد 65

- اللہ 66

(۳) رب العٰلمین 69

- نظامِ ربوبیت 71
- پانی کی بخشش و تقسیم کا نظام 71
- تقدیرِ اشیاء 72
- عناصرِ حیات 73
- نظامِ پرورش 73
- نظامِ ربوبیت کی وحدت 74
- ربوبیت معنوی 78
- تقدیر 78
- ہدایت 79
- ہدایتِ وجدان 79
- ہدایتِ حواس 80

براہینِ قرآنیہ کا مبدء استدلال 82

- دعوتِ تعقل 82
- تخلیق بالحق 83
- مبدءِ استدلال 85

برہانِ ربوبیت 86

- نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال 91
- نظامِ ربوبیت سے وحی و رسالت کی ضرورت پر استدلال 92
- نظامِ ربوبیت سے وجود معاد پر استدلال 94

(۴) الرحمٰن الرحیم 97

- رحمت 98
- تعمیر و تحسین کائنات رحمتِ الٰہی کا نتیجہ ہے 98
- افادہ و فیضانِ فطرت 100
- کائنات کی تخریب بھی تعمیر کے لیے ہے 104
- جمالِ فطرت 105
- بلبل کی نغمہ سنجی اور زاغ و زغن کا شور و غوغا 106
- فطرت کی حسن افروزیاں اور رحمتِ الٰہی کی بخشش 107

- قدرت کا خود روسامانِ راحت وسرور اور انسان کی ناشکری 108
- جمال معنوی 110
- بقائے انفع 111

تدریج و امہال 112

- اصطلاح قرآنی میں ”اجل“ 113
- تکویر 113
- تاخیر اجل 114
- تدریج و امہال اچھائی اور برائی دونوں کے لیے ہے 114

تسکین حیات 116

- زندگی کی محنتیں اور کاوشیں 116
- مشغولیت اور انہماک 116
- حالات متفاوت ہیں لیکن زندگی کی دل بستگی اور سرگرمی سب کے لیے ہے 116
- اشیا و مناظر کا اختلاف و تنوع اور تسکین حیات 117
- اختلاف لیل ونہار 117
- دن کی مختلف حالتیں اور رات کی مختلف منزلیں 118
- حیوانات کا اختلاف 118
- نباتات 119
- جمادات 119
- ہر چیز کے دو دو ہونے کا قانون 119
- مرد اور عورت 120
- نسب اور صہر 121
- صلہ رحمی اور خاندانی حلقہ کی تشکیل 121
- ایام حیات کا تغیر و تنوع 122
- زینت و تفاخر، مال و متاع، آل واولاد 122
- اختلاف معیشت اور تزاحم حیات 123

برہان فضل ورحمت 124

- موزونیت و تناسب 125
- تسویہ 125
- اتقان 126
- رحمت سے معاد پر استدلال 126

- رحمت سے وحی وتنزیل کی ضرورت پر استدلال 127
- انسانی اعمال کے معنوی قوانین پر ''رحمت'' سے استدلال اور بقائے ''انفع' 128
- حق اور باطل 128
- قانونِ ''قضاء بالحق'' 129
- اللہ کی صفت بھی ''الحق'' ہے 130
- وحی وتنزیل بھی ''الحق'' ہے 130
- قرآن کی اصطلاح میں ''الحق'' 130
- نزاع حق وباطل 131
- اللہ کی شہادت 131
- ''قضاء بالحق'' مادیات اور معنویات کا عالمگیر قانون ہے 132
- ''انتظار'' اور ''تربص'' 132
- ''قضاء بالحق'' اور تدریج وامہال 132
- ''تاجیل'' 132
- قوانین فطرت کا معیارِ اوقات 133
- استعجال بالعذاب 134
- العاقبة للمتقين 135
- قرآن کی وہ تمام آیات جن میں ظلم وکفر کے لیے فلاح وکامیابی کی نفی کی گئی ہے 135
- ''تمتیع'' 136
- ''قضاء بالحق'' اور اقوام وجماعات 136
- ''قضاء بالحق'' کے اجتماعی نفاذ میں بھی تدریج وامہال اور تاجیل ہے 137
- انفرادی زندگی اور مجازات دنیوی 138
- معنوی قوانین کی مہلت بخشی اور توبہ وانابت 139
- رحمت الٰہی اور مغفرت وبخشش کی وسعت وفراوانی 139
- اسلامی عقائد کا دینی تصور اور ''رحمت'' 140
- خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے 140
- جو خدا سے محبت کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اس کے بندوں سے محبت کرے 141
- اعمال وعبادات اور اخلاق وخصائل 142
- قرآن سرتاسر رحمت الٰہی کا پیام ہے 142
- بعض احادیث 142
- مقام انسانیت اور صفات الٰہی سے تخلق وتشبہ 143
- احکام وشرائع 143

❀ انجیل اور قرآن 145

❁ دعوت مسیح اور دنیا کی حقیقت فراموشی 145

❁ حضرت مسیح کی تعلیم کو فطرت انسانی کے خلاف سمجھنا تفریق بین الرسل ہے 145

❁ دعوت مسیحی کی حقیقت 146

❁ مواعظ مسیح کے مجازات کو تشریع و حقیقت سمجھ لینا سخت غلطی ہے 147

❁ اعمال انسانی میں اصل رحم و محبت ہے نہ کہ تعزیر و انتقام 148

❁ ''عمل'' اور ''عامل'' میں امتیاز 149

❁ مرض اور مریض 149

❁ گناہوں سے نفرت کرو مگر گناہگاروں پر رحم کرو 149

❁ قرآن اور گناہگار بندوں کے لیے صدائے تشریف و رحمت 150

❁ اصلاً انجیل اور قرآن کی تعلیم میں کوئی اختلاف نہیں 151

❀ قرآن کے زواجر و قوارع 152

❁ کفر محض اور کفر جارحانہ 152

(۵) مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ 155

❁ الدین 155

❁ ''دین'' کے لفظ نے جزا کی حقیقت واضح کر دی 155

❁ مجازاتِ عمل کا معاملہ بھی دنیا کے عالمگیر قانونِ فطرت کا ایک گوشہ ہے 156

❁ جس طرح مادیات میں خواص و نتائج ہیں، اسی طرح معنویاتِ میں بھی ہیں 157

❁ اصطلاح قرآنی میں ''کسب'' 158

❁ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا 158

❁ الدِّيْن بمعنی قانون و مذہب 160

❁ ''ملك يوم الدين'' میں عدالت الٰہی کا اعلان 160

❁ کارخانۂ ہستی کے تین معنوی عناصر: ربوبیت، رحمت، عدالت 160

❁ تعمیر و تحسین کے تمام حقائق دراصل عدل و توازن کا نتیجہ ہیں 160

❁ وضع میزان 161

❁ اعمال انسانی کا عدل و قسط پر مبنی ہونا قرآن کی اصطلاح میں ''عمل صالح'' ہے 162

❁ بدعملی کے لیے قرآن کے اختیارات لغویہ 163

❀ قرآن اور صفات الٰہی کا تصور 164

❁ انسان کا ابتدائی تصور 164

- انیسویں صدی کے نظریے اور ارتقائی مذہب 165
- مذہب ارتقاء کا خاتمہ اور زمانہ حال کی تحقیقات 168
- آسٹریلیا اور جزائر کے وحشی قبائل اور مصر کے قدیم ترین آثار کی جدید تحقیقات 169
- دجلہ وفرات کی وادیوں کی قدیم آبادیاں اور خدا کی ہستی کا توحیدی تصور 170
- مہنجو دارو کا خدائے واحد ''اون'' 170
- ''اللہ'' کی یگانہ اور ان دیکھی ہستی کا قدیم سامی تصور 170
- انسان کی پہلی راہ ہدایت کی تھی، گمراہی بعد کو آئی 171
- دینی نوشتوں کی شہادت اور قرآن کا اعلان 171
- ارتقائی نظریہ خدا کی ہستی کے اعتقاد میں نہیں مگر اس کی صفات کے تصورات کے مطالعے میں مدد دیتا ہے 172
- عقل انسانی کی درماندگی اور صفات الٰہی کی صورت آرائی 172
- ارتقائے تصور کے نقاط ثلاثہ 173
- انسان کا تصور صفات قہریہ کے تاثرات سے کیوں شروع ہوا؟ 174
- فطرت کے سلبی مظاہر کی قہرمانی اور ایجابی مظاہر کا حسن وجمال 174
- انسان پر شیفتگی سے پہلے دہشت طاری ہوئی 174
- بالآخر صفات رحمت وجمال کا اشتمال 175
- ظہور قرآن کے وقت دنیا کے عام تصورات چینی تصور 175
- لاؤتزو اور کنگ فوزی کی تعلیم 176
- چین کا شمنی تصور 177
- ہندوستانی تصور 178
- اوپانی شد کا توحیدی اور وحدۃ الوجودی تصور 178
- شمنی مذہب اور اس کے تصورات 183
- ایرانی مجوسی تصور 185
- مزدیسنا 186
- یہودی تصور 187
- مسیحی تصور 188
- فلاسفہ یونان واسکندریہ کا تصور 188
- اسکندریہ کا مذہب افلاطون جدید 193
- قرآنی تصور 194
- تنزیہہ کی تکمیل 195
- تنزیہہ اور تعطیل کا فرق 196
- آریائی اور سامی نقطۂ خیال کا اختلاف 200

- محکمات اور متشابہات 200
- او پانی شد کا مرتبہ اطلاق اور مرتبہ تشخص 201
- صفاتِ رحمت وجلال 202
- اشراکی تصورات کا کلی انسداد 203
- توحید فی الصفات 204
- مقام نبوت کی حد بندی 205
- خواص اور عوام دونوں کے لیے ایک تصور 206

(٦) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ 212

- ہدایت 212
- تکوین وجود کے مراتب اربعہ 212
- ہدایت کے ابتدائی تین مرتبے 214
- ہر مرتبہ ہدایت ایک خاص حد سے آگے رہنمائی نہیں کر سکتا 215
- ہر مرتبہ ہدایت اپنی تصحیح و نگرانی میں بالاتر مرتبہ ہدایت کا محتاج ہے 215
- ہدایت فطرت کا چوتھا مرتبہ 216
- اَلْهُدٰى 218
- وحدت دین کی اصل عظیم اور قرآن حکیم 219
- دین کی حقیقت اور قرآن کی تصریحات 219
- جمعیت بشری کی ابتدائی وحدت پھر اختلاف اور ہدایت وحی کا ظہور 219
- عموم ہدایت 220
- نسل انسانی کے ابتدائی عہد اور خدا کے رسول 221
- عدل الٰہی اور بعثت رسل 221
- بعض رسولوں کا ذکر کیا گیا اور بعض کا نہیں کیا گیا 221
- بے شمار قومیں اور بے شمار رسول 221
- ہدایت ہمیشہ ایک ہی رہی اور وہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت کے سوا کچھ نہ تھی 222
- سب نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور تفرقہ واختلاف سے بچنے کی تعلیم دی 222
- قرآن کی تحدید کہ اس حقیقت کے خلاف کوئی مذہبی تعلیم اور روایت پیش نہیں کی جا سکتی 223
- تمام مقدس کتابوں کی باہم دگر تصدیق اور اس سے قرآن کا استدلال 224
- الدین اور الشرع 226
- ادیان کا اختلاف 226
- اختلاف دین میں نہیں ہوا شرع و منہاج میں ہوا اور یہ ناگزیر تھا 226

- تحویل قبلہ کا معاملہ اور قرآن کا اعلان حقیقت 227
- قرآن کے نزدیک دین کے اعتقاد و عمل کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں 228
- خدا کی حکمت اسی کی مقتضی ہوئی کہ اختلاف شرائع ظہور میں آئے 228
- پیروانِ مذاہب نے دین کی وحدت بھلا دی اور شرع کے اختلاف کو بنائے نزاع بنا لیا 229

"تشیع" اور "تحزب" کی گمراہی اور تجدید دعوت کی ضرورت 232

- "تشیع" اور "تحزب" کی حقیقت 232
- اس بارے میں دعوت قرآنی کی تین مہمات 233
- یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی اور اس کا رد 233
- سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے 235
- عبادت گاہوں میں تفرقہ 235
- یہودی اپنے آپ کو نجات یافتہ امت سمجھتے تھے اور کہتے تھے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کر دی گئی ہے 236
- قانون نجات کا اعلان عام 237
- یہودی سمجھتے تھے غیر مذہب والوں کے ساتھ معاملات میں دیانتداری ضروری نہیں' قرآن کا اس پر انکار 238
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت سے استشہاد 239
- اصل دین وحدت و اخوت ہے نہ کہ تفرقہ و منافرت 240
- رسم اصطباغ 241
- قانونِ عمل 241

قرآن کی دعوت 242

- سب کی یکساں تصدیق اور سب کے متفقہ دین کی پیروی اس دعوت کا اصل اصول ہے 243
- تفریق بین الرسل 243
- خدا کی سچائی اس کی عالمگیر بخشش ہے 244
- راہیں صرف دو ہیں: ایمان کی یہ ہے کہ سب کو مانو، انکار کی یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کر دو 244
- جب سب ایک خدا کے پرستار ہیں اور سب کو اپنے اپنے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے تو پھر دین کے نام پر نزاع کیوں ہو 245
- قرآن کا پیروانِ مذاہب سے مطالبہ 246
- اصطلاح قرآنی میں "المعروف" اور "المنکر" 248
- "الدین القیم" اور "فطرت اللہ" 249
- "الاسلام" 249

قرآن اور اس کے مخالفوں میں بناءِ نزاع 252

- پیروان مذاہب کی مخالفت اس لیے نہ تھی کہ جھٹلاتا کیوں ہے؟ بلکہ اس لیے کہ جھٹلاتا کیوں نہیں 253
- تین اصول جو قرآن اور اس کے مخالفوں میں بناءِ نزاع ہوئے 253

❀ خلاصہ بحث 254

❀ صراطِ مستقیم 257

۞ "المغضوب علیھم" اور "الضالین" 261

❀ قرآن کے قصص اور استقرائے تاریخی 263

❀ سورۂ فاتحہ کی تعلیمی روح 265

❀ سورۂ فاتحہ 266

❀ سورۂ بقرہ 266

۞ یہ کتاب متقی انسانوں پر فلاح وسعادت کی راہ کھولنے والی ہے اور قبولیت حق کے لحاظ سے انسانوں کی پہلی قسم 267

۞ دوسری قسم، جو پہلی قسم کی ضد ہیں 267

۞ تیسری قسم ان لوگوں کی جو اگرچہ خدا پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر فی الحقیقت اس سے محروم ہیں 267

۞ وہ مفسد ہیں مگر اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں 268

۞ وہ راست بازی کو بے وقوفی اور نفاق کو دانشمندی سمجھتے ہیں 268

۞ راست بازوں کی تحقیر اور ایمان والوں کا تمسخر ان کا شیوہ ہے 268

۞ تیسری قسم کی محرومی کی ایک مثال 269

۞ حق کے ظہور اور محروموں کی محرومی کی دوسری مثال 269

۞ توحید الٰہی کی تلقین اور خالقیت و ربوبیت سے استدلال جس کا یقین انسان کی فطرت میں ہے 279

۞ رسالت اور وحی 270

۞ سنت الٰہی یہ ہے کہ وحی کا کلام انسانی بول چال کے مطابق ہوتا ہے اور بیان حقائق کے لیے مثالیں ضروری ہیں 270

۞ آخرت کی زندگی اور پہلی پیدائش سے دوسری پیدائش پر استدلال 271

۞ زمین کی مخلوقات میں نوع انسانی کی برتری اور مخلوقات ارضی کا اس لیے ہونا کہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے 271

۞ انسان کا زمین میں خدا کا خلیفہ ہونا، نوع انسانی کی معنوی تکمیل، آدم علیہ السلام کا ظہور اور قوموں کی ہدایت وضلالت کی ابتداء 272

۞ فرشتوں کا آدم کے سامنے سربسجود ہو جانا مگر ابلیس کا انکار کرنا، آدم کی بہشتی زندگی اور شجر ممنوع 272

۞ آدم علیہ السلام کی لغزش، اعتراف قصور، قبولیت توبہ، اور ایک نئی زندگی کا آغاز 272

۞ وحی الٰہی ہدایت اور انسان کی سعادت وشقاوت کا قانون 273

۞ وحی الٰہی کی ہدایت کا جاری ہونا اور اس سلسلہ میں بنی اسرائیل سے خطاب 273

۞ صبر اور نماز دو بڑی روحانی قوتیں ہیں، جن سے اصلاح نفس اور انقلاب حال میں مدد لی جاسکتی ہے 274

۞ بنی اسرائیل کے ایام ووقائع، اور قوموں کی ہدایت وضلالت کے حقائق 274

- مصر کے فرعون کی غلامی سے نجات اور کتاب و فرقان کا عطیہ 274
- بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ اُن کے دلوں میں وحی الٰہی پر کامل یقین نہ تھا 275
- صحرائے سینا میں ضروریات زندگی کا فراہم ہو جانا اور بنی اسرائیل کا کفرانِ نعمت 275
- یہ گمراہی کہ جب فتح و کامرانی ملی تو عبودیت و نیاز کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہو گئے 276
- بنی اسرائیل کا پانی کے لیے آپس میں جھگڑنا 276
- محکومی و غلامی سے قوم کا اخلاق پست ہو جاتا ہے اور بلند مقاصد کے لیے جوش و عزم باقی نہیں رہتا 276
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان و عمل سے وابستہ ہے، نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں دخل نہیں 277
- بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ احکام الٰہی پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے اور طرح طرح کے شرعی حیلے گھڑ لیے تھے 277
- کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی گمراہی یعنی احکام حق کی سیدھی سادھی اطاعت کرنے کی جگہ طرح طرح کے سوالات گھڑنا' بلا ضرورت باریک بینیاں کرنا، اور شریعت کی سادگی اور آسانی کو سختی و پیچیدگی سے بدل دینا 278
- بنی اسرائیل کا قتل نفس میں بے باک ہو جانا جو شریعت الٰہی کی رو سے انسان کا سب سے بڑا جرم ہے 279
- بنی اسرائیل کی قلبی و اخلاقی حالت کا انتہائی تنزل حتیٰ کہ اس حالت کا پیدا ہو جانا جب عبرت پذیری اور تنبہ کی استعداد یک قلم معدوم ہو جاتی ہے 279
- بنی اسرائیل کے ایام و وقائع کے ذکر کے بعد ان کے موجودہ اعمال و عقائد پر تبصرہ 280
- سب سے پہلی اور بنیادی گمراہی یہ ہے کہ نہ تو کتاب اللہ کا سچا علم باقی رہا ہے' نہ سچا عمل 280
- ان کے علماء حق فروش ہیں اور عوام کا سرمایہ دین خوش اعتقادی کی آرزوؤں اور جہالت کے ولولوں کے سوا کچھ نہیں 280
- علمائے یہود کی یہ گمراہی کہ کتاب اللہ کے احکام پر اپنی رایوں اور خواہشوں کو ترجیح دیتے تھے 280
- یہودیوں کی یہ گمراہی کہ سمجھتے تھے' ان کی امت نجات یافتہ امت ہے اور کوئی یہودی ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا 280
- قرآن کہتا ہے جنت و دوزخ کی تقسیم قوموں کی بنا پر نہیں ہے کہ کسی کے لیے جنت ہو کسی کے لیے دوزخ۔ اس کا دار و مدار ایمان و عمل پر ہے 281
- پیروانِ مذاہب کی گمراہی کی وہ حالت' جب شریعت کے بنیادی احکام پر تو کوئی توجہ نہیں کرتا' لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں پر جو نمائش اور ریاکاری کا ذریعہ ہوتی ہیں' بہت زور دیا جاتا ہے۔ قرآن اس حالت کو "افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض" سے تعبیر کرتا ہے 281
- یہ حالت اس بات کا نتیجہ ہے کہ راست بازی اور حق پرستی کی جگہ نفسانی خواہشوں کی پرستش کی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ غرض پرستیوں نے ہمیشہ داعیانِ حق و اصلاح کی مخالفت کی ہے۔ بنی اسرائیل کے تکذیب رُسل اور قتل انبیاء سے استشہاد 282
- حق کے ثبات اور تقلید کے جمود میں فرق ہے۔ علمائے یہود جمود میں مبتلا تھے' مگر اسے اعتقاد کی پختگی سمجھ کر فخر کرتے تھے 283
- قبول حق میں جو موانع پیش آتے ہیں' ان میں سب سے بڑا مانع' نسلی یا جماعتی یا شخصی حسد ہوتا ہے 283
- اہل مذاہب کی عالمگیر غلطی یہ ہے کہ جب انہیں اتباع حق کی طرف بلایا جاتا ہے' تو کہتے ہیں' ہمارے پاس ہمارا دین موجود ہے۔ قرآن کہتا ہے' دین سب کے لیے اور سب کا ایک ہی ہے اور میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ پچھلے ادیان کی جگہ کوئی نیا دین پیش کروں' بلکہ اس لیے کہ ان کا سچا اعتقاد و عمل پیدا کروں 284
- جن کے دل میں نجات اخروی کا یقین ہے وہ موت سے خائف نہیں ہو سکتے 285

- جوکوئی سلسلۂ وحی کا مخالف ہے وہ اللہ اور اس کے قوانین ہدایت کا مخالف ہے 285
- پیغمبر اسلام سے خطاب کہ اگر علمائے یہود دعوتِ حق سے انکار کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے ایسا ہی معاملہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پیش آ چکا ہے 285
- بنی اسرائیل کے ضعف عقل و ایمان پر اس واقعہ سے استشہاد کہ جادوگروں کے شعبدوں پر جھک پڑے اور کتاب اللہ کی تعلیم پس پشت ڈال دی۔ ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ اس بارے میں جو خرافات مشہور ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں 286
- دعوتِ قرآنی کے پیروں سے خطاب کہ بنی اسرائیل کے ایام و وقائع سے عبرت پکڑیں۔ نیز بعض شکوک کا ازالہ جو علمائے یہود مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے 287
- ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لیے ہوا کہ یا تو ''نسخ'' کی حالت پیش آئی یا ''نسیان'' کی 287
- سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیانِ شرائع لیکن ہر پچھلی تعلیم پہلی سے بہتر ہوتی ہے یا اس کے مانند ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ اصل تکمیل و ارتقاء ہے نہ کہ تنزل و تسفل 288
- کثرتِ سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت 288
- نماز اور زکوٰۃ یعنی قلبی اور مالی عبادت کی سرگرمی ایک ایسی حالت ہے جس سے جماعت کی معنوی استعداد نشوونما پاتی ہے۔ جس جماعت میں یہ سرگرمی موجود ہو تو وہ راہ سے برگشتہ ہو سکتی ہے نہ اس کی جماعتی قوت میں خلل پڑ سکتا ہے 288
- اہل مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی سچائی جو ایک ہی تھی اور سب کو دی گئی تھی مذہبی گروہ بندیوں کے الگ الگ حلقے بنا کر ضائع کر دی۔ اب ہر حلقہ دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نزاع کا فیصلہ کیونکر ہو؟ قرآن کہتا ہے اصل کے اعتبار سے سب سچے ہیں عمل کے اعتبار سے سب جھوٹے۔ میں چاہتا ہوں سب کی مشترک اور عالمگیر اصلیت پر سب کو جمع کر دوں۔ یہ مشترک اور عالمگیر سچائی کیا ہے؟ خدا پرستی اور نیک عملی 289
- یہودی اور عیسائی کہتے تھے کوئی نجات نہیں پا سکتا جب تک ہماری گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو۔ قرآن کہتا ہے جو انسان بھی خدا پرست اور نیک عمل ہو گا نجات پائے گا خواہ تمہاری گھڑی ہوئی گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو 289
- مذہبی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ہر گروہ کے لیے اس کی مخصوص عبادت گاہیں ہیں۔ دوسرے گروہ کا آدمی ان میں عبادت نہیں کر سکتا اور ہر گروہ جوش تعصب میں دوسرے گروہ کی عبادت گاہیں ڈھا دیتا ہے 290
- خدا کسی خاص عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر ہی نہیں ہے کہ صرف وہیں عبادت کی جا سکے 290
- عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ ابنیت مسیح کے اعتقاد باطل پر اپنی کلیسائی گروہ بندی کر لی 290
- مشرکین عرب اور ان کے جاہلانہ اعتراضات۔ جس طرح انسانی صداقت کا مزاج ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے اسی طرح انسانی گمراہی کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا رہتا ہے 291
- سچائی کی پہچان رکھنے والوں کے لیے سب سے بڑی نشانی پیغمبر کی تعلیم اور اس کی زندگی ہے 291
- مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ حق پسندی اور حقیقت بینی کی جگہ محض گروہ پرستی کی روح کام کر رہی ہے۔ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان کا اعتقاد اور عمل کیا ہے؟ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری گروہ بندی میں داخل ہے یا نہیں 292
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش منصب امامت کا عطیہ دین الٰہی کی دعوت معبد کعبہ کی تعمیر اور امت مسلمہ کے ظہور کی دعا۔ یہ ذکر اس محل میں چار بصیرتیں رکھتا ہے 292

- دین کی جو راہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد نے اختیار کی تھی' وہ کیا تھی؟ یقیناً وہ یہودیت یا مسیحیت کی گروہ بندی نہ تھی۔ وہ صرف خدا کی فطری اور عالمگیر سچائی کی راہ تھی۔ یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ۔ اسی لیے ''الاسلام'' کا نام اس کے لیے اختیار کیا گیا 294
- خدا کا قانون یہ ہے کہ ہر فرد اور ہر جماعت کو وہی پیش آتا ہے جو اس نے اپنے عمل سے کمایا ہے۔ نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچا سکتی ہے' نہ ایک کی بدعملی کے لیے دوسرا جوابدہ ہو سکتا ہے 295
- بہرحال ہدایت کی راہ مذہبی گروہ بندیوں کی راہ نہیں ہو سکتی' اور نہ وہ کسی ایک ہی قوم و جماعت کے حصہ میں آئی ہے۔ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی جگہ سب کی تصدیق کرو اور سب کی مشترک سچائی پر ایمان لاؤ 295
- داعیانِ مذاہب میں سے کسی ایک کا انکار بھی سب کا انکار ہے 296
- جب سب کا پروردگار ایک ہے اور ہر انسان کے لیے اس کا عمل ہے' تو پھر خدا اور دین کے نام پر یہ تمام جھگڑے کیوں ہیں؟ 296
- کتمانِ حق' یعنی سچائی کا چھپانا' سب سے بڑا گناہ ہے 297
- تحویل قبلہ کا ذکر اور سیاق و سباق کی مناسبت۔ چونکہ اب امت مسلمہ ظہور میں آ گئی ہے' اس لیے ضروری ہے کہ قوموں کا رخ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف پھر جائے 297
- پیروانِ دعوت قرآنی سے خطاب کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے عمل حق نے سرزمین حجاز میں جو بیج بویا تھا وہ بارآور ہو گیا ہے۔ اب مرکز ہدایت کعبہ ہے اور ''نیک ترین'' امت تمہیں ہونا چاہیے 298
- یہود و نصاریٰ کا تحویل قبلہ پر اعتراض' محض گروہ پرستی کا تعصب ہے۔ ان کے پاس کوئی بنیادی صداقت نہیں۔ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے' عیسائی یہودیوں کے قبلہ سے متفق نہیں 299
- کسی بات کا ''حق'' ہونا ہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے 299
- پھر جو کچھ بھی ہو' تقرر قبلہ کا معاملہ کوئی ایسی بات نہیں جو دین کے اصول و اساسات میں سے ہو۔ اس طرح کے معاملات پر اس قدر ردوکد کرنا دین کی حقیقت سے بے پرواہ ہو جانا ہے۔ اصلی چیز جس پر دین کا دارومدار ہے' خیرات ہے۔ یعنی نیک عملی' پس اسی کو پیش نظر رکھو 299
- تقرر قبلہ کا حکم عام اور مصالح و حکم 300
- پیروانِ دعوت سے خطاب کہ (۱) کتاب و حکمت کی تعلیم (۲) شخص نبوت کی پیغمبرانہ تربیت (۳) مرکز ہدایت کا قیام (۴) نیک ترین امت ہونے کا نصب العین' یہی وہ چار عناصر تھے جن کی موعودہ امت مسلمہ کی نشوونما کے لیے ضرورت تھی۔ اب کہ وہ ظہور میں آ گئے ہیں' چاہیے کہ سرگرم عمل ہو جاؤ! 300
- چونکہ سرگرم عمل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ راہ عمل کی آزمائشیں پیش آئیں' اس لیے دعوت عمل کے ساتھ ہی ان اصول و مہمات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جن کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی 301
- صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو 301
- موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کر لو! 301
- مرکز قبلہ سے وابستگی اور حج کا قیام 301
- کتاب اللہ کی تعلیم و تذکیر سے غافل نہ ہو 301
- خدا پرستی میں ثابت قدم رہنے' عقل و بصیرت سے کام لینے کائنات خلقت میں تدبر و تفکر کرنے اور حقائق ہستی کی معرفت حاصل کرنے کا حکم 302
- اللہ پر ایمان اور اللہ کی محبت لازم و ملزوم ہیں 303

۞ پیشوایانِ باطل کی پیروی سے بچو؛ جن کی پیروی پچھلی امتوں کی تباہی کا باعث ہوئی 303

۞ ان اصولی مہمات کی تلقین کے بعد ان فروعی احکام کا بیان شروع ہوتا ہے؛ جن کے متعلق طرح طرح کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں 303

۞ خدا نے زمین میں جتنی اچھی چیزیں پیدا کر دی ہیں' انہیں بلا تامل اپنی غذا کے لیے کام میں لاؤ۔ کھانے پینے میں وہم پرستانہ روک ٹوک اور من گھڑت پابندیاں شیطانی وسوسے ہیں 303

۞ ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہے اور کفر کا خاصہ کورانہ تقلید ہے مقلد اعمیٰ کی مثال چار پایوں کی سی ہے 303

۞ جن چار پایوں کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے' وہ سب حلال ہیں' مگر چار چیزیں 303

۞ حلت و حرمت کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں۔ ان کے علماء حق فروش ہیں اور عوام اپنے پیشواؤں کی کورانہ تقلید میں مبتلا ہیں 305

۞ کتاب اللہ' علم ہے اور اختلاف جہل و ظن سے پیدا ہوتا ہے، پس جب علم نمایاں ہو جائے' تو اختلاف باقی نہیں رہنا چاہیے 305

۞ اس اصل عظیم کا اعلان کہ نجات و سعادت کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا ظواہر و رسوم کی کوئی خاص بات اختیار کر لی جائے' بلکہ وہ خدا پرستی اور نیک عملی سے حاصل ہوتی ہے اور اصلی شئے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے اعتقاد اور عمل کی وہ کون کون سی باتیں ہیں جنہیں قرآن دین کی حقیقی مطلوبات قرار دیتا ہے 305

۞ قصاص کا حکم اور ان مفاسد کا ازالہ جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے 307

۞ انسانی مساوات کا اعلان اور نسل و شرف کے امتیازات سے انکار 307

۞ خوں بہا لیا جا سکتا ہے اگر مقتول کے ورثاء راضی ہو جائیں 307

۞ قصاص میں جان کی ہلاکت ہے' مگر اس لیے ہے کہ زندگی کی حفاظت کی جائے 307

۞ وصیت کرنے کا حکم 307

۞ مرنے سے پہلے اپنے مال و متاع اور پس ماندوں کے لیے اچھی وصیت کر جانا' زندگی کے فرائض میں داخل ہے 307

۞ میت کی وصیت ایک مقدس امانت ہے اور ضروری ہے کہ بے کم و کاست تعمیل کی جائے 308

۞ اگر وصیت کی تعمیل ٹھیک طور پر نہ ہوئی' تو جن لوگوں پر وصیت کی تعمیل و نگرانی چھوڑی گئی تھی' وہ جوابدہ ہوں گے 308

۞ رمضان میں روزے رکھنے کا حکم اور ان غلطیوں کا ازالہ جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں 308

۞ یہ بات نہیں ہے کہ فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو مشقت میں ڈالنا کوئی نیکی اور ثواب کی بات ہو۔ مقصود اصلی نفس کی اصلاح و تہذیب ہے 308

۞ روزے کے لیے رمضان کا مہینہ اس لیے قرار پایا کہ نزول قرآن کی یاد آوری و تذکیر ہو 309

۞ دین میں اصل آسانی ہے نہ کہ سختی و تنگی۔ پس عبادتوں میں سختی کرنی خدا کی خوشنودی کا موجب نہیں ہو سکتی 309

۞ یہ خیال غلط ہے کہ جب تک فاقہ کشی اور ریاضت کے چلے نہ کھینچے جائیں' خدا کے حضور دعا مقبول نہیں ہو سکتی۔ اخلاص کے ساتھ جب کبھی پکارو گے' وہ قبولیت و رحمت کے ساتھ جواب دے گا! 309

۞ روزے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسمانی خواہشیں بالکل ترک کر دی جائیں' بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہے۔ پس کھانے پینے اور زناشوی کے علاقہ کی جو کچھ ممانعت ہے صرف دن کے لیے ہے۔ رات کے وقت کوئی روک نہیں 310

۞ مرد اور عورت کا تعلق خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری تعلق ہے اور دونوں اپنے حوائج میں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں 310

۞ مومن وہ ہے جس کے عمل میں کوئی کھوٹ اور راز نہ ہو۔ اگر ایک بات بری نہیں ہے مگر تم نے کسی وجہ سے برا سمجھ رکھا ہے اور اس لیے چوری چھپے کرنے لگے ہو' تو گو اصلاً برائی نہیں کی' مگر تمہارے ضمیر کے لیے برائی ہو گئی! 310

- روزہ اور اسی طرح کی دوسری عبادتیں کچھ سودمند نہیں' اگر حقوق العباد کی طرف سے تم غافل ہو 311
- حج احکام اور اس سلسلے میں بعض اصولی مہمات 311
- چاند کے طلوع و غروب سے مہینوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ نجوم اور کواکب پرستی کے جو توہمات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں' ان کی کوئی اصلیت نہیں 311
- کعبہ کی زیارت و حج کے لیے لوگوں نے طرح طرح کی پابندیاں اپنے پیچھے لگالی ہیں' اور اجر و ثواب کے لیے اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالتے ہیں' لیکن یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔ نیکی کی بات صرف یہ ہے کہ تقویٰ پیدا کرو۔ 311
- اہل مکہ کے ظلم و تعدی سے حج کا دروازہ مسلمانوں پر بند ہو گیا تھا' اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ پس حکم دیا گیا کہ اب جنگ کے بغیر چارہ نہیں 311
- اس بارے میں اصل یہ ہے کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی لیکن کسی حال میں بھی مسلمانوں کو عدل و راستی کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی چاہیے 312
- جنگ برائی ہے' لیکن فتنہ اس سے بھی زیادہ برائی ہے۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ جنگ کی حالت گوارا کر لی جائے 312
- جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ دین و اعتقاد کی آزادی حاصل ہو جائے۔ یعنی دین کے معاملے میں جس کا تعلق صرف خدا سے ہے' انسان کے ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے 312
- جو لوگ جہاد کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے' وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں 313
- اگر لڑائی کی وجہ سے حاجیوں کو راہ میں رک جانا پڑے' تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ نیز حج اور عمرہ کی تمتع کی صورت (یعنی دونوں کو ملا کر کرنے کی صورت) 313
- حج کا احرام باندھ لینے کے بعد نہ تو زناشوئی کا تعلق ہونا چاہیے' نہ لڑائی جھگڑا' نہ برائی کی کوئی بات اور حج کی اصلی تیاری تقویٰ ہے 314
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ خدا پرستی اور دینداری کی راہ دنیوی معیشت و فلاح کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں موجود ہوں۔ حج ایک عبادت ہے' لیکن اس کا عبادت ہونا اس سے مانع نہیں کہ تجارت کا فائدہ بھی حاصل کرو 314
- مال و دولت اللہ کا فضل ہے۔ پس چاہیے کہ اللہ کے فضل کی جستجو میں رہو 314
- دین اور دنیا کے معاملہ میں لوگوں نے افراط و تفریط کی راہیں اختیار کر لی ہیں۔ حقیقت اعتدال و توسط میں ہے 314
- دین الٰہی' دنیا کا نہیں' لیکن دنیا پرستی کے غرور و سرشاری کا مخالف ہے۔ یہی غرور و سرشاری ہے جو انسان سے ہر طرح کا ظلم و فساد کراتی ہے 316
- خدا پرست انسان کتنا ہی دنیا میں مشغول ہو' لیکن اس کا مطمح نظر نفس پرستی نہیں ہوتی' رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے 316
- بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان کی ظاہری باتیں بہت اچھی دکھائی دیتی ہیں لیکن فی الحقیقت سخت شریر و مفسد ہوتا ہے۔ معیار اس بارے میں یہ ہے کہ دیکھا جائے' طاقت و اختیار پانے کے بعد اس کا سلوک انسان کے ساتھ کیسا ہے؟ 316
- حرث و نسل کی تباہی انسانی غرور و سرشاری کا سب سے بڑا فساد ہے 316
- دنیوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے' اللہ سے ڈرو' تو ان کا گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم و فساد پر آمادہ کر دیتا ہے! 316
- پیروانِ دعوت سے خطاب کہ اس صورتِ حال سے اپنی حفاظت کریں 317
- کلام الٰہی سے بڑھ کر ہدایت کی کون سی چیز ہو سکتی ہے' جس کا تمہیں انتظار ہے؟ 317

- ایمان کی برکت حاصل کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ اسلام کا اقرار کرلو 317
- بنی اسرائیل کی سرگزشت سے عبرت پکڑو! 317
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ ابتدا میں تمام انسان ایک ہی قوم و جماعت تھے۔ پھر نسل انسانی کی کثرت و وسعت سے طرح طرح کے تفرقے پیدا ہو گئے اور تفرقہ کا نتیجہ ظلم و فساد ہوا۔ تب وحی الٰہی کی ہدایت نمودار ہوئی' اور یکے بعد دیگرے پیغمبر مبعوث ہوئے ہر پیغمبر کی دعوت کا مقصود ایک ہی تھا یعنی خدا پرستی و نیک عملی کی تلقین اور وحدت و اخوت کا قیام 318
- کتاب اللہ کے نزول کا مقصد ہمیشہ یہی رہا کہ انسانوں کے تفرقہ و اختلاف میں حکم ہو 318
- مومن ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ ایمان کا اقرار کرلیا۔ ضروری ہے کہ ان آزمائشوں میں ثابت قدم رہو' جو تم سے پہلے حق پرستوں کو پیش آ چکی ہیں 318
- خیرات کا حکم اور اس غلطی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے تھے' اپنوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنا خیرات نہیں ہے 319
- دفاع کا حکم 319
- جنگ تمہارے لیے کوئی خوشگوار بات نہیں ہے' لیکن اس دنیا میں کتنی ہی خوشگواریاں ہیں جو ناگواریوں سے پیدا ہوتی ہیں' اور کتنی ہی خوشگوار باتیں ہیں جن کا نتیجہ ناگوار ہوتا ہے! 319
- جنگ برائی ہے' لیکن انسانی طاقت کا ظلم و فساد اس سے بھی بڑھ کر برائی ہے۔ جب ظلم کا ازالہ اور کسی طرح ممکن نہ ہو تو جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے 319
- دشمنوں نے تم پر صرف اس لیے حملہ کیا ہے کہ کیوں ان کا مذہبی طور طریقہ چھوڑ کر ایک نئی دعوت قبول کر رہے ہو۔ پس جب تک اپنے عقیدہ سے دست بردار نہ ہو جاؤ' وہ تمہاری دشمنی سے باز آنے والے نہیں۔ ایسی حالت میں اس کے سوا چارہ کار کیا ہے کہ مقابلے کے لیے آمادہ ہو جاؤ 319
- اسلام نے جنگ کا قدم نہیں اٹھایا اور نہ وہ داعی امن ہو کر اٹھا سکتا تھا' لیکن اس کے خلاف اٹھایا گیا اور اس نے پیٹھ نہیں دکھائی 319
- جنگ کے سلسلے میں تین سوال پیدا ہو گئے تھے ان کا جواب شراب اور جوئے میں نفع سے زیادہ نقصان ہے۔ اشیاء کا صرف نفع ہی نہیں دیکھنا چاہیے' کیونکہ اضافی نفع سے تو کوئی شئے خالی نہیں۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ زیادہ نفع ہے یا نقصان؟ جس چیز میں نفع زیادہ ہو' وہ نافع ہے۔ جس میں نقصان زیادہ ہو' وہ مضر ہے 320
- مصارف جنگ وغیرہ جماعتی ضروریات کے لیے جس قدر انفاق کر سکتے ہو' کرو۔ کوئی خاص مقدار معین نہیں 320
- یتیم بچوں کی پرورش کا بار جماعت کے ذمے ہے 320
- دشمنوں سے جنگ کرنے کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان سے مناکحت جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا' مشرکوں سے مناکحت نہ کرو پھر اس کی علت بھی واضح کردی 321
- نکاح و طلاق اور ازدواجی زندگی کی مہمات۔ مناکحت کے سوال نے سلسلۂ بیان اس طرف پھیر دیا ہے 321
- عورتوں سے ان کے مہینے کے خاص ایام میں علیحدگی کا حکم۔ علیحدگی کی علت بیان کر کے ان توہمات کا ازالہ کر دیا گیا جو اس بارے میں پیدا ہو گئے تھے 321
- فطرت نے مرد اور عورت کے باہم ملنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے لیے جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے' اسی طرح ہونی چاہیے اور کوئی بات نہیں ہونی چاہیے 322
- اس معاملہ میں جو وہم پرستیاں پیدا ہو گئی تھیں' ان کا ازالہ 322
- کسی جائز اور نیک بات کے خلاف قسم کھالینا' اور پھر خدا کے نام کو اس کے لیے حیلہ بنانا' خدا پرستی کے خلاف ہے 322

- لغو قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ جو بات انسان نے سمجھ بوجھ کر' دل کے قصد سے کی ہو' اسی کے لیے وہ عند اللہ جوابدہ ہوگا 322
- اگر بیوی سے خوابگاہ کا تعلق نہ رکھنے کی قسم کھالی جائے (جسے اہل عرب ''ایلا'' کہتے تھے) تو کیا کرنا چاہیے؟ 322
- طلاق کے احکام اور اس بارے میں جو مفاسد پیدا ہوگئے تھے اور عورتوں کی حق تلفی ہو رہی تھی' اس کا انسداد 323
- طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کر کے' نکاح کی اہمیت' نسب کے تحفظ اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کر دیا گیا 323
- اگر طلاق کے بعد شوہر رجوع کرنا چاہے' تو وہی زیادہ حقدار ہے۔ کیونکہ شرعاً مطلوب ملاپ ہے' نہ کہ تفرقہ 323
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں' ویسے ہی حقوق عورتوں کے بھی مردوں پر ہیں 323
- طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ' تین مہینوں میں تین مجلسوں میں' یکے بعد دیگرے واقع ہوتی ہے اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتۂ نکاح کاٹ دیتی ہے' تیسری مجلس' تیسرے مہینے' تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہے۔ پس نکاح کا رشتہ کوئی ایسا رشتہ نہیں کہ جس گھڑی چاہا' بات کی بات میں توڑ کے رکھ دیا 324
- شوہر کے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے' طلاق کے بعد واپس لے لے 324
- اگر شوہر علیحدگی کا خواہشمند نہ ہو' لیکن بیوی علیحدہ ہونا چاہے اور اس کے لیے آمادہ ہو جائے کہ اپنا پورا مہر یا اس کا ایک حصہ چھوڑ دے گی بشرطیکہ اسے طلاق دے دی جائے' اور شوہر منظور کرلے' تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اسے ''خلع'' کہتے ہیں 324
- نکاح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت ایک دوسرے کے گلے پڑ جائیں' بلکہ مقصود یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوش حال زندگی پیدا ہو جائے۔ ایسی زندگی جب ہی پیدا ہو سکتی ہے' جب کہ ''حدود اللہ'' یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کیے جائیں۔ اگر کسی وجہ سے فریقین محسوس کرتے ہیں کہ واجبات و حقوق ادا نہ کیے جاسکیں گے تو نکاح کا مقصود فوت ہو گیا اور ضروری ہو گیا کہ دونوں کے لیے تبدیل حال کا دروازہ کھول دیا جائے 325
- اگر مقصود نکاح حاصل نہ ہونے پر بھی علیحدگی کا دروازہ نہ کھولا جاتا' تو یہ انسان کے آزادانہ حق انتخاب اور ازدواجی زندگی کی خوشحالی کے خلاف سخت رکاوٹ ہوتی اور معیشت کی سعادت سے سوسائٹی محروم ہو جاتی 325
- عورت کو یا تو بیوی کی طرح رکھنا چاہیے اور حقوق ادا کرنے چاہییں' یا طلاق دے کر اس کی راہ کھول دینی چاہیے۔ یہ نہیں کرنا چاہیے کہ نہ تو بیوی کی طرح رکھو' نہ طلاق دے کر راہ کھولو' بیچ میں لٹکائے رکھو 325
- چونکہ مردوں کی خودغرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے' اس لیے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ ازدواجی زندگی میں اخلاق و پرہیزگاری کا بہترین نمونہ بنیں۔ جس جماعت کی ازدواجی زندگی درست نہیں ہوتی' وہ کبھی فلاح یافتہ جماعت نہیں ہو سکتی 325
- جب عورت کو طلاق دے دی گئی' اور اس نے عدت کا زمانہ پورا کر لیا' تو اسے اختیار ہے' جس سے چاہے' ٹھیک طریقہ پر نکاح کر لے۔ نہ تو اس سے روکنا چاہیے' نہ اس کی پسند کے خلاف اس پر زور ڈالنا چاہیے۔ چونکہ اس بارے میں مردوں کی خود پسندیوں سے مخالفت کا اندیشہ تھا' اس لیے خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا کہ ذلك يوعظ به من كان منكم يؤمن بالله 326
- طلاق کی صورت میں ایک اہم سوال شیرخوار بچوں کی پرورش کا تھا۔ بڑا محل نقصان پہنچنے کا ماں تھی کہ طلاق کی وجہ سے جدا ہو گئی تھی' مگر محبت مادری کی وجہ سے مجبور تھی کہ بچے کی پرورش کرے۔ پس فرمایا' دودھ پلانے تک ماں کا خرچ' بچے کے باپ کے ذمے ہے 326
- دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے 326
- اس بارے میں اصل یہ ہے کہ نہ تو بچے کی وجہ سے ماں کو نقصان پہنچایا جائے نہ باپ کو 326

- نیز تمام معاملات میں اصل یہ ہے کہ کسی انسان پر اس کی وسعت سے زیادہ خرچ کا بار نہیں ڈالا جا سکتا 326
- بیوہ عورتوں کے متعلق احکام اور ان مفاسد کی اصلاح جو اس بارے میں پیدا ہو گئے تھے 327
- وفات کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر کے ان مفاسد کی اصلاح کر دی جو افراط و تفریط کا موجب ہوئے تھے 327
- اگر عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے' تو اسے نہیں روکنا چاہیے۔ نہ اس بات کا خواہشمند ہونا چاہیے کہ عدت کی مقررہ میعاد سے زیادہ سوگ منائے 327
- نکاح کے بارے میں عورت سے جو کچھ بات چیت یا نامہ و پیام ہو' علانیہ اور دستور کے مطابق ہونا چاہیے 327
- جب تک عدت کی میعاد نہ گزر لے' نکاح کا قول و قرار نہ کرو 327
- مہر اور عورتوں کے مالی حقوق کا تحفظ 328
- اگر نکاح کے بعد شوہر اور بیوی میں کوئی تعلق نہ ہوا ہو' اور شوہر طلاق دے دے' تو اس صورت میں مہر کے احکام 328
- اگر مہر کی مقدار معین نہ ہوئی ہو' تو مرد کو چاہیے اپنی حیثیت کے مطابق سلوک کرے 328
- اگر معین ہو تو آدھا مہر عورت کو ملنا چاہیے۔ اگر مرد اس سے زیادہ دے سکے' تو یہ تقویٰ اور فضیلت کی بات ہوگی 328
- نکاح کے معاملہ میں مرد کا ہاتھ عورت سے زیادہ قوی ہے پس عفو و بخشش بھی اسی کی طرف سے زیادہ ہونی چاہیے 328
- آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کی کوشش کرو 328
- لیکن انسان جو خواہشوں کا بندہ اور غرض پرستیوں کی مخلوق ہے' کیونکر ایسی اخلاقی طاقت پیدا کر لے سکتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی ان آزمائشوں میں پورا اترے؟ 328
- اس کی راہ صرف یہ ہے کہ خدا پرستی کی سچی روح اپنے اندر پیدا کرو 329
- اگر شوہر نے وصیت کر دی ہو کہ ایک برس تک عورت اس کے گھر میں رہے (یعنی اس کا سوگ منائے جیسا کہ اہل عرب میں دستور تھا) تو اب ایسی وصیت واجب التعمیل نہیں۔ اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے' تو کسی ایسی وصیت کی بنا پر اسے روکا نہیں جا سکتا ... 329
- نکاح و طلاق کا بیان ختم کرتے ہوئے' مطلقہ عورتوں کے ساتھ احسان و سلوک کا مکرر حکم تا کہ اس معاملہ کی اہمیت زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے 330
- سلسلۂ بیان پھر اسی طرف پھرتا ہے' جہاں سے نکاح و طلاق کا بیان شروع ہوا تھا۔ یعنی جہاد کے احکام و مصالح کی طرف جو جماعت موت سے ڈرتی ہے' وہ کبھی زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کر سکتی 330
- بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی عبرت انگیز سرگزشت جس نے باوجود کثیر التعداد ہونے کے جہاد سے اعراض کیا تھا 330
- راہ جہاد میں مال خرچ کرنا' اللہ کو قرض دینا ہے 330
- طالوت کی سرگزشت اور قوموں کے ضعف و قوت اور فتح و ہزیمت کے بعض اہم حقائق 330
- جس گروہ میں صبر و استقامت کی روح نہیں ہوتی' اس میں بسا اوقات سعی و عمل کے ولولے پیدا ہو جاتے ہیں' لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے' تو بہت کم نکلتے ہیں جو ثابت قدم ہوتے ہیں 331
- حکومت و قیادت کی جس میں صلاحیت ہوتی ہے وہی اس کا اہل ہوتا ہے' اگرچہ مال و دولت اور جاہ و حشم سے محروم ہو 331
- صلاحیت کے لیے اصلی چیز علم اور جسم کی قوت ہے' یعنی دماغی اور جسمانی استعداد 331
- جو شخص سردار مقرر ہو جائے' جماعت کو چاہیے' سچے دل سے اس کی اطاعت کرے۔ اگر ایک جماعت میں اطاعت نہیں ہے' تو وہ کبھی زندگی کی کشاکش میں کامیاب نہیں ہو سکتی 331

- طالوت کا پانی سے روک کر صبر و ثبات اور اطاعت و انقیاد کا امتحان لینا، جو لوگ ایک گھڑی کی پیاس ضبط نہیں کر سکتے' وہ میدانِ جنگ کی محنتیں کیونکر برداشت کر سکیں گے 332
- کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں، اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں۔ فتح و شکست کا دار و مدار جسموں کی کثرت و قلت پر نہیں ہے، دلوں کی قوت پر ہے 332
- اللہ کی مدد انہی کو ملتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں 332
- سچی دعا وہ ہے جو استعدادِ عمل کے ساتھ ہو 332
- اگر جماعتوں اور قوموں میں باہمی کش مکش اور مدافعت نہ ہوتی' تو دنیا ظلم و فساد سے بھر جاتی۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ ایک گروہ کا ظلم' دوسرے گروہ کی مقاومت سے دفع ہوتا رہتا ہے 333
- خدا نے مختلف عہدوں میں یکے بعد دیگرے پیغمبر مبعوث کیے انہوں نے لوگوں کو تفرقہ و فساد کی جگہ حق پرستی و یگانگت کی تعلیم دی۔ اگر لوگ اس تعلیم پر قائم رہتے' تو کبھی باہمی جنگ و جدال میں مبتلا نہ ہوتے' لیکن انہوں نے گروہ بندیاں کر کے الگ الگ جتھے بنا لیے اور باہمی جنگ کا وہ بیج بو دیا جو ہمیشہ پھل لاتا رہتا ہے 333
- اگر خدا چاہتا تو انسان کی طبیعت ایسی بنا دیتا کہ اس میں نزاع و خلاف کی استعداد ہی نہ ہوتی' لیکن اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو مجبور و مضطر نہ بنائے' ہر راہ میں چلنے کی قدرت دے دے 334
- جب جنگ ناگزیر ہے' تو اس سے غفلت نہ کرو' اور بڑی تیاری یہ ہے کہ اس کے لیے اپنا مال خرچ کرو 334
- ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ آخرت کی نجات کا تمام تر دار و مدار ایمان و عمل پر ہے۔ وہاں نہ تو نجات کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے' نہ کسی کی دوستی آشنائی کام دے سکتی ہے' نہ کسی کی سفارش سے کام نکالا جا سکتا ہے 334
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ دین و اعتقاد کے معاملہ میں جبر و اکراہ جائز نہیں۔ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور وہ دعوت و موعظت سے پیدا ہو سکتا ہے' نہ کہ جبر سے 335
- جہاد کے ذکر کے ساتھ یہ ذکر اس لیے کیا گیا' تا کہ واضح ہو جائے' جنگ کی اجازت ظلم و تشدد کے انسداد کے لیے دی گئی ہے' نہ کہ دین کی اشاعت کے لیے۔ دین کی اشاعت کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ دعوت ہے 335
- سچائی روشنی ہے۔ اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے' تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی نمایاں ہو جائے۔ اگر روشنی نمایاں ہو گئی' تو پھر روشنی کو روشن دکھانے کے لیے اور کسی بات کی ضرورت نہیں 336
- دعوت کی تاثیر و فتح مندی کی وضاحت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ۔ وہ مادی ساز و سامان سے یک قلم محروم تھے' اور وقت کا سرکش بادشاہ ہر طرح کی طاقتوں سے مسلح تھا۔ لیکن تن تنہا دعوت کا حربہ لے کر کھڑے ہو گئے اور فتح مند ہو گئے 336
- ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ دعوت کی راہ تلقین و ہدایت کی راہ ہے۔ جدل و خصومت کی راہ نہیں ہے 336
- بنی اسرائیل کے ایام و وقائع میں سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کہ وقت کے تین شہنشاہوں کے دل بنی اسرائیل کی دعوت سے مسخر ہو گئے اور ان کے مردہ شہر' مردہ ہیکل اور مردہ جماعت کی دوبارہ زندگی کا سامان ہو گیا 337
- دعوتِ حق سے مردہ روحوں کا زندہ ہو جانا اور متوحش و گمراہ افراد کا تربیت یافتہ جماعت بن جانا اور اس بارے میں وہ بصیرت جو حضرت ابراہیم پر واضح کی گئی تھی 337
- جہاد کا بیان ختم ہو گیا۔ اب یہاں احکام کا سلسلہ ایک دوسرے حکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے 338

- گزشتہ بیانات میں جس قدر احکام دیے گئے ہیں' ان سب کی سچی تعمیل جبھی ہو سکتی ہے کہ نیکی کے لیے مال خرچ کرنے کی پوری استعداد پیدا ہو جائے۔ اس لیے بیان احکام کے بعد' اب خصوصیت کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے مواعظ پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ گویا تمام پچھلے بیانات کے لیے ایک متمم بیان ہے 339
- نیکی کے لیے خرچ کرنا' اللہ کے لیے خرچ کرنا ہے۔ اب دیکھو' کائنات خلقت میں خدا کا قانونِ مکافات کیا ہے؟ تو یہ بات ہر انسان دیکھ رہا ہے' کہ اگر غلہ کا ایک دانہ زمین کے حوالے کر دیا جائے' تو وہ ایک کے بدلے پورا درخت واپس کر دیتی ہے! 340
- البتہ کامیابی کی شرط یہ ہے کہ دانہ خراب نہ ہو اور زمین میں ڈالا جائے پتھر کی چٹان پر نہ پھینک دیا جائے 340
- دکھاوے کی خیرات بھی اکارت جاتی ہے اور جو شخص نیکی' نیکی کے لیے نہیں' نام و نمود کے لیے کرتا ہے' وہ خدا پر سچا ایمان نہیں رکھتا 340
- خیرات کی حقیقت واضح کرنے کے لیے کاشتکاری کی دو مثالیں 340
- عالم مادی اور عالم معنوی' دونوں کے احکام و قوانین یکساں ہیں۔ جو بوؤ گے اور جس طرح بوؤ گے ویسا ہی اور اسی طرح پھل بھی پاؤ گے 340
- دکھاوے کی نیکیوں کا رائگاں جانا اور اس کی ایک مثال 340
- نکمی چیز خیرات کے نام سے محتاجوں کو نہ دو۔ اگر تمہیں کوئی ایسی چیز دے' تو تم لینا پسند کرو گے؟ 340
- انسان میں ویسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ اچھائی اور برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے' ان باتوں میں سے ہے جنہیں قرآن حکمت سے تعبیر کرتا ہے 341
- دکھاوے کی خیرات سے روکا گیا ہے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک چوری چھپے خیرات نہ کر سکو' خیرات کرو ہی نہیں مطلب یہ ہے کہ دل میں اخلاص ہونا چاہیے 341
- خیرات کرنا ادائے فرض ہے اور خود اپنے کو فائدہ پہنچانا ہے۔ ایسا نہ سمجھو کہ دوسروں پر احسان کر رہے ہو 342
- خیرات کا ایک بڑا مصرف ان لوگوں کی اعانت ہے جو دین و ملت کی خدمت کے لیے وقف ہو گئے ہوں۔ صورت ان کی بے نیازوں کی ہوتی ہے' مگر حالت حاجت مندوں کی 342
- بھیک مانگنے والوں کو سب دیتے ہیں' لیکن خوددار حاجت مندوں کو کوئی نہیں پوچھتا 342
- دینے والوں کو چاہیے' ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیں۔ حاجت مندوں کو چاہیے' سوال کر کے اپنی خودداری و عفت تاراج نہ کریں 342
- سود کی حرمت 343
- نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشو و نما نہیں پا سکتی تھی' اگر خیرات کے حکم کے ساتھ سود لینے کی ممانعت بھی نہ کر دی جاتی جو ٹھیک اس کی ضد ہے 343
- دین حق کا مقصد یہ ہے کہ خیرات کا جذبہ بڑھائے' سود کو مٹائے۔ اگر خیرات کا جذبہ پوری طرح ترقی کر جائے تو سوسائٹی کا کوئی فرد محتاج نہ رہے ....
- لین دین کے احکام۔ چونکہ سود کے ذکر سے لین دین کا معاملہ چھڑ گیا تھا' اس لیے اس کے ضروری احکام بھی بیان کر دیے گئے اور ان مفاسد کی اصلاح کر دی جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے 344
- لین دین کی درستگی کے آٹھ بنیادی اصول 344
- رہن یعنی گرو رکھ کر قرض لینا 346
- سورت کا اختتام اور دین حق کے عقائد و اعمال کا خلاصہ۔ سورت کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی تھی اختتام بھی اسی پر ہوا 346

سورۂ آل عمران

- اللہ ''الحی'' اور ''القیوم'' ہے۔حی وقیوم ہونے کا مقتضیٰ یہ تھا کہ انسان کی زندگی وقیام کی تمام احتیاجات مہیا کردے۔احتیاجات دو طرح کی ہیں: جسمانی اور روحانی.......... 353
- روحانی احتیاجات کے لیے دو چیزیں دی گئیں: الکتاب اور الفرقان.......... 353
- سنت الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ کفر وسرکشی کے ساتھ الکتاب کا مقابلہ کرتے ہیں اور فرقان یعنی جوہر عقل وتمیز سے کام نہیں لیتے' ان کے لیے دنیا میں بھی نامرادی ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب!.......... 353
- اس اصل عظیم کا بیان کہ الکتاب یعنی قرآن کے مطالب کی دو قسمیں ہیں: محکمات اور متشابہات۔محکمات اصل وبنیاد ہیں۔اس لیے عقل انسانی کے لیے صاف صاف اور کھلے احکام ہیں۔متشابہات کا تعلق ان حقائق سے ہے جو ماورائے عقل انسانی ہیں اور انسان اپنے حواس وادراک سے ان کی حقیقت معلوم نہیں کرسکتا.......... 354
- جن لوگوں کی سمجھ میں کجی ہے' وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ان کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔لیکن جو لوگ سمجھ کے سیدھے اور علم میں پکے ہیں' وہ ان میں کاوش نہیں کرتے۔وہ کہتے ہیں' جو کچھ کلام الٰہی میں ہے' ہمارا اس پر ایمان ہے.......... 354
- جن لوگوں نے الکتاب کا معاندانہ مقابلہ کیا ہے' وہ وہی چال چل رہے ہیں جو حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں آل فرعون نے اختیار کی تھی' اور قریب ہے کہ انہیں بھی وہی پیش آئے جو آل فرعون کو پیش آیا تھا.......... 355
- جنگ بدر کا نتیجہ اس معاملہ کی ابتدا تھا' تاہم فیصلہ کن تھا.......... 355
- پیروانِ دعوت کو موعظت کہ اپنی موجودہ بے سروسامانی سے برداشتہ خاطر نہ ہوں.......... 356
- ضمناً اس حقیقت کا اظہار کہ خدا نے انسان کی طبیعت وحالت ایسی ہی بنائی ہے کہ اہل وعیال اور مال ومتاع کی فراوانی میں بڑی دل بستگی محسوس کرتا ہے.......... 356
- متقی انسانوں کے خصائل.......... 356
- دین الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کی اطاعت کی جائے۔خدا کا ٹھہرایا ہوا قانون کیا ہے؟ میزان عدل کا قیام ہے جس پر تمام کارخانہ خلقت چل رہا ہے.......... 357
- اس حقیقت کی معرفت یوں حاصل ہوسکتی ہے کہ کائنات ہستی کی شہادت پر غور کرو.......... 357
- شہادتیں تین ہیں: اللہ کی' ملائکہ کی' اصحاب علم کی۔یہ تینوں شہادتیں اعلان کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' اور اس نے تمام کارخانہ ہستی قانون عدل پر استوار کیا ہے.......... 357
- ''الدین'' یعنی انسان کے لیے قانونِ اعتقاد وعمل یہی ہے' اور اسی کا نام ''الاسلام'' ہے.......... 357
- پیروانِ مذاہب کا تفرقہ واختلاف اس لیے نہیں ہوا کہ دین مختلف تھے۔کیونکہ اوّل دن سے دین یہی ایک ہے۔تفرقہ واختلاف اس لیے ہوا کہ ضد اور تعصب میں آکر لوگوں نے الگ الگ گروہ بندیاں کرلیں اور اصل دین سے پھر گئے.......... 357
- یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب سے اتمام حجت۔اصل دین خدا پرستی ہے۔ساری باتیں چھوڑ دو۔یہ بتلاؤ' تمہیں خدا پرستی سے اقرار ہے یا انکار؟ اگر اقرار ہے تو سارا جھگڑا ختم ہوگیا۔کیونکہ اسلام کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے.......... 357
- یہودیوں کی قومی گمراہیوں اور شقاوتوں کی طرف اشارہ۔جو لوگ حق وعدالت کے داعیوں کو قتل کرتے رہے ان سے قبولیت حق کی کیا امید ہوسکتی

ہے؟ 358
علمائے یہود کی یہ گمراہی کہ جس تورات کو شب و روز بغل میں لیے پھرتے تھے جب اسی تورات پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو صاف انکار کر گئے 358
مذہبی گروہ بندی کے غرور نے ان میں یہ زعم فاسد پیدا کر دیا ہے کہ ہم نجات یافتہ اُمت ہیں۔ ہمارا عمل کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے 358
وقت آ گیا ہے کہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے جسے اٹھنا ہے اٹھ کھڑا ہو۔ جسے گرنا ہے گرا دیا جائے! 359
پیروانِ دعوت سے خطاب کہ سرگرم عمل ہو جائیں اور راہ کی ٹھوکروں سے محفوظ رہیں 359
اپنے ذاتی رشتوں کو جماعت کے رشتے پر ترجیح نہ دیں اور محاربین ملت کو اپنا مددگار و رفیق نہ بنائیں 359
جو کوئی خدا سے محبت کا مدعی ہے، اسے چاہیے خدا کے رسول کی پیروی کرے 360
خدا کا قانون یہ ہے کہ ہدایت خلق کے لیے پیغمبروں کو مبعوث کرتا ہے۔ جو ان کی پیروی کرتے ہیں کامیاب ہوتے ہیں۔ جو سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں ناکام رہتے ہیں 360
اسی قانون کے ماتحت خدا نے آدم نوح آل ابراہیم اور آل عمران (علیہم السلام) کو برگزیدگی عطا فرمائی 360
حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت سے استشہاد اور حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا ذکر 360
حضرت مریم کا بچپنے میں ہیکل کے سپرد ہونا اور زاہدانہ توکل 361
حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کہ ظہور مسیح کا مقدمہ تھی 361
حضرت مریم علیہا السلام کا بلوغ اور برگزیدگی 362
حضرت مریم علیہا السلام کے سوانح حیات کی بعض جزئیات جن کا علم پیغمبر اسلام کو بغیر وحی کے نہیں ہو سکتا تھا 362
حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت 362
حضرت مسیح کا ظہور اور ان کی منادی 363
تمام رسولوں کی طرح حضرت مسیح بھی پچھلی صداقتوں کو جھٹلانے نہیں بلکہ از سر نو قائم کرنے کے لیے آئے تھے 363
یہودیوں کے سرداروں کا مخالفت میں سرگرم ہونا اور صرف حواریوں کا ایمان لانا 363
یہودیوں کی حضرت مسیح کے خلاف مخفی سازش مگر خدا کا انہیں ناکام کرنا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی حفاظت میں لے لینا 364
حضرت مسیح کی نسبت خدا کا وعدہ کہ میں تیرا وقت پورا کروں گا تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا منکروں کی افترا پردازیوں سے تیری پاکی آشکارا کر دوں گا اور تیرے ماننے والوں کو تیرے منکروں پر ہمیشہ برتر رکھوں گا! 364
عیسائیوں کی گمراہی کہ الوہیت مسیح کا اعتقادِ باطل پیدا کر لیا 365
ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگرچہ مسیحی کلیسا نے صدیوں سے یہ اعتقاد قائم کر رکھا ہے لیکن قرآن کی دعوت اس کے برخلاف کامیاب ہوئی 365
عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت 365
رفع نزاع اور اتمام حجت کی دوسری دعوت: آؤ اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دیں ان بنیادی صداقتوں پر متحد ہو جائیں جو تمہارے یہاں بھی مسلم ہیں یعنی خدا کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ جو کچھ اس کے لیے ہے اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ کوئی انسان دوسرے انسان کو ایسا مقدس اور معصوم نہ بنا لے گویا اسے خدا بنا لیا ہے 366

- توحید و خدا پرستی کا یہی طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا۔ یہودیت یا نصرانیت کی گروہ بندی اور اس کی گمراہیاں نہ تھیں۔ اگر یہود اور نصاریٰ اس بارے میں حجت کرتے ہیں' تو یہ جہل و تعصب کی انتہا ہے 366
- اہل کتاب کی مذہبی زندگی کی شقاوتیں 367
- اہل کتاب کی بنیادی گمراہی کہ انہوں نے دین و صداقت کو صرف اپنی نسل اور گروہ بندی کا ورثہ سمجھ لیا ہے اور کہتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص ہم میں سے نہ ہو' اور دین کی صداقت رکھتا ہو 367
- اہل کتاب کی یہ گمراہی کہ سمجھتے ہیں' غیر مذہب والوں کے ساتھ دیانت داری اور معاملہ کی سچائی ضروری نہیں 368
- اصل یہ ہے کہ ان کے علماء اور مشائخ کی گمراہیوں اور بدعملیوں نے تمام قوم کو ہدایت کی روح سے محروم کر دیا ہے۔ ان میں عالموں اور فقیہوں کا ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے' لیکن ہوائے نفس سے اس کے مطالب میں تحریف کر دیتا ہے 369
- ان کے علماء اور مشائخ ہدایت کرنے کی جگہ خدائی کرنے لگے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں' نیک و بد' حلال و حرام' اور دوزخ و جنت کا سارا اختیار انہی کے ہاتھ میں ہے 369
- کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ خدا کے احکام کی جگہ انسان کی رائے و قیاس کے گھڑے ہوئے حکموں کی اطاعت کرے۔ ایسا کرنا خدا کو چھوڑ کر بندوں کی بندگی کرنا ہے 369
- اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ تمام پیغمبر ایک ہی دین کے داعی اور ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار' پورے سلسلہ ہدایت کا انکار ہے 370
- کیا تم چاہتے ہو' اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر' کوئی اور دین ڈھونڈ ھ نکالو؟ لیکن اس دنیا میں تو کوئی دوسرا دین ہو نہیں سکتا کیونکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے' اللہ کے قانون کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اس کے قانون کے دائرہ اطاعت سے باہر نہیں جا سکتا 370
- یہی ایک دین' نوع انسانی کی ہدایت کی عالمگیر راہ ہے' لیکن لوگوں نے الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں اور ایک دوسرے کو جھٹلانے لگے۔ قرآن اس لیے آیا ہے کہ اس گمراہی سے انسان کو نجات دلائے۔ پس وہ تمام رہنمایان عالم کی یکساں طور پر تصدیق کرتا ہے' اور کہتا ہے اس عالمگیر سچائی کے سوا' جو الاسلام ہے' دین کی کوئی راہ خدا کے نزدیک مقبول نہیں 370
- جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہدایت کی راہ پا کر پھر اس سے منحرف ہو گئے اور سچائی کی کوئی روشنی ان کی بصیرت کے لیے سودمند نہ ہوئی اور آج بھی دعوت حق کا معاندانہ مقابلہ کر رہے ہیں' تو خدا کا قانون یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر فلاح و سعادت کی راہ کبھی نہیں کھل سکتی 371
- جزائے عمل' عمل کا قدرتی نتیجہ ہے۔ پس نہ سمجھو کہ آخرت کی سزائیں بھی دنیا کی سزاؤں کی طرح ہیں کہ ایک مجرم چاہے تو مال و دولت خرچ کر کے اپنے کو بچا لے سکتا ہے خدا کی عدالت میں کوئی فدیہ اور معاوضہ قبول نہیں ہو سکتا 371
- صرف توبہ و انابت ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام گناہوں کو محو کر دیتی ہے 371
- مال و دولت گناہ کے فدیہ میں مقبول نہیں' لیکن مال و دولت کا خدا کی راہ میں خرچ کرنا نیکی کی سب سے بڑی شرط ہے 371
- علمائے یہود کے دو اعتراض اور ان کا جواب 372
- اگر قرآن کی دعوت بھی وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی دعوت تھی' تو کیوں قرآن نے بھی کھانے کی وہ تمام چیزیں حرام نہیں کر دیں جو یہودیوں کے یہاں حرام ہیں؟ 372
- بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کیوں قبلہ قرار دیا گیا؟ 372
- پہلے اعتراض کا جواب کہ کھانے کی تمام اچھی چیزیں جنہیں قرآن حلال ٹھہراتا ہے' بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں' اور جن چیزوں کو وہ حرام

سمجھتے ہیں' وہ تورات میں حرام نہیں ٹھہرائی گئی ہیں' بلکہ نزول تورات سے پہلے خود بنی اسرائیل نے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لی تھیں 372
- دوسرے اعتراض کا جواب کہ خانہ کعبہ پہلا گھر ہے جو انسان کے لیے خدا پرستی کا معبد ٹھہرایا گیا اور یروشلم کے ہیکل کی تعمیر سے بہت پہلے' حج و عبادت کا مرکز ہو چکا تھا 373
- پیروانِ دعوت سے خطاب موعظت اور قیام رشد و ہدایت کے بعض اصول و مہمات 373
- یہود اور نصاریٰ کی گمراہانہ باتوں کی پیروی سے بچو 374
- ایمان کی برکتوں کے حصول کے لیے شرطِ راہِ استقامت ہے 374
- جماعت کے تفرقے سے بچو 374
- تم میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو داعی الی الخیر ہو، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سرگرم رہے 374
- جماعت کے تفرقے کی طرح دین کا اختلاف بھی مہلک ہے۔ پس اہل کتاب کی طرح فرقہ بندیوں میں مبتلا نہ ہو جانا 374
- تم تمام امتوں میں ''بہتر امت'' ہو اور اس لیے ظہور میں آئے ہو کہ انسانوں کو نیک بناؤ 375
- قرآن نے مسلمانوں کا جماعتی نصب العین یہ نہیں قرار دیا کہ سب سے برتر اور طاقتور ہوں' بلکہ کہا سب سے بہتر ہوں۔ انسان کے کسی گروہ کے لیے اس سے اعلیٰ نصب العین نہیں ہو سکتا 375
- اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ یہود اور نصاریٰ کے جو گروہ نزول قرآن کے وقت اس کی معاندانہ مخالفت میں سرگرم تھے' وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے 376
- یہودیوں کی قومی محرومی کی طرف اشارہ کہ حکومت و کامرانی سے محروم ہو چکے ہیں' اور جہاں کہیں بھی انہیں امن ملا ہے' محکومیت کی ذلت کا امن ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ قومی محکومیت کو قرآن کس نظر سے دیکھتا ہے؟ 376
- یہ بات نہیں ہے کہ تمام یہودیوں اور نصاریٰ کا حال یکساں ہو۔ بلاشبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایمان و عمل کی راہ میں استوار ہیں' لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں' غالب تعداد انہی کی ہے جنہوں نے سچائی کھو دی ہے 376
- اہل کتاب میں جو لوگ ایمان و عمل کی سچائی رکھتے ہیں' وہ ضرور اپنا اجر پائیں گے 377
- قریش مکہ کی طرح اہل کتاب بھی دعوت قرآن کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے انہیں ہمراز و رفیق نہ بناؤ 377
- اگر تمہارے اندر صبر اور تقویٰ پیدا ہو گیا' تو پھر کوئی مخالف گروہ تم پر فتح مند نہیں ہو سکتا 377
- جنگ بدر اور احد کے تجارب سے استشہاد 378
- بدر میں دونوں باتیں موجود تھیں' اس لیے فتح مند ہوئے' احد کے موقع پر دونوں میں کمزوری دکھائی' اس لیے ناکام رہے 378
- احد میں ابتدا ہی سے صبر اور تقویٰ کی روح کمزور پڑ گئی تھی 378
- ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ہادی و مصلح کو لوگوں کی ہدایت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے 379
- مال و دولت کی حرص و پرستش کے ساتھ جانفروشی کی روح نہیں پیدا ہو سکتی۔ اسی لیے خصوصیت کے ساتھ سود کی حرمت اور انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا گیا 380
- اصحاب تقویٰ کے چار خصائل 380
- دنیا میں نکلو اور زمین کی سیر کرو' تم دیکھو گے کہ گزشتہ اقوام کے ساتھ بھی قانونِ الٰہی کی ایسی ہی سنت رہ چکی ہے! 381
- اگر ایک حادثہ پیش آ جائے' تو آئندہ کے لیے عبرت پکڑنی چاہیے' لیکن عبرت پذیری کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے رنج و ندامت میں بالکل

کھوئے جاؤ' اور ہمت ہار بیٹھو 381
❀ احد کے حادثہ میں چند در چند مصلحتیں پوشیدہ تھیں 381
❀ شرط کامیابی عمل وثبات ہے، نہ کہ محض زبانی اقرار 382
❀ بنائے کار اصول وعقائد ہیں' نہ کہ شخصیت اور افراد۔ سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے۔ یہ بات نہیں کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی ہوگئی ہو! 382
❀ مومن وہ ہے جس میں وہن' ضعف اور استکانة للخصم نہ ہو 383
❀ اعدائے حق تمہیں دشمنوں کی کثرت وطاقت کے افسانے سنا کر مرعوب کرنا چاہتے ہیں 384
❀ اگر ایک جماعت مومن باللہ ہے' تو ضروری ہے کہ اس کی ہیبت غیر مومن دلوں پر چھا جائے! 384
❀ منافق تمہیں احد کا حادثہ یاد دلا کر ڈرا رہے ہیں۔ حالانکہ بدر کی طرح احد میں بھی خدا نے اپنا وعدہ نصرت پورا کر دیا تھا 385
❀ احد میں مسلمانوں کی پریشانی اور ابتری' پھر اچانک تائید الٰہی سے دل جمعی وعزم کا پیدا ہو جانا اور ایسا محسوس ہونا' گویا سوتے سے جاگ اٹھے! 386
❀ جس طرح بدر کی فتح مندی سے مسلمانوں کی تربیت مدنظر تھی اسی طرح احد کی عارضی ناکامیابی میں بھی تربیت کا پہلو پوشیدہ تھا 386
❀ بدر کی فتح نے مسلمانوں کو سعی وتدبیر کی طرف سے بے پروا کر دیا تھا۔ احد کے تجربے نے بتلا دیا کہ خدا کے تمام کاموں کی طرح اس کی تائید و نصرت کے بھی قوانین ہیں۔ جو جماعت کمزوری وغفلت میں پڑ جائے گی' صبر وثبات میں پوری نہیں اترے گی' اطاعت ونظام میں کچی ہوگی' وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی! 386
❀ سچا مومن' موت سے نہیں ڈرتا' لیکن جن میں ایمان نہیں' وہ کہتے ہیں' اگر فلاں آدمی جنگ میں شریک نہ ہوتا تو کاہے کو مرتا 387
❀ پیغمبر اسلام سے خطاب اور منصب امامت کی بعض اصولی مہمات۔ امام کے لیے ضروری ہے کہ جماعت سے مشورہ کرے' لیکن ساتھ ہی ضروری ہے کہ صاحب عزم ہو 388
❀ مسلمانوں سے خطاب کہ پیغمبر ادائے فرضِ امامت میں کبھی خیانت نہیں کر سکتا 388
❀ سچے انسان کی زندگی جھوٹے سے اس درجہ مختلف ہوتی ہے کہ ممکن نہیں' اس میں دھوکا ہو سکے 390
❀ جنگ احد کی آزمائش نے منافقوں کے چہروں سے نقاب الٹ دی۔ بعض واقعات کی طرف اشارہ جن سے منافقوں کی نفسیاتی حالت پر روشنی پڑتی ہے 389
❀ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی' دونوں کو مہلت ملتی ہے' پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ آخر کی کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے؟ 391
❀ وقت آ گیا ہے کہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے 392
❀ منافقوں پر راہِ حق میں مال خرچ کرنا شاق گزرتا تھا۔ فرمایا' جو لوگ بخل کرتے ہیں' ان کی دولت ان کے لیے وسیلہ عذاب ہوگی 393
❀ اب پھر وہی بیان شروع ہو جاتا ہے' جو اس سے پہلے تھا یعنی اہل کتاب سے خطاب اور دعوت حق کی فتح مندی کا اعلان 393
❀ علمائے یہود کا یہ قول کہ ہمیں اُس نبی کے ماننے کا حکم دیا گیا ہے جو سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ آئے اور اس کا جواب 393
❀ پیروانِ دعوت سے خطاب کہ اس راہ میں جان ومال کی آزمائشوں سے گزرنا ناگزیر ہے۔ نیز ضروری ہے کہ دشمنوں کے ہاتھوں اذیت برداشت کرو۔ لیکن اگر سررشتہ صبر وتقویٰ ہاتھ سے نہ چھوٹا' تو بالآخر کامیابی تمہارے ہی لیے ہے؟ 394
❀ حق کی معرفت واستقامت کا سرچشمہ ذکر اور فکر ہے۔ ذکر سے غفلت دور ہوگی۔ فکر سے معرفت حقیقت کے دروازے کھل جائیں گے ... 395

❁ اللہ کا قانون ہے کہ وہ کسی انسان کا عمل حق ضائع نہیں کرتا پس جو لوگ راہ حق میں مصائب برداشت کر رہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال کے ثمرات عنقریب حاصل ہوں گے 396

❁ سورت کی ابتدا جس بیان سے ہوئی تھی' اسی پر اختتام اور تین بصیرتیں جو گویا سورت کے بیانات کا خلاصہ ہیں........ 397

سورۃ النساء

❁ خدا نے افرادِ انسانی کے باہمی اجتماع و اتحاد کے لیے صلہ رحمی یعنی نسلی قرابت کا رشتہ پیدا کر دیا ہے اور سوسائٹی کا نظام اسی پر قائم ہے۔ اگر اس رشتہ کے موثرات نہ ہوتے' تو انسان کی زندگی میں انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا نہ ہوتی 399

❁ پس صلہ رحمی کے حقوق' خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یتیموں کے حقوق پر زور دیا گیا 399

❁ یتیم کا سرپرست' یتیم کا مال الگ رکھے 399

❁ یتیم لڑکی کے سرپرست کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ محض اس کی دولت پر قابض ہو جانے کے لیے اس سے نکاح کر لے 400

❁ ضمناً نکاح کا حکم کہ بہ یک وقت چار بیویاں تک رکھ سکتے ہو' بشرطیکہ عدل کر سکو 400

❁ جب تک یتیم بچے عاقل و بالغ نہ ہو جائیں' مال ان کے حوالے نہ کرو 400

❁ اس ڈر سے کہ اولاد بڑی ہو کر قابض ہو جائے گی یا یتیم بالغ ہو کر مطالبہ کریں گے' مال و دولت کو فضول خرچی میں اڑا دینا بڑی معصیت ہے 400

❁ سرپرست اگر محتاج ہو تو بقدر احتیاج یتیم کے مال میں سے لے سکتا ہے 400

❁ حقدار کو اس کی امانت دو تو اس پر گواہ کر لو 400

❁ حقدار ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت' دونوں برابر ہیں 401

❁ تقسیم ورثہ کے وقت خاندان کے یتیموں مسکینوں اور دور کے رشتہ داروں کے ساتھ بھی کچھ سلوک کر دینا چاہیے 401

❁ ترکہ کی تقسیم۔ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملنا چاہیے 402

❁ میت کی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے' اسے وارثوں میں تقسیم کیا جائے 402

❁ وصیت اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ حقداروں کو نقصان پہنچایا جائے 402

❁ کلالہ کی میراث کا حکم 403

❁ بدچلن عورتوں اور مردوں کی تعزیر 404

❁ سچی توبہ اسی کی توبہ ہے جو گناہ پر مصر نہ ہو 404

❁ عورتوں کے حقوق کا تحفظ اور ان ناانصافیوں کا انسداد جو ظہور اسلام سے پہلے پھیلی ہوئی تھیں 404

❁ عرب جاہلیت کی یہ رسم کہ میت کے مال کی طرح اس کی بیویاں بھی وارثوں کے قبضہ میں چلی جاتی تھیں اور قرآن کا انکار 405

❁ بیوی کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے اس پر بے جا دباؤ نہ ڈالو 405

❁ عورتوں کے ساتھ تمہاری معاشرت نیکی اور انصاف پر مبنی ہونی چاہیے 405

❁ اگر کسی وجہ سے بیوی پسند نہ آئے' تو ایسا نہ کرو کہ فوراً اسے چھوڑ کر دوسری کر لو 405

❁ اگر تم نے بیوی کو چاندی سونے کا ایک ڈھیر بھی دے دیا ہے جب بھی طلاق دیتے ہوئے واپس نہیں لے سکتے 405

❁ جن رشتوں میں نکاح جائز نہیں' ان کا بیان 405

- غلامی کی رسم تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ قرآن نے صرف اسیران جنگ میں محدود کر دی' اور اس کا بھی عملاً کم سے کم امکان باقی رکھا۔ ساتھ ہی غلاموں کے حقوق پر اس قدر زور دیا کہ سوسائٹی کا ایک معزز عنصر بن گئے 407
- اسی سلسلہ میں فرمایا' لونڈیوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو۔ بہ حیثیت انسان کے تمام انسان ہم رتبہ ہیں 408
- ازدواجی و معاشرتی زندگی کے ان تمام احکام سے مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچو اور فلاح و سعادت کی راہوں پر گامزن ہو 408
- معاشرتی زندگی کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ الا یہ کہ مشترک تجارت ہو 408
- اگر بڑے بڑے گناہوں سے بچو' تو چھوٹی چھوٹی لغزشیں تمہاری سعادت و فلاح میں مخل نہیں ہوں گی 409
- خدا نے انسان کو مرد و عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا ہے اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی رکھتی ہیں۔ کارخانہ معیشت کے لیے جس طرح مرد کی ضرورت تھی' اسی طرح عورت کی بھی تھی۔ البتہ مردوں کو یہ مزیت حاصل ہے کہ عورتوں کے لیے کارفرما ہیں 409
- عورتیں اس خیال سے دل گیر نہ ہوں کہ مرد نہ ہوئیں۔ عورتوں کے لیے بھی عمل و فضیلت کی تمام راہیں کھلی ہوئی ہیں 410
- نیک عورتوں کے خصائل 410
- اگر بیوی کی طرف سے سرکشی ہو' تو فوراً دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ یکے بعد دیگرے فہمائش کرنی چاہیے۔ اگر تفرقہ کا اندیشہ ہو' تو چاہیے کہ خاندان کی پنچایت بٹھائی جائے۔ ایک پنچ شوہر کی طرف سے، ایک بیوی کی طرف سے۔ دونوں اصلاح کی کوشش کریں 410
- عموم شفقت و احسان' اور ادائے حقوق و واجبات کا حکم 411
- بخل نہ کرو۔ نیکی کے لیے خرچ کرو۔ خدا اترانے والوں اور بخیلوں کو دوست نہیں رکھتا 411
- خدا کی پسندیدگی انہیں بھی نہیں مل سکتی جو دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں 411
- نماز' طہارت اور تیمّم کے احکام 413
- مقصود یہ ہے کہ ازدواجی زندگی کی اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے' اگر عبادت الٰہی کی روح سے محروم ہو 413
- نشہ کی حالت میں نماز کا قصد نہ کرو۔ (شراب کی حرمت کا حکم بہ تدریج ہوا ہے۔ پہلا حکم سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۶ میں ہے۔ دوسرا یہ ہے۔ آخری حکم جس نے قطعی حرمت کا اعلان کیا' مائدہ کی آیت ۹۲ ہے 413
- سلسلہ بیان اہل کتاب کی طرف پھرتا ہے۔ مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح احکام الٰہی سے تم مخاطب ہوئے ہو' اہل کتاب بھی ہوئے تھے' لیکن ہدایت سے منحرف ہو گئے پس ضروری ہے کہ ان کی گمراہیوں سے اپنی حفاظت کرو 413
- یہود مدینہ کی یہ شقاوت کہ ذو معنی اور مشتبہ الفاظ کہہ کر دل کا بخار نکالتے 413
- اہل کتاب کی یہ گمراہی کہ اپنے پیشواؤں اور فقیہوں کو ایسا مقدس اور بااختیار سمجھ رکھا ہے' گویا خدا کی خدائی میں شریک ہیں 413
- سارے گناہ بغیر توبہ کے بھی بخش دیے جا سکتے ہیں۔ لیکن شرک نہیں بخشا جائے گا 414
- یہودیوں کا غرور باطل کہ اپنی مذہبی گروہ بندی کی بڑائیوں اور پاکیوں کی ڈینگیں مارتے ہیں 414
- گروہ پرستی کے بعد حق و باطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا 415
- یہود مدینہ مسلمانوں کی ضد میں آ کر' مشرکین عرب کو ان پر ترجیح دیتے 415
- مسلمانوں سے خطاب اور قیام عدل' ادائے امانت اور رفع نزاع کے مہمات 416
- اصل یہ ہے کہ جو شخص جس بات کا حق دار ہو' اس کا اعتراف کرو' اور جو چیز جسے ملنی چاہیے' وہ اسی کے حوالے کرو 416
- جب دو فریقوں میں فیصلہ کرو' تو حق و انصاف کے ساتھ کرو 416

- اصل دین یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو' رسول کی اطاعت کرو' اور تم میں سے جو صاحب حکم و اختیار ہو' اس کی اطاعت کرو 415
- اگر نزاع و اختلاف ہو' تو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے 417
- منافق اپنے جھگڑے چکانے کے لیے مخالفین اسلام کے آگے پیش کرتے تھے۔ فرمایا' جو شخص اللہ کے رسول کے حکم اور فیصلہ پر مطمئن نہیں' وہ مومن نہیں 417
- جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی' تو وہ انعام یافتہ جماعتوں کا ساتھی ہوا۔ انعام یافتہ جماعتیں چار ہیں: انبیاء' صدیقین' شہداء' صالحین 419
- منافقوں کی یہ روش کہ جنگ سے الگ رہتے۔ پھر اگر کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو خوش ہوتے کہ ہم بچ رہے۔ اگر کامیابی ہوتی' تو حسد سے جل مرتے کہ کاش ہم نے بھی ساتھ دیا ہوتا 419
- قرآن نے جنگ کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ دوسروں پر چڑھ دوڑو' بلکہ اس لیے کہ ظلم کا مقابلہ کرو۔ اسی لیے وہ کہتا ہے مومن کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے 420
- عرب کے لوگ باہمی خونریزی میں مبتلا تھے۔ اسلام نے اس سے روکا۔ اب جب مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے دفاع میں جنگ کا حکم دیا گیا' تو منافق جی چرانے لگے 420
- مسلمانوں کو جب کبھی منافقوں کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش آ جاتا' تو منافق اس کی ذمہ داری پیغمبر اسلام پر ڈالتے۔ فرمایا' جو کچھ پیش آتا ہے' خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔ پیغمبر کا کام پیغام حق پہنچا دینا ہے۔ اگر تم عمل نہ کرو' تو نتائج کے خود ذمہ دار ہو 421
- امام و قائد کو چاہیے' لوگوں کی کج اندیشیوں سے دل گرفتہ نہ ہو' اور اللہ پر بھروسہ رکھے 422
- اللہ کا رسول اس لیے نہیں آتا کہ لوگوں سے بہ جبر اطاعت کرائے' اور ان کے اعمال کا پاسبان ہو 422
- منافق زبان سے اقرار اطاعت کرتے' مگر راتوں کو مجلسیں جما کر مخالفانہ سازشیں کرتے ....
- ضمناً اس حقیقت کا استنباط کہ قرآن ہر انسان سے مطالبہ کرتا ہے' اس کے مطالب میں غور و فکر کرے۔ پس جو شخص قرآن کو سمجھ بوجھ کے نہیں پڑھتا' وہ قرآن کا مطالبہ پورا نہیں کرتا۔ جو شخص قرآن میں تدبر کرے گا' وہ معلوم کر لے گا کہ یہ کلام الٰہی ہے 422
- جب کبھی امن و خوف کی کوئی بات سننے میں آئے' تو عوام میں نہ پھیلاؤ' اولوالامر کے آگے پیش کرو 423
- جب کبھی کوئی سلام و دعا بھیجے تو چاہیے' اس سے زیادہ اچھی بات جواب میں کہو' یا کم از کم ویسی بات اس پر لوٹا دو' جنگ کی حالت ہو یا امن کی' موافق ہو یا مخالف' لیکن حسن اخلاق و انسانیت کا مقتضا یہ ہے کہ جو کوئی تم پر سلامتی بھیجے تم بھی اسکا ویسا ہی جواب دو 423
- جب جنگ چھڑی' تو مسلمانوں میں منافقین مکہ کی نسبت اختلاف رائے ہوا۔ فرمایا' اگر وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں اور دشمنوں کے ساتھ نہ رہیں' تو انہیں مخالف نہ سمجھو ورنہ جو کوئی دشمنوں کے ساتھ رہے گا' دشمن ہی سمجھا جائے گا 424
- ایسے لوگوں سے رفاقت و مددگاری کا رشتہ نہ رکھو کہ فی الحقیقت دشمنوں کے ساتھی ہیں۔ البتہ دو طرح کے لوگ اس ممانعت میں داخل نہیں۔ اولاً جو لوگ کسی ایسے گروہ کے پاس چلے جائیں جس کے ساتھ تمہاری صلح ہے۔ ثانیاً جو لوگ ناطرفدار ہو جائیں 424
- اصل اس بارے میں یہ ہے کہ تم صرف انہی لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہو جنہوں نے تمہارے خلاف ہتھیار اٹھایا ہو۔ اگر ایک گروہ جنگ پر مصر نہیں' تو تمہارے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ اس پر ہتھیار اٹھاؤ 424
- مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ بغیر حالت جنگ کے کسی انسان کو دیدہ و دانستہ قتل کریں۔ اگر کسی کے ہاتھ سے نادانستہ یا شبہ میں قتل ہو جائے' تو مقتول کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ تینوں حالتوں کے احکام بتلائے گئے 425
- مسلمان جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دے' تو اس کے لیے آخرت کا دائمی عذاب اور خدا کی لعنت ہے 426

- خدا کے حضور تمام نیکیوں کے لیے اجر ہے' مگر تمام نیکیاں یکساں نہیں۔ جان و مال سے جہاد کرنے والوں کے درجہ کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو مجاہد نہیں ہیں 427
- پیغمبر اسلام کی ہجرت کے بعد عرب کی دو قسمیں ہو گئی تھیں 427
- دار الہجرت یعنی مدینہ اور دار الحرب یعنی مکہ۔ فرمایا' باوجود استطاعت کے جو مسلمان دار الحرب سے ہجرت نہ کریں اور دشمنانِ اسلام کا جور و ظلم ذلت کے ساتھ سہتے رہیں وہ بڑی ہی معصیت کے مرتکب ہوں گے 428
- خدا کی زمین وسیع ہے۔ اگر اپنا وطن چھوڑ کر نکلو گے تو نئی نئی اقامت گاہیں اور معیشت کے نئے نئے سامان ملیں گے 428
- سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے کا اور بہ حالت جنگ ایک خاص طریقہ پر نماز کی جماعت کا حکم جسے صلوٰۃ خوف کہتے ہیں 429
- مقاصد کی راہ میں مشقتیں مومن کو بھی پیش آتی ہیں اور کافر کو بھی' لیکن مومن کے لیے ان کا جھیلنا سہل ہوتا ہے 429
- پیغمبر اسلام سے خطاب کہ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ حق و عدل کا قیام ہو' پس ان لوگوں کی پروا نہ کرو جو چاہتے ہیں' انصاف و حقیقت کے خلاف فیصلہ حاصل کریں 429
- اس سلسلہ میں قضا و عدالت کی بعض بنیادی مہمات 430
- قاضی کے لیے جائز نہیں کہ غیر مسلم کے مقابلہ میں مسلم کی بے جا رعایت کرے 430
- مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے مسلمان مجرم کی بمقابلہ غیر مسلم' حمایت کریں۔ اس کی حمایت میں جتھا بندی کرنا اور زیادہ معصیت ہے 430
- جس شخص پر راہ ہدایت واضح ہو جائے اور پھر اس سے پھر جائے' تو اس نے شقاوت کی راہ اختیار کر لی' اور خدا کا قانون ہے کہ جو شخص جیسی راہ پسند کرتا ہے' ویسے ہی نتیجہ تک پہنچا دیا جاتا ہے 431
- مشرکین عرب کے بعض عقائد و اعمال 432
- شیطان کی بڑی وسوسہ اندازی یہ ہے کہ حقیقت و عمل سے ہٹا کر باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں میں آدمی کو مگن کر دیتا ہے 432
- یہودیوں اور عیسائیوں کا سرمایۂ دین یہی جھوٹی امیدیں ہیں۔ یہودی کہتے ہیں' ہم نجات یافتہ امت ہیں' عیسائی کہتے ہیں کفارۂ مسیح پر ایمان لانے کے بعد نجات ہی نجات ہے 433
- مسلمانو! نہ تو تمہاری آرزوؤں سے کچھ بننے والا ہے' نہ یہودیوں اور عیسائیوں کی۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ جیسا جس کا عمل ہوگا' ویسا ہی نتیجہ پائے گا 433
- قانون عمل کے ذکر نے سلسلۂ بیان پھر قرابت داروں کے حقوق کی طرف پھیر دیا ہے 434
- عرب میں دستور تھا کہ اگر یتیم لڑکی خوبصورت اور مالدار ہوتی تو سرپرست بطمع زر خود نکاح کر کے اسے نقصان پہنچاتا یا دوسرے سے نکاح کرا دیتا مگر اس شرط پر کہ مال کا ایک حصہ اسے مل جائے۔ یا پھر یتیم لڑکیوں کا نکاح ہونے ہی نہیں دیتے کہ شوہر مال کا مطالبہ کرے گا۔ قرآن نے اس ظلم سے روکا 434
- اگر بیوی شوہر کو اپنے سے پھرا ہوا پائے اور اسے خوش کرنے کے لیے اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے اور ملاپ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بیوی کے مال پر جبراً قبضہ کرنا نہیں ہے 434
- مال و دولت کی خواہش ہر انسان میں ہے' پس ایسا نہ کرو کہ مال کی وجہ سے باہم نااتفاقی ہو 434
- ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی صورت میں عدل کی شرط جو لگائی گئی ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی باتیں تمہارے اختیار میں ہیں' ان میں ہر

ایک کے ساتھ یکساں سلوک کرو اور کسی ایک ہی کی طرف بالکل جھک نہ پڑو 434
❁ بیان احکام کے بعد پھر تذکیر و موعظت کہ اصلی شے عمل و استقامت ہے 435
❁ مسلمانوں کو چاہیے "قوامون بالقسط" اور "شھداء للہ" ہوں یعنی انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے۔ اگر سچائی خود ان کی ذات کے یا ان کے ماں باپ کے خلاف ہو' جب بھی اس کے اظہار میں تامل نہ کریں 435
❁ گواہی دینے میں نہ تو کسی کی دولت کی پروا کرو، نہ کسی کی محتاجی پر ترس کھاؤ۔ جو بات کہو' صاف صاف اور بے لاگ کہو 436
❁ یہ خصائل جبھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ سچا ایمان دل میں راسخ ہو جائے 436
❁ ایمان باللہ کی تفصیل 437
❁ ایسا ایمان، ایمان نہیں جس میں استقامت نہ ہو 437
❁ منافقوں کے خصائل و اعمال: 437
❁ مومنوں کو چھوڑ کر منکرین حق کو رفیق و مددگار بناتے ہیں تاکہ عزت حاصل کریں 437
❁ منکرین حق کی مجلسوں میں شریک ہو کر خدا کی آیتیں جھٹلاتے ہیں 437
❁ الگ تھلگ رہ کر واقعات کی رفتار دیکھتے ہیں۔ جو فریق کامیاب ہوتا ہے' اس سے کہتے ہیں' ہم دل سے تمہارے ساتھ تھے 437
❁ نماز پڑھیں گے تو کاہلی کے ساتھ 438
❁ ان کا ایک قدم کفر میں ہے، ایک ایمان میں 438
❁ اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ دنیا میں اچھوں کی طرح بروں کو بھی مہلت عمل ملتی ہے۔ شریر آدمی اس مہلت سے نڈر ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے' میرے لیے کچھ ہونے والا نہیں' حالانکہ سب کچھ ہونے والا ہے' مگر اپنے مقررہ وقت پر 438
❁ عذاب و ثواب اعمال انسانی کا قدرتی نتیجہ ہے 439
❁ اگر کسی انسان میں کوئی برائی ہو تو اسے مشہور کرنا اور پکارتے پھرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی مظلوم ہو تو ظالم کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہے ... 439
❁ جو لوگ خدا کے بعض رسولوں کو مانتے ہیں' بعض کو نہیں مانتے' وہ ایمان و کفر کے درمیان تیسری راہ نکالنی چاہتے ہیں 440
❁ علمائے یہود کا یہ مطالبہ کہ اگر پیغمبر اسلام سچے ہیں' تو کیوں آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہم پر نازل نہیں ہو جاتی، اور قرآن کا جواب .. 440
❁ یہودیوں کی تاریخی شقاوتوں کی طرف اشارہ 440
❁ یہودیوں کی یہ شقاوت کہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگایا' اور کہتے ہیں' ہم نے مسیح کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا 441
❁ جب کسی گروہ میں اتباع حق کی روح باقی نہیں رہتی' تو وہ جائز و مباح باتوں کا بھی اس طرح استعمال کرتا ہے کہ طرح طرح کی برائیوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ یہودیوں پر اسی لیے بعض جائز باتیں سدا للذریعہ روک دی گئیں 442
❁ وحدت دین کی اصل عظیم اور اس حقیقت کا اعلان کہ دنیا کی کوئی قوم نہیں جس پر ہدایت الٰہی نے اتمام حجت نہ کر دی ہو اور پیغمبروں کا ظہور نہ ہوا ہو۔ قرآن میں بعض کا ذکر کیا گیا' بعض کا نہیں کیا گیا 443
❁ اہل کتاب کی ایک بڑی گمراہی دین میں غلو ہے 445
❁ دین حق براہان ہے۔ یعنی سرتاسر دلیل و بصیرت 446
❁ سورت کا اختتام بھی قرابت داروں کے حقوق کے ذکر پر ہوا۔ کلالہ کی میراث کی دو بقیہ صورتیں 446

سورۃ المائدہ

- ''مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو'' یعنی احکام الٰہی کی تعمیل واطاعت کا عہد پورا کرو! 447
- مویشی کا گوشت حلال ہے۔ بجزان کے جو مستثنیٰ کر دیے گئے 447
- احرام کی حالت میں شکار جائز نہیں 447
- خدا کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو 447
- ازاں جملہ حرمت کے مہینے میں 447
- ایسا نہ ہو کہ قربانی کے جانوروں اور حاجیوں اور تاجروں کو نقصان پہنچایا جائے 447
- مشرکوں نے تمہیں حج سے روکا تھا۔ اب تم اس کے بدلے ان کے حاجیوں کو نہ روکو۔ تمہارا دستور العمل یہ ہونا چاہیے کہ نیک کام میں مدد کرنا۔ برائی میں نہ کرنا'' 447
- دین کی تکمیل کا اعلان 448
- چونکہ دین کامل ہو چکا' اس لیے کھانے پینے' اور اس طرح کے معاملات میں بے جا قیدیں اور وہم پرستارانہ تنگیاں باقی نہیں رہیں۔ تمام اچھی چیزیں حلال ہیں 448
- اگر سدھائے ہوئے شکاری کتے یا پرند کے ذریعے شکار کیا جائے' تو وہ بھی جائز ہے 449
- اہل کتاب کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت بھی حلال ہے۔ نیز ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی جائز ہے 450
- وضو اور تیمّم کا حکم اور اس حقیقت کی توضیح کہ مقصود صفائی اور پاکیزگی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کی پابندیاں لگادی جائیں 450
- مسلمانوں سے خطاب کہ دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ تم اپنی سیرت (کریکٹر) میں سرتا سر عدل وصداقت کا پیکر بن جاؤ! 451
- جس طرح ایمان وعمل کا عہد تم سے لیا ہے' اسی طرح اہل کتاب سے بھی لیا تھا۔ ان کی حالت سے عبرت پکڑو 452
- علمائے یہود کی یہ شقاوت کہ کلام الٰہی میں تحریف کر دیتے تھے 452
- عیسائیوں نے بھی عہد ہدایت فراموش کر دیا۔ وہ بہت سے فرقوں میں الگ الگ گروہ بند ہو گئے اور ہر فرقہ دوسرے فرقے کا دشمن ہو گیا.. 453
- قرآن اپنے پیروؤں کو جہل وگمراہی کی تاریکیوں سے نکالتا اور علم وبصیرت کی روشنی میں لاتا ہے 453
- عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ الوہیت مسیح علیہ السلام کا عقیدہ پیدا کر لیا 454
- یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کہتے ہیں' ہم خدا کی محبوب امت ہیں۔ ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے۔ حالانکہ خدا نے کسی خاص امت کو نجات وسعادت کا پٹہ لکھ کر نہیں دے دیا 454
- جب ایک قوم عرصہ تک محکومی کی حالت میں مبتلا رہتی ہے' تو اس میں بلند مقاصد کے لیے جدوجہد کی استعداد باقی نہیں رہتی۔ حضرت موسیٰ کا بنی اسرائیل کو حکم دینا کہ مردانہ وار سرزمین موعود میں داخل ہو جاؤ اور ان کی بزدلی وبے ہمتی 455
- اسی لیے حکم ہوا کہ چالیس سال تک اس سرزمین سے محروم رہو گے۔ تاکہ اس عرصے میں ایک نئی نسل جو غلامانہ خصائل سے محفوظ ہو' ظہور میں آجائے 455
- بنی اسرائیل کی یہ شقاوت کہ قتل وخونریزی میں بے باک ہو گئے تھے 456
- ہابیل وقابیل کی سرگزشت 457

- باغیوں اور رہزنوں کی سزا' جو قتل و بدامنی کا موجب ہوتے ہیں 458
- چوروں کی سزا 459
- کسی بات کی ٹوہ میں رہنا اور ادھر کی بات اُدھر لگانا' ایمان وراستی کے خلاف ہے۔ مدینہ کے علمائے یہود منافقوں کو ٹوہ کے لیے بھیجا کرتے تھے 459
- معاملات وقضایا میں علمائے یہود کی دین فروشی اور کتاب اللہ کے احکام میں تحریف 459
- وہ جب کسی مجرم کو شریعت کی سزا سے بچانا چاہتے' تو شرعی حیلے نکالتے اور کبھی ایسا کرتے کہ معاملہ پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کرا دیتے۔ مقصود یہ ہوتا کہ کسی طرح حکم شریعت کی تعمیل سے بچ جائیں۔ قرآن کا اس پر انکار 460
- قرآن پچھلی صداقتوں کا مصدق اور ان پر نگہبان ہے 461
- اگر مختلف مذاہب ایک ہی صداقت کی دعوت ہیں' تو پھر شرائع واحکام میں اختلاف کیوں ہوا؟ قرآن کہتا ہے' یہ شرع اور منہاج کا اختلاف ہے جو فرع ہیں۔ دین کا اختلاف نہیں ہے جو اصل ہے 462
- یہود و نصاریٰ سے رفاقت و مددگاری کا رشتہ رکھنے کی ممانعت جو مشرکین مکہ کی طرح مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم رہتے تھے اور جنگ کی حالت پیدا ہو گئی تھی 464
- منافق دشمنان قوم کی طرف دوڑے جا رہے ہیں' لیکن عنقریب اپنی اس روش پر نادم ہوں گے 464
- مسلمانوں سے خطاب کہ عنقریب اللہ مومنوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دے گا جو خدا کو دوست رکھے گا اور خدا انہیں دوست رکھے گا 464
- حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا 464
- ان لوگوں سے رفاقت و مددگاری کے رشتے نہ رکھو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے 465
- اہل کتاب سے خطاب کہ جب پیروانِ قرآن کا طریقہ عالمگیر سچائی کی تصدیق کا ہے' تو پھر تمہیں ان کے خلاف کیوں کد ہو گئی ہے؟ 465
- خدا کے نزدیک باعتبار جزاء کے وہی گروہ بدتر ہوگا جس نے احکام الٰہی سے ہمیشہ سرکشی کی ہے 465
- یہودی کہتے تھے تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آ سکتی اور خدا کے ہاتھ بندھ گئے ہیں 466
- عیسائیوں کی طرح یہودیوں میں بھی فرقہ بندی نے ہر فرقہ کو دوسرے کا دشمن بنا دیا 466
- یہود و نصاریٰ سے خطاب کہ جب تک تم تورات وانجیل پر قائم نہیں ہوتے' تمہارے پاس دین میں سے کچھ بھی نہیں ہے 466
- نجات وسعادت کا دار و مدار خدا پرستی اور نیک عملی پر ہے نہ کہ گروہ بندیوں پر 467
- عیسائیوں کو بھی اسی اصل کی تعلیم دی گئی تھی' لیکن انہوں نے تثلیث کا باطل عقیدہ پیدا کر لیا 468
- جب کسی گروہ کی حالت ایسی ہو جائے کہ برائی میں پڑ کر' پھر اس سے باز رہنے کا ولولہ پیدا نہ ہو' تو یہ شقاوت کی انتہا ہے 469
- پیغمبر اسلام سے خطاب کہ تم یہودیوں اور مشرکین عرب کو مسلمانوں کی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت پاؤ گے' اور عیسائی سب سے زیادہ قریب ثابت ہوں گے 470
- سلسلہ بیان اب پھر اوامر ونواہی کی طرف پھرتا ہے 471
- اہل مذاہب کی یہ غلطی کہ انہوں نے ترک دنیا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اور اس طرح کی قسمیں کھا لیتے ہیں کہ فلاں لذت اور راحت ہم پر حرام ہو گئی۔ فرمایا' ایسا کرنا دین میں حد سے گزر جانا ہے 471
- لغو قسموں کا اعتبار نہیں۔ سمجھ بوجھ کر کھائی ہو اور توڑنی پڑے' تو کفارہ دینا چاہیے 472
- شراب' جوا' معبودانِ باطل کے نشان حرام ہیں 472

- جن لوگوں نے احکام حرمت کے نزول سے پہلے ممنوعہ اشیاء استعمال کی ہوں' ان سے مواخذہ نہیں 472
- احرام کی حالت میں اگر عمداً شکار کا مرتکب ہو' تو اس کا بدلہ یا کفارہ دینا چاہیے 472
- حالت احرام میں دریائی شکار کی ممانعت نہیں' کیونکہ بحری سفر میں غذا کا بڑا ذریعہ یہی ہے 473
- خدا نے کعبہ کو امن واجتماع کا مرکز ٹھہرایا ہے' پس اس کی حرمت کے شعائر قائم رکھو 473
- گندی اور مضر چیزیں کتنی ہی زیادہ ملیں' لیکن راغب نہ ہو' دانشمند آدمی اشیاء کی کثرت وقلت نہیں دیکھتا ان کے نفع ونقصان پر نظر رکھتا ہے . 474
- دین حق یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے ہر عمل کو کسی نہ کسی پابندی سے ضرور ہی باندھ دے۔ جو کچھ ضروری تھا' بتلا دیا گیا' جو چھوڑ دیا ہے' وہ معاف ہے 474
- مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے اور انہیں مقدس سمجھتے۔ فرمایا' بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کی کوئی اصلیت نہیں 474
- دوسروں کی گمراہی وبدعملی تمہارے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔ ہر انسان اپنے نفس کے لیے جوابدہ ہے 475
- وصیت اور اس کی گواہی 475
- دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر مسلمان نہ ملیں تو غیر مسلم ہوں 475
- گواہوں کو بہ حلف گواہی دینی چاہیے 475
- بصورت نزاع' فریقین اپنے اپنے گواہ پیش کریں 475
- جو انکار کرے' اس پر قسم ہے 475
- قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا؟ 477
- اللہ کا عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب اور ان کی معروضات 478
- نزول مائدہ 478
- حضرت عیسیٰ کا عرض کرنا کہ عیسائیوں کی گمراہی سے میں بری ہوں 478

سورۃ الانعام

- خدا نے کائنات خلقت پیدا کی اور روشنی اور تاریکی نمودار کر دی۔ روشنی' روشنی ہے۔ تاریکی' تاریکی۔ لیکن منکرین حق ان میں امتیاز نہیں کرتے 480
- انسان کے لیے دو اجلیں ٹھہرا دی گئی ہیں۔ ایک عمل کے لیے ایک نتائج عمل کے لیے 480
- گزشتہ قوموں کی سرگزشتوں میں تمہارے لیے درس عبرت ہے 481
- راست باز انسان کے لیے سچائی کی ہر بات دلیل ہے مگر منکر کے لیے کوئی نشانی سودمند نہیں 481
- منکرین حق کہتے ہیں ایک لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں اتر پڑتی اور کیوں فرشتہ اترتا ہمیں دکھائی نہیں دیتا؟ حالانکہ ایسا ہونا سنت الٰہی کے خلاف ہے 481
- برہان فضل ورحمت سے استدلال 482
- تمام کائناتِ خلقت اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ ایک رحمت فرما ہستی موجود ہے۔ اگر کوئی ایسی ہستی موجود نہ ہوتی' تو یہاں نہ تو بناؤ ہوتا' نہ فیضان۔ حالانکہ کوئی گوشہ نہیں جو اس سے خالی ہو 482
- خدا کی ہستی اور اس کی صفات پر قرآن کا استدلال 482
- وہ فطرتِ انسانی کے وجدانی احساسات کو بیدار کرتا ہے 482

- حق و باطل کے لیے سب سے بڑی شہادت خدا کی شہادت ہے۔ وہ داعیٔ حق کو کامیاب کر کے اپنی شہادت کا اعلان کر دیتا ہے 483
- منکرین حق کو جب سچائی کی باتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ تو وہی پرانی کہانی ہے جو ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں 484
- انسان کی دماغی و قلبی شقاوت کی وہ انتہائی حالت جب ضد اور تعصب میں پڑ کر بالکل اندھا بہرا ہو جاتا ہے اور سچائی کی فہم و قبول کی استعداد یک قلم معدوم ہو جاتی ہے 485
- منکرین معاد کا آخرت کی زندگی سے انکار اور قرآن کا وجدانی استدلال 485
- پیغمبر اسلام سے خطاب کہ معاندوں کی حق فراموشیوں پر دل گرفتہ نہ ہوں۔ تمہاری پکار کا جواب وہی دے سکتے ہیں جو زندہ ہیں۔ جو مردہ ہو چکے ہیں انہیں پکارنا بے سود ہے! 486
- اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ، جب بھی یہ منکر ماننے والے نہیں 486
- جو لوگ نشانیاں مانتے ہیں اگر فی الحقیقت طالب حق ہیں تو کارخانہ خلقت کی نشانیوں سے بڑھ کر اور کون سی نشانی ہو سکتی ہے؟ قرآن معجزات خلقت پر توجہ دلاتا ہے اور کہتا ہے دنیا کی ہر مخلوق بجائے خود ایک معجزہ ہے! 487
- جن لوگوں نے عقل و بصیرت تاراج کر دی، ان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک بہرا اور گونگا ہو اور تاریکی میں گم ہو گیا ہو! 487
- ایک قوم ظلم و بدعملی میں مبتلا ہوتی ہے، اس پر بھی خوشحالیاں اسے ملتی رہتی ہیں۔ کیونکہ قانون امہال یہاں کام کر رہا ہے 488
- پیغمبر اسلام کے منصب و حیثیت کی نسبت قرآن کا اعلان اور ان گمراہیوں کا سدباب جو پیروان مذاہب نے اس بارے میں پیدا کر دی تھیں 490
- دعوت و اصلاح امت کے دو اہم اصول 490
- رؤسائے مکہ کہتے تھے، ہم ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کے ساتھ تمہاری مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے۔ قرآن کا اعلان کہ جو لوگ خدا پرست و نیک عمل ہیں، انہی کا درجہ اعلیٰ ہے اور انہی پر اپنی توجہ و شفقت مبذول رکھو؟ 491
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ وحی و نبوت کی راہ علم و یقین کی راہ ہے اور جو منکر ہیں ان کے پاس ظن و شک کے سوا کچھ نہیں۔ پس چاہیے کہ علم و یقین کی پیروی کی جائے نہ کہ ظنون و شکوک کی 491
- استعجال بالعذاب کی تشریح 492
- فطرت انسانی کے احوال و واردات سے استشہاد 493
- قرآن کے نزدیک یہ بھی ایک عذاب ہے کہ کوئی جماعت ایک راہ پر متحد رہنے کی جگہ الگ الگ گروہوں میں بٹ جائے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھائے 493
- جو لوگ سچائی کے منکر ہوں اور مطالب حق کو جدل و نزاع کا مشغلہ بنا لیں ان کی صحبتوں میں شریک نہ ہو 494
- جو لوگ حقیقت کی روشنی سے محروم ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے بیابان میں کوئی راہ کھو دے 494
- تخلیق بالحق سے استدلال 495
- قرآن کی اصطلاح میں عالم شہادت اور عالم غیب 495
- توحید الٰہی کی حجت جو ابراہیم علیہ السلام پر القا کی گئی 495
- حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے تمام داعیان حق اسی راہ پر گامزن ہوئے 498
- وحی و تنزیل کے منکروں کا رد 498
- علمائے یہود کو الزامی جواب 499

- قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کا بڑا ثبوت اس کی تعلیم کے نتائج ہیں 499
- منکرین تنزیل کا حقیقی جواب اور نظام ربوبیت سے استدلال 500
- نظام ربوبیت سے توحید پر استدلال 501
- مشرکین عرب کا جنوں اور فرشتوں کی نسبت مشرکانہ عقیدہ اور اس کا رد 502
- دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے۔ پس اس کی کد نہ کرو کہ ہر شخص تمہاری بات ضرور ہی مان لے 502
- بت پرستوں کے بتوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ بھی تمہارے طریقے کو برا بھلا کہیں گے۔ اس راہ میں رواداری ضروری ہے 503
- حق و باطل کے معاملے میں انسانوں کی کثرت و قلت معیار نہیں ہو سکتی 504
- جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں جو اوہام و خرافات پیدا کر دیے گئے ہیں' ان کی کچھ پروا نہ کرو' اور حلال چیزیں بلا تامل کھاؤ 505
- حلت و حرمت کے بارے میں جو لوگ جدل و نزاع کرتے ہیں ان کی راہ علم و بصیرت کی راہ نہیں ہے 505
- ایمان زندگی ہے اور کفر موت ہے۔ زندہ اور مردہ وجود برابر نہیں ہو سکتا 506
- جب کبھی کسی آبادی میں دعوت حق نمودار ہوتی ہے' تو وہاں کے سردار اور رؤسا اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں 506
- ضلالت فکر کے رسوخ و کمال کی ایک مثال 506
- دنیا کی کوئی آبادی نہیں جہاں خدا کے پیغمبروں کا ظہور نہ ہوا ہو 508
- ہر فرد اور گروہ کے باعتبار اعمال مختلف درجے ہیں 508
- مشرکین عرب سے اتمام حجت کہ اگر دعوت حق کے مقابلے سے باز نہ آئے' تو قریب ہے کہ خدا کا فیصلہ صادر ہو جائے 508
- چنانچہ بالآخر فیصلہ ہوا' اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کامیابی کس کے لیے تھی 508
- مشرکین عرب کے مشرکانہ اور مجرمانہ اعمال مثلاً قتل اولاد 509
- جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں اعلان کہ صرف وہی چیزیں حرام ہیں جن کی تصریح کر دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ تمام جانوروں کا گوشت جو عام طور پر کھائے جاتے ہیں حلال ہے 511
- مشرکین عرب کہتے تھے' اگر ہمارا طریقہ گمراہی کا طریقہ ہے تو کیوں خدا نے ہمیں گمراہ ہونے دیا؟ 512
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ خدا پرستی کی راہ یہ نہیں ہے کہ کھانے پینے میں روک ٹوک کرو اور بہت سی چیزیں حرام ٹھہرا لو۔ خدا پرستی کی راہ یہ ہے کہ ان حرام عملوں اور برائیوں سے اجتناب کرو جو فی الحقیقت نیکی و عدالت کے خلاف ہیں 513
- سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی' پس بہت سی راہوں میں متفرق ہو کر بھٹک نہ جاؤ 514
- اہل کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خدا کے ایک ہی دین میں تفرقہ ڈال کر الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں' پس ان کی گمراہیوں سے راہ حق کو کوئی واسطہ نہیں 515
- سورت کا خاتمہ اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ جس طرح قوموں کے بے شمار انقلابات ہو چکے ہیں' ایسا ہی ایک انقلاب ابھی درپیش ہے اور قریب ہے کہ پیروان قرآن پچھلی قوموں کے جانشین ہوں 515

❀❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ

۱۹۱۶ء میں جب البلاغ کے صفحات پر ترجمان القرآن اور تفسیر البیان کا اعلان کیا گیا، تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک ایسے کام کا اعلان کر رہا ہوں جو پندرہ برس تک التواء و انتظار کی حالت میں معلق رہے گا، اور جو ملک کے شوق و انتظار کے لیے ناقابل برداشت بوجھ، اور میرے ارادوں کی ناتمامیوں کے لیے ایک دردانگیز مثال ثابت ہوگا۔

لیکن واقعات کی رفتار نے بہت جلد بتلا دیا کہ صورتِ حال ایسی ہی تھی!

جلا وطنی:

ابھی اس اعلان پر بہ مشکل چند مہینے گزرے ہوں گے کہ ۳۔ مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے ڈیفنس آرڈیننس[1] کے ماتحت مجھے حدود بنگال سے باہر چلے جانے کا حکم دیا، اور دفعتہً البلاغ اور البلاغ پریس کے ساتھ تصنیف و طباعت کا تمام کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔

چونکہ اس سے پہلے اسی آرڈیننس کے ماتحت دہلی، پنجاب، یو، پی اور مدراس کی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں میرا داخلہ روک چکی تھیں، اس لیے اب صرف بہار اور بمبئی ہی کے دو صوبے رہ گئے تھے جہاں میں جا سکتا تھا۔ میں نے رانچی منتخب کیا۔ میرا خیال تھا کہ کلکتہ سے قریب رہ کر شاید تصنیف و طباعت کا کام جاری رکھ سکوں۔

۱۹۱۵ء میں جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا، تو بہ یک وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں۔ ترجمہ، تفسیر، اور مقدمۂ تفسیر۔ میں نے خیال کیا تھا کہ یہ تین کتابیں قرآن کے فہم و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں پوری کر دیں گی۔ عام تعلیم کے لیے ترجمہ۔ مطالعہ کے لیے تفسیر۔ اہل علم و نظر کے لیے مقدمہ۔

البلاغ میں جب ترجمہ اور تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا گیا ہے، تو ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا۔ تفسیر سورۂ آل عمران تک مکمل ہو چکی تھی، اور مقدمہ یادداشتوں کی شکل میں قلمبند تھا۔ اس خیال سے کہ تھوڑے وقت کے اندر زیادہ سے زیادہ کام انجام پا جائے، میں نے تصنیف کے ساتھ چھپائی کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح سال بھر کے اندر ترجمہ مکمل ہو جائے گا، اور چھپ بھی جائے گا۔ نیز تفسیر کی بھی کم از کم پہلی جلد شائع ہو جائے گی۔ ہر سات دن کی

---

[1] جنگ یورپ کے زمانے میں جو موقت احکام نافذ کیے گئے تھے اُن میں ایک آرڈیننس ''ڈیفنس آوانڈیا'' کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ یہ آرڈیننس حکومت ہند اور مقامی حکومتوں کو اختیار دیتا تھا کہ بغیر عدالتی کارروائی کے جن کو چاہیں، ہندوستان یا ہندوستان کے کسی صوبے سے جلا وطن کر دیں یا نظر بند کریں۔

مشغولیت میں نے یوں تقسیم کر دی تھی کہ تین دن البلاغ کی ترتیب میں صرف کرتا تھا، دو دن ترجمے میں اور دو دن تفسیر میں۔

۳۔ مارچ ۱۹۱۶ء کو جب میں کلکتہ سے روانہ ہوا، تو تفسیر کے چھ فارم چھپ چکے تھے اور ترجمہ کی کتابت شروع ہو رہی تھی۔ اب میں نے کوشش کی کہ میری عدم موجودگی میں پریس جاری رہے اور کم از کم تفسیر اور ترجمہ کا کام ہوتا رہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۶ء میں پریس کے دوبارہ اجراء کا انتظام ہوگیا۔ اور میں مسودات کی ترتیب میں مشغول ہوگیا تاکہ پریس کے حوالے کر دوں۔

نظر بندی:

لیکن ۸۔ جولائی ۱۹۱۶ء کو یکایک حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کر دیے اور اس طرح اس اُمید کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ نظر بندی کے بعد کوئی موقع باقی نہیں رہا کہ باہر کی دنیا سے کسی طرح کا علاقہ رکھ سکوں۔

اب میرے اختیار میں صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا۔ یعنی تصنیف وتسوید کا مشغلہ۔ نظر بندی کی اُنیس دفعات میں سے کوئی دفعہ بھی مجھے اس سے نہیں روکتی تھی۔ میں نے اس پر قناعت کی۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ میں نے خیال کیا، اگر زندگی کی تمام آزادیوں سے محروم ہونے پر بھی لکھنے پڑھنے کی آزادی سے محروم نہیں ہوں اور اس کے نتائج محفوظ ہیں، تو زندگی کی راحتوں میں سے کوئی راحت بھی مجھ سے الگ نہیں ہوئی۔ میں اس عالم میں پوری زندگی بسر کر دے سکتا ہوں۔ لیکن ابھی اس صورتِ حال پر تین مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ معلوم ہوگیا۔ اس گوشہ میں بھی مجھے محرومی ہی سے دوچار ہونا تھا۔

دوبارہ تلاشی اور مسودات کی ضبطی:

نظر بندی کے احکام جس وقت نافذ کیے گئے ہیں، تو میرے قیام گاہ کی تلاشی بھی لی گئی تھی، اور جس قدر کاغذات ملے تھے، افسرانِ تفتیش نے اپنے قبضہ میں کر لیے تھے، انہی میں ترجمہ اور تفسیر کا مسودہ بھی تھا۔ لیکن جب معائنہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں کوئی چیز قابل اعتراض اور حکومت کے مفید مقصد نہیں ہے، تو دو ہفتے کے بعد واپس دے دیے گئے۔

لیکن جب تفتیش کے نتیجے سے حکومت ہند کو اطلاع دی گئی تو اس نے مقامی حکومت کے فیصلے سے اتفاق نہیں کیا۔ وہاں خیال کیا گیا کہ مقامی حکومت نے کاغذات واپس دے دینے میں جلدی کی اور بہت ممکن ہے کہ پوری ہوشیاری کے ساتھ معائنہ نہ کیا گیا ہو۔ اس زمانے میں حکومت ہند کے محکمہ تفتیش کا افسر اعلیٰ سر چارلس کلیولینڈ تھا، اور مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، اُسے میری مخالفت میں ایک خاص کد ہوگئی تھی۔ وہ پہلے کلکتہ آیا اور دو ہفتے تک تفتیش میں مشغول رہا، اور پھر رانچی آیا اور از سرنو میرے مکان کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے بعد کہا گیا کہ جو کاغذات پچھلی تلاشی کے موقع پر لیے گئے تھے، اب حکومت ہند کے معائنے کے لیے بھیجے جائیں گے۔ چنانچہ تمام کاغذات حتیٰ کہ چھپی ہوئی کتابیں بھی لے لی گئیں۔ ان میں نہ صرف ترجمہ وتفسیر کا مسودہ تھا، بلکہ بعض دوسری مصنفات کے بھی مکمل و نامکمل مسودات تھے۔

جس وقت یہ معاملہ پیش آیا، ترجمہ کا مسودہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورۂ نساء تک پہنچ چکا تھا، لیکن اب ان

کا ایک ورق بھی میرے قبضہ میں نہ تھا۔ تاہم میں نے نویں پارے سے ترجمے کی ترتیب جاری رکھی، اور ۱۹۱۸ء کے اواخر میں کام ختم کر دیا۔ اب اگر ابتداء کے آٹھ پاروں کا ترجمہ واپس مل جائے تو پورے قرآن کا ترجمہ مکمل تھا۔

میں نے کاغذات کی واپسی کے لیے خط و کتابت کی، لیکن جواب ملا کہ نہ تو سردست واپس دیے جا سکتے ہیں۔ نہ یہی بتلایا جا سکتا ہے کہ کب تک واپس کیے جائیں گے۔[1] چونکہ کاغذات کی واپسی کی بظاہر کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ آگے چل کر کیا صورتِ حال پیش آئے، اس لیے یہی مناسب معلوم ہوا کہ از سرِ نو ان پاروں کا ترجمہ کر کے کتاب مکمل کر لی جائے۔ یہ کام آسان نہ تھا ایک لکھی ہوئی چیز کو دوبارہ لکھنا طبیعت پر بہت شاق گزرتا ہے، تاہم میں نے چند ماہ کی محنت کے بعد یہ حصہ بھی از سرِ نو مکمل کر لیا۔

"گفتہ" گرشد زکفم، شکر کہ "ناگفتہ" بجاست

از دو صد گنج، یکے مشت گہر باختہ ام!

اس خیال سے کہ مسودہ بہتر حالت میں مرتب ہو جائے اور اگر کسی دوسرے شخص کے حوالے کیا جائے تو تصحیح میں آسانی ہو، میں نے اُردو ٹائپ رائٹر منگوا کر اُسے ٹائپ کرانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں نصف سے زیادہ حصہ ٹائپ ہو چکا تھا۔

رہائی اور تحریک لاتعاون:

۲۷۔ دسمبر ۱۹۱۹ء کو حکومت نے مجھے رہا کر دیا، اور اب طباعت و اشاعت کی تمام رکاوٹیں راہ سے دُور ہو گئیں۔ لیکن یہ وقت وہ تھا کہ ملک میں ایک عام سیاسی حرکت کا مواد طیار ہو رہا تھا، اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، الہلال کی سیاسی دعوت کی صدائے بازگشت ہر گوشے سے بلند ہونے لگی تھی۔ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ وقت کے تقاضے سے تغافل کرتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رہا ہوتے ہی تحریک لاتعاون کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گیا، اور عرصہ تک اس کی مہلت ہی نہیں ملی کہ کسی دوسری طرف نگاہ اُٹھا سکتا۔

لیکن ۱۹۲۱ء میں جب ملک کے ہر گوشے سے ترجمان القرآن کے لیے تقاضا شروع ہوا، تو مجھے اُس کی اشاعت کے لیے آمادہ ہو جانا پڑا چونکہ ٹائپ کی چھپائی اُس کے لیے موزوں نہیں سمجھی گئی تھی، اس لیے کتابت کا انتظام کیا گیا۔ پہلے متن کی کتابت کرائی گئی، پھر ترجمہ لکھوانا شروع کیا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں متن کی کتابت ختم ہو چکی تھی۔ ترجمہ کی کتابت

---

[1] یہ کاغذات مجھے رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء میں واپس ملے۔ رہائی کے بعد جب میں نے مطالبہ کیا تو کئی ماہ تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اس زمانے میں صوبہ بہار کے گورنر لارڈ سہنا تھے۔ مجھ میں اور اُن میں اس وقت سے شناسائی تھی جب ۱۹۰۹ء میں وہ حکومت ہند کے اگزیکٹو کونسل کے ممبر ہوئے تھے۔ وہ علاج کے لیے کلکتہ آئے اور ایک دوست کے یہاں اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ میں نے یہ واقعہ اُن سے بیان کیا، انہوں نے حکومت ہند سے خط و کتابت کی، اور دو ہفتے کے بعد تمام کاغذات مجھے واپس مل گئے۔

شروع ہوئی تھی۔

لیکن وقت کا فیصلہ اب بھی میرے خلاف تھا!

گرفتاری اور تمام مسودات کی بربادی:

۱۹۲۱ء کے اواخر میں تحریک لاتعاون کی سرگرمیاں منتہائے عروج تک پہنچ گئی تھیں، اور اب ناگزیر تھا کہ حکومت بھی اپنے تمام وسائل کام میں لائے۔ ۲۰۔ نومبر کو سب سے پہلے حکومت بنگال نے قدم اُٹھایا، اور اُن تمام مجالس کو خلافِ قانون قرار دے دیا جو تحریک کی سرگرمیوں میں مشغول تھیں، اس اقدام نے کانگرس کو عدم متابعت قانون کے اجرا کا موقع دے دیا، اور ۲۰۔ دسمبر ۱۹۲۱ء کو بعض دیگر رفقائے بنگال کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کرلیا گیا۔

اس مرتبہ میری گرفتاری پریس کے انتظامات میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی کیونکہ کتاب مکمل موجود تھی، اور میں نے اس کا پورا انتظام کرلیا تھا کہ میری عدم موجودگی میں بھی کام بدستور جاری رہے۔ لیکن گرفتاری کے بعد جو واقعہ پیش آیا، وہ اس افسانہ کی آخری المنا کی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ترجمان القرآن اور تفسیر کی اشاعت رُک گئی، بلکہ میری علمی زندگی کے ولولے افسردہ ہوگئے۔

گرفتاری کے بعد جب حکومت نے محسوس کیا کہ میرے برخلاف مقدمہ چلانے کے لیے کافی مواد موجود نہیں ہے، تو اُسے مواد کی جستجو ہوئی اور اس لیے تیسری مرتبہ میرے مکان اور مطبع کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے لیے جو لوگ آئے تھے، اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اُردو یا عربی و فارسی کی استعداد رکھتا ہو۔ جو چیز بھی ان زبانوں میں لکھی ہوئی ملی، اُنہوں نے خیال کیا اس میں کوئی نہ کوئی بات حکومت کے خلاف ضرور ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قلمی مسودات کا تمام ذخیرہ اُٹھا لے گئے، حتیٰ کہ ترجمان القرآن کی تمام لکھی ہوئی کاپیاں بھی توڑ مروڑ کر مسودات کے ڈھیر میں ملا دیں۔

سوءِ اتفاق سے اس وقت کسی شخص نے مطالبہ نہیں کیا کہ کاغذات مرتب کر کے لیے جائیں اور حسب قاعدہ اُن پر گواہوں کے دستخط ہو جائیں۔ نیز اُن کی رسید تفصیل کے ساتھ مرتب کر کے دی جائے۔ افسرانِ تفتیش اپنے ساتھ چھپا ہوا فارم لائے تھے۔ صرف یہ لکھ کر کہ متفرق قلمی کاغذات لیے گئے، چھپا ہوا فارم دے دیا اور روانہ ہوگئے۔

پندرہ ماہ کے بعد جب میں رہا ہوا، تو حکومت سے کاغذات کا مطالبہ کیا۔ ایک عرصہ کی خط و کتابت کے بعد کاغذات ملے، مگر اس حالت میں ملے کہ تمام ذخیرہ برباد ہو چکا تھا۔

افسرانِ تفتیش نے جب ان کاغذات پر قبضہ کیا ہے، تو یہ قلمی مسودات کے مختلف مجموعے تھے، اور الگ الگ پٹھوں کی دفتیوں میں ترتیب دیے ہوئے تھے، ان میں مختلف مکمل و غیر مکمل تصنیفات کے علاوہ بڑا ذخیرہ یادداشتوں کا تھا، لیکن جب واپس ملے تو محض اوراقِ پریشاں کا ایک ڈھیر تھا، اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے، یا اطراف سے پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے!

یہ میرے صبر و شکیب کے لیے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی، لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں بھی پورا اُتروں۔ یہ سب سے زیادہ تلخ گھونٹ تھا جو جامِ حوادث نے میرے لبوں سے لگایا، لیکن میں نے بغیر کسی شکایت کے پی لیا۔ البتہ اس سے انکار نہیں کرتا کہ اُس کی تلخی آج تک گلوگیر ہے:

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے!

سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہوسکتیں، اور پنبہ و آتش میں آشتی محال ہے۔ میں نے چاہا، دونوں کو بہ یک وقت جمع کروں۔ میں نامراد ایک طرف متاعِ فکر کے انبار لگاتا رہا، دوسری طرف برق خرمن سوز کو بھی دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ معلوم تھا، اور مجھے حق نہیں کہ حرفِ شکایت زبان پر لاؤں۔ عرفی نے میری زبانی کہہ دیا ہے:

زاں شکستم کہ بہ دنبالِ دلِ خویش مدام
در نشیب شکن زلف پریشاں رفتم!

اب ترجمان القرآن اور تفسیر کی ہستی اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ از سرِ نو محنت کی جائے لیکن اس حادثے کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہوگئی کہ ہر چند کوشش کی مگر ساتھ نہ دے سکی۔ میں نے محسوس کیا کہ حادثے کا زخم اتنا ہلکا نہیں ہے کہ فوراً مندمل ہو جائے۔

طبیعت کی بڑی رکاوٹ جو رہ رہ کر سامنے آتی تھی، یہ تصور تھا کہ ایک تصنیف کی ہوئی چیز دوبارہ تصنیف کی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اہل قلم کے لیے اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہیں۔ وہ ہزاروں صفحے نئے بآسانی لکھ دے گا، لیکن ایک ضائع شدہ صفحے کے دوبارہ لکھنے میں اپنی طبیعت کو یک قلم درماندہ پائے گا۔ فکر و طبیعت کی جوگرم جوشی پچھلی محنتوں کی بربادی کے تصور سے بجھ جاتی ہے، بہت دشوار ہوتا ہے کہ اُسے دوبارہ پیدا کیا جائے۔ اس حالت کا اندازہ صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں، جو ایسی بدقسمتیوں سے دوچار ہوئے ہوں۔ میں نے ٹامس کارلائی کے حالات میں جب پڑھا تھا کہ اُس نے انقلابِ فرانس پر اپنی مشہور کتاب دوبارہ تصنیف کی، اور اہل فن نے اسے قوتِ تصنیف کا ایک غیر معمولی مظاہرہ سمجھا، تو میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس میں غیر معمولی بات کیا ہے؟ لیکن اس حادثے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ نہ صرف غیر معمولی ہے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے اور فی الحقیقت کارلائل کی مصنفانہ عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا۔

ترجمان القرآن کی از سرِ نو ترتیب:

کئی سال گزر گئے، مگر میں اپنے آپ کو اس کام کے لیے آمادہ نہ کرسکا۔

دلے سرگشتہ دارم کہ درصحرا ست پنداری!

بارہا ایسا ہوا کہ ترجمہ وتفسیر کے بچے کھچے اوراق نکالے، لیکن جونہی برباد شدہ کاغذات پر نظر پڑی، طبیعت کا انقباض تازہ ہوگیا اور دو چار صفحے لکھ کر چھوڑ دینا پڑا۔

لیکن ایک ایسے کام کی طرف سے جس کی نسبت میرا یقین تھا کہ مسلمانوں کے لیے وقت کا سب سے زیادہ ضروری کام ہے، ممکن نہ تھا کہ زیادہ عرصہ تک طبیعت غافل رہتی جس قدر وقت گزرتا جاتا تھا، اس کام کی ضرورت کا احساس میرے لیے ناقابل برداشت ہوتا جاتا تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ، اگر یہ کام مجھ سے انجام نہ پایا، تو شاید عرصے تک اس کی انجام دہی کا کوئی سامان نہ ہو۔

۱۹۲۷ء قریب الاختتام تھا کہ اچانک مدتوں کی رُکی ہوئی طبیعت میں جنبش ہوئی اور رشتہ کار کی جو گرہ ذہن و دماغ کی پیہم کوششیں نہ کھول سکی تھیں، دل کے جوشش بے اختیار سے خود بخود کھل گئی۔ کام شروع کیا، تو ابتدا میں چند دنوں تک طبیعت رُکی رُکی رہی، لیکن جونہی ذوق وفکر کے دو چار جام گردش میں آئے، طبیعت کی ساری رُکاوٹیں دُور ہوگئیں، اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا، گویا اس شورش کدۂ مستی میں افسردگی وخمار آلودگی کا کبھی گزر ہی نہیں ہوا تھا!

بہ بدمستی سزدگر متہم سازو مرا ساقی
ہنوز از بادۂ دو شینہ ام پیمانہ بودارد!

اتنا ہی نہیں، بلکہ کہنا چاہیے، شورش تازہ کی سرمستیاں، مجلس دوشیں کی کیفیتوں سے بھی کہیں تند تر ہوگئیں:

چہ مستی ست، نہ دانم، کہ روبہ ما آورد
کہ بود ساقی و ایں بادہ از کجا آورد؟

سبحان اللہ! عالم روح وقلب کے تصرفات کا بھی کچھ عجیب حال ہے۔ یا تو یہ حال تھا کہ بار بار کوشش کی مگر طبیعت کا انقباض دُور نہیں ہوا۔ یا اب خود بخود کھلی، تو اس طرح کھلی کہ قلم روکنا بھی چاہوں تو نہیں روک سکتا:

شور یست نوا ریزی تار نفسم را
پیداؤ اے جنبش مضراب کجائی؟

بہرحال کام شروع ہوگیا، اور اس خیال سے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمہ کے لیے بھی ضروری تھی، سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر ترجمہ کی ترتیب شروع کی۔ حالات اب بھی موافق نہ تھے، صحت روز بروز کمزور ہو رہی تھی، سیاسی مشغولیت کی آلودگیاں بدستور خلل انداز تھیں، تاہم کام کا سلسلہ کم وبیش جاری رہا، اور ۲۰۔ جولائی ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کے ترجمہ وترتیب سے فارغ ہوگیا:

تا دست رسم بود، زدم چاک گریباں شرمندگی از خرقہ پشمینہ نہ دارم!

اُصولِ ترجمہ وتفسیر

ترجمان القرآن میں قرآن کے مقاصد ومطالب جن اُصول ومبادیات کے ماتحت ترتیب دیے گئے ہیں، قدرتی طور پر طبیعتیں منتظر ہوں گی کہ اصل کتاب کے مطالعے سے پہلے اُن سے آشنا ہو جائیں۔ اس دیباچے کے لکھنے کے وقت تک میرا ابھی یہی خیال تھا کہ اس بارے میں ایک مختصر سی تحریر بطورِ مقدمہ کتاب شامل کر دی جائے۔ لیکن اب کہ دیباچہ لکھ رہا ہوں، ان اُصول ومبادیات کو سمیٹنا چاہا، تو معلوم ہوا، موضوع کی پیچیدگیاں اور مباحث کی گہرائیاں ایسی نہیں ہیں کہ تفصیل واطناب کے بغیر بیان میں آسکیں۔ مباحث میں سے ہر مبحث کی وضاحت کے لیے مقدمات اور تمہیدات ناگزیر ہیں۔ اور ہر مبحث کے اطراف اس طرح دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں کہ نہ تو سمیٹے جا سکتے ہیں نہ مجمل آشارات عام مطالعے کے لیے کفایت کر سکتے ہیں۔ مجبوراً اس خیال سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اور ایک سرسری اشارہ اُن مشکلات و موانع کی طرف کر دیتا ہوں جو اس راہ میں حائل تھے، تاکہ اندازہ کیا جا سکے، معاملے کی عام حالت کیا تھی، اور مطالعۂ قرآن کا جو قدم اُٹھایا گیا ہے، وہ کس رُخ پر جا رہا ہے۔

باقی رہے ترجمان القرآن کے اُصولِ تفسیر، تو ان کے لیے مقدمہ تفسیر کا انتظار کرنا چاہیے جو ترجمان القرآن کے بعد اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے، اور جس کے قدیم مسودات کی تہذیب وترتیب میں آج کل مشغول ہوں۔

قرونِ اخیرہ اور قرآن کے مطالعہ وتدبر کا عام معیار:

مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ محل نہیں، صدیوں سے اس طرح کے اسباب وموثرات نشو ونما پاتے رہے ہیں، جن کی وجہ سے بہ تدریج قرآن کی حقیقت نگاہوں سے مستور ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ اس کے مطالعہ وفہم کا ایک نہایت پست معیار قائم ہو گیا۔ یہ پستی صرف معانی ومطالب ہی میں نہیں ہوئی، بلکہ ہر چیز میں ہوئی۔ حتی کہ اس کی زبان، اس کے الفاظ، اُس کی تراکیب اور اس کی بلاغت کے لیے بھی نظر وفہم کی کوئی بلند جگہ باقی نہیں رہی!

ہر عہد کے مصنف، اپنے عہد کی ذہنی آب وہوا کی پیداوار ہوتا ہے، اور اس قاعدے سے صرف وہی دماغ مستثنیٰ ہوتے ہیں جنہیں مجتہدانہ ذوق ونظر کی قدرتی بخشائش نے صف عام سے الگ کر دیا ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرونِ اخیرہ تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے، اُن کا طریق تفسیر ایک رو بہ تنزل معیار وفکر کی مسلسل زنجیر ہے، جس کی ہر پچھلی کڑی، پہلی سے پست تر، اور ہر سابق، لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں جس قدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند، اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے۔

جس قدر نیچے اُترتے آتے ہیں، حالت برعکس ہوتی جاتی ہے۔

یہ صورتِ حال فی الحقیقت مسلمانوں کو عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے، تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اُتارلیں کہ اُن کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔

اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اس کی حقیقی شکل ونوعیت میں دیکھیں، تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں، جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کو خارجی موثرات نے اس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں، پھرآگے بڑھیں اور قرآن کی حقیقت خودقرآن کے صفحوں میں تلاش کریں۔

بعض اسباب ومؤثرات جوفہم حقیقت میں مانع ہیں:

یہ مخالف اثرات جو یکے بعد دیگر جمع ہوتے رہے، دو چار نہیں، بے شمار نہیں، اور ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ممکن نہیں کہ اختصار کے ساتھ بیان میں آسکیں۔ لیکن میں نے مقدمہ تفسیر میں کوشش کی ہے کہ انہیں چند اُصول وانواع کے ماتحت سمیٹ لوں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل دفعات قابل غور ہیں:

۱۔ قرآن حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال، غرض کہ اپنی ہر بات میں ہمارے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے، اور نہ اُسے پابند ہونا چاہیے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے، اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے، جو انبیائے کرام (علیہم السلام) کے طریق ہدایت کو علم وحکومت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کردیتا ہے۔

قرآن جب نازل ہوا، تو اس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا۔ فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل ومعنی میں جیسا کہ واقع ہوا تھا، ٹھیک ویسا ہی اس کے دلوں میں اُتر گیا، اور اُسے قرآن کے فہم ومعرفت میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ صحابہ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے، اور سنتے ہی اس کی حقیقت پا لیتے تھے۔

لیکن صدر اوّل کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم وایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں، اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم وفنون وضعیہ کا دور شروع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا، قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں ناآشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آگیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، اس لیے طرح طرح کے اُلجھاؤ پیدا ہونے لگے اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں اُلجھاؤ اور زیادہ بڑھتے گئے۔

فطریت سے جب بُعد ہو جاتا ہے، اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے، تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں۔ وہ سادگی کے ساتھ حسن وعظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو بلند اور شان دار دکھانا چاہتی ہیں، تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ وخم پیدا کر دیں۔ یہی معاملہ قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ سلف کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں، اس لیے وہ قرآن کی سیدھی سادی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے، لیکن خلف کی طبعیتوں پر یہ بات شاق گزرنے لگی کہ قرآن اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو۔ ان کی وضعیت پسندی اس پر قانع نہیں ہوسکتی تھی۔ انہوں نے قرآن کی ہر بات کے لیے وضعیت کے جامے تیار کرنے شروع کر دیے، اور چونکہ یہ جامہ اس پر راست نہیں آ سکتا تھا، اس لیے بہ تکلف پہنانا چاہا، نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی موزونیت باقی نہ رہی۔ ہر بات ناموزوں اور اُلجھی ہوئی بن کر رہ گئی۔

تفسیر قرآن کا پہلا دور وہ ہے، جب علوم اسلامیہ کی تدوین وکتابت شروع نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا دور تدوین وکتابت سے شروع ہوتا ہے، اور اپنے مختلف عہدوں اور طبقوں میں اُترتا آتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی دوسرا دور شروع ہی ہوا تھا کہ یہ جامہ قرآن کے لیے بننا شروع ہوگیا۔ لیکن اس کا منتہاء بلوغ، فلسفہ وعلوم کی ترویج واشاعت کا آخری زمانہ ہے۔ یہی زمانہ ہے جب امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر لکھی، اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا سراپا اس مصنوعی لباس وضعیت سے آراستہ ہو جائے۔ اگر امام رازی رحمہ اللہ کی نظر اس حقیقت پر ہوتی، تو اس کی پوری تفسیر نہیں تو دوتہائی حصہ یقیناً بیکار ہو جاتا۔

بہر حال یاد رہے، وضعیت کے سانچے جتنے ٹوٹتے جائیں گے، قرآن کی حقیقت اُبھرتی آئے گی۔

قرآن کے اسلوب بیان کی نسبت لوگوں کو جس قدر مشکلیں پیش آئیں، محض اس لیے کہ وضعیت کا استغراق ہوا اور فطریت کی معرفت باقی نہ رہی۔

قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات وروابط کے سارے اُلجھاؤ صرف اس لیے ہیں کہ فطریت سے بُعد ہوگیا، اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں، قرآن کو بھی ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں۔

قرآن کی زبان کی نسبت بحثوں کا جس قدر انبار لگا دیا گیا ہے، وہ بھی محض اس لیے ہے کہ فطریت کے سمجھنے کی ہم میں استعداد باقی نہیں رہی۔

قرآن کی بلاغت کا مسئلہ ہمارے وجدان کے لیے اس قدر سہل، مگر ہمارے دماغ کے لیے اس قدر دشوار کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ وضعیت کا خود ساختہ ترازو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم چاہتے ہیں، اسی سے قرآن کی بلاغت

بھی وزن کریں۔

قرآن کا طریق استدلال کیوں نمایاں نہیں ہوتا؟ اس کے تمام دلائل و براہین جنہیں وہ حجۃ بالغہ سے تعبیر کرتا ہے، کیوں مستور ہو گئے ہیں؟ اسی لیے کہ وضعیت کے استغراق نے منطق کا سانچہ ہمیں دے دیا ہے ہم چاہتے ہیں، قرآن کے دلائل و براہین بھی اسی میں ڈھالیں۔

غرض کہ جس گوشے میں جاؤ گے یہی اصل سامنے پاؤ گے۔

۲۔ جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہو، اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر اُن لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائے گی جنہوں نے خود صاحب کتاب سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن تئیس برس کے اندر بہ تدریج نازل ہوا۔ وہ جس قدر نازل ہوتا تھا، صحابہ کرام سنتے تھے، نمازوں میں دہراتے تھے، اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا، خود پیغمبر اسلام (ﷺ) سے پوچھ لیتے تھے۔ ان میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے اور خود پیغمبر اسلام (ﷺ) نے اس کی شہادت دی۔ مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں بلکہ قدرتی طور پر اُن کے فہم کو بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہیے لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں سمجھا گیا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے عہد کے فکری مؤثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں، اور سلف کی صریح تفسیر کے خلاف ہر گوشے میں قدم اُٹھا دیے۔ کہا گیا "سلف ایمان میں قوی ہیں، لیکن علم میں خلف کا طریقہ قوی ہے" حالانکہ خود سلف کا اپنی نسبت یہ اعلان تھا کہ "ابرھم قلوباً و اعمقھم علماً" نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حقیقت مستور ہوتی گئی، اور اکثر گوشوں میں ایک صاف بات اُلجھتے اُلجھتے بالکل ناقابل حل بن گئی۔

آفت پر آفت یہ ہوئی کہ پہلے ایک کمزور پہلو اختیار کیا گیا، پھر بڑھتے بڑھتے، دور تک نکل گئے، پھر جب مشکلوں سے دوچار ہوئے، تو نئی نئی بحثوں اور کاوشوں کی عمارتیں اُٹھانے لگے۔ متون، شروح، حواشی اور منہیات وتعلیقات کا طریقہ یہاں بھی چلا۔ اس نے اور زیادہ اُلجھاؤ میں اُلجھاؤ ڈالے، اور بعض صورتوں میں تو پردوں کی اتنی تہیں جمع ہو گئیں کہ ایک کے بعد ایک اُٹھاتے چلے جاؤ، ظلماتٌ بعضھا فوق بعض کا عالم دکھائی دے گا۔

اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے کہ قرآن کا کوئی ایک مقام لے لو، پہلے اس کی تفسیر صحابہ و تابعین کی روایات میں ڈھونڈو۔ پھر بعد کے مفسروں کی طرف رُخ کرو، اور دونوں کا مقابلہ کرو۔ صاف نظر آ جائے گا کہ صحابہ وسلف کی تفسیر میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا، اور اُلجھاؤ پیدا ہو گئے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتوں کی نسبت حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ ﴾......الخ سے مقصود عرب کے اہل ایمان ہیں، اور ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾......الخ سے اہل کتاب۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی یہی تفسیر اختیار کی۔ لیکن بعد کے مفسر اس پر

قانع نہیں ہوئے، اور عجیب عجیب دوراز کار بحثیں پیدا کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے **ھدًی للمتقین** کے مطلب کی نشست بگڑی۔ پھر قرآن نے تین گروہوں کی تقسیم کر کے جس بات پر زور دیا تھا، اس کی ساری خوبی اور حقیقت گم ہوگئی۔

۳۔ نومسلم اقوام کے قصص و روایات اوّل دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سے اسرائیلیات (یعنی یہودیوں کے قصص وخرافات) کو ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دُور دُور تک سرایت کر چکے تھے، اور وہ برابر جسمِ تفسیر میں پیوست رہے۔

۴۔ ایک طرف تو صحابہ وسلف کی روایات سے تغافل ہوا، دوسری طرف روایاتِ تفسیر کے غیر محتاط جامعوں نے الگ آفت بپا کر دی، اور ہر تفسیر جس کا سرا کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا، سلف کی تفسیر سمجھ لی گئی۔

۵۔ اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریق استدلال دوراز کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے تمام بیانات کا محور و مرکز، اس کا طریق استدلال ہی ہے۔ اس کے ارشادات و بصائر اس کے قصص و امثال، اس کے مواعظ و حکم، اس کے مقاصد و مہمات سب اسی چیز سے کھلتے اور اُبھرتے تھے۔ یہ ایک چیز کیا گم ہوئی گویا اس کا سب کچھ ہی گم ہوگیا۔

ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ، مدعا ایں جاست!

انبیائے کرام کا طریق استدلال یہ نہیں ہوتا کہ منطقی طریقہ پر نظری مقدمات ترتیب دیں۔ پھر اُن کی بحثوں میں مخاطب کو اُلجھانا شروع کر دیں۔ وہ براہِ راست تلقین و اذعان کا فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اُسے ہر دماغ وجدانی طور پر پالیتا ہے، ہر دل قدرتی طور پر قبول کر لیتا ہے۔ لیکن ہمارے مفسروں کو فلسفہ ومنطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا کہ کسی حقیقت کو اُس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھیں اور قبول کر لیں۔ انہوں نے انبیائے کرام کے لیے بڑی فضیلت اس میں سمجھی کہ انہیں منطقی بنا دیں، اور قرآن کی ساری عظمت اس میں نظر آئی کہ اس کی ہر بات ارسطو کی منطق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلے۔ اس سانچہ میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے دلائل و براہین کی ساری خوب روئی اور دل نشینی طرح طرح کی بناوٹوں میں گم ہوگئی۔ حقیقت تو گم ہو ہی چکی تھی، لیکن وہ بات بھی نہ بنی جو لوگ بنانی چاہتے تھے۔ شکوک و ایرادات کے بے شمار دروازے کھل گئے۔ اُن کے کھولنے میں تو امام رازی کا ہاتھ بہت تیز نکلا، لیکن بند کرنے میں تیزی نہ دکھا سکے۔

۶۔ یہ آفت صرف طریق استدلال ہی میں پیش نہیں آئی، بلکہ تمام گوشوں میں پھیلی۔ منطق و فلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی مصطلحات پیدا کر دی تھیں۔ عربی لغت کے الفاظ ان مصطلحہ معانی میں مستعمل ہونے لگے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کا موضوع فلسفہ یونانی نہیں ہے، اور نہ نزولِ قرآن کے وقت عربی زبان اِن مصطلحات سے آشنا ہوئی تھی پس

جہاں کہیں قرآن میں وہ الفاظ آئے ہیں، اُن کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو وضع مصطلحات کے بعد قرار پائے، لیکن اب اُن کے وہی مفہوم لیے جانے لگے، اور اس کی بنا پر طرح طرح کی دوراز کار بحثیں پیدا کر دی گئیں۔ چنانچہ خلود، حدیث، ممثلیت، تفصیل، حجۃ، برہان، تاویل، وغیرہم نے وہ معانی پیدا کر لیے، جن کا صدر اوّل میں کسی سامع قرآن کو وہم وگمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

۷۔ اسی تخم کے یہ بھی برگ و بار ہیں کہ سمجھا گیا کہ قرآن کو وقت کی تحقیقاتِ علمیہ کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ کوشش کی گئی کہ نظامِ بطلیموسی اس پر چپکایا جائے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح آج کل کے دانش فروشوں کا طریق تفسیر یہ ہے کہ موجودہ علم ہیئت کے مسائل قرآن پر چپکا دیے جائیں۔

۸۔ ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں، اور اُس کی تمام تفصیلات اُنہیں کے گرد گردش کرتی ہیں۔ جب تک مراکز سمجھ میں نہ آئیں، دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں، اور جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لیے جائیں، اُس کی کوئی بات صحیح طور پر سمجھی نہیں جا سکتی۔

متذکرۂ صدر اسباب سے جب اُس کے مرکزی مقاصد کی وضاحت باقی نہ رہی، تو قدرتی طور پر اس کا ہر گوشہ اس سے متاثر ہوا۔ اس کا کوئی بیان، کوئی تعلیم، کوئی استدلال، کوئی خطاب، کوئی اشارہ، کوئی اجمال، ایسا نہ رہا جو اس تاثر سے محفوظ ہو۔ افسوس یہ ہے کہ اختصار کا تقاضا مثالیں پیش کرنے سے مانع ہے، اور بغیر مثال کے حقیقت واضح نہیں ہو سکتی۔ مثلاً آل عمران کی آیت ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ﴾ (۱۶۱) کی تفسیر نکال کر دیکھو کیا کیا دوراز کار بحثیں نہیں کی گئیں؟ یہودیوں کے اس قول کی تفسیر میں کہ ﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾(۵:۶۴) کن کن گوشوں میں نہیں نکل گئے، اور کس طرح محل بیان اور سیاق وسباق کا صاف صاف مقتضا نظر انداز کر دیا گیا؟

۹۔ قران کے صحت فہم کے لیے عربی لغت و ادب کا صحیح ذوق شرطِ اوّل ہے، لیکن مختلف اسباب سے جن کی تشریح محتاجِ تفصیل ہے، یہ ذوق کمزور پڑتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب مطالب میں بے شمار اُلجھاؤ محض اس لیے پڑ گئے کہ عربیت کا ذوقِ سلیم باقی نہیں رہا، اور جس زبان میں قرآن نازل ہوا تھا، اس کے محاورات و مدلولات سے یک قلم بُعد ہو گیا۔

۱۰۔ ہر عہد کا فکری اثر تمام علوم وفنون کی طرح تفسیر میں بھی کام کرتا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ پر فخر واقعہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ علمائے حق نے وقت کے سیاسی اثرات کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے، اور کبھی یہ بات گوارا نہ کی کہ اسلام کے عقائد و مسائل اُن سے اثر پذیر ہوں۔ لیکن وقت کی تاثیر صرف سیاست ہی کے دروازے سے نہیں آتی۔ اس کے نفسیاتی مؤثرات کے بے شمار دروازے ہیں، اور جب کھل جاتے ہیں تو کسی کے بند کیے بند نہیں ہو

سکتے۔ اُن کے استیلا سے عقائد و اعمال محفوظ رکھے جا سکتے تھے، اور علمائے حق نے محفوظ رکھے، لیکن دماغ محفوظ نہیں رکھے جا سکتے تھے، اور محفوظ نہیں رہے۔ یہاں ضرورت مثالوں کی ہے، لیکن اس کی مثالیں تفصیل طلب ہیں، اور اختصار کا تقاضا اجازت نہیں دیتا۔

۱۱۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد علومِ اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا، اور شواذ و نوادر کے علاوہ عام شاہراہ، تقلید کی شاہراہ ہو گئی۔ اس دائے عضال نے جسمِ تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لیے قدم اُٹھاتا تھا، کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا، اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لیے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کرے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے؟ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین کے حاشیے دیکھو، ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت کرنے میں کس طرح قوتِ تصنیف رائگاں گئی ہے؟

۱۲۔ زمانے کی بد ذوقی نے بھی ہر کج اندیشی کو سہارا دیا۔۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرونِ اخیرہ میں درس و تداول کے لیے وہی تفسیریں مقبول ہوئیں جو قدماء کے محاسن سے یک قلم خالی تھیں۔ وقت کا یہ سوئے انتخاب ہر علم و فن میں جاری رہا ہے۔ جو زمانہ جرجانی پر سکّا کی کو، اور سکّا کی پر تفتازانی کو ترجیح دیتا تھا، یقیناً اس کے دربار سے بیضاوی و جلالین ہی کو حسن قبول کی سند مل سکتی تھی!

۱۳۔ متداول تفسیریں اُٹھا کر دیکھو جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہوں گے، وہاں اکثر اُسی قول کو ترجیح دیں گے جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہو گا، جو اقوال نقل کریں گے، اُن میں بہتر قول موجود ہو گا لیکن اُسے نظر انداز کر دیں گے۔

۱۴۔ اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ و سلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں!

تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ خود قران کا یہ حال ہے کہ اوّل سے لے کر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت ہے، اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا؟ ﴾ (۴۷: ۲۴) دراصل تفسیر بالرائے میں '' رائے '' لغوی معنی میں نہیں ہے، بلکہ '' رائے '' مصطلحہ شارع ہے، اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اِس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے، بلکہ اس لیے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے، اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر

دیا جا سکتا ہے۔

مثلاً جب باب عقائد میں ردّ و کد شروع ہوئی، تو مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہو گئے۔ ہر مذہب کے مناظر نے چاہا، اپنے مذہب پر نصوصِ قرآنیہ کو ڈھالے۔ وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ بلکہ ساری کاوش اس کی تھی کہ کسی طرح اُسے اپنے مذہب کا موئد دکھلا دیں۔ اس طرح کی تفسیر، تفسیر بالرائے تھی۔

یا مثلاً مذاہب فقہیہ کے مقلدوں میں جب تحزب و تشیع کے جذبات تیز ہوئے، تو اپنے اپنے مسائل کی پیچ میں آیاتِ قرآنیہ کو کھینچ تاننے لگے۔ اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغت عربی کے صاف صاف معانی، اسلوب بیان کا قدرتی مقتضیٰ، عقل و بصیرت کا واضح فیصلہ کیا کہتا ہے؟ تمام تر کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو اپنے امام کے مذہب کے مطابق کر دکھایئے۔ یہ طریق تفسیر تفسیر بالرائے ہے۔

یا مثلاً صوفیا کا ایک گروہ اسرار و بطون کی جستجو میں دور تک نکل گیا، اور پھر اپنے موضوعہ عقائد و مباحث پر قرآن کو ڈھالنے لگا۔ قرآن کا کوئی حکم، کوئی عقیدہ، کوئی بیان تحریف معنوی سے نہ بچا۔ یہ تفسیر تفسیر بالرائے تھی۔

یا مثلاً قران کے طریق استدلال کو منطقی جامہ پہنانا، یا جہاں کہیں آسمان اور کواکب و نجوم کے الفاظ آ گئے ہیں، یونانی علم ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا، یقیناً تفسیر بالرائے ہے۔

یا مثلاً، آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیانِ اجتہاد و نظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانۂ حال کے ''اُصولِ علم و ترقی'' قرآن سے ثابت کیے جائیں۔ یا جدید تحقیقاتِ علمیہ کا اس سے استنباط کیا جائے۔ گویا قرآن صرف اسی لیے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن نے یا ڈارون اور ویلس نے بغیر کسی الہامی کتاب کے فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کر لی، اُسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے، اور پھر وہ بھی صدیوں تک دُنیا کی سمجھ میں نہ آئیں۔ یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے مفسر پیدا ہوں، اور تیرہ سو برس پیشتر کے معمے حل فرمائیں۔ یقیناً یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے ہے۔

جستجوئے حقیقت:

یہ چند اشارات ہیں کہ اختصار کے تقاضے اور محل کی تنگنائی پر بھی حوالہ قلم ہوئے، ورنہ شرح اس معاملہ کی بہت طولانی ہے۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

کم از کم ان مجمل اشارات سے اس بات کا اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ راہ کی مشکلات و موانع کا کیا حال ہے، اور کس طرح قدم قدم پر پردوں کو ہٹانا، اور چپہ چپہ پر رکاوٹوں سے دو چار ہونا ہے۔ پھر رُکاوٹیں کسی ایک گوشے ہی میں

نہیں ہیں، اور مشکلات کسی ایک دروازے ہی پر نہیں آئی ہیں۔ بہ یک وقت ہر وادی کی پیائش اور ہر گوشے میں نظر و کاوش ہونی چاہیے۔ تب کہیں جا کر حقیقت گم گشتہ کا سراغ مل سکتا ہے۔ جہاں تک میرے امکان میں تھا، میں نے کوشش کی ہے کہ ان مرحلوں سے عہدہ برآ ہوں۔ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں؟ اس کا فیصلہ میں خود نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ قرآن کے مطالعہ تدبر کی ایک نئی راہ ضرور کھل گئی ہے اور اہل نظر اس راہ کو اُن تمام راہوں سے مختلف پائیں گے جن میں آج تک قدم فرسائی کرتے رہے تھے۔

ترجمان القرآن کا مقصد ونوعیت:

قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں ہیں، اور میں نے اُنہیں تین کتابوں میں منقسم کر دیا ہے، مقدمہ تفسیر، تفسیر البیان، اور ترجمان القرآن۔ مقدمہ، تفسیر، قرآن کے مقاصد و مطالب پر اُصولی مباحث کا مجموعہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مطالب قرآنی کے جوامع وکلیات مدون ہو جائیں۔ تفسیر البیان نظر و مطالعہ کے لیے ہے، اور ترجمان القرآن قرآن کی عالم گیر تعلیم واشاعت کے لیے۔

آخری کتاب سب سے پہلے شائع کی جاتی ہے، کیونکہ اپنے مقصد ونوعیت میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے ،اور فی الحقیقت تفسیر ومقدمہ کے لیے بھی اصلی بنیاد یہی ہے۔

اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم و تدبر کے لیے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے، جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں، لیکن وہ سب کچھ ہو، جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے۔ اس غرض سے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اُمید ہے کہ اہل نظر اس کی موزونیت بہ یک نظر محسوس کر لیں گے۔ پہلے کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اُردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ رہے۔ اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ پھر جا بجا نوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جو سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلے جاتے ہیں، اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں، مزید رہنمائی کے لیے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں، اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں، مقاصد ووجوہ سے پردے اُٹھاتے ہیں، دلائل وشواہد کو روشنی میں لاتے ہیں، احکام ونواہی کو مرتب ومنضبط کرتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں، زیادہ سے زیادہ معانی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔ یہ گویا قاری قرآن کے لیے تفکر و تدبر کی روشنی ہے جو بحکم ﴿ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ (۵۷:۱۲) اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اور کہیں بھی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ترجمان القرآن کے نوٹ تشریح و وضاحت کا ایک مزید درجہ ہیں، ورنہ قرآن کا صاف صاف مطلب سمجھ لینے کے لیے متن کا ترجمہ پوری طرح کفایت کرتا ہے۔ میں نے تجربے کے لیے سورۂ بقرہ کا مجرد ترجمہ

ایک پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اُردو کی آسان کتابیں روانی کے ساتھ پڑھ لیتا تھا، پھر ہر موقع پر سوالات کر کے جانچا جہاں تک مطلب سمجھ لینے کا تعلق ہے وہ ایک مقام پر بھی نہ اٹکا، اور تمام سوالوں کا جواب دیتا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص پر تجربہ کیا جس نے بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہے، اور ابھی اس کی استعداد اس سے زیادہ نہیں کہ اُردو کے تعلیمی رسائل بہ آسانی پڑھ لیتا تھا۔ یہ تین جگہ تین فارسی لفظوں پر اٹکا، لیکن مطلب سمجھنے میں اسے بھی کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتہً زیادہ سہل الفاظ رکھ دیے۔

نوٹوں کی ترتیب کا معاملہ نفس ترجمہ سے کم مشکل نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے لیے ایک محدود مقدار سے زیادہ جگہ نکل نہیں سکتی تھی، اور نوٹ، نوٹ نہ رہتے اگر ایک خاص مقدار سے کیت یا تعداد میں زیادہ ہو جاتے، لیکن ساتھ ہی ضروری تھا کہ کوئی اہم مقام تشنہ نہ رہ جائے، اور مقاصد و مطالب قرآنی کی تمام مہمات واضح ہو جائیں، پس پوری احتیاط کے ساتھ ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا ہے کہ لفظ کم سے کم ہیں، لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لیے گئے ہیں۔ جس چیز کی لوگ کمی پائیں گے، وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب مین کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ اُن کے ہر لفظ اور ہر جملہ پر جس قدر غور کیا جائے گا، مطالب و مباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت عدۃ طلاق پر ایک نوٹ ہے ''طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کر کے نکاح کی اہمیت، نسب کے تحفظ، اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کر دیا گیا۔'' (۲۵۳) یہ نہایت مختصر جملہ ہے لیکن اسی میں عدت طلاق کے تعین کی وہ تینوں مصلحتیں واضح کر دی گئی ہیں، جن میں سے ہر مصلحت کی بحث تفسیر کے ایک پورے صفحے میں بمشکل آتی۔ نکاح کی اہمیت چاہتی تھی کہ یہ رشتہ ایسا بن کر نہ رہ جائے کہ ادھر ختم ہوا اور ادھر از سر نو شروع ہو گیا۔ ہر دو رشتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ فصل اور انتظار کی حالت ضرور ہونی چاہیے۔ نسب کا تحفظ بھی چاہتا تھا کہ اتنا وقفہ ضرور گزر جائے کہ حمل کا شبہ باقی رہے لیکن ساتھ ہی اس کی رعایت بھی ضروری تھی کہ عورت کے نکاح ثانی کے حقوق میں بے جا دست اندازی نہ ہو۔ پس قرآن نے ایک ایسی مدت ٹھہرا دی جس سے ایک طرف تو پہلی اور دوسری مصلحت پوری ہوگئی، دوسری طرف تیسری مصلحت میں بھی خلل نہیں پڑا۔ کیونکہ ابتدائی دو مصلحتوں کے لیے کم سے کم مدت ہے جو قرار دی گئی ہے۔ یہ تمام تشریحات نوٹ میں نہیں آ سکتی تھیں، اور نہیں آئی ہیں، لیکن اصل مطلب پورا پورا آ گیا ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ مطالعہ کے وقت غور و فکر کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

تفسیر سورۂ فاتحہ:

پہلی جلد کی ابتدا میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا ملخص بھی شامل کر دیا گیا ہے، کیونکہ وہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر، ترجمہ قرآن کے لیے اس کا قدرتی مقدمہ تھی، اور ضروری تھا کہ کم از کم یہ مقدمہ، تلاوتِ ترجمہ سے پہلے ذہن نشین ہو جائے۔

البتہ یہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ اس میں مباحث کے پھیلاؤ سمیٹ دیے ہیں، تفصیلات کو جا بجا مختصر کر دیا ہے۔ تمہید و توطیہ کی قسم کی تمام چیزیں نکال دی ہیں، لیکن نفس مطالب میں بجز ایک مقام کے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یہ مقام صفاتِ الٰہی کے تصور کے مباحث کا ہے۔ اس میں ایک بڑا حصہ صفاتِ الٰہی کے اُن مباحث کا تھا جن کا تعلق زیادہ تر فلسفہ و کلام کے قدیم مذاہب و مباحث سے ہے۔ نیز فرداً فرداً اُن تمام صفات پر نظر ڈالی گئی تھی جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چونکہ یہ حصہ عام مطالعہ اور دلچسپی کا نہ تھا، اس لیے ترجمان القرآن میں اس کی موجودگی ضرورت سے زیادہ محسوس ہوئی، اور اسے الگ کر دیا گیا۔

خاتمہ:

آخر میں چند الفاظ اس پورے سلسلۂ ترجمہ و تفسیر کی نسبت کہہ دینا ضروری ہیں۔ کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے، اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے حتی الوسع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ علم و نظر کی راہوں میں آج کل قدیم و جدید کی تقسیمیں کی جاتی ہیں، لیکن میرے لیے یہ تقسیمیں بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے، وہ مجھے ورثہ میں ملا، اور جو کچھ جدید ہے، اُس کے لیے اپنی راہیں آپ نکال لیں۔ میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں میں گام فرسائی کرتا رہا ہوں:

رہا ہوں رند بھی میں اور پارسا بھی میں
مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک!

خاندان، تعلیم، اور سوسائٹی کے اثرات نے جو کچھ میرے حوالے کیا تھا، میں نے اوّل روز ہی اس پر قناعت کرنے سے انکار کر دیا، اور تقلید کی بندشیں کسی گوشے میں روک نہ ہو سکیں، اور تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں بھی ساتھ نہ چھوڑا:

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم!

میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں، اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو، میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں، اور تریاق کے نسخے بھی ہر دار الشفا کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا، تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں، اور۔ جب سیراب ہوا، تو میری سیرابی کا سرچشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا:

راہے کہ خضر داشت زسرچشمہ دُور بود
لب تشنگی زراہِ دگر بردہ ایم ما!

اس تمام عرصے کی جستجو وطلب کے بعد، قرآن کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھ سکا ہوں، میں نے اس کتاب کے صفحوں پر پھیلا دیا ہے:

سبک زجائے نگیری ، کہ بس گراں گہرست
متاعِ من کہ نصیبش مبادا رزانی!

﴿ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (۱۲:۱۱۱)

۱۶۔نومبر ۱۹۳۰ء
ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ

ابوالکلام

دیباچہ طبع ثانی

آزمودیم ، بزورِ مئے امسال نہ بود

قدحے داشت خم از بادۂ پارینۂ ما

انسان کے نقص و درماندگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے کام کبھی جامۂ تکمیل سے آراستہ نہیں ہو سکتے۔ وہ آج ایک کام کر کے اُٹھتا ہے اور سمجھتا ہے، اُسے مکمل کر چکا، مگر پھر دوسرے دن دیکھتا ہے تو خود اُس کی نگاہ کی جانچ بدل جاتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ طرح طرح کی خامیاں رہ گئی تھیں۔ ہر اہل قلم جو اپنے پیچھے آثار پر نظر ڈالے گا، اس قول کی صداقت معلوم کر لے گا۔

میں نے ترجمان القرآن جلد اوّل پر اب کئی سال کے بعد نظر ڈالی، تو یہی معاملہ پیش آیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ از سرِ نو پوری تفسیر اور ترجمے کی نظر ثانی کرنی پڑی اور معاملے نے ایک دوسرا ہی آب و رنگ پیدا کر لیا۔

اس سلسلے میں حسب ذیل تبدیلیاں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

۱۔ تفسیر سورۂ فاتحہ میں جا بجا نئے مطالب کا اضافہ کیا گیا جو طبع اوّل میں نظر انداز کر دیے گئے تھے۔ ان اضافوں سے اب تفسیر کی مقدار تقریباً ڈیوڑھی ہو گئی ہے۔

بڑا اضافہ قرآن کے ''تصورِ الٰہی'' کے مبحث میں کیا گیا ہے۔

صفاتِ الٰہی کا مسئلہ ایک نہایت دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس کے بحث و نظر کی سرحد ایک طرف مابعد الطبیعیات (Metaphysics) سے جا ملی ہے، دوسری طرف مذہب سے، اور دونوں نے یکساں طور پر اُسے اپنے حلقہ فکر کا موضوع تصور کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم و نظر کے ہر دور میں علمائے مذاہب سے زیادہ فلسفیوں کی کاوشوں نے اس میں حصہ لیا ہے، اور ہندوستان، یونان، اسکندریہ، اور قرونِ وسطیٰ کے فلسفیانہ مباحث کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ مسلمانوں میں جب علم توحید و کلام کی بحثوں نے سر اٹھایا تو اسی مسئلے میں سب سے زیادہ ردّ و کد ہوئی اور مختلف مذاہب پیدا ہو گئے۔ اصحابِ حدیث اور اشاعرہ کا سب سے بڑا اختلاف اسی دروازے سے آیا تھا۔

یہ مسئلہ بھی من جملہ اُن مسئلوں کے ہے جو طالب علمی کے زمانے میں میرے لیے سخت شکوک و خلجان کا باعث ہوئے تھے اور مدتوں حیران و سرگشتہ رہا تھا۔ بالآخر جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو معلوم ہوا کہ متکلمین کی رہنمائی اس راہ میں کچھ سودمند نہیں ہو سکتی۔ بلکہ منزل مقصود سے اور زیادہ دُور کر دیتی ہے۔ یقین و طمانیت کی اگر راہ ہے تو وہی ہے

جو ظواہر قرآن نے اختیار کی ہے اور جس سے متبعین سلف منحرف ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔

چند انکہ دست و پازدم ، آشفتہ ترشدم
ساکن شدم ، میانہ دریا کنارشد!

اس جستجو و طلب نے بالآخر جن نتیجوں تک پہنچایا تھا، وہ بالاختصار اس مقام میں واضح کر دیے گئے ہیں۔

فلسفہ و کلام میں یہ مباحث نہایت پیچیدہ اور فنی مصطلحات کی گرہوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان گرہوں کو کھول دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ مبحث اس درجہ واضح ہو گیا ہے کہ جو حضرات اسلامی علوم کے فنی اور مصطلحاتی طریقہ سے آشنا نہیں ہیں، وہ بھی اس میں دلچسپی لے سکیں گے۔ جہاں کہیں فلسفہ و کلام کی عربی مصطلحات آ گئی ہیں، وہاں انگریزی مصطلحات بھی دے دی گئی ہیں تاکہ موجودہ زمانے کے فلسفیانہ مباحث سے ذوق رکھنے والوں کو فہم مطالب میں دشواری پیش نہ آئے۔

۲۔ "تصورِ الٰہی" کے مبحث میں مذاہب عالم کے اعتقادی تصوروں کا بھی ذکر آ گیا تھا، لیکن طبع اوّل میں صرف اشارات سے کام لیا گیا، کیونکہ دائرۂ بحث کو زیادہ پھیلانا منظور نہ تھا۔ لیکن اب اس مقام پر دوبارہ نظر ڈالی گئی تو محسوس ہوا کہ مبحث تشنہ رہ گیا ہے، اور ضروری ہے کہ رشتہ بیان کو ایک خاص حد تک بڑھنے دیا جائے چنانچہ یہ حصہ اب ازسرنو لکھا گیا اور جس حد تک محل کا مقتضی اجازت دیتا تھا، شرح و تفصیل کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی گئی۔

۳۔ طبع اوّل میں صرف ابواب کی تقسیم کافی سمجھی گئی تھی۔ اب جا بجا حاشیے کے عنوان بھی بڑھا دیے ہیں۔ اس اضافے سے تمام مطالب اس طرح منضبط ہو گئے کہ بہ یک نظر ان کا خلاصہ معلوم کر لیا جا سکتا ہے۔

۴۔ پورے ترجے پر نظر ثانی کی گئی، اور یہ اصل پیش نظر رہی کہ زیادہ سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سر رشتہ ایجاز بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، نیز جہاں تک متن کا لفظی اتباع کیا جا سکتا ہے، اُسے قائم رکھا جائے جن حضرات کی نظر سے پچھلی طباعت کا ترجمہ گزر چکا ہے، وہ اب اس کا مطالعہ کریں گے تو ہر دوسری تیسری سطر میں کوئی نہ کوئی تبدیلی اُنہیں ضرور محسوس ہوگی۔

۵۔ ترجے کے تشریحی نوٹوں میں بھی جا بجا اضافے کیے گئے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعہ یہ طباعت پچھلی طباعت سے اپنی خصوصیات میں اس درجہ مختلف ہو گئی ہے کہ میں خیال کرتا ہوں، جن حضرات کی نظر سے پچھلی طباعت گزر چکی ہے، وہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، وہ نقش اوّل تھا۔ یہ نقش ثانی ہے۔

قید خانہ قلعہ احمد نگر
۷۔ فروری ۱۹۴۵ء

ابوالکلام

(١)

سورت کی اہمیت اور خصوصیات

یہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے- اس لیے فاتحۃ الکتاب کے نام سے پکاری جاتی ہے-

جو بات زیادہ اہم ہوتی ہے' قدرتی طور پر پہلی اور نمایاں جگہ پاتی ہے- یہ سورت قرآن کی تمام سورتوں میں خاص اہمیت رکھتی تھی' اس لیے قدرتی طور پر اس کی موزوں جگہ قرآن کے پہلے صفحے ہی میں قرار پائی - چنانچہ خود قرآن نے اس کا ذکر ایسے ہی لفظوں میں کیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے-

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾ (١٥:٨٧)

اے پیغمبر! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تمہیں سات دہرائی جانے والی چیزیں عطا فرمائیں اور قرآن عظیم-

احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت میں ''سات دہرائی جانے والی چیزوں'' سے مقصود یہی سورت ہے کیونکہ یہ سات آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نماز میں دہرائی جاتی ہے- یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو سبع المثانی بھی کہتے ہیں-[1]

احادیث و آثار میں اس سورت کے دوسرے نام بھی آئے ہیں جن سے اس کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے- مثلاً اُم القرآن' الکافیہ' الکنز' اساس القرآن[2]

---

[1] امام بخاری اور اصحاب سنن نے ابوسعید بن المعلی سے روایت کیا ہے کہ الحمد للہ رب العلمین' ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ- اور امام مالک' ترمذی اور حاکم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابی ابن کعبؓ کو سورۂ فاتحہ کی تلقین کی اور یہی الفاظ ارشاد فرمائے- اسی طرح طبری نے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ ''السبع المثانی فاتحۃ الکتاب' اگرچہ ابن مسعودؓ کی اسناد منقطع ہے- لیکن ابن عباس کی حسن ہے- ابو العالیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اس کے علاوہ ائمہ تابعین کی ایک بڑی جماعت اسی طرف گئی ہے- حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تمام روایات جمع کر دی ہیں- (شرح کتاب التفسیر جلد ٨- صفحہ- ١٢٠- طبع اول)

[2] صحیح بخاری' موطا امام مالک' ابوداؤد' ابن ماجہ' اور مسند احمد میں بہ اختلاف الفاظ اس مضمون کی روایات موجود ہیں-

عربی میں ''اُمّ'' کا اطلاق تمام ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو ایک طرح کی جامعیت رکھتی ہوں یا بہت سی چیزوں میں مقدم اور نمایاں ہوں یا پھر کوئی ایسی اوپر کی چیز ہو جس کے نیچے اس کے بہت سے توابع ہوں- چنانچہ سر کے درمیانی حصے کو ام الراس کہتے ہیں کیونکہ وہ دماغ کا مرکز ہے- فوج کے جھنڈے کو ام کہتے ہیں کیونکہ تمام فوج اسی کے نیچے جمع ہوتی ہے- مکہ کو ام القریٰ کہتے تھے کیونکہ خانہ کعبہ اور حج کی وجہ سے عرب کی تمام آبادیوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی- پس اس سورت کو اُمُّ القرآن کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک ایسی سورت ہے جس میں مطالب قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت ہے یا جو قرآن کی تمام سورتوں میں اپنی نمایاں اور مقدم جگہ رکھتی ہے-

اساسُ القرآن کے معنی ہیں قرآن کی بنیاد- الکافیہ کے معنی ہیں ایسی چیز جو کفایت کرنے والی ہو' الکنز خزانہ کو کہتے ہیں- علاوہ بریں ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے یہ اوصاف عہد نبوت میں عام طور پر مشہور تھے-

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ابی بن کعبؓ کو اس سورت کی تلقین کی اور فرمایا ''اس کے مثل کوئی سورت نہیں''-

ایک دوسری روایت میں اسے ''سب سے بڑی سورت''[1] اور ''سب سے بہتر سورت'' بھی فرمایا ہے-

سورۂ فاتحہ میں دین حق کے تمام مقاصد کا خلاصہ موجود ہے:

چنانچہ اس سورت کے مطالب پر نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اور قرآن کے بقیہ حصے میں اجمال اور تفصیل کا سا تعلق پیدا ہو گیا ہے- یعنی قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں سورۂ فاتحہ میں انہی کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے- اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے صرف اس سورت کے مطالب ذہن نشین کر لے جب بھی وہ دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کر لے گا اور یہی قرآن کی تمام تفصیلات کا ماحصل ہے-

علاوہ ازیں جب اس پہلو پر غور کیا جائے کہ سورت کا پیرایہ دعائیہ ہے اور اسے روزانہ عبادت کا ایک لازمی جزو قرار دیا گیا ہے تو اس کی یہ خصوصیت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس اجمال و تفصیل میں بہت بڑی مصلحت پوشیدہ تھی- مقصود یہ تھا کہ قرآن کے مفصل بیانات کا ایک مختصر اور سیدھا سادھا خلاصہ بھی ہو جسے ہر انسان بآسانی ذہن نشین کر لے اور پھر ہمیشہ اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں دہراتا رہے- یہ اس کی دینی زندگی کا دستور العمل' خدا پرستی کے عقائد کا خلاصہ اور روحانی تصورات کا نصب العین ہوگا- یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس سورت کا ذکر کرتے ہوئے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ کہہ کر اس کی خصوصیت کی طرف اشارہ کر دیا- یعنی ہمیشہ دہرائے جانے اور ورد رکھنے ہی میں اس کے نزول کی حکمت پوشیدہ ہے-

---

[1] ابو سعید بن معلی کی روایت میں جس کی تخریج پچھلے حاشیہ میں گزر چکی ہے' اسے اعظم سورۃ فی القرآن فرمایا ہے' اور مسند کی روایت ابن جابر میں اخیر کا لفظ ہے-

کوئی شخص کتنا ہی نادان اوران پڑھ ہو لیکن ان چار سطروں کا یاد کر لینا اوران کا سیدھا سادھا مطلب سمجھ لینا اس کے لیے کچھ دشوار نہیں ہوسکتا- اگر ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے کچھ نہ پڑھ سکا جب بھی اس نے دین حق کا بنیادی سبق حاصل کرلیا یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے اس سورت کا سیکھنا اور پڑھنا ناگزیر ہوا اور نماز کی دعا اس کے سوا کوئی نہ ہوسکی کہ ((لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ)) (صحیحین) اوراسی لیے صحابہ کرامؓ اسے سورۃ الصلوٰۃ کے نام سے پکارتے تھے- یعنی وہ سورت جس کے بغیر نماز نہیں پڑھی جاسکتی- ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے جس قدر پڑھے اور سیکھے مزید معرفت وبصیرت کا ذریعہ ہوگا لیکن اس سے کم کوئی چیز نہیں ہوسکتی-

دین حق کا ماحصل:

دین حق کا تمام تر ماحصل کیا ہے؟ جس قدر غور کیا جائے گا ان چار باتوں سے باہر کوئی بات دکھائی نہ دے گی-

1. خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور اس لیے کہ انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں-
2. قانون مجازات کا اعتقاد- یعنی جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ اور قدرتی تاثیر ہے اسی طرح انسانی اعمال کے بھی معنوی خواص اور نتائج ہیں- نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے کا برائی-
3. معاد کا یقین- یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی- اس کے بعد بھی زندگی ہے اور جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے-
4. فلاح وسعادت کی راہ اوراس کی پہچان-

سورۂ فاتحہ کا اسلوب بیان:

اب غور کرو کہ ان باتوں کا خلاصہ اس سورت میں کس خوبی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے! ایک طرف زیادہ سے زیادہ مختصر حتی کہ گنے ہوئے الفاظ ہیں' دوسری طرح ایسے نچے تلے الفاظ کہ ان کے معانی سے پوری وضاحت اور دل نشینی پیدا ہوگئی ہے- ساتھ ہی نہایت سیدھا سادھا بیان ہے- کسی طرح کا پیچ وخم نہیں- کسی طرح کا الجھاؤ نہیں-

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا میں جو چیز جتنی زیادہ حقیقت سے قریب ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ سہل اور دلنشین بھی ہوتی ہے اور خود فطرت کا یہ حال ہے کہ کسی گوشے میں بھی الجھی ہوئی نہیں ہے- الجھاؤ جس قدر بھی پیدا ہوتا ہے بناوٹ اور تکلف سے پیدا ہوتا ہے- پس جو بات سچی اور حقیقی ہوگی ضروری ہے کہ سیدھی سادھی اور دلنشین بھی ہو- دل نشینی کی انتہا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ایسی بات تمہارے سامنے آجائے تو ذہن کو کسی طرح کی اجنبیت محسوس نہ ہو- وہ اس طرح قبول کرلے گویا پیشتر سے سمجھی بوجھی ہوئی بات تھی- اردو کے ایک شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

اب غور کرو کہ جہاں تک انسان کی خدا پرستی اور خدا پرستی کے تصورات کا تعلق ہے اس سے زیادہ سیدھی سادھی باتیں اور کیا ہو سکتی ہیں جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور پھر اس سے زیادہ سہل اور دلنشین اسلوب بیان کیا ہو سکتا ہے؟ سات چھوٹے چھوٹے بول ہیں- ہر بول چار پانچ لفظوں سے زیادہ کا نہیں اور ہر لفظ صاف اور دل نشین معانی کا نگینہ ہے جو اس انگوٹھی میں جڑ دیا گیا ہے- اللہ کو مخاطب کر کے ان صفتوں سے پکارا گیا ہے جن کا جلوہ شب و روز انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے اگرچہ وہ اپنی جہالت و غفلت سے ان میں غور و تفکر نہیں کرتا- پھر اس کی بندگی کا اقرار ہے' اس کی مدد گاریوں کا اعتراف ہے اور زندگی کی لغزشوں سے بچ کر سیدھی راہ لگ کر چلنے کی طلبگاری ہے- کوئی مشکل خیال نہیں' کوئی انوکھی بات نہیں' کوئی عجیب و غریب راز نہیں- اب کہ ہم بار بار یہ سورت پڑھتے رہتے ہیں اور صدیوں سے اس کے مطالب نوع انسانی کے سامنے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہمارے دینی تصورات کی ایک بہت ہی معمولی سی بات ہے لیکن یہی معمولی بات جس وقت تک دنیا کے سامنے نہیں آئی تھی اس سے زیادہ کوئی غیر معلوم اور نا قابل حل بات بھی نہ تھی- دنیا میں حقیقت اور سچائی کی ہر بات کا یہی حال ہے- جب تک سامنے نہیں آتی' معلوم ہوتا ہے اس سے زیادہ مشکل بات کوئی نہیں- جب سامنے آ جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے اس سے زیادہ صاف اور سہل بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ عرفی نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایے میں بیان کی ہے-

ہر کس نشناسندۂ راز ست' وگرنہ   اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست!

دنیا میں جب کبھی وحیٔ الٰہی کی ہدایت نمودار ہوئی تو اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ انسان کو نئی نئی باتیں سکھا دی ہوں کیونکہ خدا پرستی کے بارے میں کوئی انوکھی بات سکھائی ہی نہیں جا سکتی- اس کا کام صرف یہ رہا ہے کہ انسان کے وجدانی عقائد کو علم و اعتراف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتا دے اور یہی سورۂ فاتحہ کی خصوصیت ہے- اس سورت نے نوع انسانی کے وجدانی تصورات ایک ایسی تعبیر سے سنوار دیے کہ ہر عقیدہ' ہر فکر' ہر جذبہ' اپنی حقیقی شکل و نوعیت میں نمودار ہو گیا اور چونکہ یہ تعبیر حقیقت حال کی سچی تعبیر ہے اس لیے جب کبھی ایک انسان راست بازی کے ساتھ اس پر غور کرے گا بے اختیار پکار اٹھے گا کہ اس کا ہر بول اور ہر لفظ اس کے دل و دماغ کی قدرتی آواز ہے!

دین حق کی مہمات:

پھر دیکھو اگرچہ اپنی نوعیت میں وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک خدا پرست انسان کی سیدھی سادھی دعا ہے لیکن کس طرح اس کے ہر لفظ اور ہر اسلوب سے دین حق کا کوئی نہ کوئی اہم مقصد واضح ہو گیا ہے اور کس طرح اس کے الفاظ نہایت اہم معانی و دقائق کی نگرانی کر رہے ہیں!

1. خدا کے تصور کے بارے میں انسان کی ایک بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ اس تصور کو محبت کی جگہ خوف و دہشت کی چیز بنا لیتا تھا- سورۂ فاتحہ کے سب سے پہلے لفظ نے اس گمراہی کا ازالہ کر دیا-

﴿ الحمدلله رب العالمین ﴾ اس کی ابتدا حمد کے اعتراف سے ہوتی ہے حمد ثنائے جمیل کو کہتے ہیں یعنی اچھی صفتوں

کی تعریف کرنے کو- ثنائے جمیل اسی کی کی جاسکتی ہے جس میں خوبی و جمال ہو- پس حمد کے ساتھ خوف و دہشت کا تصور جمع نہیں ہوسکتا- جو ذات محمود ہوگی وہ خوفناک نہیں ہوسکتی-

پھر حمد کے بعد خدا کی عالمگیر ربوبیت' رحمت اور عدالت کا ذکر کیا ہے اور اس طرح صفات الٰہی کی ایک ایسی مکمل شبیہ کھینچ دی ہے جو انسان کو وہ سب کچھ دے دیتی ہے جس کی انسانیت کے نشوو ارتقا کے لیے ضرورت ہے اور ان تمام گمراہیوں سے محفوظ کر دیتی ہے جو اس راہ میں اسے پیش آسکتی ہیں-

2. ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں خدا کی عالمگیر ربوبیت کا اعتراف ہے جو ہر فرد' ہر جماعت' ہر قوم' ہر ملک اور ہر گوشۂ وجود کے لیے ہے- اس لیے یہ اعتراف ان تمام تنگ نظریوں کا خاتمہ کر دیتا ہے جو دنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں میں پیدا ہوگئی تھیں اور ہر قوم اپنی جگہ سمجھنے لگی تھی کہ خدا کی برکتیں اور سعادتیں صرف اسی کے لیے ہیں کسی دوسری قوم کا ان میں حصہ نہیں-

3. ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ میں ''اَلدِّيْنِ کا لفظ جزا کے قانون کا اعتراف ہے اور جزا کو ''دین'' کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جزا انسانی اعمال کے قدرتی نتائج و خواص ہیں- یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب وانتقام بندوں کو عذاب دینا چاہتا ہو- کیونکہ ''الدّین'' کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں-

4. ربوبیت اور رحمت کے بعد ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کے وصف نے یہ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ اگر کائنات میں صفاتِ رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال بھی اپنی نمود رکھتی ہیں تو یہ اس لیے نہیں کہ پروردگار عالم میں غضب و انتقام ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ عادل ہے اور اس کی حکمت نے ہر چیز کے لیے اس کا ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے- عدل منافی رحمت نہیں ہے بلکہ عین رحمت ہے-

5. عبادت کے لیے یہ نہیں کہا کہ نعبدك بلکہ کہا ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ یعنی یہ نہیں کہا کہ ''تیری عبادت کرتے ہیں''- بلکہ حصر کے ساتھ کہا ''صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں''- اور پھر اس کے ساتھ ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کہہ کر استعانت کا بھی اسی حصر کے ساتھ ذکر کر دیا- اس اسلوب بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دیے اور شرک کی ساری راہیں بند ہوگئیں!

6. سعادت و فلاح کی راہ کو ﴿ صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ یعنی سیدھی راہ سے تعبیر کیا جس کی اس سے زیادہ بہتر اور قدرتی تعبیر نہیں ہوسکتی کیونکہ کوئی نہیں جو سیدھی راہ اور ٹیڑھی راہ میں امتیاز نہ رکھتا ہو اور پہلی راہ کا خواہشمند نہ ہو-

7. پھر اس کے لیے ایک سیدھی سادھی اور جانی بوجھی ہوئی شناخت بتا دی جس کا اذعان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے اور جو محض ایک ذہنی تعریف ہونے کی جگہ ایک موجود و مشہود حقیقت نمایاں کر دیتی ہے- یعنی وہ راہ جو انعام یافتہ انسانوں کی راہ ہے- کوئی ملک' کوئی قوم' کوئی زمانہ' کوئی فرد ہو' لیکن انسان ہمیشہ دیکھتا ہے کہ زندگی کی دو راہیں یہاں صاف موجود ہیں- ایک راہ کامیاب انسانوں کی راہ ہے' ایک ناکام انسانوں کی- پس ایک

واضح اور آشکارا بات کے لیے سب سے بہتر علامت یہی ہو سکتی تھی کہ اس کی طرف انگلی اٹھا دی جائے۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا ایک معلوم بات کو مجہول بنا دینا تھا۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کے لیے دعا کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر تعلیم وامر کا پیرایہ اختیار کیا جاتا تو اس کی نوعیت کی ساری تاثیر جاتی رہتی۔ دعائیہ اسلوب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر راست باز انسان کی جو خدا پرستی کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے صدائے حال کیا ہوتی ہے اور کیا ہونی چاہیے؟ یہ گویا خدا پرستی کے فکر و وجدان کا سر جوش ہے جو ایک طالب صادق کی زبان پر بے اختیار ابل پڑتا ہے!

﴿۲﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

حَمْد:

عربی میں حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں' یعنی اچھی صفتیں بیان کرنے کے۔ اگر کسی کی بری صفتیں بیان کی جائیں تو یہ حمد نہ ہوگی۔ حمد پر الف لام ہے یہ استغراق کے لیے بھی ہوسکتا ہے' جنس کے لیے بھی۔ پس ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ حمد وثنا میں سے جو کچھ اور جیسا کچھ بھی کہا جا سکتا ہے وہ سب اللہ کے لیے ہے کیونکہ خوبیوں اور کمالوں میں سے جو کچھ بھی ہے سب اسی سے ہے اور اسی میں ہے۔ اور اگر حسن موجود ہے تو نگاہ عشق کیوں نہ ہو اور اگر محمودیت جلوہ افروز ہے تو زبانِ حمد و ستائش کیوں خاموش رہے؟

آئینۂ ما روئے ترا عکس پذیر است
گر تو نہ نمائی گنہ از جانب ما نیست

حَمْد سے سورت کی ابتدا کیوں کی گئی؟ اس لیے کہ معرفت الٰہی کی راہ میں انسان کا پہلا تاثر یہی ہے۔ یعنی جب کبھی ایک صادق انسان اس راہ میں قدم اٹھائے گا تو سب سے پہلی حالت جو اس کے فکر ووجدان پر طاری ہوگی وہ قدرتی طور پر وہی ہو گی جسے یہاں تحمید وستائش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان کے لیے معرفت حق کی راہ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کائنات خلقت میں تفکر وتدبر کرے۔ مصنوعات کا مطالعہ اسے صانع تک پہنچا دے گا۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (۳:۱۸۸)

اب فرض کرو' ایک طالب صادق اس راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور کائنات خلقت کے مظاہر وآثار کا مطالعہ کرتا ہے تو سب سے پہلا اثر جو اس کے دل ودماغ پر طاری ہوگا وہ کیا ہوگا؟ وہ دیکھے گا کہ خود اس کا وجود اور اس کے وجود سے باہر کی ہر چیز ایک صانع حکیم اور مدبر قدیر کی کارفرمائیوں کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی ربوبیت اور رحمت کا ہاتھ ایک ایک ذرۂ خلقت میں صاف نظر آ رہا ہے۔ پس قدرتی طور پر اس کی روح جوش ستائش اور محویت جمال سے معمور ہو جائے گی۔ وہ بے اختیار پکار اٹھے گا کہ

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ساری حمد و ستائش اسی کے لیے ہے جو اپنی کار فرمائی کے ہر گوشے میں سر چشمہ رحمت و فیضان اور معنی حسن و کمال ہے!

اس راہ میں فکر انسانی کی سب سے بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ اس کی نظریں مصنوعات کے جلووں میں محو ہو کر رہ جاتیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرتیں۔ وہ پردوں کے نقش و نگار دیکھ کر بے خود ہو جاتا مگر اس کی جستجو نہ کرتا جس نے اپنے جمال صنعت پر یہ دل آویز پردے ڈال رکھے ہیں، دنیا میں مظاہر فطرت کی پرستش کی بنیاد اسی کوتاہ نظری سے پڑی۔ پس ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کا اعتراف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ کائنات ہستی کا تمام فیضان و جمال خواہ کسی گوشے اور کسی شکل میں ہو صرف ایک صانع حقیقی کی صفتوں ہی کا ظہور ہے۔ اس لیے حسن و جمال کے لیے جتنی بھی شیفتگی ہوگی' خوبی و کمال کے لیے جتنی بھی مدحت طرازی ہوگی اور بخشش و فیضان کا جتنا بھی اعتراف ہوگا' وہ مصنوع و مخلوق کے لیے نہیں ہوگا۔ صانع و خالق ہی کے لیے ہوگا:

عبارُتنا شتّٰی وحُسنُك واحد　　　وكلٌّ الٰى ذاك الجمالِ يشير!

اَللّٰہُ:

نزول قرآن سے پہلے عربی میں اللہ کا لفظ خدا کے لیے بطور اسم ذات کے مستعمل تھا جیسا کہ شعرائے جاہلیت کے کلام سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا کی تمام صفتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ یہ کسی خاص صفت کے لیے نہیں بولا جاتا تھا۔ قرآن نے بھی یہی لفظ بطور اسم ذات کے اختیار کیا اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (۷: ۱۷۹)

''اور اللہ کے لیے حسن و خوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) پس چاہیے کہ اسے ان صفتوں کے ساتھ پکارو!''

قرآن نے یہ لفظ محض اس لیے اختیار کیا کہ لغت کی مطابقت کا مقتضا یہی تھا یا اس سے بھی زیادہ کوئی معنوی موزونیت اس میں پوشیدہ ہے؟

جب ہم اس لفظ کی معنوی دلالت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے اس غرض کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

نوع انسانی کے دینی تصورات کا ایک قدیم عہد جو تاریخ کی روشنی میں آیا ہے۔ مظاہر فطرت کی پرستش کا عہد ہے۔ اسی پرستش نے بتدریج اصنام پرستی کی صورت اختیار کی اصنام پرستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف زبانوں میں بہت سے الفاظ دیوتاؤں کے لیے پیدا ہو گئے اور جوں جوں پرستش کی نوعیت میں وسعت ہوتی گئی الفاظ کا تنوع بھی بڑھتا گیا لیکن چونکہ یہ بات انسان کی فطرت کے خلاف تھی کہ ایک ایسی ہستی کے تصور سے خالی الذہن رہے جو سب سے اعلیٰ اور سب کی پیدا کرنے والی ہستی ہے اس لیے دیوتاؤں کی پرستش کے ساتھ ایک سب سے بڑی اور سب پر حکمراں ہستی کا تصور بھی کم و بیش ہمیشہ موجود رہا اور اس لیے جہاں بے شمار الفاظ دیوتاؤں اور ان کی معبودانہ صفتوں کے لیے پیدا ہو گئے وہاں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا بھی ضرور

مستعمل رہا جس کے ذریعہ اس ان دیکھی اور اعلیٰ ترین ہستی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا-

چنانچہ سامی زبانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف واصوات کی ایک خاص ترکیب ہے جو معبودیت کے معنی میں مستعمل رہی ہے- عبرانی، سریانی، آرامی، کلدانی، حمیری، عربی وغیرہ تمام زبانوں میں اس کا یہ لغوی خاصہ پایا جاتا ہے- یہ الف، لام اور ہ کا مادہ ہے اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے- کلدانی و سریانی کا ''الاہیا'' عبرانی کا ''الوہ'' اور عربی کا ''اِلٰہ'' اسی سے ہے اور بلاشبہ یہی ''اِلٰہ'' ہے جو حرف تعریف کے اضافہ کے بعد اللہ ہو گیا ہے اور تعریف نے اسے صرف خالق کائنات کے لیے مخصوص کر دیا ہے-

لیکن اگر اللہ ''اِلٰہ'' سے ہے، تو ''اِلٰہ'' کے معنی کیا ہیں؟ علمائے لغت و اشتقاق کے مختلف اقوال ہیں، مگر سب سے زیادہ قوی قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل ''اَلِہَ'' ہے اور ''اَلِہَ'' کے معنی تحیر اور درماندگی کے ہیں، بعضوں نے اسے ''ولہ'' سے ماخوذ بتایا ہے اور اس کے معنی بھی یہی ہیں پس خالق کائنات کے لیے یہ لفظ اس لیے اہم قرار پایا کہ اس بارے میں انسان جو کچھ جانتا اور جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور ادراک کی درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے- وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور و خوض کرے گا اس کی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی ہی جائے گی- یہاں تک کہ وہ معلوم کر لے گا کہ اس راہ کی ابتدا بھی عجز و حیرت سے ہوتی ہے اور انتہا بھی عجز و حیرت ہی ہے!

اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک بر فرق من و تمثیل من!

اب غور کرو خدا کی ذات کے لیے انسان کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں میں اس سے زیادہ موزوں لفظ اور کون سا ہو سکتا ہے؟ اگر خدا کو اس کی صفتوں سے پکارنا ہے تو بلاشبہ اس کی صفتیں بے شمار ہیں لیکن اگر صفات سے الگ ہو کر اس کی ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے تو وہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ایک متحیر کر دینے والی ذات ہے اور جو کچھ اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے وہ عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا کچھ نہیں ہے؟ فرض کرو نوع انسانی نے اس وقت تک خدا کی ہستی یا تخلیق کائنات کی اصلیت کے بارے میں جو کچھ سوچا اور سمجھا ہے وہ سب کچھ سامنے رکھ کر ہم ایک موزوں سے موزوں لفظ تجویز کرنا چاہیں تو وہ کیا ہو گا؟ اس سے موزوں اور اس سے بہتر کوئی لفظ تجویز کیا جا سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس راہ میں عرفان و بصیرت کی کوئی بڑی سے بڑی بات کہی گئی وہ یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ خود رفتگیوں کا اعتراف کیا گیا اور ادراک کا منتہیٰ مرتبہ ہمیشہ یہی قرار پایا کہ ادراک کی نارسائی کا ادراک حاصل ہو جائے- عرفاء کے دل و زبان کی صدا ہمیشہ یہی رہی کہ ''رب زدنی فیك تحیراً'' یعنی ''خدایا ایسا کر کہ تیری ہستی میں ہمارا تحیر بڑھتا رہے'' کیونکہ تحیر جہالت کا نہیں بلکہ معرفت کا ہے-

اور حکما کی حکمت و دانش کا فیصلہ بھی ہمیشہ یہی ہوا کہ:

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد!

چونکہ یہ اسم خدا کے لیے بطور اسم ذات کے استعمال میں آیا اس لیے قدرتی طور پر ان تمام صفتوں پر حاوی ہو گیا

جن کا خدا کی ذات کے لیے تصور کیا جا سکتا ہے- اگر ہم خدا کا تصور اس کی کسی صفت کے ساتھ کریں مثلاً الرب یا الرحیم کہیں تو یہ تصور صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہو گا - یعنی ہمارے ذہن میں ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہو جائے گا جس میں ربوبیت یا رحمت ہے' لیکن جب ہم اللّٰہ کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو ان تمام صفات حسن و کمال سے متصف ہے جو اس کی نسبت بیان کیے گئے ہیں' اور جو اس میں ہونے چاہییں -

❋ ❋ ❋

﴿۳﴾

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ربوبیت

حمد کے بعد بالترتیب چار صفتیں بیان کی گئی ہیں: ﴿ رب العلمین..... الرحمن...... الرحیم..... مالک یوم الدین ﴾ چونکہ الرحمن اور الرحیم کا تعلق ایک ہی صفت کے دو مختلف پہلوؤں سے ہے اس لیے دوسرے لفظوں میں انہیں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ربوبیت' رحمت' عدالت' تین صفتوں کا ذکر کیا گیا ہے-

اِلٰہ کی طرح ''رب'' بھی سامی زبانوں کا ایک کثیر الاستعمال مادہ ہے- عبرانی سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں اس کے معنی پالنے کے ہیں اور چونکہ پرورش کی ضرورت کا احساس انسانی زندگی کے بنیادی احساسات میں سے ہے اس لیے اسے بھی قدیم ترین سامی تعبیرات میں سے سمجھنا چاہیے- پھر چونکہ معلم' استاد اور آقا کسی نہ کسی اعتبار سے پرورش کرنے والے ہی ہوتے ہیں اس لیے اس کا اطلاق ان معنوں میں بھی ہونے لگا- چنانچہ عبرانی اور آرامی کا ''ربی'' اور ''رباہ'' پرورش کنندہ' معلم' اور آقا تینوں معنی رکھتا تھا اور قدیم مصری اور خالدی زبان کا ایک لفظ ''رابو'' بھی انہی معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور ان ملکوں کی قدیم ترین سامی وحدت کی خبر دیتا ہے-

بہرحال عربی میں ''ربوبیت'' کے معنی پالنے کے ہیں لیکن پالنے کو اس کے وسیع اور کامل معنوں میں لینا چاہیے- اسی لیے بعض ائمہ لغت نے اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے- ''هو انشاء الشئ حالاً فحالاً الی حدالتمام''-[1] یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشوونما دیتے رہنا حتیٰ کہ اپنی حد کمال تک پہنچ جائے- اگر ایک شخص بھوکے کو کھانا کھلا دے یا محتاج کو روپیہ دیدے تو یہ اس کا کرم ہوگا' جود ہوگا' احسان ہوگا لیکن وہ بات نہ ہوگی جسے ربوبیت کہتے ہیں ربوبیت کے لیے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہو اور ایک وجود کو اس کی تکمیل و بلوغ کے لیے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ ضرورتیں پیش آتی رہیں ان سب کا سروسامان ہوتا رہے- نیز ضروری

[1] مفردات راغب اصفہانی ۱۲

ہے کہ یہ سب کچھ محبت و شفقت کے ساتھ ہو کیونکہ جو عمل محبت و شفقت کے عاطفہ سے خالی ہو گا ربوبیت نہیں ہو سکتا۔

ربوبیت کا ایک ناقص نمونہ ہم اس پرورش میں دیکھ سکتے ہیں جس کا جوش ماں کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو محض گوشت پوست کا ایک متحرک لوتھڑا ہوتا ہے اور زندگی اور نمو کی جتنی قوتیں بھی رکھتا ہے سب کی سب پرورش و تربیت کی محتاج ہوتی ہیں۔ یہ پرورش محبت و شفقت' حفاظت و نگہداشت' اور بخشش و اعانت کا ایک طول طویل سلسلہ ہے اور اسے اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک بچہ اپنے جسم و ذہن کے حد بلوغ تک نہ پہنچ جائے۔ پھر پرورش کی ضرورتیں ایک دو نہیں بے شمار ہیں۔ ان کی نوعیت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اور ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر حالت کے مطابق محبت کا جوش' نگرانی کی نگاہ اور زندگی کا سروسامان ملتا رہے۔ حکمت الٰہی نے ماں کی محبت میں ربوبیت کے یہ تمام خدوخال پیدا کر دیے ہیں۔ یہ ماں کی ربوبیت ہے جو پیدائش کے دن سے لے کر بلوغ تک' بچے کو پالتی' بچاتی' سنبھالتی' اور ہر حالت کے مطابق اس کی ضروریات پرورش کا سروسامان مہیا کرتی رہتی ہے۔

جب بچے کا معدہ دودھ کے سوا کسی غذا کا متحمل نہ تھا تو اسے دودھ ہی پلایا جاتا تھا۔ جب دودھ سے زیادہ قوی غذا کی ضرورت ہوئی تو ویسی ہی غذا دی جانے لگی۔ جب اس کے پاؤں میں کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی تو ماں اسے گود میں اٹھائے پھرتی تھی۔ جب کھڑے ہونے کے قابل ہوا تو انگلی پکڑ لی اور ایک ایک قدم چلانے لگی۔ پس یہ بات کہ ہر حالت اور ضرورت کے مطابق ضروریات مہیا ہوتی رہیں اور نگرانی و حفاظت کا ایک مسلسل اہتمام جاری رہا۔ یہ وہ صورت حال ہے جس سے ربوبیت کے مفہوم کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

مجازی ربوبیت کی یہ ناقص اور محدود مثال سامنے لاؤ اور ربوبیت الٰہی کی غیر محدود حقیقت کا تصور کرو۔ اس کے رب العٰلمین ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اس کی خالقیت نے کائنات ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا کی ہے اسی طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب و غریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ مطلوب تھا وہ سب کچھ مل رہا ہے اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے' ہر ضرورت کا لحاظ ہے' ہر تبدیلی کی نگرانی ہے اور ہر کمی بیشی ضبط میں آ چکی ہے۔ چیونٹی اپنے بل میں رینگ رہی ہے' کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں' مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں' پرندے ہوا میں اڑ رہے ہیں' پھول باغ میں کھل رہے ہیں' ہاتھی جنگل میں دوڑ رہا ہے اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں۔ لیکن فطرت کے پاس سب کے لیے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے اور کوئی نہیں جو فیضان ربوبیت سے محروم ہو۔ اگر مثالوں کی جستجو میں تھوڑی سی کاوش جائز رکھی جائے تو مخلوقات کی بے شمار قسمیں ایسی ملیں گی جو اتنی حقیر اور بے مقدار ہیں کہ غیر مسلح[1] آنکھ سے ہم انہیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔ تاہم ربوبیت الٰہی نے جس طرح اور جس نظام کے ساتھ ہاتھی جیسی جسیم اور انسان جیسی عقیل مخلوق کے لیے سامان پرورش مہیا کر دیا ہے' ٹھیک ٹھیک اسی طرح اور ویسے ہی نظام کے ساتھ ان کے لیے بھی زندگی

[1] Naked Eye غیر مسلح آنکھ جو اپنی قدرتی نگاہ سے دیکھ رہی ہو' زیادہ قوت کے ساتھ دیکھنے کا کوئی آلہ مثلاً خوردبین اس کے ساتھ نہ ہو۔

اور بقا کی ہر چیز مہیا کی ہے- اور پھر یہ جو کچھ بھی ہے انسان کے وجود سے باہر ہے اگر انسان اپنے وجود کو دیکھے تو خود اس کی زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ ربوبیت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کی ایک پوری کائنات ہے!

﴿ وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾(۵۱: ۲۰-۲۱)

''ان لوگوں کے لیے جو (سچائی پر) یقین رکھنے والے ہیں زمین میں (خدا کی کارفرمائیوں کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں!''

نظام ربوبیت

لیکن سامان زندگی کی بخشائش میں اور ربوبیت کے عمل میں جو فرق ہے اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے- اگر دنیا میں ایسے عناصر' عناصر کی ایسی ترکیب اور اشیا کی ایسی بناوٹ موجود ہے جو زندگی اور نشو ونما کے لیے سودمند ہے تو محض اس کی موجودگی ربوبیت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی- ایسا ہونا قدرت الٰہی کی رحمت ہے' بخشش ہے' احسان ہے مگر وہ بات نہیں ہے جسے ربوبیت کہتے ہیں- ربوبیت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں سودمند اشیا کی موجودگی کے ساتھ ان کی بخشش وتقسیم کا بھی ایک نظام موجود ہے اور فطرت صرف بخشتی ہی نہیں بلکہ جو کچھ بخشتی ہے ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب ومناسبت کے ساتھ بخشتی ہے- اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جس جس چیز کی ضرورت تھی اور جس جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح' انہی وقتوں میں اور اسی مقدار میں اسے مل رہی ہے اور اس نظم وانضباط سے تمام کارخانۂ حیات چل رہا ہے-

پانی کی بخشش وتقسیم کا نظام:

زندگی کے لیے پانی اور رطوبت کی ضرورت ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ پانی کے وافر ذخیرے ہر طرف موجود ہیں- لیکن اگر صرف اتنا ہی ہوتا' تو یہ زندگی کے لیے کافی نہ تھا- کیونکہ زندگی کے لیے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ پانی موجود ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک خاص انتظام' ایک خاص ترتیب' اور ایک خاص مقررہ مقدار کے ساتھ موجود ہو- پس یہ جو دنیا میں پانی کے بننے اور تقسیم ہونے کا ایک خاص انتظام پایا جاتا ہے اور فطرت صرف پانی بناتی ہی نہیں بلکہ ایک خاص ترتیب و مناسبت کے ساتھ بناتی اور ایک خاص اندازہ کے ساتھ بانٹتی رہتی ہے تو یہی ربوبیت ہے اور اسی سے ربوبیت کے تمام اعمال کا تصور کرنا چاہیے- قرآن کہتا ہے یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے پانی جیسا جوہر حیات پیدا کر دیا لیکن یہ اس کی ربوبیت ہے جو پانی کو ایک ایک بوند کر کے ٹپکاتی' زمین کے ایک ایک گوشے تک پہنچاتی' ایک خاص مقدار اور حالت میں تقسیم کرتی' ایک

خاص موسم اور محل میں برساتی' اور پھر زمین کے ایک ایک تشنہ ذرے کو ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر سیراب کر دیتی ہے!

﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ ۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾

(۲۳: ۱۸-۱۹)

''اور (دیکھو) ہم نے آسمان سے ایک خاص اندازے کے ساتھ پانی برسایا' پھر اسے زمین میں ٹھہرائے رکھا' اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ (جس طرح برسایا تھا اسی طرح) اسے واپس لے جائیں' پھر (دیکھو) اسی پانی سے ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کر دیے جن میں بے شمار پھل لگتے ہیں' اور انہی سے تم اپنی غذا بھی حاصل کرتے ہو۔''

تقدیر اشیا:

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا اشیا کی قدر اور مقدار کا ذکر کیا ہے۔یعنی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فطرت کائنات جو کچھ بخشتی ہے ایک خاص اندازے کے ساتھ بخشتی ہے اور یہ اندازہ ایک خاص قانون کے ماتحت ٹھہرایا ہوا ہے۔

﴿ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (۱۵: ۲۱)

''اور کوئی شے نہیں جس کے ہمارے پاس ذخیرے موجود نہ ہوں لیکن ہمارا طریقۂ کار یہ ہے کہ جو کچھ نازل کرتے ہیں ایک مقررہ مقدار میں نازل کرتے ہیں۔''

﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴾ (۱۳: ۸)

''اور اللہ کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔''

﴿ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ (۵۴: ۴۹)

''ہم نے جتنی چیزیں بھی پیدا کی ہیں ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی ہیں۔''

یہ کیا بات ہے کہ دنیا میں صرف یہی نہیں ہے کہ پانی موجود ہے بلکہ ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ موجود ہے؟ یہ کیوں ہے کہ پہلے سورج کی شعاعوں نے سمندر سے ڈول بھر بھر کر فضا میں پانی کی چادریں بچھا دیں پھر ہواؤں کے جھونکے انہیں حرکت میں لائیں اور پانی کی بوندیں بنا کر ایک خاص وقت اور خاص محل میں برسا دیں؟ پھر یہ کیوں ہے کہ جب کبھی پانی برسے تو ایک خاص ترتیب اور مقدار ہی سے برسے اور اس طرح برسے کہ زمین کی بالائی سطح پر اس کی ایک خاص مقدار بہنے لگے اور اندرونی حصوں تک ایک خاص مقدار میں نمی پہنچے؟ کیوں ایسا ہوا کہ پہلے پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کے تودے جمتے ہیں پھر موسم کی تبدیلی سے پگھلنے لگتے ہیں پھر ان کے پگھلنے سے پانی کے سرچشمے ابلنے لگتے ہیں پھر چشموں سے دریا کی جدولیں بہنے لگتی ہیں پھر یہ جدولیں پیچ و خم کھاتی ہوئی دور دور تک دوڑ جاتی ہیں' اور سیکڑوں ہزاروں میلوں تک اپنی وادیاں شاداب کر دیتی ہیں؟

کیوں یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا؟ کیوں کر ایسا نہ ہوا کہ پانی موجود ہوتا مگر اس انتظام اور ترتیب کے ساتھ نہ ہوتا؟
قرآن کہتا ہے: اس لیے کہ کائنات ہستی میں ربوبیت الٰہی کارفرما ہے اور ربوبیت کا مقتضا یہی تھا کہ پانی اسی ترتیب سے بنے اور اسی ترتیب و مقدار سے تقسیم ہو۔ یہ رحمت و حکمت تھی جس نے پانی پیدا کیا مگر یہ ربوبیت ہے جو اسے اس طرح کام میں لائی کہ پرورش اور رکھوالی کی تمام ضرورتیں پوری ہوگئیں۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ ﴾ (۳۰: ۴۸)

''یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی ہیں پھر ہوائیں بادلوں کو چھیڑ کر حرکت میں لاتی ہیں پھر وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں فضا میں پھیلا دیتا ہے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے۔ پھر جن لوگوں کو بارش کی یہ برکت ملنی تھی مل چکتی ہے تو وہ اچانک خوش وقت ہو جاتے ہیں۔''

عناصر حیات:

پھر اس حقیقت پر بھی غور کرو کہ زندگی کے لیے جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت تھی انہی کی بخشائش سب سے زیادہ اور عام ہے اور جن کی ضرورت خاص خاص حالتوں اور گوشوں کے لیے تھی انہی میں اختصاص اور مقامیت پائی جاتی ہے۔ ہوا سب سے زیادہ ضروری تھی کیونکہ پانی اور غذا کے بغیر کچھ عرصہ تک زندگی ممکن ہے مگر ہوا کے بغیر ممکن نہیں۔ پس اس کا سامان اتنا وافر اور عام ہے کہ کوئی جگہ کوئی گوشہ' اور کوئی وقت نہیں جو اس سے خالی ہو۔ فضا میں ہوا کا بے حد و کنار سمندر پھیلا ہوا ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں سانس لو زندگی کا یہ سب سے زیادہ ضروری جوہر تمہارے لیے خود بخود مہیا ہو جائے گا۔ ہوا کے بعد دوسرے درجے پر پانی ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ' اس لیے اس کی بخشائش کی فراوانی و عمومیت ہوا سے کم مگر ہر چیز سے زیادہ ہے۔ زمین کے نیچے آب شیریں کی سوتیں بہہ رہی ہیں۔ زمین کے اوپر بھی ہر طرف دریا رواں دواں ہیں پھر ان دونوں ذخیروں کے علاوہ فضائے آسمانی کا بھی کارخانہ ہے جو شب و روز سرگرم کار رہتا ہے۔ وہ سمندر کا شورابہ کھینچتا رہتا ہے اور اسے صاف و شیریں بنا کر جمع کرتا رہتا ہے پھر حسب ضرورت زمین کے حوالے کر دیتا ہے! پانی کے بعد غذا کی ضرورت تھی لہٰذا ہوا اور پانی سے کم مگر اور تمام چیزوں سے زیادہ اس کا دستر خوان کرم بھی خشکی و تری میں بچھا ہوا ہے' اور کوئی مخلوق نہیں جس کے گرد و پیش اس کی غذا کا ذخیرہ نہ ہو۔

نظام پرورش:

پھر سامان پرورش کے اس عالمگیر نظام پر غور کرو جو اپنے ہر گوشہ عمل میں پروردگی کی گود اور بخشش حیات کا سر چشمہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ تمام کارخانہ صرف اسی لیے بنا ہے کہ زندگی بخشے اور زندگی کی ہر استعداد کی رکھوالی کرے۔

روشن سورج اس لیے ہے کہ روشنی کے لیے چراغ کا اور گرمی کے لیے تنور کا کام دے اور اپنی کرنوں کے ڈول بھر بھر کر سمندر سے پانی کھینچتا رہے۔ ہوائیں اس لیے ہیں کہ اپنی سردی اور گرمی سے مطلوبہ اثرات پیدا کرتی رہیں اور کبھی پانی کے ذرات جما کر ابر کی چادریں بنا دیں۔ کبھی ابر کو پانی بنا کر بارش برسا دیں۔ زمین اس لیے ہے کہ نشوونما کے خزانوں سے ہمیشہ معمور رہے اور ہر دانے کے لیے اپنی گود میں زندگی اور ہر پودے کے لیے اپنے سینہ میں پروردگی رکھے۔ مختصر یہ کہ کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ صرف اسی کام میں لگا ہوا ہے۔ ہر قوت استعداد ڈھونڈ رہی ہے اور ہر تاثیر اثر پذیری کے انتظار میں ہے۔ جونہی کسی وجود میں بڑھنے اور نشوونما پانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے معاً تمام کارخانۂ ہستی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ سورج کی تمام کار فرمائیاں' فضا کے تمام تغیرات' زمین کی تمام قوتیں' عناصر کی تمام سرگرمیاں صرف اس انتظار میں رہتی ہیں کہ کب چیونٹی کے انڈے سے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور کب دہقان کی جھولی سے زمین پر ایک دانہ گرتا ہے۔

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ - ﴾(۴۵: ۱۳)

''اور آسمان وزمین میں جو کچھ بھی ہے سب کو اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں اس بات میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں۔''

نظام ربوبیت کی وحدت:

سب سے زیادہ عجیب مگر سب سے زیادہ نمایاں حقیقت نظام ربوبیت کی یکسانیت اور ہم آہنگی ہے۔ یعنی ہر وجود کی پرورش کا سروسامان جس طرح اور جس اسلوب پر کیا گیا ہے وہ ہر گوشے میں ایک ہی ہے اور ایک ہی اصل وقاعدہ رکھتا ہے۔ پتھر کا ایک ٹکڑا تمہیں گلاب کے شاداب اور عطر بیز پھول سے کتنا ہی مختلف دکھائی دے لیکن دونوں کی پرورش کے اصول و احوال پر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ دونوں کو ایک ہی طریقے سے سامان پرورش ملا ہے اور دونوں ایک ہی طرح پالے پوسے جا رہے ہیں۔ انسان کا بچہ اور درخت کا پودا تمہاری نظروں میں کتنی بے جوڑ چیزیں ہیں؟ لیکن اگر ان کی نشوونما کے طریقوں کا کھوج لگاؤ گے تو دیکھو گے کہ قانون پرورش کی یکسانیت نے دونوں کو ایک ہی رشتے میں منسلک کر دیا ہے۔ پتھر کی چٹان ہو یا پھول کی کلی' انسان کا بچہ ہو یا چیونٹی کا انڈا' سب کے لیے پیدائش ہے اور قبل اس کے کہ پیدائش ظہور میں آئے سامان پرورش مہیا ہو جاتا ہے۔ پھر طفولیت کا دور ہے اور اس دور کی ضروریات ہیں۔ انسان کا بچہ بھی اپنی طفولیت رکھتا ہے درخت کے مولود نباتی کے لیے بھی طفولیت ہے اور تمہاری چشم ظاہر بین کے لیے کتنا ہی عجیب کیوں نہ ہو لیکن پتھر کی چٹان اور مٹی کا تودہ بھی اپنی اپنی طفولیت رکھتا ہے۔ پھر طفولیت رشد وبلوغ کی طرف بڑھتی ہے اور جوں جوں بڑھتی جاتی ہے اس کی روز افزوں حالت کے مطابق یکے بعد دیگرے سامان پرورش میں بھی تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہر وجود اپنے سن کمال تک پہنچ جاتا ہے اور جب سن کمال تک پہنچ گیا تو از سر نو ضعف وانحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے پھر اس ضعف وانحطاط کا خاتمہ بھی سب کے لیے ایک ہی طرح ہے۔ کسی دائرے میں اسے مرجانا کہتے ہیں کسی میں مرجھا جانا اور کسی میں پامال ہو جانا۔

الفاظ متعدد ہو گئے مگر حقیقت میں تعدد نہیں ہوا:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَهُوَالْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴾ (۳۰:۵۴)

''یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے پھر قوت کے بعد دوبارہ ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے- وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے- کیونکہ وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے-''

﴿ اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ- ﴾ (۳۹:۲۱)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر زمین میں اس کے چشمے رواں ہو گئے پھر اسی پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں پھر ان کی نشو ونما میں ترقی ہوئی اور پوری طرح پک کر تیار ہو گئیں پھر (ترقی کے بعد زوال طاری ہوا اور) تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا گئی پھر بالآخر خشک ہو کر چورا چورا ہو گئی- بلاشبہ دانشمندوں کے لیے اس صورت حال میں بڑی ہی عبرت ہے!''

جہاں تک غذا کا تعلق ہے حیوانات میں ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کے بچے دودھ سے پرورش پاتے ہیں اور ایک ان کی ہے جو عام غذاؤں سے پرورش پاتے ہیں- غور کرو نظام ربوبیت نے دونوں کی پرورش کے لیے کیسا عجیب سروسامان مہیا کر دیا ہے؟ دودھ سے پرورش پانے والے حیوانات میں انسان بھی داخل ہے- سب سے پہلے انسان اپنی ہی ہستی کا مطالعہ کرے- جونہی وہ پیدا ہوتا ہے اس کی غذا اپنی ساری خاصیتوں' مناسبتوں' اور شرطوں کے ساتھ خود بخود مہیا ہو جاتی ہے اور ایسی جگہ مہیا ہوتی ہے جو حالت طفولیت میں اس کے لیے سب سے قریب تر اور سب سے موزوں جگہ ہے- ماں بچے کو جوش محبت میں سینے سے لگا لیتی ہے اور وہیں اس کی غذا کا سرچشمہ بھی موجود ہوتا ہے! پھر دیکھو اس غذا کی نوعیت اور مزاج میں اس کی حالت کا درجہ بدرجہ کس قدر لحاظ رکھا گیا ہے اور کس طرح یکے بعد دیگرے اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے؟ ابتدا میں بچے کا معدہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے بہت ہی ہلکے قوام کا دودھ ملنا چاہیے- چنانچہ نہ صرف انسان میں بلکہ تمام حیوانات میں ماں کا دودھ بہت ہی پتلے قوام کا ہوتا ہے لیکن جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور معدہ قوی ہوتا جاتا ہے دودھ کا قوام بھی بدلتا جاتا ہے اور مائعیت کے مقابلہ میں دہنیت بڑھتی جاتی ہے- یہاں تک کہ بچے کا عہد رضاعت پورا ہو جاتا ہے اور اس کا معدہ عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے- جونہی اس کا وقت آتا ہے ماں کا دودھ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے- یہ گویا ربوبیت الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اس کے لیے دودھ کی ضرورت نہیں رہی ہر طرح کی غذائیں استعمال کر سکتا ہے:

﴿ وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ (۱۵:۴٦)

''اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت (کم از کم) تیس مہینوں کی۔''

پھر ربوبیت الٰہی کی اس کارسازی پر غور کرو کہ کس طرح ماں کی فطرت میں بچے کی محبت ودیعت کر دی گئی ہے اور کس طرح اس جذبے کو طبیعت بشری کے تمام جذبات میں سب سے زیادہ پرجوش اور سب سے زیادہ ناقابل تسخیر بنا دیا گیا ہے؟ دنیا کی کون سی قوت ہے جو اس جوش کا مقابلہ کر سکتی ہے جس کو ماں کی ماما کہتے ہیں؟ جس بچے کی پیدائش اس کے لیے زندگی کی سب سے بڑی مصیبت تھی:

﴿ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ﴾ (۱۵:۴٦)

''اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنا۔''

اسی کی محبت اس کے اندر زندگی کا سب سے بڑا جذبہ مشتعل کر دیتی ہے۔ جب تک بچہ سن بلوغ تک نہیں پہنچ جاتا وہ اپنے لیے نہیں بلکہ بچے کے لیے زندہ رہنا چاہتی ہے۔ زندگی کی کوئی خود فراموشی نہیں جو اس پر طاری نہ ہوتی ہو اور راحت و آسائش کی کوئی قربانی نہیں جس سے اسے گریز ہو۔ حب ذات جو فطرت انسانی کا سب سے زیادہ طاقتور جذبہ ہے اور جس کے انفعالات کے بغیر کوئی مخلوق زندہ نہیں رہ سکتی وہ بھی اس جذبہ خود فراموشی کے مقابلہ میں مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات کہ ایک ماں نے بچے کے مجنونانہ عشق میں اپنی زندگی قربان کر دی فطرت مادری کا ایسا معمولی واقعہ ہے جو ہمیشہ پیش آتا رہتا ہے اور ہم اس میں کسی طرح کی غرابت محسوس نہیں کرتے۔

لیکن پھر دیکھو کارساز فطرت کی یہ کیسی کرشمہ سازی ہے کہ جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے محبت مادری کا یہ شعلہ خود بخود دھیما پڑتا جاتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب حیوانات میں تو بالکل ہی بجھ جاتا ہے اور انسان میں بھی اس کی گرم جوشیاں باقی نہیں رہتیں۔ یہ انقلاب کیوں ہوتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی محبت کا ایک عظیم ترین جذبہ جنبش میں آ جائے اور پھر ایک خاص وقت تک قائم رہ کر خود بخود غائب ہو جائے؟ اس لیے کہ یہ نظام ربوبیت کی کارفرمائی ہے۔ اور اس کا مقتضا یہی تھا۔ ربوبیت چاہتی ہے کہ بچے کی پرورش ہو۔ اس نے پرورش کا ذریعہ ماں کے جذبۂ محبت میں رکھ دیا تھا۔ جب بچے کی عمر اس حد تک پہنچ گئی کہ ماں کی پرورش کی احتیاج باقی نہ رہی تو اس ذریعے کی بھی ضرورت باقی نہ رہی اب اس کا باقی رہنا ماں کے لیے بوجھ اور بچے کے لیے رکاوٹ ہوتا۔ بچے کی احتیاج کا سب سے نازک وقت اس کی نئی نئی طفولیت تھی اس لیے ماں کی محبت میں بھی سب سے زیادہ جوش اسی وقت تھا پھر جوں جوں بچہ بڑھتا گیا احتیاج کم ہوتی گئی۔ اس لیے محبت کی گرم جوشیاں بھی گھٹتی گئیں۔ فطرت نے محبت مادری کا دامن بچے کی احتیاج پرورش سے باندھ دیا تھا۔ جب احتیاج زیادہ تھی تو محبت کی سرگرمی بھی زیادہ تھی۔ جب احتیاج کم ہوگئی تو محبت بھی تغافل کرنے لگی۔[1]

---

[1] انسان میں ماں کی محبت بلوغ کے بعد بھی بدستور باقی رہتی ہے اور بعض حالتوں میں اس کے انفعالات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ عہد طفولیت کی محبت میں اور بعد کی محبت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا' لیکن یہ صورت حال غالباً انسان کی مدنی و عقلی زندگی کے نشوونما کا نتیجہ ہے نہ کہ فطرت حیوانی کا۔ ابتدائی انسان میں بھی یہ علاقہ فطرۃً اسی حد تک ہوگا کہ بچہ سن تمیز تک پہنچ جائے۔ لیکن بعد کو نسل و خاندان کی تشکیل اور اجتماعی احساسات کی ترقی سے مادری رشتہ ایک دائمی رشتہ بن گیا۔۱۲۔

جن حیوانات کے بچے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں ان کی جسمانی ساخت اور طبیعت دودھ والے حیوانات سے مختلف ہوتی ہے- اس لیے وہ اول دن ہی سے معمولی غذائیں کھا سکتے ہیں بشرطیکہ کھلانے کے لیے کوئی شفیق نگرانی موجود ہو- چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ بچہ انڈے سے نکلتے ہی غذا ڈھونڈنے لگتا ہے اور ماں چن چن کر اس کے سامنے ڈالتی اور منہ میں لے لے کر کھانے کی تلقین کرتی ہے یا ایسا کرتی ہے کہ خود کھا لیتی ہے مگر ہضم نہیں کرتی اپنے اندر نرم اور ہلکا بنا کر محفوظ رکھتی ہے اور جب بچہ غذا کے لیے منہ کھولتا ہے تو اس کے اندر اتار دیتی ہے-

❋ ❋ ❋

ربوبیت معنوی

پھر اس سے بھی عجیب تر نظام ربوبیت کا معنوی پہلو ہے- خارج میں زندگی اور پرورش کا کتنا ہی سروسامان کیا جاتا لیکن وہ کچھ مفید نہیں ہوسکتا تھا اگر ہر وجود کے اندر اس سے کام لینے کی ٹھیک ٹھیک استعداد نہ ہوتی اور اس کے ظاہری و باطنی قوٰی اس کا ساتھ نہ دیتے- پس یہ ربوبیت ہی کا فیضان ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر مخلوق کی ظاہری و باطنی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس کی ہر قوت' اس کے سامان پرورش کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے' اور اس کی ہر چیز اسے زندہ رہنے اور نشوونما پانے میں مدد دیتی ہے- ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی مخلوق اپنے جسم و قوٰی کی ایسی نوعیت رکھتی ہو جو اس کے حالات پرورش کے مقتضیات کے خلاف ہو- اس سلسلے میں جو حقائق مشاہدہ و تفکر سے نمایاں ہوتے ہیں ان میں دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں اس لیے جا بجا قرآن حکیم نے ان پر توجہ دلائی ہے- ایک کو وہ تقدیر سے تعبیر کرتا ہے دوسری کو ہدایت سے-

تقدیر:

تقدیر کے معنی اندازہ کر دینے کے ہیں- یعنی کسی چیز کے لیے ایک خاص طرح کی حالت ٹھہرا دینے کے- خواہ یہ ٹھہراؤ کمیت میں ہو یا کیفیت میں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت نے ہر وجود کی جسمانی ساخت اور معنوی قوٰی کے لیے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتا اور یہ اندازہ ایسا ہے جو اس کی زندگی اور نشوونما کے تمام احوال و ظروف سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہے:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾ (۲:۲۵)

''اور اس نے تمام چیزیں پیدا کیں' پھر ہر چیز کے لیے (اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق) ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا!''

یہ کیا چیز ہے کہ ہر گرد و پیش میں اور اس کی پیداوار میں ہمیشہ مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ ایک ایسا قانون خلقت ہے جو کبھی متغیر نہیں ہوسکتا؟ یہ کیوں ہے کہ ہر مخلوق اپنی ظاہری و باطنی بناوٹ میں ویسی ہی ہوتی ہے جیسا اس کا گرد و پیش ہے اور ہر گرد و پیش ویسا ہی ہوتا ہے جیسی اس کی مخلوق ہوتی ہے؟ یہ اس حکیم و قدیر کی ٹھہرائی ہوئی تقدیر ہے اور اس نے ہر چیز کی خلقت و زندگی کے لیے ایسا ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے- اس کا یہ قانون تقدیر صرف حیوانات و نباتات ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ کائنات ہستی کی ہر چیز کے لیے ہے- ستاروں کا یہ پورا نظام گردش بھی اسی تقدیر کی حد بندیوں پر قائم ہے:

﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴾ (۳۶:۳۸)

''اور (دیکھو) سورج کے لیے جو قرارگاہ ٹھہرا دی گئی ہے وہ اسی پر چلتا ہے- اور یہ عزیز و علیم خدا کی اس کے لیے تقدیر ہے-''

مخلوقات اور اس کے گرد و پیش کی مطابقت کا یہی قانون ہے جس نے دونوں میں باہم دگر مناسبت پیدا کر دی ہے اور ہر مخلوق اپنے چاروں طرف وہی پاتی ہے جس میں اس کے لیے پرورش اور نشو و نما کا سامان ہوتا ہے- پرند کا جسم اڑنے والا ہے' مچھلی کا تیرنے والا' چار پایوں کا چلنے والا اور حشرات کا رینگنے والا' اس لیے کہ ان میں سے ہر نوع کا گرد و پیش ویسے ہی جسم کے لیے موزوں ہے جیسا اسے ملا ہے اور اس لیے کہ ان میں سے ہر نوع کی جسمانی ساخت ویسا ہی گرد و پیش چاہتی ہے جیسا گرد و پیش اسے حاصل ہے- دریا میں پرند پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ گرد و پیش اس کے لیے مفید پرورش نہیں- خشکی میں مچھلیاں پیدا نہیں ہو سکتیں کیونکہ خشکی ان کے لیے موزوں نہیں- اگر فطرت کی اس تقدیر کے خلاف ایک خاص گرد و پیش کی مخلوق دوسرے قسم کے گرد و پیش میں چلی جاتی ہے تو یا تو وہاں زندہ نہیں رہتی یا رہتی ہے تو پھر بتدریج اس کی جسمانی ساخت اور طبیعت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے' جیسی اس گرد و پیش میں ہونی چاہیے-

پھر ان میں سے ہر نوع کے لیے مقامی مؤثرات کے مختلف گرد و پیش ہیں اور ہر گرد و پیش کا یہی حال ہے- سرد آب و ہوا کی پیداوار سرد آب و ہوا ہی کے لیے ہے- گرم کی گرم کے لیے- قطب شمالی کے قرب و جوار کا ریچھ خط استوا کے قرب میں نظر نہیں آ سکتا اور منطقۂ حارہ کے جانور منطقۂ باردہ میں معدوم ہیں-

ہدایت:

ہدایت کے معنی راہ دکھانے' راہ پر لگا دینے اور رہنمائی کرنے کے ہیں اور اس کے مختلف مراتب اور اقسام ہیں- تفصیل آگے آئے گی- یہاں صرف اس مرتبۂ ہدایت کا ذکر کرنا ہے جو تمام مخلوقات پر ان کی پرورش کی راہیں کھولتا' انہیں زندگی کی راہ پر لگاتا اور ضروریات زندگی کی طلب و حصول میں رہنمائی کرتا ہے- فطرت کی یہ ہدایت ربوبیت کی ہدایت ہے اور اگر ہدایت ربوبیت کی دستگیری نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی دنیا کے سامان حیات و پرورش سے فائدہ اٹھا سکتی اور زندگی کی سرگرمیاں ظہور میں آ سکتیں-

لیکن ربوبیت الٰہی کی یہ ہدایت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے یہ وجدان کا فطری الہام اور حواس و ادراک کی قدرتی استعداد ہے- وہ کہتا ہے یہ فطرت کی وہ رہنمائی ہے جو ہر مخلوق کے اندر پہلے وجدان کا الہام بن کر نمودار ہوتی ہے پھر حواس و ادراک کا چراغ روشن کر دیتی ہے- یہ ہدایت کے مختلف مراتب میں سے وجدان اور ادراک کی ہدایت کے مراتب ہیں-

ہدایت وجدان:

وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر مخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے اور وہ باہر کی رہنمائی و تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی - انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا' جونہی شکم مادر سے باہر آتا ہے خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے اور جب پستان منہ میں لیتا ہے تو جانتا ہے کہ

اسے زور زور سے چوسنا چاہیے- بلی کے بچوں کو ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں' ان کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں' لیکن ماں جوش محبت میں انہیں چاٹ رہی ہے' وہ اس کے سینے پر منہ مار رہے ہیں- یہ بچہ جس نے عالم ہستی میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے جسے خارج کے موثرات نے چھوا تک نہیں کس طرح معلوم کر لیتا ہے کہ اسے پستان منہ میں لے لینا چاہیے اور اس کی غذا کا سرچشمہ یہیں ہے؟ وہ کون سا فرشتہ ہے جو اس وقت اس کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کرلے؟ یقیناً وہ وجدانی ہدایت کا فرشتہ ہے اور یہی وجدانی ہدایت ہے جو قبل اس کے کہ حواس وادراک کی روشنی نمودار ہو ہر مخلوق کو اس کی پرورش وزندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے-

تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہوگی- تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنی عمر میں پہلی مرتبہ حاملہ ہوئی ہے- اس حالت کا اسے کوئی پچھلا تجربہ حاصل نہیں- تاہم اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتا دیتی ہے کہ تیاری وحفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہییں- جونہی وضع حمل کا وقت قریب آتا ہے' خود بخود اس کی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ گوشے کی جستجو شروع کر دیتی ہے- تم نے دیکھا ہوگا کہ مضطرب الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے- پھر وہ خود بخود ایک سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچہ دیتی ہے- پھر یکایک اس کے اندر بچے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے- غور کرو یہ کون سی قوت ہے جو بلی کے اندر یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی اسے ضرورت ہوگی؟ یہ کون سا الہام ہے جو اسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن اور ان کی بو سونگھتا پھرتا ہے اس لیے جگہ بدلتے رہنا چاہیے؟ بلاشبہ یہ ربوبیت الٰہی کی وجدانی ہدایت ہے- جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے اور جوان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے-

ہدایت حواس:

ہدایت کا دوسرا مرتبہ حواس اور مدرکات ذہنی کی ہدایت ہے اور وہ اس درجہ واضح ومعلوم ہے کہ تشریح کی ضرورت نہیں- ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ حیوانات اس جوہر دماغ سے محروم ہیں جسے فکر وعقل سے تعبیر کیا جاتا ہے- تاہم فطرت نے انہیں احساس وادراک کی وہ تمام قوتیں دے دی ہیں جن کی زندگی ومعیشت کے لیے ضرورت تھی اور ان کی مدد سے وہ اپنے رہنے سہنے' کھانے پینے' توالد وتناسل اور حفاظت ونگرانی کے تمام وظائف حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں- پھر حواس وادراک کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لیے ایک ہی طرح کی نہیں ہے بلکہ ہر وجود کو اتنی ہی اور ویسی ہی استعداد دی گئی ہے جتنی اور جیسی استعداد اس کے احوال وظروف کے لیے ضروری تھی- چیونٹی کی قوت شامہ نہایت دور رس ہوتی ہے اس لیے کہ اسی قوت کے ذریعے وہ اپنی غذا حاصل کر سکتی ہے- چیل اور عقاب کی نگاہ تیز ہوتی ہے کیونکہ اگر ان کی نگاہ تیز نہ ہوتو بلندی میں اڑتے ہوئے اپنا شکار دیکھ نہ سکیں- یہ سوال بالکل غیر ضروری ہے کہ حیوانات کے حواس وادراک کی یہ حالت اول دن سے تھی یا احوال وظروف کی ضروریات اور قانون مطابقت کے مؤثرات سے بتدریج ظہور میں آئی- اس لیے کہ خواہ کوئی صورت ہو بہر حال فطرت کی بخشی ہوئی استعداد ہے اور نشو وارتقا کا قانون بھی فطرت ہی کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے-

چنانچہ یہی مرتبۂ ہدایت ہے جس کو قرآن نے ربوبیت الٰہی کی وحی سے تعبیر کیا ہے- عربی میں وحی کے معنی مخفی ایما اوراشارے کے ہیں- یہ گویا فطرت کی وہ اندرونی سرگوشی ہے جو مخلوق پر اس کی راہ عمل کھول دیتی ہے:

﴿ وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴾ (۱۶:۶۸)

''اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اوران ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کی جاتی ہیں اپنے لیے چھتے بنائے-''

اور یہی وہ ربوبیت الٰہی کی ہدایت ہے جس کی طرف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی زبانی اشارہ کیا گیا ہے- فرعون نے جب پوچھا: ﴿ مَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی ﴾ تمہارا پروردگار کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴾ (۲۰:۵۰)

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی' پھر اس پر (زندگی ومعیشت کی) راہ کھول دی!''

اور پھر یہی وہ ہدایت ہے جسے دوسری جگہ ''راہ عمل آسان کردینے'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

﴿ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ ○ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ﴾ (۸۰:۱۸-۲۰)

''اس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے پیدا کیا- پھر اس (کی تمام ظاہری وباطنی قوتوں) کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا' پھر اس پر (زندگی وعمل کی) راہ آسان کردی-''

یہی ﴿ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ﴾ یعنی ''راہ عمل آسان کردینا'' وجدان وادراک کی ہدایت ہے جو تقدیر کے بعد ہے- کیونکہ اگر فطرت کی رہنمائی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ہم اپنی ضروریات زندگی حاصل کرسکتے-

آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے تکوین وجود کے جو چار مرتبے بیان کیے ہیں ان میں سے تیسرا اور چوتھا مرتبہ یہی تقدیر اور ہدایت کا مرتبہ ہے- یعنی تخلیق' تسویہ' تقدیر' ہدایت:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ○ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴾ (۸۷:۲-۳)

''وہ پروردگار عالم جس نے پیدا کیا پھر اسے ٹھیک ٹھیک درست کردیا اور جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا پھر اس پر راہ (عمل) کھول دی-''

❋ ❋ ❋

براہین قرآنیہ کا مبدءِ استدلال

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی ہستی اور اس کی توحید و صفات پر جا بجا نظام ربوبیت سے استدلال کیا ہے اور یہ استدلال اس کے مہمات دلائل میں سے ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کی تشریح کی جائے مناسب ہوگا کہ قرآن کے طریق استدلال کی بعض مبادیات واضح کر دی جائیں۔ کیونکہ مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں مطالب قرآنی کا یہ گوشہ سب سے زیادہ مہجور ہو گیا ہے اور ضرورت ہے کہ از سر نو حقیقت گم گشتہ کا سراغ لگایا جائے۔

دعوت تعقل:

قرآن کے طریق استدلال کا اولین مبدء تعقل و تفکر کی دعوت ہے۔ یعنی وہ جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کے لیے حقیقت شناسی کی راہ یہی ہے کہ خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام لے اور اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود کے باہر جو کچھ بھی محسوس کر سکتا ہے اس میں تدبر و تفکر کرے۔ چنانچہ قرآن کی کوئی سورت اور سورت کا کوئی حصہ نہیں جو تفکر و تعقل کی دعوت سے خالی ہو:

﴿ وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ (۵۱: ۲۰-۲۱)

''اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (معرفت حق کی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟

وہ کہتا ہے انسان کو عقل و بصیرت دی گئی ہے اس لیے وہ اس قوت کے ٹھیک ٹھیک استعمال نہ کرنے کے لیے جواب دہ ہے:

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ (۱۷: ۳۶)

''یقیناً (انسان کا) سننا' دیکھنا' سوچنا' سب اپنی اپنی جگہ جواب دہی رکھتے ہیں!''

وہ کہتا ہے زمین کی ہر چیز میں' آسمان کے ہر منظر میں اور زندگی کے ہر تغیر میں فکر انسانی کے لیے معرفت حقیقت کی نشانیاں ہیں بشرطیکہ وہ غفلت و اعراض میں مبتلا نہ ہو جائے:

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴾ (۱۲: ۱۰۵)

''اور آسمان و زمین میں (معرفت حق کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر!) لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے تک نہیں!''

تخلیق بالحق:

اچھا! اگر انسان عقل و بصیرت سے کام لے اور کائنات خلقت میں تفکر کرے تو اس پر حقیقت شناسی کا کون سا دروازہ کھلے گا؟ وہ کہتا ہے' سب سے پہلی حقیقت جو اس کے سامنے نمودار ہوگی وہ تخلیق بالحق کا عالمگیر اور بنیادی قانون ہے۔ یعنی وہ دیکھے گا کہ کائنات خلقت اور اس کی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ہر چیز ضبط و ترتیب کے ساتھ ایک خاص نظام و قانون میں منسلک ہے اور کوئی شے نہیں جو حکمت و مصلحت سے خالی ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ سب کچھ تخلیق بالباطل ہو۔ یعنی بغیر کسی معین اور ٹھہرائے ہوئے مقصد و نظم کے وجود میں آ گیا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس نظم' اس یکسانیت، اس وقت کے ساتھ اس کی ہر بات کسی نہ کسی حکمت و مصلحت کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی:

﴿ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (۲۹:۴۴)

''اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور بلاشبہ اس بات میں ارباب ایمان کے لیے (معرفت حق کی) ایک بڑی ہی نشانی ہے!''

آل عمران کی مشہور آیت میں ان ارباب دانش کی جو آسمان و زمین کی خلقت میں تفکر کرتے ہیں صدائے حال یہ بتائی ہے:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ (۳:۱۹۱)

''اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے اس لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ محض ایک بیکار و عبث سا کام ہو!''

دوسری جگہ ''تخلیق بالباطل'' کو تلعب سے تعبیر کیا ہے۔ ''تلعب'' یعنی کوئی کام کھیل کود کی طرح بغیر کسی معقول غرض و مدعا کے کرنا:

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (۴۴:۳۸-۳۹)

''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض کھیل اور تماشہ کرتے ہوئے نہیں پیدا کیا ہے۔ ہم نے انہیں نہیں پیدا کیا مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ۔ مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔''

پھر جا بجا اس ''تخلیق بالحق'' کی تشریح کی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ''تخلیق بالحق'' کے اس پہلو پر توجہ دلائی ہے کہ کائنات کی ہر چیز افادہ و فیضان کے لیے ہے اور فطرت چاہتی ہے کہ جو کچھ بنائے اس طرح بنائے کہ اس میں وجود اور زندگی کے لیے نفع اور راحت ہو:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴾ (۳۹: ۵)

''اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اس نے رات اور دن کے اختلاف اور ظہور کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹا آتا ہے- اور سورج اور چاند دونوں کو اس کی قدرت نے مسخر کر رکھا ہے- سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت تک کے لیے گردش کر رہے ہیں-''

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ اجرام سماویہ کے افادہ و فیضان پر توجہ دلائی ہے اور اسے ''تخلیق بالحق'' سے تعبیر کیا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ (۱۰: ۵)

''وہ (کارفرمائے قدرت) جس نے سورج کو درخشندہ اور چاند کو روشن بنایا اور پھر چاند کی گردش کے لیے منزلیں ٹھہرا دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور اوقات کا حساب معلوم کر لو- بلاشبہ اللہ نے یہ سب کچھ پیدا نہیں کیا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ- وہ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں (علم و معرفت کی) نشانیاں الگ الگ کر کے واضح کر دیتا ہے-''

ایک اور موقع پر فطرت کے جمال و زیبائی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسے ''تخلیق بالحق'' سے تعبیر کیا ہے- یعنی فطرت کائنات میں تحسین و آرائش کا قانون کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے' جو کچھ بنے' ایسا بنے کہ اس میں حسن و جمال اور خوبی و کمال ہو:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ﴾ (۶۴: ۳)

''اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ بنائیں-''

اسی طرح وہ قانون مجازات پر (یعنی جزا و سزا کے قانون پر) بھی اسی ''تخلیق بالحق'' سے استشہاد کرتا ہے- تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں ہر چیز کوئی نہ کوئی خاصہ اور نتیجہ رکھتی ہے اور یہ تمام خواص اور نتائج لازمی اور اٹل ہیں- پھر کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال میں بھی اچھے اور برے خواص اور نتائج نہ ہوں اور وہ قطعی اور اٹل نہ ہوں؟ جو قانون فطرت دنیا کی ہر چیز میں اچھے برے کا امتیاز رکھتا ہے کیا انسان کے اعمال میں اس امتیاز سے غافل ہو جائے گا-

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴾ (۴۵: ۲۱-۲۲)

''جو لوگ برائیاں کرتے ہیں' کیا وہ سمجھتے ہیں ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ یعنی دونوں برابر ہو جائیں' زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟ (اگر ان لوگوں کے فہم و دانش کا فیصلہ یہی ہے تو) کیا ہی برا ان کا فیصلہ ہے! اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہر جان اپنی کمائی کے مطابق بدلہ پالے- اور ایسا نہیں ہوگا کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو-''

معاد یعنی مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی اس سے جا بجا استشہاد کیا ہے- کائنات میں ہر چیز کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہی رکھتی ہے- پس ضروری ہے کہ انسانی وجود کے لیے بھی کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہیٰ ہو- یہی منتہیٰ آخرت کی زندگی ہے- کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کائنات ارضی کی یہ بہترین مخلوق صرف اسی لیے پیدا کی گئی ہو کہ پیدا ہوا اور چند دن جی کر فنا ہو جائے:

﴿ اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴾ (۳۰:۸۸)

''کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض بیکار و عبث نہیں بنایا ہے- ضروری ہے کہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہو- اور اس کے لیے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہو- اصل یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے پروردگار کی ملاقات سے یک قلم منکر ہیں-''

مبدء استدلال:

غرض کہ قرآن کا مبدء استدلال یہ ہے کہ:

1. اس کے نزول کے وقت دین داری اور خداپرستی کے جس قدر عام تصورات موجود تھے وہ نہ صرف عقل کی آمیزش سے خالی تھے بلکہ ان کی تمام تر بنیاد غیر عقلی عقائد پر آ کر ٹھہر گئی تھی- لیکن اس نے خداپرستی کے لیے عقلی تصور پیدا کیا-
2. اس کی دعوت کی تمام تر بنیاد تعقل و تفکر پر ہے' اور وہ خصوصیت کے ساتھ کائنات خلقت کے مطالعہ و تفکر کی دعوت دیتا ہے-
3. وہ کہتا ہے کہ کائنات خلقت کے مطالعہ و تفکر سے انسان پر ''تخلیق بالحق'' کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے- یعنی وہ دیکھتا ہے کہ اس کارخانہ ہستی کی کوئی چیز نہیں جو کسی ٹھہرائے ہوئے مقصد اور مصلحت سے خالی ہو اور کسی بالاتر قانون خلقت کے ماتحت ظہور میں نہ آئی ہو- یہاں جو چیز بھی اپنا وجود رکھتی ہے ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ حکمتوں اور مصلحتوں کے عالمگیر سلسلہ میں بندھی ہوئی ہے-
4. وہ کہتا ہے کہ جب انسان ان مقاصد و مصالح پر غور کرے گا تو عرفان حقیقت کی راہ خود بخود اس پر کھل جائے گی اور جہل و کوری کی گمراہیوں سے نجات پا جائے گا-

برہان ربوبیت

چنانچہ اس سلسلے میں اس نے مظاہر کائنات کے جن مقاصد و مصالح سے استدلال کیا ہے ان میں سب سے زیادہ عام استدلال ربوبیت کا استدلال ہے اور اسی لیے ہم اسے برہان ربوبیت سے تعبیر کر سکتے ہیں- وہ کہتا ہے: کائنات کے تمام اعمال و مظاہر کا اس طرح واقع ہونا کہ ہر چیز پرورش کرنے والی اور ہر تاثیر زندگی بخشنے والی ہے اور پھر ایک ایسے نظام ربوبیت کا موجود ہونا جو ہر حالت کی رعایت کرتا اور ہر طرح کی مناسبت ملحوظ رکھتا ہے- ہر انسان کو وجدانی طور پر یقین دلا دیتا ہے کہ ایک پروردگار عالم ہستی موجود ہے اور وہ ان تمام صفتوں سے متصف ہے جن کے بغیر نظام ربوبیت کا یہ کامل اور بے عیب کارخانہ وجود میں نہیں آ سکتا تھا-

وہ کہتا ہے: کیا انسان کا وجدان یہ باور کر سکتا ہے کہ نظام ربوبیت کا یہ پورا کارخانہ خود بخود وجود میں آ جائے اور کوئی زندگی' کوئی ارادہ کوئی حکمت اس کے اندر کارفرما نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کارخانۂ ہستی کی ہر چیز میں ایک بولتی ہوئی پروردگاری اور ایک ابھری ہوئی کارسازی موجود ہو مگر کوئی پروردگار' کوئی کارساز موجود نہ ہو؟ پھر کیا یہ محض ایک اندھی بہری فطرت' بے جان مادہ' اور بے حس الیکٹرون (Electrons) کے خواص ہیں جن سے پروردگاری و کارسازی کا یہ پورا کارخانہ ظہور میں آ گیا ہے؟ اور عقل اور ارادہ رکھنے والی کوئی ہستی موجود نہیں؟

پروردگاری موجود ہے' مگر کوئی پروردگار موجود نہیں! کارسازی موجود ہے' مگر کوئی کارساز موجود نہیں! رحمت موجود ہے' مگر کوئی رحیم موجود نہیں! حکمت موجود ہے مگر کوئی حکیم موجود نہیں! سب کچھ موجود ہے' مگر کوئی موجود نہیں! عمل بغیر کسی عامل کے' نظم بغیر کسی ناظم کے' قیام بغیر کسی قیوم کے' عمارت بغیر کسی معمار کے' نقش بغیر کسی نقاش کے' سب کچھ بغیر کسی موجود کے۔ نہیں' انسان کی فطرت کبھی یہ باور نہیں کر سکتی- اس کا وجدان پکارتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں اس کی فطرت اپنی بناوٹ میں ایک ایسا سانچا لے کر آئی ہے جس میں یقین و ایمان ہی ڈھل سکتا ہے- شک اور انکار کی اس میں سمائی نہیں!

قرآن کہتا ہے: یہ بات انسان کے وجدانی اذعان کے خلاف ہے کہ وہ نظام ربوبیت کا مطالعہ کرے اور ایک ''رب العلمین'' ہستی کا یقین اس کے اندر جاگ نہ اٹھے- وہ کہتا ہے: ایک انسان غفلت کی سرشاری اور سرکشی کے ہیجان میں ہر چیز سے انکار کر سکتا ہے لیکن اپنی فطرت سے انکار نہیں کر سکتا- وہ ہر چیز کے خلاف جنگ کر سکتا ہے لیکن اپنی فطرت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا- وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی اور پروردگاری کا ایک عالمگیر کارخانہ پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی

فطرت کی صدا کیا ہوتی ہے؟ اس کے دل کے ایک ایک ریشے میں کون سا اعتقاد سمایا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے اور یہ سب کچھ اسی کی کرشمہ سازیاں ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کا اسلوب بیان یہ نہیں ہے کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے اور پھر اس پر بحث و تقریر کر کے مخاطب کو ردو تسلیم پر مجبور کرے- اس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان و ذوق سے ہوتا ہے- وہ کہتا ہے: خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے- اگر ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے تو یہ اس کی غفلت ہے اور ضروری ہے کہ اسے غفلت سے چونکا دینے کے لیے دلیلیں پیش کی جائیں- لیکن یہ دلیل ایسی نہیں ہونی چاہیے جو محض ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کر دے بلکہ ایسی ہونی چاہیے جو اس کے نہاں خانۂ دل پر دستک دے اور اس کا فطری وجدان بیدار کر دے- اگر اس کا وجدان بیدار ہو گیا تو پھر اثبات مدعا کے لیے بحث و تقریر کی ضرورت نہ ہوگی- خود اس کا وجدان ہی اسے مدعا تک پہنچا دے گا-

یہی وجہ ہے کہ قرآن خود انسان کی فطرت ہی سے انسان پر حجت لاتا ہے:

﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴾ (۷۵: ۱۴، ۱۰)

''بلکہ انسان کا وجود خود اس کے خلاف (یعنی اس کی کج اندیشیوں کے خلاف) حجت ہے اگرچہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف) کتنے ہی عذر بہانے تراش لیا کرے-''

اور اسی لیے وہ جا بجا فطرت انسانی کو مخاطب کرتا اور اس کی گہرائیوں سے جواب طلب کرتا ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ (۱۰: ۳۱، ۳۲)

''وہ کون ہے جو آسمان (میں پھیلے ہوئے کارخانۂ حیات) سے اور زمین (کی وسعت میں پیدا ہونے والے سامان رزق) سے تمہیں روزی بخش رہا ہے؟ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے؟ اور پھر وہ کونسی ہستی ہے جو یہ تمام کارخانۂ خلقت اس نظم و نگرانی کے ساتھ چلا رہی ہے؟ (اے پیغمبر!) یقیناً وہ (بے اختیار) بول اٹھیں گے اللہ ہے (اس کے سوا کون ہو سکتا ہے) اچھا تم ان سے کہو جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں تو پھر یہ کیوں ہے کہ غفلت و سرکشی سے نہیں بچتے! ہاں بیشک یہ اللہ ہی ہے جو تمہارا پروردگار برحق ہے اور جب یہ حق ہے تو حق کے ظہور کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ (افسوس تمہاری سمجھ پر) تم (حقیقت سے منہ پھیر کر) کہاں جا رہے ہو؟''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (۲۷: ۶۰-۶۴)

''وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا پھر اس آب پاشی سے خوشنما باغ اگا دیے حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت اگاتے؟ کیا (ان کاموں کا کرنے والا) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس ان لوگوں کی سمجھ پر! حقیقت حال کتنی ہی ظاہر ہو) مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ ہی کج روی ہے!

اچھا! بتلاؤ وہ کون ہے جس نے زمین کو (زندگی و معیشت کا) ٹھکانا بنا دیا، اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں، اس (کی درستگی) کے لیے پہاڑ بلند کر دیئے' دو دریاؤں میں (یعنی دریا اور سمندر میں ایسی) دیوار حائل کر دی (کہ دونوں اپنی اپنی جگہ محدود رہتے ہیں) کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس! کتنی واضح بات ہے) مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے!

اچھا! بتلاؤ: وہ کون ہے جو بے قرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ (ہر طرف سے مایوس ہو کر) اسے پکارنے لگتے ہیں اور ان کا درد دکھ ٹال دیتا ہے؟ اور وہ کہ اس نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس تمہاری غفلت پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو!

اچھا! بتلاؤ: وہ کون ہے جو صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے؟ وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں!) اللہ کی ذات اس ساجھے سے پاک و منزہ ہے جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں ٹھہرا رہے ہیں!

اچھا! بتلاؤ: وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے' اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے کارخانہ ہائے رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہو اگر تم (اپنے رویہ میں) سچے ہو (اور انسانی عقل و بصیرت کی اس

عالمگیر شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے) تو اپنی دلیل پیش کرو!"

ان سوالات میں سے ہر سوال اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ ان میں سے ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ فطرت انسانی کا عالمگیر اور مسلمہ اذعان ہے- ہمارے متکلموں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی اس لیے قرآن کا اسلوب استدلال ان پر واضح نہ ہو سکا اور دور دراز گوشوں میں بھٹک گئے-

بہر حال قرآن کے وہ بے شمار مقامات جن میں کائنات ہستی کے سروسامان پرورش اور نظام ربوبیت کی کارسازیوں کا ذکر کیا گیا ہے دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں:

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴾

(۸۰:۲۴-۳۲)

"انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے (جو شب و روز اس کے استعمال میں آتی رہتی ہے) ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں' پھر اس کی سطح شق کر دیتے ہیں' پھر اس کی روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں- اناج کے دانے' انگور کی بیلیں' کھجور کے خوشے' سبزی' ترکاری' زیتون کا تیل' درختوں کے جھنڈ' قسم قسم کے میوے' طرح طرح کا چارہ' (اور یہ سب کچھ کس کے لیے) تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے-"

ان آیات میں ﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ ﴾ کے زور پر غور کرو- انسان کتنا ہی غافل ہو جائے اور کتنا ہی اعراض کرے لیکن دلائل حقیقت کی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ حال ہے کہ کسی حال میں بھی اس سے اوجھل نہیں ہو سکتیں- ایک انسان تمام دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لے لیکن بہر حال اپنی شب و روز کی غذا کی طرف سے تو آنکھیں بند نہیں کر سکتا جو غذا اس کے سامنے دھری ہے اسی پر نظر ڈالے- یہ کیا ہے؟ گیہوں کا دانہ ہے- اچھا! گیہوں کا ایک دانہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لو اور اس کی پیدائش سے لے کر اس کی پختگی و تکمیل تک کے تمام احوال و ظروف پر غور کرو- کیا یہ حقیر سا ایک دانہ بھی وجود میں آ سکتا تھا اگر تمام کارخانۂ ہستی ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ اس کی بناوٹ میں سرگرم نہ رہتا؟ اور اگر دنیا میں ایک ایسا نظام ربوبیت موجود ہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟

سورۂ نحل میں یہی استدلال ایک دوسرے پیرایہ میں نمودار ہوا ہے:

﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا

شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ[1] ﴾ (۱۶: ۶۶-۶۹)

''اور (دیکھو یہ) چار پائے (جنہیں تم پالتے ہو) ان میں تمہارے لیے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی کتنی بڑی عبرت ہے؟ ان کے جسم سے ہم خون و کثافت کے درمیان دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بے غل و غش مشروب ہوتا ہے- (اسی طرح) کھجور اور انگور کے پھل ہیں جن سے نشہ کا عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو- بلاشبہ اس بات میں ارباب عقل کے لیے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانی ہے!

اور پھر (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کر دی جاتی ہیں' اپنے لیے گھر بنائے' پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوسے' پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقوں پر کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو- (چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ) اس کے شکم سے مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے' جس میں انسان کے لیے شفا ہے- بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (ربوبیت الٰہی کی عجائب آفرینیوں کی) بڑی ہی نشانی ہے!''

جس طرح اس نے جابجا خلقت سے استدلال کیا ہے- یعنی دنیا میں ہر چیز مخلوق ہے' اس لیے ضروری ہے کہ خالق بھی ہو- اسی طرح وہ ربوبیت سے بھی استدلال کرتا ہے- یعنی دنیا میں ہر چیز مربوب ہے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی رب بھی ہو- اور دنیا میں ربوبیت کامل اور بے داغ ہے' اس لیے ضروری ہے کہ وہ رب کامل اور بے عیب ہو-

زیادہ واضح لفظوں میں اسے یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' دنیا میں ہر چیز ایسی ہے کہ اسے پرورش کی احتیاج ہے' اور اسے پرورش مل رہی ہے- پس ضروری ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو' یہ پرورش کرنے والا کون ہے؟ یقیناً وہ نہیں ہو سکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو- قرآن میں جہاں کہیں اس طرح کے مخاطبات ہیں جیسا کہ سورۂ واقعہ کی مندرجہ ذیل آیات میں ہے' وہ اسی استدلال پر مبنی ہیں:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ

---

[1] اس موقع پر یہ اصل پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز نظر و اعتبار کے مختلف پہلو رکھتی ہے' اسی طرح قرآن کا استشہاد بھی بیک وقت مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے- البتہ خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو کے لیے ہوتا ہے- مثلاً شہد کی پیدائش اور شہد کی مکھی کے اعمال کے مختلف پہلو ہیں- یہ بات کہ ایک نہایت مفید اور لذیذ غذا پیدا ہو جاتی ہے' ربوبیت ہے- یہ بات کہ ایک حقیر سا جانور اس دانشمندی و دقت کے ساتھ یہ کام انجام دیتا ہے' ذہن و ادراک کی بخشش کا عجیب و غریب منظر ہے' اور اس لیے حکمت و قدرت کا پہلو رکھتا ہے- ان آیات کا سیاق و سباق بتلاتا ہے کہ یہاں زیادہ تر توجہ ربوبیت پر دلائی گئی ہے' لیکن ساتھ ہی حکمت و قدرت کے پہلوؤں پر بھی روشنی پڑ رہی ہے- اسی طرح اکثر مقامات میں ربوبیت' رحمت' حکمت' اور قدرت کے مشترک مظاہر بیان کیے گئے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو پر ہے-۱۲

النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ○ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ○ ﴾ (۵۶: ۶۳-۷۳)

اچھا! تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو کچھ تم کاشت کاری کرتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے کے لیے رہ جاؤ کہ ''افسوس' ہمیں تو اس نقصان کا تاوان ہی دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں ہی سے محروم ہو گئے''

اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ پانی جو تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے (سمندر کے پانی کی طرح) کڑوا کر دیں۔ پھر کیا اس نعمت کے لیے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار ہو؟ اچھا! تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو تو اس کے لیے لکڑی تم نے پیدا کی ہے یا ہم پیدا کر رہے ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لیے سامان زیست بنایا ہے۔''

نظام ربوبیت سے توحید پر استدلال:

اسی طرح وہ نظام ربوبیت سے توحید الٰہی پر استدلال کرتا ہے۔ جو رب العالمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمہارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے آگے جھکایا جائے؟

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (۲: ۲۱-۲۲)

''اے افراد نسل انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اس پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس لیے پیدا کیا تاکہ تم برائیوں سے بچو۔ وہ پروردگار عالم جس نے تمہارے لیے زمین فرش کی طرح بچھا دی اور آسمان چھت کی طرح بنا دیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے طرح طرح کے پھل پیدا کر دیے تاکہ تمہارے لیے رزق کا سامان ہو۔ پس (جب خالقیت اسی کی خالقیت ہے اور ربوبیت اسی کی ربوبیت' تو) ایسا نہ کرو کہ کسی دوسری ذات کو اس کا ہم پلہ ٹھہراؤ اور تم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو!''

یا مثلاً سورۂ فاطر میں ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ (۳۵: ۱)

''اے افرادنسل انسانی! اللہ نے اپنی جن نعمتوں سے تمہیں فیض یاب کیا ہے ان پر غور کرو' کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں زمین اور آسمان کی بخشایشوں سے رزق دے رہا ہے؟ نہیں کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی ایک ذات!''

نظام ربوبیت سے وحی ورسالت کی ضرورت پر استدلال:

اسی طرح وہ نظام ربوبیت کے اعمال سے انسانی سعادت وشقاوت کے معنوی قوانین اور وحی و رسالت کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ جس رب العالمین نے تمہاری پرورش کے لیے ربوبیت کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کیا ممکن ہے کہ اس نے تمہاری روحانی فلاح وسعادت کے لیے کوئی قانون' کوئی نظام اور کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو؟ جس طرح تمہارے جسم کی ضرورتیں ہیں اسی طرح تمہاری روح کی بھی ضرورتیں ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جسم کی نشوونما کے لیے تو اس کے پاس سب کچھ ہو لیکن روح کی نشوونما کے لیے اس کے پاس کوئی پروردگاری نہ ہو؟

اگر وہ رب العالمین ہے اور اس کی ربوبیت کے فیضان کا یہ حال ہے کہ ہر ذرہ کے لیے سیرابی' اور ہر چیونٹی کے لیے کارسازی رکھتی ہے تو کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ انسان کی روحانی سعادت کے لیے اس کے پاس کوئی سرچشمگی نہ ہو؟ اس کی پروردگاری اجسام کی پرورش کے لیے آسمان سے پانی برسائے لیکن ارواح کی پرورش کے لیے ایک قطرۂ فیض بھی نہ رکھے؟ تم دیکھتے ہو کہ جب زمین شادابی سے محروم ہو کر مردہ ہو جاتی ہے تو یہ اس کا قانون ہے کہ باران رحمت نمودار ہوتی اور زندگی کی برکتوں سے زمین کے ایک ایک ذرے کو مالا مال کر دیتی ہے۔ پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ جب عالم انسانیت ہدایت و سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو جائے تو اس کی باران رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح کو پیام زندگی پہنچا دے؟ روحانی سعادت کی یہ بارش کیا ہے؟ وہ کہتا ہے وحی الٰہی ہے۔ تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور مردہ زمین زندہ ہو گئی۔ پھر اس بات پر کیوں چونک اٹھو کہ وحی الٰہی ظاہر ہوئی اور مردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی؟

﴿ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾

(٤٥ : ١-٦)

''یہ اللہ کی طرف سے کتاب (ہدایت) نازل کی جاتی ہے جو عزیز اور حکیم ہے۔ بلاشبہ ایمان رکھنے والوں کے لیے آسمانوں اور زمین میں (معرفت حق کی) بے شمار نشانیاں ہیں۔ نیز تمہاری پیدائش میں اور ان چارپایوں میں جنہیں اس نے زمین میں پھیلا رکھا ہے ارباب یقین کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے میں' اور اس سرمایۂ رزق میں جسے وہ آسمان سے

برساتا ہے اور زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے' اور ہواؤں کے ردوبدل میں ارباب دانش کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں- (اے پیغمبرؐ!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو فی الحقیقت ہم تمہیں سنا رہے ہیں- پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کون سی بات رہ گئی ہے جسے سن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟''

سورۂ انعام میں ان لوگوں کا جو وحی الٰہی کے نزول پر متعجب ہوتے ہیں' ان لفظوں میں ذکر کیا ہے:

﴿ وَمَا قَدَرُو اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ﴾(۶:۹۱)

''اور اللہ کے کاموں کی انہیں جو قدر شناسی کرنی تھی یقیناً انہوں نے نہیں کی جب انہوں نے یہ بات کہی کہ اللہ نے اپنے کسی بندے پر کوئی چیز نازل نہیں کی''-

تو پھر تورات اور قرآن کے نزول کے ذکر کے بعد حسب ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ٥ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ٥ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾الخ(۶:۹۵-۹۷)

''یقیناً یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے (اور اس سے ہر چیز کا درخت پیدا کر دیتا ہے) وہ زندہ کو مردہ چیز سے نکالتا اور مردہ کو زندہ اشیا سے نکالنے والا ہے- ہاں! وہی تمہارا خدا ہے- پھر تم اس سے روگردانی کر کے کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو؟ ہاں! وہی (پردۂ شب چاک) کر کے صبح کی روشنی نمودار کرنے والا ہے' وہی ہے جس نے رات کو راحت وسکون کا ذریعہ بنا دیا' اور وہی ہے کہ سورج اور چاند کی گردش اس درستگی کے ساتھ قائم کر دی کہ حساب کا معیار بن گئی- یہ اس عزیز وعلیم کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے- اور (پھر دیکھو!) وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے پیدا کر دیے تاکہ خشکی وتری کی تاریکیوں میں ان سے رہنمائی پاؤ- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں ہم نے دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں!''

یعنی جس پروردگار عالم کی ربوبیت ورحمت کا یہ تمام فیضان شب وروز دیکھ رہے ہو کیا ممکن ہے کہ وہ تمہاری جسمانی پرورش وہدایت کے لیے تو یہ سب کچھ کرے لیکن تمہاری روحانی پرورش وہدایت کے لیے اس کے پاس کوئی سروسامان نہ ہو؟ وہ زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے- پھر کیا تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دے گا؟ وہ ستاروں کی روشن علامتوں سے خشکی وتری کی ظلمتوں میں رہنمائی کرتا ہے- کیونکر ممکن ہے کہ تمہاری روحانی زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی کی کوئی روشنی نہ ہو؟ تم جو کبھی اس پر متعجب نہیں ہوتے کہ زمین پر کھیت لہلہا رہے ہیں اور آسمان میں تارے چمک رہے ہیں کیوں اس بات پر متعجب ہوتے ہو کہ خدا کی وحی نوع انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہو رہی ہے؟ اگر تمہیں تعجب ہوتا ہے تو یہ اس

بات کا نتیجہ ہے کہ تم نے خدا کو اس کی صفتوں میں اس طرح نہیں دیکھا ہے جس طرح دیکھنا چاہیے- تمہاری سمجھ میں یہ بات تو آ جاتی ہے کہ وہ ایک چیونٹی کی پرورش کے لیے یہ پورا کارخانۂ حیات سرگرم رکھے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نوع انسانی کی ہدایت کے لیے سلسلہ وحی وتنزیل قائم ہو!

نظام ربوبیت سے وجود معاد پر استدلال:

اسی طرح وہ اعمال ربوبیت سے معاد اور آخرت پر بھی استدلال کرتا ہے- جو چیز جتنی زیادہ نگرانی اور اہتمام سے بنائی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ قیمتی استعمال اور اہم مقصد بھی رکھتی ہے' اور بہتر صناع وہی ہے جو اپنی صنعت گری کا بہتر استعمال اور مقصد رکھتا ہو- پس انسان جو کرۂ ارضی کی بہترین مخلوق اور اس کے تمام سلسلہ خلقت کا خلاصہ ہے' اور جس کی جسمانی و معنوی نشو ونما کے لیے فطرت کائنات نے اس قدر اہتمام کیا ہے' کیونکر ممکن ہے کہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے ہی بنایا گیا ہو اور کوئی بہتر استعمال اور بلند تر مقصد نہ رکھتا ہو؟ اور پھر اگر خالق کائنات رب ہے اور کامل درجے کی ربوبیت رکھتا ہے تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے ایک بہترین مربوب یعنی پروردہ ہستی کو محض اس لیے بنایا ہو کہ مہمل اور بے نتیجہ چھوڑ دے؟

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴾ (۲۳:۱۱۵-۱۱۶)

''کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بغیر کسی مقصد و نتیجہ کے پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟ اللہ جو اس کائنات ہستی کا حقیقی حکمران ہے اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بیکار وعبث فعل کرے- کوئی معبود نہیں ہے مگر وہ جو (جہانداری کے) عرش بزرگ کا پروردگار ہے!

ہم نے یہ مطلب اسی سادہ طریقہ پر بیان کر دیا جو قرآن کے بیان و خطاب کا طریقہ ہے- لیکن یہی مطلب علمی بحث وتقریر کے پیرایہ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ وجود انسانی کرۂ ارضی کے سلسلۂ خلقت کی آخری اور اعلیٰ ترین کڑی ہے اور اگر پیدائش حیات سے لے کر انسانی وجود کی تکمیل تک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایک ناقابل شمار مدت کے مسلسل نشو وارتقا کی تاریخ ہوگی- گویا فطرت نے لاکھوں کروڑوں برس کی کارفرمائی وصناعی سے کرۂ ارضی پر جو اعلیٰ ترین وجود تیار کیا ہے وہ انسان ہے!

ماضی کے ایک نقطۂ بعید کا تصور کرو- جب ہمارا یہ کرہ سورج کے ملتہب کرّے سے الگ ہوا تھا- نہیں معلوم کتنی مدت اس کے ٹھنڈے اور معتدل ہونے میں گزر گئی اور یہ اس قابل ہوا کہ زندگی کے عناصر اس میں نشو ونما پا سکیں- اس کے بعد وہ وقت آیا جب اس کی سطح پر نشو ونما کی سب سے پہلی داغ بیل پڑی اور پھر نہیں معلوم کتنی مدت کے بعد زندگی کا وہ اولین بیج وجود میں آ سکا جسے پروٹو پلازم (Protoplasm) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے- پھر حیات عضوی کے نشو ونما کا دور شروع ہوا اور نہیں معلوم کتنی مدت اسی پر گزر گئی کہ اس دور نے بسیط سے مرکب تک اور ادنیٰ سے اعلیٰ درجے تک ترقی کی منزلیں طے

کیں- یہاں تک کہ حیوانات کی ابتدائی کڑیاں ظہور میں آئیں اور پھر لاکھوں برس اس پر نکل گئے کہ یہ سلسلہ ارتقا وجودِ انسانی تک مرتفع ہو- پھر انسان کے جسمانی ظہور کے بعد اس کے ذہنی ارتقا کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک طول طویل مدت اس پر گزر گئی- بالآخر ہزاروں برس کے اجتماعی اور ذہنی ارتقا کے بعد وہ انسان ظہور پذیر ہو سکا جو کرۂ ارضی کے تاریخی عہد کا متمدن اور عقیل انسان ہے!

گویا زمین کی پیدائش سے لے کر ترقی یافتہ انسان کی تکمیل تک' جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ بنتا سنورتا رہا ہے وہ تمام تر انسان کی پیدائش و تکمیل ہی کی سرگزشت ہے!

سوال یہ ہے کہ جس وجود کی پیدائش کے لیے فطرت نے اس درجہ اہتمام کیا ہے کیا یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا کہ وہ پیدا ہو' کھائے پیے اور مر کر فنا ہو جائے؟ ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴾!

قدرتی طور پر یہاں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے- اگر وجود حیوانی اپنے ماضی میں ہمیشہ یکے بعد دیگرے متغیر ہوتا اور ترقی کرتا رہا ہے تو مستقبل میں بھی یہ تغیر وارتقا کیوں جاری نہ رہے؟ اگر اس بات پر ہمیں بالکل تعجب نہیں ہوتا کہ ماضی میں بیشمار صورتیں مٹیں اور نئی زندگیاں ظہور میں آئیں تو اس بات پر کیوں تعجب ہو کہ موجودہ زندگی کا مٹنا بھی بالکل مٹ جانا نہیں ہے اس کے بعد بھی ایک اعلیٰ تر صورت اور زندگی ہے؟

﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴾ (۷۵: ۳۶-۳۸)

''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو گی؟) کیا اس پر یہ حالت نہیں گزر چکی ہے کہ پیدائش سے پہلے نطفہ تھا' پھر نطفہ سے علقہ ہوا (یعنی جونک کی سی شکل ہو گئی) پھر علقہ سے (اس کا ڈیل ڈول) پیدا کیا گیا' پھر (اس ڈیل ڈول کو) ٹھیک ٹھیک درست کیا گیا!

سورۂ ذاریات میں تمام تر دین یعنی جزا کا بیان ہے: ﴿ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّ اِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴾ اور پھر اس پر اعمال ربوبیت سے یعنی ہواؤں کے چلنے اور پانی برسنے کے مؤثرات سے استشہاد کیا گیا ہے: ﴿ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴾ پھر آسمان اور زمین کی بخشایشوں پر اور خود وجود انسانی کی اندرونی شہادتوں پر توجہ دلائی ہے: ﴿ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ اس کے بعد فرمایا:

﴿ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴾ (۵۱: ۲۳)

''آسمان و زمین کے رب کی قسم! (یعنی آسمان و زمین کے پروردگار کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے) کہ بلاشبہ وہ معاملہ (یعنی جزا و سزا کا معاملہ) حق ہے- ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ بات

کہ تم گویائی رکھتے ہو۔''

اس آیت میں اثبات جزا کے لیے خدا نے خود اپنے وجود کی قسم کھائی ہے لیکن رب کے لفظ سے اپنے آپ کو تعبیر کیا ہے۔ عربی میں قسم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بات پر کسی بات سے شہادت لائی جائے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ پروردگار عالم کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حق ہے۔ یہ شہادت کیا ہے؟ وہی ربوبیت کی شہادت ہے۔ اگر دنیا میں پرورش موجود ہے' پروردہ موجود ہے اور اس لیے پروردگار بھی موجود ہے تو ممکن نہیں کہ جزا کا معاملہ بھی موجود نہ ہو۔ اور وہ بغیر کسی نتیجہ کے انسان کو چھوڑ دے۔ چونکہ لوگوں کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی۔ اس لیے اس آیت میں قسم اور متسم بہ کا ربط صحیح طور پر متعین نہ کر سکے۔

قرآن حکیم کے دلائل و براہین پر غور کرتے ہوئے یہ اصل ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس کے استدلال کا طریقہ منطقی بحث و تقریر کا طریقہ نہیں ہے جس کے لیے چند در چند مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اثبات مدعا کی شکلیں ترتیب دینی پڑتی ہیں بلکہ وہ ہمیشہ براہ راست تلقین کا قدرتی اور سیدھا سادھا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ عموماً اس کے دلائل اس کے اسلوب بیان و خطاب میں مضمر ہوتے ہیں۔ وہ یا تو کسی مطلب کے لیے اسلوب خطاب ایسا اختیار کرتا ہے کہ اسی سے استدلال کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے' یا پھر کسی مطلب پر زور دیتے ہوئے کوئی ایک لفظ ایسا بول جاتا ہے کہ اس کی تعبیر ہی میں اس کی دلیل بھی موجود ہوتی ہے اور خود بخود مخاطب کا ذہن دلیل کی طرف پھر جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک واضح مثال یہی صفت ربوبیت کا جابجا استعمال ہے۔ جب وہ خدا کی ہستی کا ذکر کرتا ہوا اسے رب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تو یہ بات کہ وہ رب ہے جس طرح اس کی ایک صفت ظاہر کرتی ہے اسی طرح اس کی دلیل بھی واضح کر دیتی ہے۔ وہ رب ہے' اور یہ واقعہ ہے کہ اس کی ربوبیت تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اور خود تمہارے دل کے اندر گھر بنائے ہوئے ہے۔ پھر کیونکر تم جرأت کر سکتے ہو کہ اس کی ہستی سے انکار کرو؟ وہ رب ہے اور رب کے سوا کون ہو سکتا ہے جو تمہاری بندگی و نیاز کا مستحق ہو؟

چنانچہ قرآن کے وہ تمام مقامات جہاں اس طرح کے مخاطبات ہیں کہ ﴿ يٰاَيُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْ ارَبَّكُمْ' اُعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ' اِنَّ اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ؟ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾ وغیرہا تو انہیں مجرد امر و خطاب ہی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ وہ خطاب و دلیل دونوں ہیں کیونکہ رب کے لفظ نے برہان ربوبیت کی طرف خود بخود رہنمائی کر دی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی کیونکہ منطقی استدلال کے استغراق نے انہیں قرآن کے طریق استدلال سے بے پروا کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان مقامات کے ترجمہ و تفسیر میں قرآن کے اسلوب بیان کی حقیقی روح واضح نہ ہو سکی اور استدلال کا پہلو طرح طرح طرح کی توجیہات میں گم ہو گیا۔

✲ ✲ ✲

﴿۴﴾

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الرحمٰن اور الرحیم

''الرَّحْمٰن'' اور ''الرَّحِيْم'' دونوں رحم سے ہیں- عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت و نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان و شفقت کا ارادہ جوش میں آ جائے- پس رحمت میں محبت' شفقت' فضل اور احسان سب کا مفہوم داخل ہے اور مجرد محبت' لطف' اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے-

اگر چہ یہ دونوں اسم رحمت سے ہیں لیکن رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں- عربی میں فَعْلان کا باب عموماً ایسے صفات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتے ہیں- جیسے پیاسے کے لیے عطشان- غضبناک کے لیے غَضْبان- سراسیمہ کے لیے حَيْران 'مست کے لیے سکران- لیکن فَعِيْل کے وزن میں صفات قائمہ کا خاصہ ہے- یعنی عموماً ایسے صفات کے لیے بولا جاتا ہے جو جذبات و عوارض ہونے کی جگہ صفات قائمہ ہوتے ہیں مثلاً کریم کرم کرنے والا' عظیم بڑائی رکھنے والا اور علیم علم رکھنے والا' حکیم حکمت رکھنے والا- پس الرحمن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں رحمت ہے اور الرحیم کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس سے ہمیشہ رحمت کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ہر آن و ہر لحہ تمام کائنات خلقت اس سے فیض یاب ہو رہی ہے-

رحمت کو دو الگ الگ اسموں سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ اس لیے کہ قرآن مجید خدا کے تصور کا جو نقشہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور چھائی ہوئی صفت رحمت ہی کی صفت ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ تمام تر رحمت ہی ہے:

﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾(۷:۱۵۶)

''اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے!''

پس ضروری تھا کہ خصوصیت کے ساتھ اس کی صفتی اور فعلی دونوں حیثیتیں واضح کر دی جائیں- یعنی اس میں رحمت ہے کیونکہ وہ الرحمٰن ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ اس سے رحمت کا ظہور بھی ہو رہا ہے کیونکہ الرحمٰن کے ساتھ وہ الرحیم بھی ہے!

رحمت:

لیکن اللہ کی رحمت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے: کائنات ہستی میں جو کچھ بھی خوبی و کمال ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمت الٰہی کا ظہور ہے!

جب ہم کائنات ہستی کے اعمال و مظاہر پر غور کرتے ہیں تو سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے وہ اس کا نظام ربوبیت ہے- کیونکہ فطرت سے ہماری پہلی شناسائی ربوبیت کے ذریعہ ہوتی ہے-لیکن جب علم و ادراک کی راہ میں چند قدم آگے بڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ربوبیت سے بھی ایک زیادہ وسیع اور عام حقیقت یہاں کارفرما ہے اور خود ربوبیت بھی اسی کے فیضان کا ایک گوشہ ہے-

ربوبیت اور اس کا نظام کیا ہے؟ کائنات ہستی کی پرورش ہے لیکن کائنات ہستی میں صرف پرورش ہی نہیں ہے- پرورش سے بھی ایک زیادہ بنانے' سنوارنے' اور فائدہ پہنچانے کی حقیقت کام کر رہی ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی فطرت میں بناؤ ہے اس کے بناؤ میں خوبی ہے' اس کے مزاج میں اعتدال ہے' اس کے افعال میں خواص ہیں' اس کی صورت میں حسن ہے' اس کی صداؤں میں نغمہ ہے' اس کی بو میں عطر بیزی ہے اور اس کی کوئی بات نہیں جو اس کارخانہ کی تعمیر و درستگی کے لیے مفید نہ ہو- پس یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی زیادہ وسیع اور عام ہے- قرآن کہتا ہے کہ رحمت ہے اور خالق کائنات کی رحمانیت اور رحیمیت کا ظہور ہے!

تعمیر و تحسین کائنات رحمت الٰہی کا نتیجہ ہے:

زندگی اور حرکت کا یہ عالمگیر کارخانہ وجود ہی میں نہ آتا اگر اپنے ہر فعل میں بننے بنانے' سنورنے سنوارنے اور ہر طرح بہتر و اصلح ہونے کا خاصہ نہ رکھتا- فطرت کائنات میں یہ خاصہ کیوں ہے؟ اس لیے کہ بناؤ ہو بگاڑ نہ ہو- درستگی ہو برہمی نہ ہو لیکن کیوں ایسا ہوا کہ فطرت بنائے اور سنوارے، بگاڑے اور الجھائے نہیں؟ یہ کیا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے درست اور بہتر ہی ہوتا ہے- خراب اور بدتر نہیں ہوتا؟ انسان کے علم و دانش کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں- فلسفۂ نظر کا قدم جب کبھی اس حد تک پہنچا دم بخود ہو کر رہ گیا لیکن قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہے کہ فطرت کائنات میں رحمت ہے اور رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ خوبی اور درستگی ہو بگاڑ اور خرابی نہ ہو!

انسان کے علم و دانش کی کاوشیں بتلاتی ہیں کہ کائنات ہستی کا یہ بناؤ اور سنوار عناصر اولیہ کی ترکیب اور ترکیب کے اعتدال و تسویہ کا نتیجہ ہے- مادۂ عالم کی کمیت میں بھی اعتدال ہے' کیفیت میں بھی اعتدال ہے- یہی اعتدال ہے جس سے سب کچھ بنتا ہے اور جو کچھ بنتا ہے خوبی اور کمال کے ساتھ بنتا ہے- یہی اعتدال و تناسب دنیا کے تمام تعمیری اور ایجابی حقائق کی اصل ہے- وجود' زندگی' تندرستی' حسن' خوشبو' نغمہ' بناؤ اور خوبی کے بہت سے نام ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے اور وہ اعتدال ہے-

لیکن فطرت کائنات میں یہ اعتدال و تناسب کیوں ہے؟ کیوں ایسا ہوا کہ عناصر کے دقائق جب ملیں تو اعتدال و

تناسب کے ساتھ ملبس اور مادہ کا خاصہ یہی ٹھہرا کہ اعتدال و تناسب ہو' انحراف اور تجاوز نہ ہو؟ انسان کا علم دم بخود اور متحیر ہے لیکن قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہوا کہ خالق کائنات میں رحمت ہے اور اس لیے کہ اس کی رحمت اپنا ظہور بھی رکھتی ہے اور جس میں رحمت ہو اور اس کی رحمت ظہور بھی رکھتی ہو تو جو کچھ اس سے صادر ہوگا اس میں خوبی و بہتری ہی ہوگی' حسن و جمال ہی ہوگا' اعتدال و تناسب ہی ہوگا اور اس کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا!

فلسفہ ہمیں بتلاتا ہے کہ تعمیر اور تحسین فطرت کائنات کا خاصہ ہے- خاصہ تعمیر چاہتا ہے کہ بناؤ ہو' خاصہ تحسین چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے خوبی و کمال کے ساتھ بنے اور یہ دونوں خاصے قانون ضرورت کا نتیجہ ہیں- کائنات ہستی کے ظہور و تکمیل کے لیے ضرورت تھی کہ تعمیر ہو' اور ضرورت تھی کہ جو کچھ تعمیر ہو حسن و خوبی کے ساتھ تعمیر ہو- یہی ''ضرورت'' بجائے خود ایک علت ہوگئی اور اس لیے فطرت سے جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ہونا ضروری تھا-

لیکن اس تعلیل سے بھی تو یہ عقدہ حل نہیں ہوا؟ سوال جس منزل میں تھا اس سے صرف ایک منزل اور آگے بڑھ گیا- تم کہتے ہو: یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس لیے ہے کہ ''ضرورت'' کا قانون موجود ہے- لیکن سوال یہ ہے کہ ''ضرورت'' کا قانون کیوں موجود ہے؟ کیوں یہ ضروری ہوا کہ جو کچھ ظہور میں آئے ''ضرورت'' کے مطابق ہو اور ''ضرورت'' اسی بات کی مقتضی ہوئی کہ خوبی اور درستگی ہو بگاڑ اور برہمی نہ ہو؟ انسانی علم کی کاوشیں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں- ایک مشہور فلسفی کے لفظوں میں ''جس جگہ سے یہ کیوں شروع ہو جائے سمجھ جاؤ کہ فلسفہ کے غور و خوض کی سرحد ختم ہوگئی''- لیکن قرآن اسی سوال کا جواب دیتا ہے وہ کہتا ہے یہ ''ضرورت'' رحمت اور فضل کی ''ضرورت'' ہے- رحمت چاہتی ہے جو کچھ ظہور میں آئے بہتر ہو اور نافع ہو اور اس لیے جو کچھ ظہور میں آتا ہے بہتر ہوتا ہے اور نافع ہوتا ہے!

پھر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ دنیا میں زندگی اور بقا کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے جمال و زیبائی ان سے ایک زائد تر فیضان ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ جمال و زیبائش بھی یہاں موجود ہے- پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سب کچھ قانون ضرورت ہی کا نتیجہ ہے- ضرورت زندگی اور بقا کا سروسامان چاہتی ہے لیکن زندہ اور باقی رہنے کے لیے جمال و زیبائش کی کیا ضرورت ہے؟ اگر جمال و زیبائش بھی یہاں موجود ہے تو یقیناً یہ فطرت کا ایک مزید لطف و احسان ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت صرف زندگی ہی نہیں بخشتی بلکہ زندگی کو حسین و لطیف بھی بنانا چاہتی ہے- پس یہ محض زندگی کی ضرورت کا قانون نہیں ہوسکتا- یہ اس ضرورت سے بھی کوئی بالاتر ''ضرورت'' ہے جو چاہتی ہے کہ مرحمت اور فیضان ہو- قرآن کہتا ہے یہ رحمت کی ''ضرورت'' ہے اور رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ وہ سب کچھ ظہور میں آئے جو رحمت سے ظہور میں آنا چاہیے:

﴿ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾(٦:١٢)

''آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کے لیے ہے؟ (اے پیغمبرؐ) کہہ دے اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے لیے ضروری ٹھہرالیا ہے کہ رحمت ہو-''

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (۷:۱۵۶)

''اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے!''

افادہ وفیضان فطرت:

اس سلسلہ سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے وہ کائنات ہستی اور اس کی تمام اشیا کا افادہ و فیضان ہے- یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت کے تمام کاموں میں کامل نظم و یکسانیت کے ساتھ مفید اور کار آمد ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے اور اگر بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ تمام کارگاہ عالم صرف اسی لیے بنا ہے کہ ہمیں فائدہ پہنچائے اور ہماری حاجت روائیوں کا ذریعہ ہو:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (۴۵:۱۳)

''اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے (یعنی ان کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دیدی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو) بلا شبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس بات میں (معرفت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں-[1]

---

[1] اس آیت میں اور اس کی تمام ہم معنی آیات میں ''سخر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے- یعنی تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کر دی گئی ہیں- عربی میں تسخیر ٹھیک ٹھیک اسی معنی میں بولا جاتا ہے جس معنی میں ہم اردو میں بولا کرتے ہیں- یعنی کسی چیز کا قہراً وحکماً اس طرح مطیع ہو جانا کہ جس طرح چاہیں اس سے کام لیں- غور کرو انسانی قویٰ کی عظمت و سروری کے اظہار کے لیے اس سے زیادہ موزوں تعبیر اور کیا ہو سکتی تھی؟ قرآن کے نزول سے پہلے اقوام عالم کی دینی ذہنیت انسان کی عقلی امنگوں کے قطعاً خلاف تھی- لیکن قرآن نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس کی عقلی امنگوں کی جرأت افزائی کر دی بلکہ اس کی ہمت عقل اور اولوالعزمی علم کے لیے ایک ایسی بلند نظری کا نقشہ کھینچ دیا جس سے بہتر نقشہ آج بھی نہیں کھینچا جا سکتا- آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس لیے ہے کہ انسان کے آگے مسخر ہو کر رہے اور انسان ان میں تصرف کرے- انسانی عقل و فکر کے لیے اس سے زیادہ بلند نصب العین اور کیا ہو سکتا ہے؟

پھر غور کرو ''تسخیر'' کا لفظ انسانی عقل کی حکمرانیوں کے لیے کس درجہ موزوں لفظ ہے؟ اس تسخیر کا قدیم منظر یہ تھا کہ انسان کا چھوٹا سا بچہ لکڑی کے دو گز تختے جوڑ کر سمندر کے سینے پر سوار ہو جاتا تھا اور نیا منظر یہ ہے کہ آگ، پانی، ہوا اور بجلی تمام عناصر پر حکمرانی کر رہا ہے!

البتہ یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جہاں کہیں اس تسخیر کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق صرف کرۂ ارضی کی کائنات سے ہے یا آسمان کے ان مؤثرات سے ہے جنہیں ہم یہاں محسوس کر رہے ہیں- یہ نہیں کہا ہے کہ تمام موجودات ہستی اس کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں، یا تمام موجودات ہستی میں وہ اشرف و اعلیٰ مخلوق ہے- یہ ظاہر ہے کہ ہماری دنیا کائنات ہستی کے بے کنار سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ﴿ وما يعلم جنود ربك الا هو ﴾ اور انسان کو جو کچھ بھی برتری حاصل ہے وہ صرف اسی دنیا کی مخلوقات میں ہے-

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ہستی میں جو کچھ بھی موجود ہے اور جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے اس میں سے ہر چیز کوئی نہ کوئی خاصہ رکھتی ہے اور ہر حادثہ کی کوئی نہ کوئی تاثیر ہے اور پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ تمام خواص و مؤثرات کچھ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ہر خاصہ ہماری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کرتا اور ہر تاثیر ہمارے لیے کوئی نہ کوئی فیضان رکھتی ہے- سورج' چاند' ستارے' ہوا' بارش' دریا' سمندر اور پہاڑ سب کے خواص و فوائد ہیں' اور سب ہمارے لیے طرح طرح کی راحتوں اور آسائشوں کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ (۱۴: ۳۲-۳۴)

''یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کی تاثیر سے طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کے لیے پیدا کر دیے- اسی طرح اس نے یہ بات بھی ٹھہرا دی کہ سمندر میں جہاز تمہارے زیر فرمان رہتے' اور حکم الٰہی سے چلتے رہتے ہیں' اور اسی طرح دریا بھی تمہاری کار برآریوں کے لیے مسخر کر دیے گئے اور (پھر اتنا ہی نہیں بلکہ غور کرو تو) سورج اور چاند بھی تمہارے لیے مسخر کر دیے گئے ہیں کہ ایک خاص ڈھنگ پر گردش میں ہیں اور رات اور دن کا اختلاف بھی (تمہارے فائدہ ہی کے لیے) مسخر ہے- غرض کہ جو کچھ تمہیں مطلوب تھا وہ سب کچھ اس نے عطا کر دیا- اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ ہرگز شمار نہ کر سکو گے- بلاشبہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے!''

زمین کو دیکھو' اس کی سطح پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی ہے تہہ میں آب شیریں کی سوتیں بہہ رہی ہیں گہرائی سے چاندی سونا نکل رہا ہے وہ اپنی جسامت میں اگرچہ مدور ہے لیکن اس کا ہر حصہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک مسطح فرش بچھا دیا گیا ہے!

﴿ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (۴۳: ۱۰)

''وہ پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین اس طرح بنا دی کہ فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے اور اس میں قطع مسافت کی (ہموار) راہیں پیدا کر دیں-''

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا

عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾ (۱۳: ۳-۴)

''اور یہ اسی پروردگار کی پروردگاری ہے کہ اس نے زمین (تمہاری سکونت کے لیے) پھیلا دی اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اور نہریں بہا دیں' نیز ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کر دیں' اور پھر یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ (رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور) رات کی تاریکی دن کی روشنی ڈھانپ لیتی ہے- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں اس میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

اور (پھر دیکھو) زمین کی سطح اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس میں ایک دوسرے سے قریب (آبادی کے) قطعات بن گئے اور انگوروں کے باغ' غلہ کی کھیتیاں اور کھجوروں کے جھنڈ پیدا ہو گئے- ان درختوں میں بعض درخت زیادہ ٹہنیوں والے ہیں بعض اکہرے' اور اگرچہ سب کو ایک ہی طرح کے پانی سے سینچا جاتا ہے لیکن پھل ایک طرح کے نہیں- ہم نے بعض درختوں کو بعض درختوں پر پھلوں کے مزہ میں برتری دے دی- بلاشبہ ارباب دانش کے لیے اس میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!''

﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۠ ﴾ (۷: ۱۰)

''اور (دیکھو) ہم نے زمین میں تمہیں طاقت وتصرف کے ساتھ جگہ دی' اور زندگی کے تمام سامان پیدا کر دیے (مگر افسوس) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نعمت الٰہی کے شکر گزار رہو!

سمندر کی طرف نظر اٹھاؤ' اس کی سطح پر جہاز تیر رہے ہیں' تہہ میں مچھلیاں اچھل رہی ہیں' قعر میں مرجان اور موتی نشوونما پا رہے ہیں:

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۠ ﴾ (۱۶: ۱۴)

''اور (دیکھو) یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ اپنی غذا کے لیے تر و تازہ گوشت حاصل کرو اور زیور کی چیزیں نکالو جنہیں (خوشنمائی کے لیے) پہنتے ہو- نیز تم دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر میں موجیں چیرتے ہوئے جا رہے ہیں- اور سیر و سیاحت کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو تاکہ اس کی نعمت کے شکر گزار رہو-''

حیوانات کو دیکھو- زمین کے چارپائے' فضا کے پرند اور پانی کی مچھلیاں سب اسی لیے ہیں کہ اپنے اپنے وجود سے ہمیں فائدہ پہنچائیں- غذا کے لیے ان کا دودھ اور گوشت' سواری کے لیے ان کی پیٹھ' حفاظت کے لیے ان کی پاسبانی' پہننے کے لیے ان کی کھال اور اون اور برتنے کے لیے ان کے جسم کی ہڈیاں تک مفید ہیں!

﴿ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۠ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ

وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

(١٦: ٥-٨)

''اور چار پائے پیدا کر دیے جن میں تمہارے لیے جاڑے کا سامان اور طرح طرح کے منافع ہیں اور ان سے تم اپنی غذا بھی حاصل کرتے ہو- جب ان کے غول شام کو چر کر واپس آتے ہیں اور جب چراگاہوں کے لیے نکلتے ہیں تو (دیکھو) ان کے منظر میں تمہارے لیے خوشنمائی رکھ دی ہے- اور انہی میں وہ جانور بھی ہیں جو تمہارا بوجھ اٹھا کر ان (دور دراز) شہروں تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تک تم بغیر سخت مشقت کے نہیں پہنچا سکتے تھے- بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت رکھنے والا اور صاحب رحمت ہے- اور (دیکھو) گھوڑے' خچر' گدھے پیدا کیے گئے تاکہ تم ان سے سواری کا کام لو اور خوشنمائی کا بھی موجب ہوں- وہ اسی طرح (طرح طرح کی چیزیں) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں-''

﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ ﴾(١٦: ٦٦)

''اور چار پایوں کے وجود میں تمہارے لیے (فہم و بصیرت کی) بڑی ہی عبرت ہے- انہی جانوروں کے جسم سے ہم خون اور کثافتوں کے درمیان پاک و صاف دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بے غل و غش مشروب ہوتا ہے-''

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ ﴾(١٦: ٨٠)

''اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنایا اور (جو لوگ شہروں میں نہیں بستے ان کے لیے ایسا سامان کر دیا کہ) چار پایوں کی کھال کے خیمے بنا دیے- سفر اور اقامت دونوں حالتوں میں انہیں ہلکا پاتے ہو- اسی طرح جانوروں کی اون' رووں' اور بالوں سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیں جن سے ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ پہنچتا ہے-''

ایک انسان کتنی ہی محدود اور غیر متمدن زندگی رکھتا ہو لیکن اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ اس کا گرد و پیش اسے فائدہ پہنچا رہا ہے- ایک لکڑہارا بھی اپنے جھونپڑے میں بیٹھا ہوا نظر اٹھاتا ہے تو گویا اپنے احساس کے لیے بہتر تعبیر نہ پائے لیکن یہ حقیقت ضرور محسوس کر لیتا ہے- وہ جب بیمار ہوتا ہے تو جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا لیتا ہے دھوپ تیز ہوتی ہے تو درختوں کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے بیکار ہوتا ہے تو پتوں کی سرسبزی اور پھولوں کی خوشنمائی سے آنکھیں سینکنے لگتا ہے- پھر یہی درخت ہیں جو اپنی شادابی میں اسے پھل بخشتے ہیں پختگی میں لکڑی کے تختے بن جاتے ہیں کہنگی میں آگ کے شعلے بھڑکا دیتے

ہیں- ایک ہی مخلوق بنائی ہے جو اپنے منظر سے نزہت و سرور بخشتی ہے' اپنی بو سے ہوا کو معطر کرتی ہے' اپنے پھل میں طرح طرح کی غذائیں رکھتی ہے' اپنی لکڑی سے سامان تعمیر مہیا کرتی ہے' اور پھر خشک ہو جاتی ہے تو اس کے جلانے سے آگ بھڑکتی' چولھے گرم کرتی' موسم کو معتدل بناتی' اور اپنی حرارت سے بے شمار اشیا کے پکنے' پگھلنے اور تپنے کا ذریعہ بنتی ہے-

﴿ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۝ ﴾ (۳۶ : ۸۰)

''(اور دیکھو) وہ کارفرمائے قدرت جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دی- اب تم اسی سے (اپنے چولھوں کی) آگ سلگا لیتے ہو-''

اور پھر یہ وہ فوائد ہیں جو تمہیں اپنی جگہ محسوس ہو رہے ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ فطرت نے یہ تمام چیزیں کن کن کاموں اور کن کن مصلحتوں کے لیے پیدا کی ہیں اور کارفرمائے عالم کارگاہ ہستی کے بنانے اور سنوارنے کے لیے ان سے کیا کیا کام نہیں لے رہا ہے؟

﴿ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾ (۷۴ : ۳۱)

''اور تمہارا پروردگار (اس کارزار ہستی کی کارفرمائیوں کے لیے) جو فوجیں رکھتا ہے ان کا حال اس کے سوا کون جانتا ہے؟''

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ فطرت نے کائنات ہستی کے افادہ و فیضان کا نظام کچھ اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت ہر مخلوق کو یکساں طور پر نفع پہنچاتا اور ہر مخلوق کی یکساں طور پر رعایت ملحوظ رکھتا ہے- اگر ایک انسان اپنے عالی شان محل میں بیٹھ کر محسوس کرتا ہے کہ تمام کارخانۂ ہستی صرف اسی کی کار برآریوں کے لیے ہے تو ٹھیک اسی طرح ایک چیونٹی بھی اپنے بل میں کہہ سکتی ہے کہ فطرت کی ساری کارفرمائیاں صرف اسی کی کار برآریوں کے لیے ہیں اور کون ہے جو اسے جھٹلانے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کیا فی الحقیقت سورج اس لیے نہیں ہے کہ اس کے لیے حرارت بہم پہنچائے؟ کیا بارش اس لیے نہیں ہے کہ اس کے لیے رطوبت مہیا کرے؟ کیا ہوا اس لیے نہیں ہے کہ اس کی ناک تک شکر کی بو پہنچا دے؟ کیا زمین اس لیے نہیں ہے کہ ہر موسم اور ہر حالت کے مطابق اس کے لیے مقام و منزل بنے؟ دراصل فطرت کی بخشایشوں کا قانون کچھ ایسا عام اور ہمہ گیر واقع ہوا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی طریقہ سے' ایک ہی نظام کے ماتحت' ہر مخلوق کی نگہداشت کرتا اور ہر مخلوق کو یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کا موقع دیتا ہے- حتیٰ کہ ہر وجود اپنی جگہ محسوس کر سکتا ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم صرف اسی کی کام جوئیوں اور آسائشوں کے لیے سرگرم کار ہے!

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ﴾ (۶ : ۳۸)

''اور زمین کے تمام جانور اور (پردار) بازوؤں سے اڑنے والے تمام پرند دراصل تمہاری ہی طرح امتیں ہیں-''

کائنات کی تخریب بھی تعمیر کے لیے ہے:

البتہ یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دنیا عالم کون و فساد ہے- یہاں ہر بننے کے ساتھ بگڑنا ہے اور ہر سمٹنے کے

ساتھ بکھرنا- لیکن جس طرح سنگ تراش کا توڑنا پھوڑنا بھی اس لیے ہوتا ہے کہ خوبی و دل آویزی کا ایک پیکر تیار کر دے اسی طرح کائنات عالم کا تمام بگاڑ بھی اس لیے ہے کہ بناؤ اور خوبی کا فیضان ظہور میں آئے- تم ایک عمارت بناتے ہو لیکن اس ''بنانے'' کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ بہت سی بنی ہوئی چیزیں بگڑ گئیں؟ چٹانیں اگر نہ کاٹی جاتیں' بھٹے اگر نہ سلگائے جاتے' درختوں پر آرہ اگر نہ چلتا تو ظاہر ہے عمارت کا بناؤ بھی ظہور میں نہ آتا- پھر یہ راحت و سکون جو تمہیں ایک عمارت کی سکونت سے حاصل ہوتا ہے کس صورت حال کا نتیجہ ہے؟ یقیناً اسی شور و شر اور ہنگامۂ تخریب کا جو سرو سامان تعمیر کی جدوجہد نے عرصہ تک جاری رکھا تھا- اگر تخریب کا یہ شور و شر نہ ہوتا تو عمارت کا عیش و سکون بھی وجود میں نہ آتا- پس یہی حال فطرت کی تعمیری سرگرمیوں کا بھی سمجھو- وہ عمارت ہستی کا ایک ایک گوشہ تعمیر کرتی رہتی ہے' وہ اس کارخانہ کا ایک ایک کیل پرزہ ڈھالتی رہتی ہے' وہ اس کی درستگی و خوبی کی حفاظت کے لیے ہر نقصان کا دفعیہ اور ہر فساد کا ازالہ چاہتی ہے- تعمیر و درستگی کی یہی سرگرمیاں ہیں جو تمہیں بعض اوقات تخریب و نقصان کی ہولناکیاں دکھائی دیتی ہیں- حالانکہ یہاں تخریب کب ہے؟ جو کچھ ہے تعمیر ہی تعمیر ہے- سمندر میں تلاطم' دریا میں طغیانی' پہاڑوں میں آتش فشانی' جاڑوں میں برف باری' گرمیوں میں سموم' اور بارش میں ہنگامۂ ابر و باد' تمہارے لیے خوش آیند مناظر نہیں ہوتے لیکن تم نہیں جانتے کہ ان میں سے ہر حادثہ کائنات ہستی کی تعمیر و درستگی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جس قدر دنیا کی کوئی مفید سے مفید چیز تمہاری نگاہ میں ہو سکتی ہے- اگر سمندر میں طوفان نہ اٹھتے تو میدانوں کی زندگی و شادابی کے لیے ایک قطرۂ بارش میسر نہ آتا- اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی تو باران رحمت کا فیضان بھی نہ ہوتا- اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں نہ پھٹتیں تو زمین کے اندر کا کھولتا ہوا مادہ اس کرہ کی تمام سطح پارہ پارہ کر دیتا- تم بول اٹھو گے' یہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن تمہیں جاننا چاہیے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوت نشو و نما کا ایک ضروری عنصر مفقود ہو جاتا- یہی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے جا بجا اشارات کیے ہیں- مثلاً سورۂ روم میں ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ (۳۰:۲۴)

''اور (دیکھو) اس کی (قدرت و حکمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بجلی کی چمک اور کڑک نمودار کرتا ہے اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں حالتیں طاری ہو جاتی ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے- بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے جو عقل و بینش رکھتے ہیں (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

جمال فطرت:

لیکن فطرت کے افادۂ فیضان کی سب سے بڑی بخشایش اس کا عالمگیر حسن و جمال ہے- فطرت صرف بناتی اور

سنوارتی ہی نہیں بلکہ اس طرح بناتی سنوارتی ہے کہ اس کے ہر بناؤ میں حسن و زیبائی کا جلوہ اور اس کے ہر ظہور میں نظر افروزی کی نمود پیدا ہوگئی ہے- کائنات ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو یا اس کے ایک ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رخ نہیں جس پر حسن و رعنائی نے ایک نقاب زیبائش نہ ڈال دی ہو- ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش' سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی' چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ' فضائے آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں' بارش کا سماں اور اس کے تغیرات' سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی' پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب' حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع' نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں' پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی' صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محجوب' غرض کہ تمام تماشا گاہ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس پردۂ ہستی کے پیچھے حسن افروزی و جلوہ آرائی کی کوئی قوت کام کر رہی ہے جو چاہتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے حسن و زیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے اور کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے نشاط' سامعہ کے لیے سرور' اور روح کے لیے بہشت راحت و سکون بن جائے!

دراصل کائنات ہستی کا مایۂ خمیر ہی حسن و زیبائی ہے- فطرت نے جس طرح اس کے بناؤ کے لیے مادی عناصر پیدا کیے' اسی طرح اس کی خوبروئی و رعنائی کے لیے معنوی عناصر کا بھی رنگ و روغن آراستہ کر دیا- روشنی' رنگ' خوشبو' اور نغمہ حسن و رعنائی کے وہ اجزا ہیں جن سے مشاطہ فطرت چہرۂ وجود کی آرائش کر رہی ہے:

مشاطہ را بگو کہ براسباب حسن یار ۔۔۔ چیزے فزوں کند کہ تماشا بمارسد!

﴿ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (۲۷ : ۸۸)

''یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز خوبی اور درستگی کے ساتھ بنائی!''

﴿ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴾ (۳۲ : ۶-۷)

''یہ اللہ ہے- محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا' طاقت والا' رحمت والا جس نے جو چیز بنائی حسن و خوبی کے ساتھ بنائی!''

بلبل کی نغمہ سنجی اور زاغ و زغن کا شور و غوغا:

بلاشبہ کاروبار فطرت کے بعض مظاہر ایسے بھی ہیں جن میں تمہیں حسن و خوبی کی کوئی گیرائی محسوس نہیں ہوتی- تم کہتے ہو قمری و بلبل کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زاغ و زغن کا شور و غوغا کیوں ہے؟ لیکن تم بھول جاتے ہو کہ ارغنون ہستی کا نغمہ کسی ایک آہنگ ہی سے نہیں بنا ہے اور نہ بننا چاہیے تھا- جس طرح تمہارے آلات موسیقی کے پردوں میں زیر و بم کے تمام آہنگ موجود ہیں- اس میں ہلکے سے ہلکے سر بھی ہیں جن سے باریک اور سریلی صدائیں نکلتی ہیں موٹے سے موٹے سر بھی ہیں جو بلند سے بلند اور بھاری سے بھاری صدائیں پیدا کرتے ہیں- ان تمام سروں کے ملنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی موسیقی کی

حلاوت ہے- کیونکہ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح موسیقی کی حقیقت بھی مختلف اجزا کے امتزاج و تالیف سے پیدا ہوتی ہے- یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی ایک ہی سر سے نغمے کی حلاوت پیدا ہو جائے- اگر تم بین یا ستار اٹھا کر صرف اس کے چڑھاؤ کا کوئی ایک پردہ چھیڑ دو گے یا پیانو کی بھاری کنجیوں میں سے کوئی ایک کنجی ہی بجانے لگو گے تو یہ نغمہ نہ ہوگا بھاں بھاں کی ایک کرخت آواز ہوگی- یہی حال موسیقی فطرت کے زیر و بم کا ہے- تمہیں کوے کی کائیں کائیں اور چیل کی چیخ میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی لیکن موسیقی فطرت کی تالیف کے لیے جس طرح قمری و بلبل کا ہلکا سر ضروری تھا اسی طرح زاغ و زغن کا بھاری اور کرخت سر بھی ناگزیر تھا' بلبل و قمری کو اس سرگم کا اتار سمجھو اور زاغ و زغن کو چڑھاؤ:

بر اہل ذوق در فیض در نمی بندد
نوائے بلبل اگر نیست صوت زاغ شنو!

﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ (۱۷: ٤٤)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں ہے سب (اپنی بناوٹ کی خوبی اور صنعت کے کمال میں) اللہ کی بڑائی اور پاکی کا (زبان حال سے) اعتراف کر رہے ہیں اور (اتنا ہی نہیں بلکہ کائنات خلقت میں) کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو (زبان حال سے) اس کی تسبیح و تحمید نہ کر رہی ہو مگر (افسوس کہ) تم (اپنے جہل و غفلت سے) اس ترانۂ تسبیح کو سمجھتے نہیں-

فطرت کی حسن افروزیاں اور رحمت الٰہی کی بخشش!:

آؤ چند لمحوں کے لیے پھر ان سوالات پر غور کر لیں جو پہلے گزر چکے ہیں- فطرت کائنات کی یہ تمام حسن افروزیاں اور جلوہ آرائیاں کیوں ہیں؟ یہ کیوں ہے کہ فطرت حسین ہے اور جو کچھ اس سے ظہور میں آتا ہے وہ حسن و جمال ہی ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ کارخانۂ ہستی ہوتا لیکن رنگ کی نظر افروزیاں' بو کی عطر بیزیاں اور نغمہ کی جاں نوازیاں نہ ہوتیں؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ سب کچھ ہوتا لیکن سبزہ و گل کی رعنائیاں اور قمری و بلبل کی نغمہ سنجیاں نہ ہوتیں؟ یقیناً دنیا اپنے بننے کے لیے اس کی محتاج نہ تھی کہ تتلی کے پروں میں عجیب و غریب نقش و نگار ہوں اور رنگ برنگ کے دلفریب پرند درختوں کی شاخوں پر چہچہار ہے ہوں؟ ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ درخت ہوتے مگر قامت کی بلندی' پھیلاؤ کی موزونیت' شاخوں کی ترتیب' پتوں کی سبزی اور پھولوں کی رنگا رنگی نہ ہوتی- پھر یہ کیوں ہے کہ تمام حیوانات اپنی اپنی حالت اور گرد و پیش کے مطابق ڈیل ڈول کی موزونیت اور اعضا کا تناسب ضرور ہی رکھیں- اور کوئی وجود نہ ہو جو اپنی شکل و منظر میں ایک خاص طرح کا معتدل پیمانہ نہ رکھتا ہو؟

انسانی علم و نظر کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تحسین کیوں ہے؟ مگر قرآن کہتا ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خالق کائنات الرحمٰن اور الرحیم ہے- یعنی اس میں رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا ظہور و فعل بھی رکھتی ہے- رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ بخشش ہو' فیضان ہو' جود و احسان ہو' پس اس نے ایک طرف تو ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام

احساس و عواطف بخش دیئے' جو خوشنمائی اور بدنمائی میں امتیاز کرتے اور خوبی و جمال سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں دوسری طرف کارگاہ ہستی کو اپنی حسن آرائیوں اور جاں فزائیوں سے اس طرح آراستہ کر دیا کہ اس کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے جنت' سامعہ کے لیے حلاوت اور روح کے لیے سرمایۂ کیف و سرور بن گیا!

﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ○ ﴾ (۲۳:۱٤)

''پس کیا ہی بابرکت ذات ہے اللہ کی بنانے والوں میں سب سے زیادہ حسن و خوبی کے ساتھ بنانے والا!''

قدرت کا خود روسامان راحت و سرور اور انسان کی ناشکری:

ہم زندگی کی بناوٹی اور خود ساختہ آسائشوں میں اس درجہ منہمک ہو گئے ہیں کہ ہمیں قدرتی راحتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور بسا اوقات تو ہم ان کی قدر و قیمت کے اعتراف سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر چند لمحوں کے لیے اپنے آپ کو اس غفلت سے بیدار کر لیں تو معلوم ہو جائے کہ کائنات ہستی کا حسن و جمال فطرت کی ایک عظیم اور بے پایاں بخشش ہے اور اگر یہ نہ ہوتی یا ہمیں اس کا احساس نہ ہوتا تو زندگی' زندگی نہ ہوتی' نہیں معلوم کیا چیز ہو جاتی۔ ممکن ہے موت کی بدحالیوں کا ایک تسلسل ہوتا!

ایک لمحہ کے لیے تصور کرو کہ دنیا موجود ہے مگر حسن و زیبائی کے تمام جلووں اور احساسات سے خالی ہے۔ آسمان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پرور نیلگونی نہیں ہے' ستارے ہیں مگر ان کی درخشندگی و جہاں تابی کی یہ جلوہ آرائی نہیں ہے' درخت ہیں مگر بغیر سبزی کے' پھول ہیں مگر بغیر رنگ و بو کے' اشیا کا اعتدال' اجسام کا تناسب' صداؤں کا ترنم' روشنی و رنگت کی بوقلمونی ان میں سے کوئی چیز بھی وجود نہیں رکھتی یا یوں کہا جائے کہ ہم میں ان کا احساس نہیں ہے۔ غور کرو ایک ایسی دنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کیسا بھیانک اور ہولناک منظر پیش کرتا ہے؟ ایسی زندگی جس میں نہ تو حسن کا احساس ہو نہ حسن کی جلوہ آرائی' نہ نگاہ کے لیے سرور ہو نہ سامعہ کے لیے حلاوت' نہ جذبات کی رقت ہو نہ محسوسات کی لطافت' یقیناً عذاب و جانکاہی کی ایک ایسی حالت ہوتی جس کا تصور بھی ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے!

لیکن جس قدرت نے ہمیں زندگی دی اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت یعنی حسن و زیبائی کی بخشش سے بھی مالا مال کر دے۔ اس نے ایک ہاتھ سے ہمیں حسن کا احساس دیا۔ دوسرے ہاتھ سے تمام دنیا کو جلوۂ حسن بنا دیا۔ یہی حقیقت ہے جو ہمیں رحمت کی موجودگی کا یقین دلاتی ہے۔ اگر پردۂ ہستی کے پیچھے صرف خالقیت ہی ہوتی' رحمت نہ ہوتی یعنی پیدا کرنے یا پیدا ہو جانے کی قوت ہوتی مگر افادہ و فیضان کا ارادہ نہ ہوتا' تو یقیناً کائنات ہستی میں فطرت کے فضل و احسان کا یہ عالمگیر مظاہرہ بھی نہ ہوتا!

﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ○ ﴾ (۳۱:۲۰)

''کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تمہارے لیے خدا نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی پوری کر دی ہیں؟ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو' یا ہدایت ہو' یا کوئی کتاب روشن۔''

انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا اس کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا۔ تم گنگا کے کنارے بستے ہو اس لیے تمہارے نزدیک زندگی کی سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے لیکن اگر یہی پانی چوبیس گھنٹے تک میسر نہ آئے تو تمہیں معلوم ہو جائے اس کی قدر و قیمت کا کیا حال ہے؟ یہی حال فطرت کے فیضان جمال کا بھی ہے۔ اس کے عام اور بے پردہ جلوے شب و روز تمہاری نگاہوں کے سامنے سے گزرتے رہتے ہیں اس لیے تمہیں ان کی قدر و قیمت محسوس نہیں ہوتی۔ صبح اپنی ساری جلوہ آرائیوں کے ساتھ روز آتی ہے اس لیے تم بستر سے سر اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ چاندنی اپنی ساری حسن افروزیوں کے ساتھ ہمیشہ نکھرتی رہتی ہے اس لیے تم کھڑکیاں بند کر کے سو جاتے ہو۔ لیکن جب یہی شب و روز کے جلوہ ہائے فطرت تمہاری نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں یا تم میں ان کے نظارہ و سماع کی استعداد باقی نہیں رہتی تو غور کرو اس وقت تمہارے احساسات کا کیا حال ہوتا ہے؟ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر چیز زندگی کی ایک بے بہا برکت اور معیشت کی ایک عظیم الشان نعمت تھی؟ سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھو جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے کیا سورج کی کرنوں سے بڑھ کر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟ ایک بیمار سے پوچھو جو نقل و حرکت سے محروم بستر مرض پر پڑا ہے۔ وہ بتائے گا کہ آسمان کی صاف اور نیلگوں فضا کا ایک نظارہ راحت و سکون کی کتنی بڑی دولت ہے؟ ایک اندھا جو پیدائشی اندھا نہ تھا تمہیں بتا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و چمن کی بہار دیکھے بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابل برداشت مصیبت ہے؟ تم بسا اوقات زندگی کی مصنوعی آسائشوں کے لیے ترستے ہو اور خیال کرتے ہو کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت چاندی سونے کا ڈھیر اور جاہ و حشم کی نمائش ہے لیکن تم بھول جاتے ہو کہ زندگی کی حقیقی مسرتوں کا جو خود رو سامان فطرت نے ہر مخلوق کے لیے پیدا کر رکھا ہے اس سے بڑھ کر دنیا کی دولت و حشمت کونسا سامان نشاط مہیا کر سکتی ہے اور اگر ایک انسان کو وہ سب کچھ میسر ہو تو پھر اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟ جس دنیا میں سورج ہر روز چمکتا ہو' جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی اور شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو' جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو' جس کی بہار سبزہ و گل سے لدی ہوئی اور جس کی فصلیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گرانبار ہوں' جس دنیا میں روشنی اپنی چمک' رنگ اپنی بوقلمونی' خوشبو اپنی عطر بیزی' اور موسیقی اپنا نغمہ و آہنگ رکھتی ہو' کیا اس دنیا کا کوئی باشندہ آسایش حیات سے محروم اور نعمت معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے؟ کیا کسی آنکھ کے لیے جو دیکھ سکتی ہو اور کسی دماغ کے لیے جو محسوس کر سکتا ہو ایک ایسی دنیا میں نامرادی و بدبختی کا گلہ جائز ہے؟ قرآن نے جا بجا انسان کو اس کے اسی کفران نعمت پر توجہ دلائی ہے:

﴿ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ (۱۴: ۳۴)

''اور اس نے تمہیں وہ تمام چیزیں دے دیں جو تمہیں مطلوب تھیں اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی شمار نہیں کر سکو گے- بلاشبہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے!''

جمال معنوی:

پھر فطرت کی بخشایش جمال کے اس گوشہ پر بھی نظر ڈالو کہ اس نے جس طرح جسم و صورت کو حسن و زیبائی بخشی اسی طرح اس کی معنویت کو بھی جمال معنوی سے آراستہ کر دیا- جسم و صورت کا جمال یہ ہے کہ ہر وجود کے ڈیل ڈول اور اعضاء و جوارح میں تناسب ہے- معنویت کا جمال یہ ہے کہ ہر چیز کی کیفیت اور باطنی قویٰ میں اعتدال ہے- اسی کیفیت کے اعتدال سے خواص اور فوائد پیدا ہوئے ہیں اور یہی اعتدال ہے جس نے حیوانات میں ادراک و حواس کی قوتیں بیدار کر دیں اور پھر انسان کے درجہ میں پہنچ کر جوہر عقل و فکر کا چراغ روشن کر دیا!

﴿ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (۱۶: ۷۸)

''اور (دیکھو) یہ اللہ کی کارفرمائی ہے کہ تم اپنی ماؤں کے شکم سے پیدا ہوتے ہو اور کسی طرح کی سمجھ بوجھ تم میں نہیں ہوتی لیکن اس نے تمہارے لیے دیکھنے سننے کے حواس بنا دیے اور سوچنے سمجھنے کے لیے عقل دے دی تا کہ اس کی نعمت کے شکر گزار رہو-

کائنات ہستی کے اسرار و غوامض بے شمار ہیں لیکن روح حیوانی کا جوہر ادراک زندگی کا سب سے زیادہ لاینحل عقدہ ہے- حیوانات میں کیڑے مکوڑے تک ہر طرح کا احساس و ادراک رکھتے ہیں اور انسانی دماغ کے نہاں خانہ میں عقل و تفکر کا چراغ روشن ہے- یہ قوت احساس' یہ قوت ادراک اور یہ قوت عقل کیونکر پیدا ہوئی؟ مادی عناصر کی ترکیب و امتزاج سے ایک ماورائے مادہ جوہر کس طرح ظہور میں آ گیا؟ چیونٹی کو دیکھو اس کے دماغ کا حجم سوئی کی نوک سے شاید ہی کچھ زیادہ ہو گا- لیکن مادہ کے اس حقیر ترین عصبی ذرہ میں بھی احساس و ادراک' محنت و استقلال' ترتیب و تناسب' نظم و ضبط' اور صنعت و اختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں اور وہ اپنے اعمال حیات کی کرشمہ سازیوں سے ہم پر رعب اور حیرت کا عالم طاری کر دیتی ہے- شہد کی مکھی کی کارفرمائیاں ہر روز تمہاری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں- یہ کون ہے جس نے ایک چھوٹی سی مکھی میں تعمیر و تحسین کی ایسی منتظم قوت پیدا کر دی ہے؟ قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہے کہ رحمت کا مقتضا جمال تھا اور ضروری تھا کہ جس طرح اس نے جمال صوری سے دنیا آراستہ کر دی ہے اسی طرح جمال معنوی کی بخشایشوں سے بھی اسے مالا مال کر دیتی!

﴿ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ (۳۲:۶-۹)

''یہ محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا عزیز و رحیم ہے جس نے جو چیز بھی بنائی حسن و خوبی کے ساتھ بنائی - چنانچہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصہ سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کر دیا - پھر اس کی تمام قوتوں کی درستگی کی اور اپنی روح (میں سے ایک قوت) پھونک دی اور (اس طرح) اس کے لیے سننے' دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کر دیں - (لیکن افسوس انسان کی غفلت پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ (اللہ کی رحمت کا) شکر گزار ہو!

بقائے انفع:

لیکن کائنات ہستی کا یہ بناؤ' یہ حسن' یہ ارتقا قائم نہیں رہ سکتا تھا اگر اس میں خوبی کے بقا اور خرابی کے ازالے کے لیے ایک اٹل قوت سرگرم کار نہ رہتی - یہ قوت کیا ہے؟ فطرت کا انتخاب ہے - فطرت ہمیشہ چھانٹتی رہتی ہے - وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور بہتری ہی باقی رکھتی ہے - فساد اور نقص محو کر دیتی ہے - ہم فطرت کے اس انتخاب سے بے خبر نہیں ہیں - ہم اسے ''بقائے اصلح'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں - ''اصلح'' یعنی Fittest لیکن قرآن ''بقائے اصلح'' کی جگہ ''بقائے انفع'' کا ذکر کرتا ہے - وہ کہتا ہے اس کارگاہ فیضان و جمال میں صرف وہی چیز باقی رکھی جاتی ہے جس میں نفع ہو - کیونکہ یہاں رحمت کار فرما ہے اور رحمت چاہتی ہے کہ افادۂ فیضان ہو - وہ نقصان و برہمی گوارا نہیں کر سکتی - تم سونا کٹھالی میں ڈال کر آگ پر رکھتے ہو - کھوٹ جل جاتا ہے - خالص سونا باقی رہ جاتا ہے - یہی مثال فطرت کے انتخاب کی ہے - کھوٹ میں نفع نہ تھا نابود کر دیا گیا' سونے میں نفع تھا باقی رہ گیا:

﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ﴾ (۱۳:۱۷)

خدا نے آسمان سے پانی برسایا تو ندی نالوں میں جس قدر سمائی تھی اس کے مطابق بہہ نکلے اور جس قدر کوڑا کرکٹ جھاگ بن کر اوپر آ گیا تھا اسے سیلاب اٹھا کر بہا لے گیا - اسی طرح جب زیور یا اور کسی طرح کا سامان بنانے کے لیے (مختلف قسم کی دھاتیں) آگ میں تپاتے ہیں تو اس میں بھی جھاگ اٹھتا ہے اور میل کچیل کٹ کر نکل جاتی ہے - اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کر دیتا ہے - جھاگ رائیگاں جائے گا (کیونکہ اس میں نفع نہ تھا) جس چیز میں انسان کے لیے نفع ہوگا' وہ زمین میں باقی رہ جائے گی -

☆☆☆

تدریج و اِمہال

پھر اگر دقت نظر سے کام لو تو افادۂ فیضان فطرت کی حقیقت کچھ انہی مظاہر پر موقوف نہیں ہے بلکہ کارخانۂ ہستی کے تمام اعمال وقوانین کا یہی سوال ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ فطرت کے تمام قوانین اپنی نوعیت میں کچھ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اگر لفظوں میں اسے تعبیر کرنا چاہو تو صرف فطرت کے فضل و رحمت ہی سے تعبیر کر سکتے ہو۔ تمہیں اور کوئی تعبیر نہیں ملے گی۔ مثلاً اس کے قوانین کا عمل کبھی فوری اور اچانک نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتی ہے آہستہ آہستہ بتدریج کرتی ہے اور اس تدریجی طرزِ عمل نے دنیا کے لیے مہلت اور ڈھیل کا فائدہ پیدا کر دیا ہے۔ یعنی اس کا ہر قانون فرصتوں پر فرصتیں دیتا ہے اور اس کا ہر فعل عفو و درگزر کا دروازہ آخر تک کھلا رکھتا ہے۔ بلاشبہ اس کے قوانین اپنے نفاذ میں اٹل ہیں۔ ان میں رد و بدل کا امکان نہیں۔

﴿ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ﴾ (۵۰:۲۸)

''ہمارے یہاں جو بات ایک مرتبہ ٹھہرا دی گئی اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔''

اور اس لیے تم خیال کرنے لگتے ہو کہ ان کی قطعیت بے رحمی سے خالی نہیں لیکن تم نہیں سوچتے کہ جو قوانین اپنے نفاذ میں اس درجہ قطعی اور بے پروا ہیں وہی اپنی نوعیت میں کس درجہ عفو و درگزر اور مہلت بخشی و اصلاح کوشی کی روح بھی رکھتے ہیں؟ اسی لیے آیت مندرجہ صدر میں ''ما یبدل القول'' کے بعد ہی فرمایا:

﴿ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝ ﴾ (۵۰:۲۸)

''لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ ہم بندوں کے لیے زیادتی کرنے والے ہوں!''

فطرت اگر چاہتی تو ہر حالت بیک دفعہ ظہور میں آ جاتی۔ یعنی اس کے قوانین کا نفاذ فوری اور ناگہانی ہوتا لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہر حالت، ہر تاثیر، ہر انفعال کے ظہور و بلوغ کے لیے ایک خاص مدت مقرر کر دی گئی ہے۔ اور ضروری ہے کہ بتدریج مختلف منزلیں پیش آئیں۔ پھر ہر منزل اپنے آثار و انداز رکھتی ہے اور آنے والے نتائج سے خبردار کرتی رہتی ہے۔ زندگی اور موت کے قوانین پر غور کرو۔ کس طرح زندگی بتدریج نشو و نما پاتی اور کس طرح درجہ بدرجہ مختلف منزلوں سے گزرتی ہے۔ اور پھر کس طرح موت کمزوری و فساد کا ایک طول طویل سلسلہ ہے جو اپنے ابتدائی نقطوں سے شروع

ہوتا اور یکے بعد دیگرے مختلف منزلیں طے کرتا ہوا آخری نقطۂ بلوغ تک پہنچا کرتا ہے؟ تم بد پرہیزی کرتے ہو تو یہ نہیں ہوتا کہ فوراً ہی ہلاک ہو جاؤ بلکہ بتدریج موت کی طرف بڑھنے لگتے ہو اور بالآخر ایک خاص مدت کے اندر جو ہر صورت حال کے لیے یکساں نہیں ہوتی درجہ بدرجہ اترتے ہوئے موت کی آغوش میں جا گرتے ہو- نباتات کو دیکھو- درخت اگر آبیاری سے محروم ہو جاتے ہیں یا نقصان و فساد کا کوئی دوسرا سبب عارض ہو جاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ ایک ہی دفعہ مرجھا کر رہ جائیں یا کھڑے کھڑے اچانک گر جائیں- بلکہ بتدریج شادابی کی جگہ پژمردگی کی حالت طاری ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر ایک خاص مدت کے اندر جو مقرر کر دی گئی ہے یا تو بالکل مرجھا کر رہ جاتے ہیں یا جڑ کھوکھلی ہو کر گر پڑتے ہیں-

اصطلاح قرآنی میں ''اجل'':

یہی حال کائنات کے تمام تغیرات و انفعالات کا ہے- کوئی تغیر ایسا نہیں جو اپنا تدریجی دور نہ رکھتا ہو- ہر چیز بتدریج بنتی ہے اور اسی طرح بتدریج بگڑتی ہے- بناؤ ہو یا بگاڑ، ممکن نہیں کہ ایک خاص مدت گزرے بغیر کوئی حالت بھی اپنی کامل صورت میں ظاہر ہو سکے- یہ مدت جو ہر حالت کے ظہور کے لیے اس کی ''اجل'' یعنی مقررہ وقت ہے مختلف گوشوں اور مختلف حالتوں میں مختلف مقدار رکھتی ہے اور بعض حالتوں میں اس کی مقدار اتنی طویل ہوتی ہے کہ ہم اپنے نظام اوقات سے اس کا حساب بھی نہیں لگا سکتے- قرآن نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ جس مدت کو تم اپنے حساب میں ایک دن سمجھتے ہو اگر اسے ایک ہزار برس یا پچاس ہزار برس تصور کر لو تو ایسے دنوں سے جو مہینے اور برس بنیں گے ان کی مقدار کتنی ہوگی؟

﴿ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ﴾ (۲۲:۴۷)

''اور بلا شبہ تمہارے پروردگار کے حساب میں ایک دن ایسا ہے جیسے تمہارے حساب میں ایک ہزار برس!''

''تکویر'':

فطرت کا یہی تدریجی طرز عمل ہے جسے قرآن نے ''تکویر'' سے بھی تعبیر کیا ہے- یعنی لپٹنے سے- وہ کہتا ہے: بجائے اس کے کہ اچانک دن کی روشنی نکل آتی اور ناگہاں رات کی اندھیری ابل پڑتی فطرت نے رات اور دن کے ظہور کو اس طرح تدریجی بنا دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے رات آہستہ آہستہ دن پر لپٹتی جاتی ہے اور دن درجہ بدرجہ رات پر لپٹتا آتا ہے:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ (۳۹:۵)

''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے- اس نے رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹتی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹتا آتا ہے- اور سورج اور چاند دونوں کو اس کی قدرت نے (ایک خاص انتظام کے ماتحت) مسخر کر رکھا ہے- سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت تک کے لیے حرکت میں ہیں!''

قرآن اسی تدریجی رفتارِ عمل کو فائدہ اٹھانے کا موقع دینے' ڈھیل دینے' عفو و درگزر کرنے' اور ایک خاص مدت کی فرصت حیات بخشنے سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے: یہ اس لیے ہے کہ کائنات ہستی میں فضل و رحمت کی مشیت کام کر رہی ہے اور وہ چاہتی ہے ہر غلطی کو درستگی کے لیے' ہر نقصان کو تلافی کے لیے' ہر لغزش کو سنبھل جانے کے لیے' زیادہ سے زیادہ مہلت اصلاح ملتی رہے اور اس کا دروازہ کسی پر بند نہ ہو۔

تاخیر اجل:

وہ کہتا ہے: اگر تدریج و امہال کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصت حیات سے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ ہر غلطی' ہر کمزوری' ہر نقصان' ہر فساد' اچانک بیک دفعہ بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا:

﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا۝ ﴾ (۳۵:۴۵)

''اور انسان جو کچھ اپنے اعمال سے کمائی کرتا ہے اگر اللہ اس پر (فوراً) مؤاخذہ کرتا تو یقیناً روز مین کی سطح پر ایک جاندار بھی باقی نہ رہتا لیکن (یہ اس کی رحمت ہے کہ) اس نے ایک مقررہ وقت تک فرصت حیات دے رکھی ہے۔ البتہ جب وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو پھر (یاد رہے کہ) اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں ہر وقت اور ہر حال میں سب کچھ دیکھ رہی ہیں!''

تدریج و امہال اچھائی اور برائی دونوں کے لیے ہے:

قدرتی طور پر یہ ڈھیل اچھائی اور برائی دونوں کے لیے ہے۔ اچھائی کے لیے اس لیے تاکہ زیادہ نشو و نما پائے۔ برائی کے لیے اس لیے تاکہ متنبہ اور خبردار ہو کر اصلاح و تلافی کا سامان کر لے:

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۝ ﴾ (۱۷:۲۰)

''ان لوگوں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی (یعنی اچھوں کو بھی اور بروں کو بھی) سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش میں سے حصہ مل رہا ہے اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں!''

اگر قوانین فطرت کی ان مہلت بخشیوں سے فائدہ اٹھا کر نقصان و فساد کی اصلاح کر لی جائے۔ مثلاً تم نے بد پرہیزی کی تھی۔ اسے ترک کر دو تو پھر اسی فطرت کا یہ بھی قانون ہے کہ اصلاح و تلافی کی ہر کوشش قبول کر لیتی ہے اور نقصان و فساد کے جو نتائج نشو و نما پانے لگے تھے ان کا مزید نشو و نما فوراً رک جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اگر اصلاح بروقت اور ٹھیک ٹھیک کی گئی ہے تو پچھلے مضر اثرات بھی محو ہو جائیں گے اور اس طرح محو ہو جائیں گے گویا کوئی خرابی پیش ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن اگر فطرت کی تمام مہلت بخشیاں رائگاں گئیں۔ اس کا بار بار اور درجہ بدرجہ انذار بھی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکا تو پھر بلاشبہ وہ آخری حد نمودار ہو جاتی ہے جہاں پہنچ کر فطرت کا آخری فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس کا فیصلہ صادر ہو جائے تو نہ تو اس میں

چشم زدن کی تاخیر ہو سکتی ہے نہ کسی حال میں بھی تزلزل اور تبدیلی:

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ (۱٦ : ٦۱)

''پھر جب ان کا مقررہ وقت آ گیا تو اس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں' اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں (یعنی نہ تو اس کے نفاذ میں تاخیر ہو سکتی ہے نہ تقدیم- ٹھیک ٹھیک اپنے وقت میں اسے ہو جانا ہے)

❋ ❋ ❋

تسکین حیات

زندگی کی محنتیں اور کاوشیں:

ہم دیکھتے ہیں انسان کی معیشت قیام و بقا کی جد و جہد اور کشاکش کا نام ہے- اس لیے قدرتی طور پر اس کا ہر گوشہ طرح طرح کی محنتوں اور کاوشوں سے گھرا ہوا ہے اور بہ حیثیت مجموعی زندگی اضطراری ذمہ داریوں کا بوجھ اور مسلسل مشقتوں کی آزمائش ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍo ﴾ (۹۰:٤)

''بلاشبہ ہم نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کی زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے-''

مشغولیت اور انہماک:

لیکن بایں ہمہ فطرت نے کارخانہ معیشت کا ڈھنگ کچھ اس طرح کا بنا دیا ہے اور طبیعتوں میں کچھ اس طرح کی خواہشیں' ولولے' اور انفعالات و دیعت کر دیے ہیں کہ زندگی کے ہر گوشے میں ایک عجیب طرح کی دل بستگی' مشغولیت' ہما ہمی' اور سرگرمی پیدا ہو گئی ہے اور یہی زندگی کا انہماک ہے جس کی وجہ سے ہر ذی حیات نہ صرف زندگی کی مشقتیں برداشت کر رہا ہے بلکہ انہی مشقتوں میں زندگی کی بڑی سے بڑی لذت و راحت محسوس کرتا ہے- یہ مشقتیں جس قدر زیادہ ہوتی ہیں اتنی ہی زیادہ زندگی کی دلچسپی اور محبوبیت بھی بڑھ جاتی ہے- اگر ایک انسان کی زندگی ان مشقتوں سے خالی ہو جائے تو وہ محسوس کرے گا کہ زندگی کی ساری لذتوں سے محروم ہو گیا اور اب زندہ رہنا اس کے لیے نا قابل برداشت بوجھ ہے!

حالات متفاوت ہیں' لیکن زندگی کی دل بستگی اور سرگرمی سب کے لیے ہے:

پھر دیکھو! کارساز فطرت کی یہ کیسی کرشمہ سازی ہے کہ حالات متفاوت ہیں' طبائع متنوع ہیں' اشغال مختلف ہیں' اغراض متضاد ہیں' لیکن معیشت کی دل بستگی اور سرگرمی سب کے لیے یکساں ہے اور سب ایک ہی طرح اس کی مشغولیتوں کے لیے جوش و طلب رکھتے ہیں- مرد و عورت' طفل و جوان' امیر و فقیر' عالم و جاہل' قوی و ضعیف' تندرست و بیمار' مجرد و متاہل' حاملہ و مرضعہ' سب اپنی اپنی حالتوں میں منہمک ہیں اور کوئی نہیں جس کے لیے زندگی کی کاوشوں میں محویت نہ ہو- امیر اپنے محل کے عیش و نشاط میں اور فقیر اپنی بے سرو سامانیوں کی فاقہ مستی میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن دونوں کے لیے زندگی کی مشغولیتوں میں

دل بستگی ہوتی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کون زیادہ مشغول ہے- ایک تاجر جس انہاک کے ساتھ اپنی لاکھوں روپیہ کی آمدنی کا حساب کرتا ہے اسی طرح ایک مزدور بھی دن بھر کی محنت کے چند پیسے گن لیا کرتا ہے اور دونوں کے لیے یکساں طور پر زندگی محبوب ہوتی ہے- ایک حکیم کو دیکھو جو اپنے علم و دانش کی کاوشوں میں غرق ہے اور ایک دہقان کو دیکھو جو دوپہر کی دھوپ میں برہنہ سر ہل جوت رہا ہے اور پھر بتلاؤ کس کے لیے زندگی کی مشغولیتوں میں زیادہ دل بستگی ہے؟

پھر دیکھو! بچے کی پیدائش ماں کے لیے کیسی جانکاہی و مصیبت ہوتی ہے؟ اس کی پرورش و نگرانی کس طرح خود فروشانہ مشقتوں کا طول طویل سلسلہ ہے؟ تاہم یہ سارا معاملہ کچھ ایسی خواہشوں اور جذبوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ ہر عورت میں ماں بننے کی قدرتی طلب ہے اور ہر ماں پرورش اولاد کے لیے مجنونانہ خود فراموشی رکھتی ہے- وہ زندگی کا سب سے بڑا دکھ سہے گی اور پھر اسی دکھ میں زندگی کی سب سے بڑی مسرت محسوس کرے گی! وہ جب اپنی معیشت کی ساری راحتیں قربان کر دیتی ہے اور اپنی رگوں کے خون کا ایک ایک قطرہ دودھ بنا کر پلا دیتی ہے تو اس کے دل کا ایک ایک ریشہ زندگی کے سب سے بڑے احساس مسرت سے معمور ہو جاتا ہے!

پھر کاروبار فطرت کے یہ تصرفات دیکھو کہ کس طرح نوع انسانی کے منتشر افراد اجتماعی زندگی کے بندھنوں سے باہم دگر مربوط کر دیے گئے ہیں؟ اور کس طرح صلۂ رحمی کے رشتہ نے ہر فرد کو سینکڑوں ہزاروں افراد کے ساتھ جوڑ رکھا ہے؟

فرض کرو زندگی و معیشت ان تمام مؤثرات سے خالی ہوتی -لیکن قرآن کہتا ہے کہ خالی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے کہ فطرت کائنات میں رحمت کارفرما ہے اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ معیشت کی مشقتوں کو خوشگوار بنا دے اور زندگی کے لیے تسکین و راحت کا سامان پیدا کر دے- یہ رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں جنہوں نے رنج میں راحت' الم میں لذت' اور سختیوں میں دل پذیری کی کیفیت پیدا کر دی ہے؟

اشیاء و مناظر کا اختلاف و تنوع اور تسکین حیات:

چنانچہ قرآن نے تسکین حیات کے مختلف پہلوؤں پر جا بجا توجہ دلائی ہے- ازاں جملہ کائنات خلقت کے مناظر و اشیا کا اختلاف و تنوع ہے- انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ یکسانی سے اکتاتی ہے اور تبدیلی و تنوع میں خوشگواری و کیفیت محسوس کرتی ہے- پس اگر کائنات ہستی میں محض یکسانی و یک رنگی ہی ہوتی تو یہ دلچسپی اور خوشگواری پیدا نہ ہو سکتی جو اس کے ہر گوشہ میں ہمیں نظر آ رہی ہے- اوقات کا اختلاف' موسموں کا اختلاف' خشکی و تری کا اختلاف' مناظر طبیعت اور اشیائے خلقت کا اختلاف جہاں بے شمار مصلحتیں اور فوائد رکھتا ہے وہاں ایک بڑی مصلحت دنیا کی زیب و زینت اور معیشت کی تسکین و راحت بھی ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے

اختلاف لیل و نہار:

چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ رات اور دن کے اختلاف کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے اگر غور کرو تو اس اختلاف میں

حکمت الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں پوشیدہ ہیں- یہ بات کہ شب و روز کی آمدوشد کی دو مختلف حالتیں ٹھہرا دی گئی ہیں اور وقت کی نوعیت ہر معین مقدار کے بعد بدلتی رہتی ہے' زندگی کے لیے بڑی ہی تسکین و دل بستگی کا ذریعہ ہے- اگر ایسا نہ ہوتا اور وقت ہمیشہ ایک ہی حالت پر برقرار رہتا تو دنیا میں زندہ رہنا دشوار ہو جاتا- اگر تم قطبین کے اطراف میں جاؤ جہاں روز و شب کا اختلاف اپنی نمود نہیں رکھتا تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اختلاف گزران حیات کے لیے کیسی عظیم الشان نعمت ہے:

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (۳:۱۹۰)

''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں ارباب دانش کے لیے (حکمت الٰہی) کی بڑی ہی نشانیاں ہیں!''

رات اور دن کے اختلاف نے معیشت کو دو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے- دن کی روشنی جدوجہد کی سرگرمی پیدا کرتی ہے- رات کی تاریکی راحت و سکون کا بستر بچھا دیتی ہے- ہر دن کی محنت کے بعد رات کا سکون ہوتا ہے اور ہر رات کے سکون کے بعد نئے دن کی نئی سرگرمی!

﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (۲۸:۷۳)

''اور (دیکھو) یہ اس کی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن (الگ الگ) ٹھہرا دیے گئے تاکہ رات کے وقت راحت پاؤ اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو (یعنی کاروبار معیشت میں سرگرم رہو)''

دن کی مختلف حالتیں اور رات کی مختلف منزلیں:

پھر رات اور دن کا اختلاف صرف رات اور دن ہی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر دن مختلف حالتوں سے گذرتا اور ہر رات مختلف منزلیں طے کرتی ہے- ہر حالت ایک خاص طرح کی تاثیر رکھتی ہے اور ہر منزل کے لیے ایک خاص طرح کا منظر ہوتا ہے- اوقات کا یہ روزانہ اختلاف ہمارے احساسات کا ذائقہ بدلتا رہتا ہے' اور یکسانیت کی افسردگی کی جگہ تبدل و تجدد کی لذت اور سرگرمی پیدا ہوتی رہتی ہے!

﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾ (۳۰:۱۶)

''پس پاکی ہے اللہ کے لیے اور آسمانوں اور زمین میں اس کے لیے ستائش ہے جبکہ تم پر شام آتی ہے جب تم پر صبح ہوتی ہے جب دن کا آخری وقت ہوتا ہے اور جب تم پر دوپہر آتی ہے!''

حیوانات کا اختلاف:

اسی طرح انسان خود اپنے وجود کو دیکھے اور تمام حیوانات کو دیکھے- فطرت نے کس طرح' طرح طرح کے

اختلافات سے اس میں تنوع اور دل پذیری پیدا کر دی ہے؟

﴿ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ﴾ (۳۵:۲۸)

''اور انسان' جانور' چار پائے طرح طرح کی رنگتوں کے!''

نباتات:

عالم نباتات کو دیکھو۔ درختوں کے مختلف ڈیل ڈول ہیں' مختلف رنگتیں ہیں' مختلف خوشبوئیں ہیں' مختلف خواص ہیں' اور پھر دانہ اور پھل کھاؤ تو مختلف قسم کے ذائقے ہیں!

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ○ ﴾ (۲۶:۷)

''کیا ان لوگوں نے کبھی زمین پر نظر نہیں ڈالی اور غور نہیں کیا کہ ہم نے نباتات کی ہر دو دو بہتر قسموں میں سے کتنے (بے شمار) درخت پیدا کر دیے ہیں!''

﴿ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ○ ﴾ (۱۶:۱۳)

''اور (دیکھو) اللہ نے جو پیداوار مختلف رنگتوں کی تمہارے لیے زمین میں پھیلا دی ہے سو اس میں بھی عبرت پذیر طبیعتوں کے لیے (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانی ہے!''

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ﴾ (۶:۱۴۱)

''اور وہ (حکیم وقدیر) جس نے (طرح طرح کے) باغ پیدا کر دیے۔ ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور (طرح طرح کی) کھیتیاں جن کے دانے اور پھل کھانے میں مختلف ذائقہ رکھتے ہیں۔''

جمادات:

حیوانات اور نباتات ہی پر موقوف نہیں جمادات میں بھی یہی قانون فطرت کام کر رہا ہے!

﴿ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ○ ﴾ (۳۵:۲۷)

''اور پہاڑوں کو دیکھو۔ گوناگوں رنگتوں کے ہیں۔ کچھ سفید' کچھ سرخ کچھ کالے کلوٹے!''

ہر چیز کے دو دو ہونے کا قانون:

اسی قانون اختلاف کا ایک گوشہ وہ بھی ہے جسے قرآن نے ''تزویج'' سے تعبیر کیا ہے اور ہم اسے قانون تثنیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے یا متقابل ومتماثل ہونے کا قانون۔ کائنات خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئے گی۔ ہر چیز میں جفت اور دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ یا یوں کہا

جائے کہ ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی مثنیٰ بھی ضرور رکھتی ہے- رات کے لیے دن ہے' صبح کے لیے شام ہے' نر کے لیے مادہ ہے' مرد کے لیے عورت ہے' زندگی کے لیے موت ہے [1]

﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (۵۱: ۴۹)

"اور ہر چیز میں ہم نے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی دو دو اور متقابل اشیا پیدا کیں)

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (۳۶: ۳۶)

"پاکی اور بزرگی ہے اس ذات کے لیے جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں!"

مرد اور عورت:

یہی قانون فطرت ہے جس نے انسان کو دو مختلف جنسوں یعنی مرد اور عورت میں تقسیم کر دیا اور پھر ان میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب کے کچھ ایسے وجدانی احساسات ودیعت کر دیے کہ ہر جنس دوسری سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے اور دونوں کے ملنے سے ازدواجی زندگی کی ایک کامل معیشت پیدا ہو جاتی ہے!

﴿ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ﴾ (۴۲: ۱۱)

"وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا- اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنا دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) اسی طرح چار پایوں میں بھی جوڑے پیدا کر دیے-

قرآن کہتا ہے: یہ اس لیے ہے تاکہ محبت اور سکون ہو اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت اور اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل اور گوارا ہو جائیں:

﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (۳۰: ۲۱)

"اور (دیکھو) اس کی (رحمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں سکون

---

[1] قرآن حکیم نے آخرت کے وجود کا جن جن دلائل سے اذعان پیدا کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے- وہ کہتا ہے: دنیا میں ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی متقابل وجود یا مثنیٰ ضرور رکھتی ہے- پس ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے لیے بھی کوئی متقابل اور مثنیٰ زندگی ہو- دنیوی زندگی کی متقابل زندگی آخرت کی زندگی ہے- چنانچہ بعض سورتوں میں انہی متقابل مظاہرات سے استشہاد کیا ہے- مثلاً سورۂ والشمس میں فرمایا:

﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ○ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ○ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ ﴾ الخ (۹۱: ۱-۶)

حاصل ہو اور (پھر اس کی یہ کارفرمائی دیکھو کہ) تمہارے درمیان (یعنی مرد اور عورت کے درمیان) محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس میں (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں-''

نسب اور صہر:

پھر اسی ازدواجی زندگی سے توالد و تناسل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا ہے کہ ہر وجود پیدا ہوتا ہے اور ہر وجود پیدا کرتا ہے- ایک طرف وہ نسب کا رشتہ رکھتا ہے جو اسے پچھلوں سے جوڑتا ہے- دوسری طرف صہر یعنی دامادی کا رشتہ رکھتا ہے جو اسے آگے آنے والوں سے مربوط کر دیتا ہے- نتیجہ یہ ہے کہ ہر وجود کی فردیت ایک وسیع دائرہ کی کثرت میں پھیل گئی ہے اور رشتوں قرابتوں کا ایسا وسیع حلقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ مربوط ہے!

﴿ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ﴾ (۲۵:۵٤)

''اور وہی (حکیم و قدیر) ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) انسان کو پیدا کیا پھر (اسی رشتۂ پیدائش کے ذریعہ) اسے نسب اور صہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا!''

صلہ رحمی اور خاندانی حلقہ کی تشکیل:

اور پھر دیکھو اس نسب اور صہر کے رشتے سے کس طرح خاندان اور قبیلہ کا نظام قائم ہو گیا ہے اور کس عجیب و غریب طریقہ سے صلۂ رحمی یعنی قرابت داری کی گیرائیاں ایک وجود کو دوسرے وجود سے جوڑتیں اور معاشرتی زندگی کی باہمی الفتوں اور معاونتوں کے لیے محرک ہوتی ہیں؟ دراصل انسان کی اجتماعی زندگی کا سارا کارخانہ اسی صلۂ رحمی کے سررشتہ نے قائم کر رکھا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ ﴾

(٤:١)

''اے افراد نسل انسانی! اپنے پروردگار کی نافرمانی سے بچو (اور اس کے ٹھہرائے ہوئے رشتوں سے بے پروانہ ہو جاؤ) وہ پروردگار جس نے تمہیں ایک فرد واحد سے پیدا کیا (یعنی باپ سے پیدا کیا) اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا (یعنی جس طرح ہر مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوا لڑکی بھی پیدا ہوئی) پھر ان کی نسل سے ایک بڑی تعداد مرد اور عورت کی پیدا ہو کر پھیل گئی (اس طرح فرد واحد کے رشتہ نے ایک بڑے خاندان اور قبیلہ کی صورت پیدا کر لی) پس اللہ کی نافرمانی سے بچو جس کے نام پر باہم دگر (مہر و شفقت کا) سوال کرتے ہو اور صلہ رحمی کے توڑنے سے بھی بچو (جس کے نام پر باہم دگر ایک دوسرے

سے چشم داشت اعانت رکھتے ہو) بلا شبہ اللہ تمہارا نگران حال ہے!''

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ﴾

(۱۶: ۷۲)

''اور (دیکھو) یہ اللہ ہے جس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑا بنا دیا (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) پھر تمہارے باہمی ازدواج سے بیٹوں اور پوتوں کا سلسلہ قائم کر دیا۔''

ایام حیات کا تغیر و تنوع:

اسی طرح ایام حیات کے تغیر و تنوع میں بھی تسکین حیات کی ایک بہت بڑی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ہر زندگی طفولیت' شباب' جوانی' کہولت' اور بڑھاپے کی مختلف منزلوں سے گزرتی ہے اور ہر منزل اپنے نئے نئے احساسات اور نئی نئی مشغولیتیں اور نئی نئی کاوشیں رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی عالم ہستی کی ایک دلچسپ مسافرت بن گئی۔ ایک منزل کی کیفیتوں سے ابھی جی سیر نہیں ہو چکتا کہ دوسری منزل نمودار ہو جاتی ہے اور اس طرح عرصہ حیات کی طوالت محسوس ہی نہیں ہوتی:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (۴۰: ۶۷)

''وہ (پروردگار) جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو۔ اس کے بعد تمہارا جینا اس لیے ہوتا ہے تا کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو پھر تم میں سے کوئی تو ان منزلوں سے پہلے ہی مر جاتا ہے کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کر لے۔''

زینت و تفاخر' مال و متاع' آل و اولاد:

اسی طرح طرح طرح کی خواہشیں اور جذبۂ زینت و تفاخر کے ولولے' مال و متاع کی محبت' آل اولاد کی دل بستگیاں زندگی کی دلچسپی اور انہماک کے لیے پیدا کر دی گئی ہیں:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ ﴾ (۳: ۱۲)

''انسان کے لیے مرد و عورت کے تعلق میں' اولاد میں' چاندی سونے کے اندوختوں میں' چنے ہوئے گھوڑوں میں' مویشیوں میں' اور کھیتی باڑی میں دل بستگی پیدا کر دی گئی ہے اور یہ جو کچھ بھی ہے دنیوی

زندگی کی پونجی ہے۔ بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے!''

اختلاف معیشت اور تزاحم حیات:

اسی طرح معیشت کا اختلاف اور اس کی وجہ سے مختلف درجوں اور حالتوں کا پیدا ہو جانا بھی انہماک حیات کا ایک بہت بڑا محرک ہے کیونکہ اس کی وجہ سے زندگی میں مزاحمت اور مسابقت کی حالت پیدا ہوگئی ہے اور اس میں لگے رہنے سے زندگی کی مشقتوں کا جھیلنا آسان ہوگیا ہے بلکہ یہی مشقتیں سرتاسر راحت و سرور کا سامان بن گئی ہیں:

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۠ ﴾(٦:١٦٥)

''اور یہ اسی (حکیم و قدیر) کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں زمین میں (پچھلوں کا) جانشین بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر، درجوں میں فوقیت دے دی تاکہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس میں تمہارے عمل کی آزمائش کرے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار (پاداش عمل کی) سزا دینے میں تیز ہے۔ (یعنی اس کا قانون مکافات نتائج عمل میں سست رفتار نہیں) لیکن ساتھ ہی بخش دینے والا، رحمت رکھنے والا بھی ہے!

برہان فضل ورحمت

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن نے ربوبیت کے اعمال ومظاہر سے استدلال کیا ہے اسی طرح وہ رحمت کے آثار وحقائق سے بھی جا بجا استدلال کرتا ہے اور برہان ربوبیت کی طرح برہان فضل ورحمت بھی اس کی دعوت وارشاد کا ایک عام اسلوب خطاب ہے- وہ کہتا ہے: کائنات کی ہر شے میں ایک مقررہ نظام کے ساتھ رحمت وفضل کے مظاہر کا موجود ہونا قدرتی طور پر انسان کو یقین دلا دیتا ہے کہ ایک رحمت رکھنے والی ہستی کی کارفرمائیاں یہاں کام کر رہی ہیں- کیونکہ ممکن نہیں فضل ورحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو اور فضل ورحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو- چنانچہ وہ تمام مقامات جن میں کائنات خلقت کے افادہ وفیضان' زینت وجمال' موزونیت واعتدال' تسویہ وقوام' اور تکمیل واتقان کا ذکر کیا گیا ہے' دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں:

﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ ﴾ (۲: ۱۶۳-۱۶۴)

''اور (دیکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے- کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات' رحمت والی اور اپنی رحمت کی بخشایشوں سے ہمیشہ فیض یاب کرنے والی! بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے ہیں' اور کشتی میں جو انسان کی کاربراریوں کے لیے سمندر میں چلتی ہے اور بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس کی (آبپاشی) سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین میں پھیلا دیے ہیں نیز ہواؤں کے (مختلف جانب) پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) بندھے رکے ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے (اللہ کی ہستی اور اس کے قوانین فضل ورحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!''

اسی طرح ان مقامات کا مطالعہ کرو جہاں خصوصیت کے ساتھ جمال فطرت سے استدلال کیا ہے:

﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ○ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ○ ﴾(۵۰: ۶-۸)

''کیا کبھی ان لوگوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہیں کہ کس طرح ہم نے اسے بنایا ہے اور کس طرح اس کے منظر میں خوشنمائی پیدا کر دی ہے اور پھر یہ کہ کہیں بھی اس میں شگاف نہیں؟ اور اسی طرح زمین کو دیکھو کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلا دیا' اور پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اور پھر کس طرح قسم قسم کی خوبصورت نباتات اگا دیں؟ ہر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے-اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے!''

﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ○ ﴾(۱۵: ۱۶)

''اور (دیکھو) ہم نے آسمان میں (ستاروں کی گردش کے لیے) برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے ان میں خوشنمائی پیدا کر دی-''

﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ﴾(۶۷: ۵)

''اور (دیکھو) ہم نے دنیا کے آسمان (یعنی کرۂ ارضی کی فضا) کو ستاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنا دیا!''

﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ○ ﴾(۱۶: ۶)

''اور (دیکھو) تمہارے لیے چار پایوں کے منظر میں جب شام کے وقت چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور جب صبح لے جاتے ہو ایک طرح کا حسن اور نظر افروزی ہے!''

موزونیت وتناسب:

جس چیز کو ہم ''جمال'' کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ موزونیت اور تناسب- یہی موزونیت اور تناسب ہے جو بناؤ اور خوبی کے تمام مظاہر کی اصل ہے:

﴿ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ○ ﴾(۱۵: ۱۹)

''اور (دیکھو) ہم نے زمین میں ہر ایک چیز موزونیت اور تناسب رکھنے والی اگائی!''

تسویہ:

اسی معنی میں قرآن ''تسویہ'' کا لفظ بھی استعمال کرتا ہے-''تسویہ'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اس طرح ٹھیک ٹھیک درست کر دینا کہ اس کی ہر بات خوبی و مناسبت کے ساتھ ہو:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیo وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰیo ﴾(۸۷: ۲)

''وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی پھر ٹھیک ٹھیک خوبی و مناسبت کے ساتھ درست کر دی- اور وہ جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا پھر اس پر (زندگی و معیشت) کی راہ کھول دی!''

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَo فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَo ﴾ (۸۲: ۷)

''وہ پروردگار جس نے تمہیں پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا پھر (تمہارے ظاہری و باطنی قویٰ میں) اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا پھر جیسی صورت بنانی چاہی اسی کے مطابق ترکیب دے دی!''

اتقان:

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے ''اتقان'' سے بھی تعبیر کیا ہے- یعنی کائنات ہستی کی ہر چیز کا درستگی و استواری کے ساتھ ہونا کہ کہیں بھی اس میں خلل' نقصان' بے ڈھنگا پن' اونچ نیچ اور ناہمواری نظر نہیں آ سکتی:

﴿ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ﴾(۲۷: ۸۸)

''یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز درستگی و استواری کے ساتھ بنائی!''

﴿ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍo ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌo ﴾(۶۷: ۳)

''تم الرحمٰن کی بناوٹ میں (رحمٰن کی بناوٹ میں کیونکہ یہ اس کی رحمت ہی کا ظہور ہے) کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں پاؤ گے- (اچھا نظر اٹھاؤ اور اس نمائش گاہ صنعت کا مطالعہ کرو) ایک بار نہیں بار بار دیکھو- کیا تمہیں کہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے؟ تم اسی طرح یکے بعد دیگرے دیکھتے رہو تمہاری نگاہ اٹھے گی اور عاجز و درماندہ ہو کر واپس آ جائے گی لیکن کوئی نقص نہ نکال سکے گی!''

''فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ'' فرمایا- یعنی یہ خوبی و اتقان اس لیے ہے کہ رحمت رکھنے والے کی کاریگری ہے اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ حسن و خوبی ہو' اتقان و کمال ہو' نقص اور ناہمواری نہ ہو!

رحمت سے معاد پر استدلال:

خدا کی ہستی اور اس کی توحید و صفات کی طرح آخرت کی زندگی پر بھی وہ رحمت سے استدلال کرتا ہے- اگر رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں اس خوبی و کمال کے ساتھ زندگی کا ظہور ہو تو کیونکر یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ دنیا کی چندروزہ زندگی کے بعد اس کا فیضان ختم ہو جائے اور خزانہ رحمت میں انسان کی زندگی اور بناؤ کے لیے کچھ باقی نہ رہے؟

﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًاo قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ﴾ (۱۷: ۹۹)

''کیاان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں یقیناً اس بات سے عاجز نہیں ہوسکتا کہ ان جیسے (آدمی دوبارہ) پیدا کردیے اور یہ کہ ان کے لیے اس نے ایک مقررہ وقت ٹھہرادیا ہے جس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں؟ (افسوس ان کی شقاوت پر!) اس پر بھی ان ظالموں نے اپنے لیے کوئی راہ پسند نہ کی مگر حقیقت سے انکار کرنے کی! (اے پیغمبران سے) کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو اس حالت میں یقیناً تم خرچ ہوجانے کے ڈر سے ہاتھ روکے رکھتے (لیکن یہ اللہ ہے جس کے خزائن رحمت نہ تو کبھی ختم ہوسکتے ہیں نہ اس کی بخشائش رحمت کی کوئی انتہا ہے)۔

رحمت سے وحی وتنزیل کی ضرورت پر استدلال:

اس طرح وہ رحمت سے وحی وتنزیل کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے- وہ کہتا ہے جو رحمت کارخانۂ ہستی کے ہر گوشہ میں افادہ وفیضان کا سرچشمہ ہے کیونکر ممکن تھا کہ انسان کی معنوی ہدایت کے لیے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا اور وہ انسان کو نقصان وہلاکت کے لیے چھوڑ دیتی؟ اگر تم دس گوشوں میں فیضان رحمت محسوس کررہے ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ گیارہویں گوشے میں اس سے انکار کردو- یہی وجہ ہے کہ اس نے جابجا نزول وحی' ترسیل کتب' اور بعثت انبیا کو رحمت سے تعبیر کیا ہے:

﴿ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِىْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُلَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۝ ﴾ (١٧: ٨٦-٨٧)

''اور (اے پیغمبرؐ!) اگر ہم چاہیں تو جو کچھ تم پر وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے اسے اٹھالے جائیں (یعنی سلسلۂ تنزیل ووحی باقی نہ رہے) اور پھر تمہیں کوئی بھی ایسا کارساز نہ ملے جو ہم پر زور ڈال سکے- لیکن یہ جو سلسلۂ وحی جاری ہے تو یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کی رحمت ہے اور یقین کرو تم پر اس کا بڑا ہی فضل ہے-''

﴿ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (٣٦: ٥-٦)

'' (یہ قرآن) عزیز ورحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ ان لوگوں کو جن کے آباواجداد (کسی پیغمبرؑ کی زبانی) متنبہ نہیں کیے گئے ہیں اور اس لیے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں تم متنبہ کرو-

تورات وانجیل اور قرآن کی نسبت جابجا تصریح کی کہ ان کا نزول ''رحمت'' ہے:

﴿ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ﴾ (١١: ١٧)

''اور اس سے پہلے (یعنی قرآن سے پہلے) موسیٰؑ کی کتاب (امت کے لیے) پیشوا اور رحمت!''

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ (١٠: ٥٧)

''اے افراد نسل انسانی! یقیناً یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے موعظت ہے جو تمہارے لیے آ گئی ہے اور ان تمام بیماریوں کے لیے جو انسان کے دل کی بیماریاں ہیں نسخۂ شفا ہے اور رہنمائی اور رحمت ہے ایمان رکھنے والوں کے لیے۔ (اے پیغمبرؐ ان لوگوں سے) کہہ دو کہ یہ جو کچھ ہے اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے۔ پس چاہیے کہ (اپنی فیضیابی پر) خوش ہو۔ یہ (اپنی برکتوں میں) ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم (زندگی کی کامرانیوں کے لیے) فراہم کرتے ہو!''

﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾(۴۵:۲۰)

''یہ (قرآن) لوگوں کے لیے واضح دلیلوں کی روشنی ہے اور ہدایت و رحمت ہے یقین رکھنے والوں کے لیے!''

﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾(۲۹:۵۱)

''کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں (برابر) سنائی جا رہی ہے؟ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں بلاشبہ ان کے لیے اس (نشانی) میں سرتا سر رحمت اور فہم و بصیرت ہے۔''

چنانچہ اسی بنا پر اس نے داعی اسلامؐ کے ظہور کو بھی فیضان رحمت سے تعبیر کیا ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾(۲۱:۱۰۷)

''(اے پیغمبرؐ!) ہم نے تمہیں نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام جہانوں کے لیے ہماری رحمت کا ظہور ہے!''

انسانی اعمال کے معنوی قوانین پر ''رحمت'' سے استدلال اور ''بقائے انفع'':

اسی طرح وہ ''رحمت'' کے مادی مظاہر سے انسانی اعمال کے معنوی قوانین پر بھی استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے جس ''رحمت'' کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں ''بقائے انفع'' کا قانون نافذ ہے یعنی وہی چیز باقی رہتی ہے جو نافع ہوتی ہے کیونکر ممکن تھا کہ وہ انسانی اعمال کی طرف سے غافل ہو جاتی اور نافع اور غیر نافع اعمال میں امتیاز نہ کرتی؟ پس مادیات کی طرح معنویات میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور ٹھیک اسی طرح اپنے احکام و نتائج رکھتا ہے جس طرح مادیات میں تم دیکھ رہے ہو۔

حق اور باطل:

اس سلسلہ میں وہ دو لفظ استعمال کرتا ہے ''حق'' اور ''باطل''۔ سورۂ رعد میں جہاں قانون ''بقائے انفع'' کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس بیان سے مقصود ''حق'' اور ''باطل'' کی حقیقت واضح کرنی ہے!

﴿ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ﴾(۱۳:۱۷)

''اس طرح اللہ ''حق'' اور ''باطل'' کی ایک مثال بیان کرتا ہے۔''

ساتھ ہی مزید تصریح کر دی:

﴿ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ﴾ (۱۳: ۱۸)

''پس (دیکھو) میل کچیل سے جو جھاگ اٹھتا ہے وہ رائگاں جاتا ہے کیونکہ اس میں انسان کے لیے نفع نہ تھا لیکن جس چیز میں انسان کے لیے نفع ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے- اسی طرح اللہ (اپنے قوانین عمل کی) مثالیں دیتا ہے- (سو) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا ان کے لیے خوبی و بہتری ہے اور جن لوگوں نے قبول نہ کیا ان کے لیے (اپنے اعمال بد کا) سختی کے ساتھ حساب دینا ہے اور اگر ان لوگوں کے قبضے میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اس پر اور بڑھا دیں اور بدلہ میں دے کر (نتائج عمل سے) بچنا چاہیں جب بھی نہ بچ سکیں گے!''

عربی میں ''حق'' کا خاصہ ثبوت اور قیام ہے- یعنی جو بات ثابت ہو' اٹل ہو' امٹ ہو' اسے حق کہیں گے- ''باطل'' ٹھیک ٹھیک اس کا نقیض ہے- ایسی چیز جس میں ثبات و قیام نہ ہو- ٹل جانے والی' مٹ جانے والی' باقی نہ رہنے والی- چنانچہ خود قرآن میں جا بجا ہے- ﴿ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ ﴾ (۸: ۸)

قانون ''قضا بالحق''

وہ کہتا ہے جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے- جو چیز نافع ہوتی ہے باقی رکھتی ہے' جو نافع نہیں ہوتی اسے محو کر دیتی ہے- ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے- جو عمل حق ہو گا قائم اور ثابت رہے گا جو باطل ہو گا مٹ جائے گا اور جب کبھی حق اور باطل متقابل ہو نگے تو بقا حق کے لیے ہو گی نہ کہ باطل کے لیے- وہ اسے ''قضا بالحق'' سے تعبیر کرتا ہے- یعنی فطرت کا فیصلہ حق جو باطل کے لیے نہیں ہو سکتا-

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾ (۴۰: ۷۸)

''پھر جب وہ وقت آ گیا کہ حکم الٰہی صادر ہو تو (خدا کا) فیصلہ حق نافذ ہو گیا اور اس وقت ان لوگوں کے لیے جو برسر باطل تھے' تباہی ہوئی!

اس نے اس حقیقت کی تعبیر کے لیے ''حق'' اور ''باطل'' کا لفظ اختیار کر کے مجرد تعبیر ہی سے حقیقت کی نوعیت واضح کر دی- کیونکہ حق اسی چیز کو کہتے ہیں جو ثابت و قائم ہو اور باطل کے معنی ہی یہ ہیں کہ مٹ جانا' قائم و باقی نہ رہنا- پس جب وہ کسی بات کے لیے کہتا ہے کہ یہ ''حق'' ہے' تو یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہوتا بلکہ دعوے کے ساتھ اس کے جانچنے کا ایک معیار بھی پیش کر دیتا ہے- یہ بات حق ہے- یعنی نہ ٹلنے والی نہ مٹنے والی بات ہے- یہ بات باطل ہے- یعنی نہ ٹک سکنے والی' مٹ جانے والی بات ہے- پس جو بات اٹل ہو گی اس کا اٹل ہونا کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا- جو بات مٹ جانے والی ہے اس کا مٹنا

ہر آنکھ دیکھ لے گی!

اللہ کی صفت بھی ''الحق'' ہے:

چنانچہ وہ اللہ کی نسبت بھی ''الحق'' کی صفت استعمال کرتا ہے- کیونکہ اس کی ہستی سے بڑھ کر اور کون سی حقیقت ہے جو ثابت اور اٹل ہو سکتی ہے؟

﴿ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ﴾ (۱۰:۳۲)

''پس یہ ہے تمہارا پروردگار ''الحق''!''

﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ﴾(۲۰:۱۱٤)

''پس کیا ہی بلند درجہ ہے اللہ کا 'الملک (یعنی فرمانروا) الحق (یعنی ثابت)

وحی وتنزیل بھی ''الحق'' ہے:

وحی وتنزیل کو بھی وہ ''الحق'' کہتا ہے کیونکہ وہ دنیا کی ایک قائم وثابت حقیقت ہے- جن قوتوں نے اسے مٹانا چاہا تھا وہ خود مٹ گئیں حتی کہ آج ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں لیکن وحی وتنزیل کی حقیقت ہمیشہ قائم رہی اور آج تک قائم ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ﴾(۱۰:۱۰۸-۱۰۹)

''(اے پیغمبرؐ! لوگوں سے) کہہ دو کہ اے افرادِ نسل انسانی! بلاشبہ تمہارے پروردگار کی طرف سے وہ چیز تمہارے لیے آ گئی جو ''حق'' ہے- پس اب جس کسی نے سیدھی راہ اختیار کی تو یہ راست روی اسی کی بھلائی کے لیے ہے اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اس کی گمراہی کا نقصان بھی اسی کے لیے ہے اور میرا کام تو صرف راہِ حق دکھلا دینا ہے) میں تم پر نگہبان مقرر نہیں کیا گیا ہوں (کہ تم کو پکڑ کے زبردستی راہ پر لگا دوں)- اور (اے پیغمبرؐ!) جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے اس کے مطابق چلو اور صبر کرو- یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!''

﴿ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ﴾ (۱۷:۱۰۵)

''اور (اے پیغمبرؐ!) ہماری طرف سے اس کا (یعنی قرآن کا) نازل ہونا حق ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل بھی ہوا ہے-''

قرآن کی اصطلاح میں ''الحق'':

اسی طرح جب وہ علامت تعریف کے ساتھ کسی بات کو ''الحق'' کہتا ہے تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہوتی ہے اور اسی لیے وہ اکثر حالتوں میں صرف ''الحق'' کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے- اس سے زیادہ کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھتا- کیونکہ

اگرچہ فطرت کائنات کا یہ قانون ہے کہ وہ حق و باطل کے نزاع میں "حق" ہی کو باقی رکھتی ہے تو کسی بات کے امر حق ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ "حق" ہے۔ یعنی باقی و قائم رہنے والی حقیقت ہے۔ اس کا بقاو قیام خود ہی اپنی حقیقت کا اعلان کر دے گا۔

نزاع حق و باطل:

یہ جو قرآن جابجا حق اور باطل کی نزاع کا ذکر کرتا ہے اور پھر بطور اصل اور قاعدہ کے اس پر زور دیتا ہے کہ کامیابی حق کے لیے ہے اور ہزیمت وخسران باطل کے لیے تو یہ تمام مقامات بھی اسی قانون "قضاء بالحق" کی تصریحات ہیں اور اسی حقیقت کی روشنی میں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے:

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾(۲۱: ۱۸)

"اور ہمارا قانون یہ ہے کہ حق باطل سے ٹکراتا ہے اور اسے پاش پاش کر دیتا ہے اور اچانک ایسا ہوتا ہے کہ وہ نابود ہو گیا!"

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾ (۱۷: ۸۱)

"اور کہہ دو حق نمودار ہو گیا اور باطل نابود ہوا اور یقیناً باطل نابود ہی ہونے والا تھا!"

اللہ کی شہادت:

اور پھر حق وصداقت کے لیے یہی اللہ کی وہ شہادت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتا دیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا۔ اور باطل کا کون پرستار تھا۔ یعنی "قضاء بالحق" کا قانون حق کو ثابت و قائم رکھ کر اور اس کے حریف کو محوو متلاشی کر کے حقیقت حال کا اعلان کر دیتا ہے:

﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَّعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾(۲۹: ۵۲)

"ان لوگوں سے کہہ دو اب کسی اور رد و کد کی ضرورت نہیں۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے علم میں ہے۔ پس جو لوگ حق کی جگہ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کی صداقت کے منکر ہیں تو یقیناً وہی ہیں جو تباہ ہونے والے ہیں!"

ایک دوسرے موقع پر فیصلہ امر کے لیے اسے سب سے بڑی شہادت قرار دیا ہے:

﴿ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ (۶: ۱۹)

"کون سی بات سب سے بڑی گواہی ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دو اللہ کی گواہی۔ وہی میرے اور تمہارے درمیان (فیصلہ امر کے لیے) گواہی دینے والا ہے!"

قضاء بالحق مادیات اور معنویات کا عالمگیر قانون ہے:

وہ کہتا ہے اس قانون سے تم کیونکر انکار کر سکتے ہو جبکہ زمین و آسمان کا تمام کارخانہ اسی کی کارفرمائیوں پر قائم ہے؟ اگر فطرت کائنات نقصان اور برائی چھانٹتی نہ رہتی اور بقا و قیام صرف اچھائی اور خوبی ہی کے لیے نہ ہوتا تو ظاہر ہے تمام کارخانہ ہستی درہم برہم ہو جاتا- جب تم جسمانیات میں اس قانون فطرت کا مشاہدہ کر رہے ہو تو معنویات میں تمہیں کیوں انکار ہو؟

﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ﴾(۲۳ : ۷۱)

''اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرے تو یقین کرو یہ آسمان و زمین اور جو کوئی اس میں ہے سب درہم برہم ہو کر رہ جائے!''

''انتظار'' اور ''تربص'':

قرآن میں جہاں کہیں انتظار اور تربص پر زور دیا ہے اور کہا ہے جلدی نہ کرو انتظار کرو عنقریب حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا- مثلاً ﴿ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ (۱۰ : ۱۰۲) تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہے-

''قضاء بالحق'' اور تدریج و امہال:

لیکن کیا ''قضاء بالحق'' کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل عمل فوراً نابود ہو جائے اور ہر عمل حق فوراً فتح مند ہو جائے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اور ''رحمت'' کا مقتضا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو- جس ''رحمت'' کا مقتضا یہ ہوا کہ مادیات میں ''تدریج و امہال'' کا قانون نافذ ہے اسی رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے اور عالم مادیات ہو یا معنویات' کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں قانون فطرت ایک ہی ہے- اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ دنیا میں کوئی انسانی جماعت اپنی بدعملیوں کے ساتھ مہلت حیات پا سکتی:

﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ﴾(۱۰ : ۱۱)

''اور جس طرح انسان فائدے کے لیے جلد باز ہوتا ہے اگر اسی طرح اللہ انسان کو سزا دینے میں جلد باز ہوتا تو (انسان کی لغزشوں خطاؤں کا یہ حال ہے کہ) کبھی کا فیصلہ ہو چکتا اور ان کا مقررہ وقت فوراً نمودار ہو جاتا-''

''تاجیل'':

وہ کہتا ہے' جس طرح مادیات میں ہر حالت بتدریج نشو و نما پاتی ہے اور ہر نتیجہ کے ظہور کے لیے ایک خاص مقدار' ایک خاص مدت' اور ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح اعمال کے نتائج کے لیے بھی مقدار و اوقات کے احکام مقرر ہیں- اور ضروری ہے کہ ہر نتیجہ ایک خاص مدت کے بعد اور ایک خاص مقدار کی نشو و نما کے بعد ظہور میں آئے-

مثلاً فطرت کا یہ قانون ہے کہ اگر پانی آگ پر رکھا جائے گا تو وہ گرم ہو کر کھولنے لگے گا لیکن پانی کے گرم ہونے اور بالآخر کھولنے کے لیے حرارت کی ایک خاص مقدار ضروری ہے اور اس کے ظہور و تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ایک مقررہ

وقت تک انتظام کیا جائے - ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم پانی چولھے پر رکھو اور فوراً کھولنے لگے - وہ یقیناً کھولنے لگے گا لیکن اس وقت جب حرارت کی مقررہ مقدار بتدریج تکمیل تک پہنچ جائے گی - ٹھیک اسی طرح یہاں انسانی اعمال کے نتائج بھی اپنے مقررہ اوقات ہی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ضروری ہے کہ جب تک اعمال کے اثرات ایک خاص مقررہ مقدار تک نہ پہنچ جائیں نتائج کے ظہور کا انتظار کیا جائے -

اس صورت حال سے تدریج و امہال کی حالت پیدا ہوگئی اور عمل حق اور عمل باطل دونوں کے نتائج کے ظہور کے لیے ''تاجیل'' یعنی ایک معین وقت کا ٹھہراؤ ضروری ہوگیا - دونوں کے نتائج فوراً ظاہر نہیں ہو جائیں گے - اپنی مقررہ ''اجل'' یعنی مقررہ وقت ہی پر ظاہر ہونگے - البتہ حق کے لیے تاجیل اس لیے ہوتی ہے تا کہ اس کی فتح مندقوت نشوونما پائے اور باطل کے لیے اس لیے ہوتی ہے تا کہ اس کی فنا پذیر کمزوری تکمیل تک پہنچ جائے - اس تاجیل کے لیے کوئی ایک ہی مقررہ مدت نہیں ہے - ہر حالت کا ایک خاصہ ہے اور ہر گردو پیش اپنا ایک خاص مقتضا رکھتا ہے - ہوسکتا ہے کہ ایک خاص حالت کے لیے مقررہ مدت کی مقدار بہت تھوڑی ہو اور ہوسکتا ہے کہ بہت زیادہ ہو:

﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَإِنْ اَدْرِيْ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ○ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ○ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ○ ﴾

(۲۱:۱۰۹-۱۱۱)

''پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو ان سے کہہ دو میں نے تم سب کو یکساں طور پر (حقیقت حال کی) خبر دے دی اور میں نہیں جانتا اعمال بد کے جس نتیجہ کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا وقت قریب ہے یا ابھی دیر ہے - جو کچھ علانیہ زبان سے کہا جاتا ہے اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو خدا کو سب کچھ معلوم ہے - اور مجھے کیا معلوم، ہوسکتا ہے یہ تاخیر اس لیے ہوتا کہ تمہاری آزمائش کی جائے یا اس لیے کہ ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ اٹھانے کا (مزید) موقع دیا جائے -''

قوانین فطرت کا معیار اوقات:

قرآن کہتا ہے، تم اپنی اوقات شماری کے پیمانے سے قوانین فطرت کی رفتار عمل کا اندازہ نہ لگاؤ - فطرت کا دائرہ عمل تو اتنا وسیع ہے کہ تمہارے معیار حساب کی بڑی سے بڑی مدت اس کے لیے ایک دن کی مدت سے زیادہ نہیں:

﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ○ ﴾

(۲۲:۴۷-۴۸)

''اور وہ لوگ عذاب کے لیے جلد بازی کر رہے ہیں (یعنی انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو وہ کہاں ہے؟) سو یقین کرو خدا اپنے وعدہ میں کبھی خلاف کرنے والا نہیں لیکن

بات یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کا ایک دن ایسا ہوتا ہے جیسا تمہارے حساب کا ہزار برس- چنانچہ کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں (عرصہ دراز تک) ڈھیل دی گئی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (جب ظہور نتائج کا وقت آ گیا تو) ہمارا مؤاخذہ نمودار ہو گیا- اور (ظاہر ہے کہ) لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے-"

استعجال بالعذاب:

ان آیات میں فکر انسانی کی جس گمراہی کو "استعجال بالعذاب" سے تعبیر کیا گیا ہے وہ صرف انہی منکرین حق کی گمراہی نہ تھی جو ظہور اسلام کے وقت اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے بلکہ ہر زمانہ میں انسان کی ایک عالمگیر کج اندیشی رہی ہے- وہ بسا اوقات فطرت کی اس مہلت بخشی سے فائدہ اٹھانے کی جگہ شر و فساد میں اور زیادہ نڈر اور جری ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: اگر فی الحقیقت حق و باطل کے لیے ان کے نتائج و عواقب ہیں' تو وہ نتائج کہاں ہیں؟ اور کیوں فوراً ظاہر نہیں ہو جاتے؟ قرآن جابجا منکرین حق کا یہ خیال نقل کرتا ہے اور کہتا ہے: اگر کائنات ہستی میں اس حقیقت اعلیٰ کا ظہور نہ ہوتا جسے "رحمت" کہتے ہیں تو یقیناً یہ نتائج یکا یک اور بہ یک دفعہ ظاہر ہو جاتے اور انسان اپنی بدعملیوں کے ساتھ کبھی زندگی کا سانس نہ لے سکتا لیکن یہ سارے قانونوں اور حکموں سے بھی بالاتر "رحمت" کا قانون ہے اور اس کا مقتضا یہی ہے کہ حق کی طرح باطل کو بھی زندگی و معیشت کی مہلتیں دے' اور توبہ و رجوع اور عفو و درگزر کا دروازہ ہر حال میں باز رکھے- فطرت کائنات میں اگر یہ "رحمت" نہ ہوتی' تو یقیناً وہ جزائے عمل میں جلد باز ہوتی لیکن اس میں رحمت ہے اس لیے نہ تو اس کی مہلت بخشیوں کی کوئی حد ہے نہ اس کے عفو و درگزر کے لیے کوئی کنارہ!

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ○ ﴾(۲۷: ۷۱-۷۳)

"اور (اے پیغمبرؐ!) یہ (حقیقت فراموش کہتے ہیں) اگر تم (نتائج ظلم و طغیان سے ڈرانے میں) سچے ہو تو وہ بات کب ہونے والی ہے؟ (اور کیوں نہیں ہو چکتی؟)- ان سے کہہ دو (گھبراؤ نہیں) جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو عجب نہیں اس کا ایک حصہ بالکل قریب آ گیا ہو- اور (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار انسان کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے (کہ ہر حال میں اصلاح و تلافی کی مہلت دیتا ہے) لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر) بیشتر ایسے ہیں کہ اس کے فضل و رحمت سے فائدہ اٹھانے کی جگہ اس کی ناشکری کرتے ہیں!"

﴿ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (۲۹: ۵۳)

"اور یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں (یعنی انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں اگر واقعی عذاب

آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟) اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک خاص وقت نہ ٹھہرا دیا گیا ہوتا تو کب کا عذاب آ چکا ہوتا اور (یقین رکھو جب وہ آئے گا تو اس طرح آئے گا کہ) یکایک ان پر آ گرے گا اور انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوگا!''

﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۞﴾ (۱۱: ۱۰۴)

''اور (یاد رکھو) اگر ہم اس معاملہ میں تاخیر کرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ ایک حساب کی ہوئی مدت کے لیے اسے تاخیر میں ڈال دیں۔''

العاقبة المتقين:

وہ کہتا ہے: یہاں زندگی و عمل کی مہلتیں سب کے لیے ہیں کیونکہ ''رحمت'' کا مقتضا یہی تھا۔ پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ نتائج اعمال کے قوانین موجود نہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ نتیجہ کی کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے اور آخر کار کون آبرومند ہوتا ہے:

﴿ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ ﴾ (۶: ۱۳۵)

''(اے پیغمبرؐ! تم ان لوگوں سے) کہہ دو کہ دیکھو (اب میرے اور تمہارے معاملہ کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے) تم جو کچھ کر رہے ہو اپنی جگہ کیے جاؤ اور میں بھی اپنی جگہ کام میں لگا ہوں۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جس کے لیے آخر کار (کامیاب) ٹھکانا ہے۔ بلاشبہ (یہ اس کا قانون ہے کہ) ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔''

قرآن کی وہ تمام آیات جن میں ظلم و کفر کے لیے فلاح و کامیابی کی نفی کی گئی ہے:

اس موقع پر یہ قاعدہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ قرآن نے جہاں کہیں ظلم و فساد اور فسق و کفر وغیرہ اعمال بد کے لیے کامیابی و فلاح کی نفی کی ہے اور نیک عملی کے لیے فتح مندی و کامرانی کا اثبات کیا ہے ان تمام مقامات میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً

(۱) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶: ۲۱) ''تحقیق وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا''

(۲) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰: ۱۷) ''بے شک وہ مجرموں کو کامیابی نہ دے گا''

(۳) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳: ۱۱۷) ''حقیقتاً وہ کافروں کو کامیاب نہیں کرتا''

(۴) لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰: ۸۱) ''ہاں وہ فسادیوں کی اصلاح نہیں فرماتا''

(۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۹: ۳۷) ''تحقیق اللہ منکر قوم کو ہدایت نہیں دیتا''

(۶) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۳: ۳۷) وغیرہا۔ ''اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دکھلاتا''

اللہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں دیتا- یعنی اس کا قانون ہے کہ ظلم کے لیے کامیابی و فلاح نہیں ہوتی - اللہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں دیتا- یعنی اس کا قانون یہی ہے کہ ظلم کرنے والوں پر کامیابی و سعادت کی راہ نہیں کھلتی - یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ ارشاد وہدایت کا دروازہ ان پر بند کر دیتا ہے- اور وہ گمراہی و کوری کی زندگی پر مجبور کر دیے جاتے ہیں- افسوس ہے کہ قرآن کے مفسروں نے ان مقامات کا ترجمہ غور و فکر کے ساتھ نہیں کیا اس لیے مطالب اپنی اصلی شکل میں واضح نہ ہو سکے-

''تمتع'':

اور پھر اصطلاح قرآنی میں یہی وہ ''تمتع'' ہے- یعنی زندگی سے فائدہ اٹھانے کی مہلت جس کا وہ بار بار ذکر کرتا ہے اور جو یکساں طور پر سب کو دی گئی ہے:

﴿ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ﴾(۲۱:۴۴)

''بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو اور ان کے آباواجداد کو مہلت حیات سے بہرہ مند ہونے کے مواقع دیے یہاں تک کہ (خوشحالی کی) ان پر بڑی بڑی عمریں گزر گئیں-''

اسی طرح وہ جابجا ﴿ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ (۱۰:۹۸) ﴿ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴾ (۳۶:۴۴) ﴿ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۱۶:۵۵) وغیرہ تعبیرات سے بھی اسی حقیقت پر زور دیتا ہے-

''قضاء بالحق'' اور اقوام و جماعات:

اسی طرح وہ قانون قضاء بالحق کو جماعتوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بھی منطبق کرتا ہے اور کہتا ہے: جس طرح فطرت کا قانون انتخاب' افراد و اجسام میں جاری ہے اسی طرح اقوام و جماعات میں بھی جاری ہے- جس طرح فطرت نافع اشیا کو باقی رکھتی ہے غیر نافع کو چھانٹ دیتی ہے ٹھیک اسی طرح جماعتوں میں بھی صرف اسی جماعت کے لیے بقا ہوتی ہے جس میں دنیا کے لیے نفع ہو- جو جماعت غیر نافع ہو جاتی ہے چھانٹ دی جاتی ہے- وہ کہتا ہے: یہ اس کی ''رحمت'' ہے- کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں انسانی ظلم و طغیان کے لیے کوئی روک تھام نظر نہ آتی:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ (۲:۲۵۱)

''اور (دیکھو) اگر اللہ (نے جماعتوں اور قوموں میں باہم دگر تزاحم پیدا نہ کر دیا ہوتا اور وہ) بعض آدمیوں کے ذریعے بعض آدمیوں کو راہ سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً زمین میں خرابی پھیل جاتی لیکن اللہ کائنات کے لیے فضل و رحمت رکھنے والا ہے-''

ایک دوسرے موقع پر یہی حقیقت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ

فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴾ (۲۲: ۴۰)

''اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ بعض جماعتوں کے ذریعے بعض جماعتوں کو ہٹاتا رہتا تو (یقین کرو دنیا میں انسان کے ظلم و فساد کے لیے کوئی روک باقی نہ رہتی اور) یہ تمام خانقاہیں' گرجے' عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اس کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے منہدم ہو کر رہ جاتیں۔''

''قضاء بالحق'' کے اجتماعی نفاذ میں بھی تدریج و امہال اور تاجیل ہے:

لیکن وہ کہتا ہے جس طرح فطرت کائنات کے تمام کاموں میں تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے معاملہ میں بھی وہ جو کچھ کرتی ہے بتدریج کرتی ہے اور اصلاح حال اور رجوع و انابت کا دروازہ آخر وقت تک کھلا رکھتی ہے۔ کیونکہ ''رحمت'' کا مقتضا یہی ہے:

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ الصّٰلِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (۷: ۱۶۸)

''اور ہم نے ایسا کیا کہ ان کے لیے الگ الگ گروہ زمین میں پھیل گئے۔ ان میں سے بعض تو نیک عمل تھے بعض دوسری طرح کے۔ پھر ہم نے انہیں اچھائیوں اور برائیوں دونوں طرح کی حالتوں سے آزمایا تاکہ نافرمانی سے باز آجائیں۔''

جس طرح اجسام کے ہر تغیر کے لیے فطرت نے اسباب و علل کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر کر دی ہے اسی طرح اقوام کے زوال و ہلاکت کے لیے بھی موجبات ہلاکت کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر ہے اور یہ ان کی ''اجل'' ہے۔ جب تک یہ اجل نہیں آچکتی قانون الٰہی یکے بعد دیگرے تنبہ و اعتبار کی مہلتیں دیتا رہتا ہے:

﴿ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴾

(۹: ۱۲۶)

''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان پر کوئی برس ایسا نہیں گزرتا کہ ہم انہیں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائشوں میں نہ ڈالتے ہوں (یعنی ان کے اعمال بد کے نتائج پیش نہ آتے ہوں) پھر بھی نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ حالات سے نصیحت پکڑتے ہیں!''

لیکن اگر تنبہ و اعتبار کی یہ تمام مہلتیں رائگاں گئیں اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو پھر فیصلہ امر کا آخری وقت نمودار ہو جاتا ہے اور جب وہ وقت آجائے تو پھر یہ فطرت کا آخری' اٹل اور بے پناہ فیصلہ ہے۔ نہ تو اس میں ایک لحہ کے لیے تاخیر ہو سکتی ہے نہ یہ اپنے مقررہ وقت سے ایک لحہ پہلے آ سکتا ہے:

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴾ (۷: ۳۴)

''اور (دیکھو) ہر امت کے لیے ایک مقررہ وقت ہے۔ سو جب ان کا مقررہ وقت آچکتا ہے تو اس سے نہ

تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

﴿ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ﴾

(۱۵: ۴-۵)

''اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ (ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق) ایک مقررہ میعاد اس کے لیے موجود تھی۔ کوئی امت نہ تو اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے!''

اسی طرح ''بقائے انفع'' اور ''قضاء بالحق'' کا قانون پچھلی قوم کو چھانٹ دیتا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسری قوم لا کھڑی کرتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ ''رحمت'' کا مقتضا یہی ہے:

﴿ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ ﴾ (۶: ۱۳۱-۱۳۳)

''یہ (تبلیغ و ہدایت کا تمام سلسلہ) اس لیے ہے کہ تمہارے پروردگار کا یہ شیوہ نہیں کہ بستیوں کو ظلم و ستم سے ہلاک کر ڈالے اور ان کے بسنے والے حقیقت حال سے بے خبر ہوں۔ (اس کا قانون تو یہ ہے کہ) جیسا کچھ جس کا عمل ہے اسی کے مطابق اس کا ایک درجہ ہے (اور اسی درجہ کے مطابق اچھے برے نتائج ظاہر ہوتے ہیں) اور یاد رکھو جیسے کچھ لوگوں کے اعمال ہیں تمہارا پروردگار ان سے بے خبر نہیں ہے! تمہارا پروردگار رحمت والا اور بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں راہ سے ہٹا دے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ اسی طرح جس طرح ایک دوسری قوم کی نسل سے تمہیں اوروں کا جانشین بنا دیا ہے۔''

انفرادی زندگی اور مجازات دنیوی:

اسی طرح وہ کہتا ہے: یہ بات کہ انفرادی زندگی کے اعمال کی جزا دنیوی زندگی سے تعلق نہیں رکھتی۔ آخرت پر اٹھا رکھی گئی ہے اور دنیا میں نیک و بد سب کے لیے یکساں طور پر مہلت حیات اور فیضان معیشت ہے۔ اسی حقیقت کا نتیجہ ہے کہ یہاں ''رحمت'' کی کارفرمائی ہے۔ ''رحمت'' کا مقتضا یہی تھا کہ اس کے فیضان و بخشش میں کسی طرح کا امتیاز نہ ہو اور مہلت حیات سب کو پوری طرح ملے۔ اس نے انسان کی انفرادی زندگی کے دو حصے کر دیے۔ ایک حصہ دنیوی زندگی کا ہے' اور سرتاسر مہلت ہے۔ دوسرا حصہ مرنے کے بعد کا ہے اور جزا کا معاملہ اسی سے تعلق رکھتا ہے:

﴿ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ ﴾ (۱۸: ۵۸)

''اور (اے پیغمبرؐ! یقین کرو) تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا صاحب رحمت ہے۔ اگر وہ ان لوگوں سے

ان کے اعمال کے مطابق مواخذہ کرتا تو فوراً عذاب نازل ہو جاتا - لیکن ان کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی گئی ہے اور جب وہ نمودار ہوگی تو اس سے بچنے کے لیے کوئی پناہ کی جگہ انہیں نہیں ملے گی -''

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾(۶ : ۲)

''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری زندگی کے لیے ایک وقت ٹھہرا دیا اور اسی طرح اس کے پاس ایک اور بھی ٹھہرائی ہوئی میعاد ہے! (یعنی قیامت کا دن) -''

معنوی قوانین کی مہلت بخشی اور توبہ وانابت:

وہ کہتا ہے: جس طرح عالم اجسام میں تم دیکھتے ہو کہ فطرت نے ہر کمزوری وفساد کے لیے ایک لازمی نتیجہ ٹھہرا دیا ہے لیکن پھر بھی اصلاح حال کا دروازہ بند نہیں کرتی اور مہلتوں پر مہلتیں دیتی رہتی ہے - نیز اگر بروقت اصلاح ظہور میں آ جائے تو اسے قبول کر لیتی ہے - ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہاں بھی توبہ وانابت کا دروازہ کھلا رکھا ہے - کوئی بدعملی' کوئی گناہ' کوئی جرم' کوئی فساد ہو' اور نوعیت میں کتنا ہی سخت اور مقدار میں کتنا ہی عظیم ہو لیکن جونہی توبہ وانابت کا احساس انسان کے اندر جنبش میں آتا ہے تو رحمت الٰہی قبولیت کا دروازہ معاً کھول دیتی ہے اور اشک ندامت کا ایک قطرہ بدعملیوں اور گناہوں کے بے شمار داغ دھبے اس طرح دھو دیتا ہے گویا اس کے دامن عمل پر کوئی دھبہ لگا ہی نہ تھا! التائب من الذنب كمن لا ذنب له -

﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ ﴾(۲۵ : ۷۰)

''ہاں! مگر جس کسی نے توبہ کی' ایمان لایا اور آئندہ کے لیے نیک عملی اختیار کی تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ اچھائیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے!''

رحمت الٰہی اور مغفرت وبخشش کی وسعت وفراوانی!:

اس بارے میں قرآن نے رحمت الٰہی کی وسعت اور اس کی مغفرت وبخشش کی فراوانی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے - کتنے ہی گناہ ہوں' کتنے ہی سخت گناہ ہوں' کتنی ہی مدت کے گناہ ہوں لیکن ہر اس انسان کے لیے جو اس کے دروازۂ رحمت پر دستک دے رحمت وقبولیت کے سوا کوئی صدا نہیں ہو سکتی!

﴿ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝ ﴾ (۳۹ : ۵۴)

''اے میرے بندو! جنہوں نے (بدعملیاں کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے (تمہاری بدعملیاں کتنی ہی سخت اور کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو مگر) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو - یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا - یقیناً وہ بڑا بخشنے والا بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے!

❋ ❋ ❋

اسلامی عقائد کا دینی تصور اور ''رحمت''

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں قرآن نے انسان کے لیے دینی عقائد و اعمال کا جو تصور قائم کیا ہے اس کی بنیاد بھی تمام تر رحمت و محبت ہی پر رکھی ہے کیونکہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائنات فطرت کے عالمگیر کارخانہ سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا- بلکہ اسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے- اور اس لیے کہتا ہے: جس کارساز فطرت نے تمام کارخانہ ہستی کی بنیاد ''رحمت'' پر رکھی ہے ضروری تھا کہ اس گوشہ میں بھی اس کے تمام احکام سرتاسر ''رحمت'' کی تصویر ہوں!

خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے:

چنانچہ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے جس کے لیے معبود صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (۲: ۱۶۵)

''اور (دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں- وہ انہیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے-''

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (۳: ۳۱)

''(اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے) کہہ دو اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو تو چاہیے کہ میری پیروی کرو (میں تمہیں محبت الٰہی کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں) اگر تم نے ایسا کیا تو صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو جاؤ گے بلکہ خود) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا- اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے!''

وہ جابجا اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت اور محبوبیت ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ﴾ (۵: ۵۴)

''اے پیروان دعوت ایمانی! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کی راہ سے پھر جائے گا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ

دعوت حق کو اس سے کچھ نقصان پہنچے گا) عنقریب اللہ ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا کر دے گا جنہیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ اللہ کو محبوب رکھنے والے ہونگے -''

جو خدا سے محبت کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے اس کے بندوں سے محبت کرے:

لیکن بندے کے لیے خدا کی محبت کی عملی راہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے- جو انسان چاہتا ہے خدا سے محبت کرے اسے چاہیے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے:

﴿ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ﴾(۲:۱۷۷)

''اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں!''

﴿ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا○ ﴾ (۷۶:۸-۹)

''اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھلانا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لیے ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کسی طرح کی شکر گزاری!''

ایک حدیث قدسی میں یہی حقیقت نہایت مؤثر پیرایے میں واضح کی گئی ہے:-

((یا ابن ادم مرضت فلم تعدنی قال کیف اعودك وانت رب العلمین: قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده؟ اما علمت انك لوعدته لوجدتنی عنده؟ یا ابن ادم استطعمتك فلم تطعمنی قال یا رب کیف اطعمك و انت رب العلمین ؟ قال اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه اما علمت انك لواطعمته لوجدت ذلك عندی؟ یا ابن ادم استسقیتك فلم تسقنی قال کیف اسقیتك وانت رب العلمین! قال استسقاك عبدی فلان فلم تسقه اما انك لوسقیته لوجدت ذلك عندی؟)) (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ)

''(قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا) اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی- بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے- خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی- اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا- اسی طرح خدا فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا- بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا- اگر تو اسے کھلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا ایسے ہی خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہ پلایا- بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے

تو تو خود پروردگار ہے؟ خدا فرمائے گا میرے فلاں پیاسے بندے نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اسے پانی نہ پلایا- اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا-

اعمال وعبادات اور اخلاق وخصائل:

اسی طرح قرآن نے اعمال وعبادات کی جو شکل ونوعیت قرار دی ہے' اخلاق وخصائل میں سے جن جن باتوں پر زور دیا ہے اور اوامر ونواہی میں جو اصول ومبادی ملحوظ رکھے ہیں ان سب میں بھی یہی حقیقت کام کر رہی ہے- اور یہ چیز اس درجہ واضح ومعلوم ہے کہ بحث وبیان کی ضرورت نہیں-

قرآن سرتاسر رحمت الٰہی کا پیام ہے:

اور پھر یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی کسی صفت کو بھی اس کثرت کے ساتھ نہیں دہرایا ہے اور نہ کوئی مطلب اس درجہ اس کے صفحات میں نمایاں ہے جس قدر رحمت ہے- اگر قرآن کے وہ تمام مقامات جمع کیے جائیں جہاں ''رحمت'' کا ذکر کیا گیا ہے تو تین سو سے زیادہ مقامات ہوں گے اور اگر وہ تمام مقامات بھی شامل کر لیے جائیں- جہاں اگرچہ لفظ رحمت استعمال نہیں ہوا ہے' لیکن ان کا تعلق رحمت ہی سے ہے- مثلاً ربوبیت' مغفرت' رأفت' کرم' حلم' عفو' وغیرہا تو پھر یہ تعداد اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ کہا جاسکتا ہے قرآن اول سے لے کر آخر تک اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمت الٰہی کا پیام ہے!

بعض احادیث:

ہم اس موقع پر وہ تمام تصریحات قصداً چھوڑ رہے ہیں جن کا ذخیرہ احادیث میں موجود ہے کیونکہ یہ مقام زیادہ تفصیل وبحث کا متحمل نہیں- پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اسلام کی جو حقیقت ہمیں بتلائی ہے وہ تمام تر یہی ہے کہ خدا کی موحدانہ پرستش اور اس کے بندوں پر شفقت ورحمت- ایک مشہور حدیث جو ہر مسلمان واعظ کی زبان پر ہے ہمیں بتلاتی ہے کہ **انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء**[1] ''خدا کی رحمت انہی بندوں کے لیے ہے' جو اس کے بندوں کے لیے رحمت رکھتے ہیں!'' حضرت مسیح (علیہ السلام) کا مشہور کلمہ وعظ ''زمین پر رحم کرو تاکہ وہ جو آسمان پر ہے تم پر رحم کرے''- بجنسہٖ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی زبان پر بھی طاری ہوا ہے- ((**الرحمن تبارك وتعالیٰ- ارحموا من في الارض يرحمكم من في السمآء!**))[2] اتنا ہی نہیں بلکہ اسلام نے انسانی رحمت وشفقت کی جو ذہنیت پیدا کرنی چاہی ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ بے زبان جانور بھی اس سے باہر نہیں ہیں- ایک سے زیادہ حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں کے لیے ہے- اگرچہ یہ رحم ایک چڑیا ہی کے لیے کیوں نہ ہو- ((**من رحم ولو ذبيحة عصفور رحمه الله يوم القيمة!**))[3]

---

[1] طبرانی وابن جریر بسند صحیح ۱۲

[2] امام احمد نے مسند میں' ترمذی اور ابوداؤد نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے- ورويناه مسلسلاً من طريق الشيخ محمود شكرى الالوسى العراقى وايضًا عن والدى المرحوم عن الشيخ صدر الدين الدهنولى من طريق الشيخ احمد ولى الله رحمهم الله ۱۲

[3] رواه البخارى فى الادب المفرد والطبرانى عن ابى امامة وصححه السيوطى فى الجامع الصغير-

مقام انسانیت اور صفات الٰہی سے تخلق و تشبہ:

اصل یہ ہے کہ قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اس جذبہ پر رکھی ہے کہ انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے- وہ انسان کے وجود کو ایک ایسی سرحد قرار دیتا ہے جہاں حیوانیت کا درجہ ختم ہوتا اور ایک مافوق حیوانیت درجہ شروع ہو جاتا ہے- وہ کہتا ہے: انسان کا جوہر انسانیت جو اسے حیوانات کی سطح سے بلند و ممتاز کرتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ صفات الٰہی کا پرتو ہے اور اس لیے انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ صفات الٰہی سے تخلق و تشبہ پیدا ہو جائے- یہی وجہ ہے کہ اس نے جہاں کہیں بھی انسان کی خاص صفات کا ذکر کیا ہے انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے- حتیٰ کہ جوہر انسانیت کو خدا کی روح پھونک دینے سے تعبیر کیا: ﴿ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ﴾ (۳۲ : ۸) یعنی خدا نے آدم میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا اور اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے اندر عقل و حواس کا چراغ روشن ہو گیا:

در ازل پرتو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہ ہمہ عالم زد!

پس اگر وہ خدا کی رحمت کا تصور ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی سرتاپا رحمت و محبت ہو جائیں- اگر وہ اس کی ربوبیت کا مرقع بار بار ہماری نگاہوں کے سامنے لاتا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی اپنے چہرۂ اخلاق میں ربوبیت کے سارے خال و خط پیدا کر لیں- اگر وہ اس کی رافت و شفقت کا ذکر کرتا ہے' اس کے لطف و کرم کا جلوہ دکھاتا ہے' اس کے جود و احسان کا نقشہ کھینچتا ہے تو اسی لیے کہ وہ چاہتا ہے ہم میں بھی ان الٰہی صفتوں کا جلوہ نمودار ہو جائے- وہ بار بار ہمیں سناتا ہے کہ خدا کی بخشش و درگزر کی کوئی انتہا نہیں اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اس کے بندوں کے لیے بخشش و درگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہو جانا چاہیے- اگر ہم اس کے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق ہے کہ اپنی خطاؤں کے لیے اس کی بخشائشوں کا انتظار کریں؟

احکام و شرائع:

جہاں تک احکام و شرائع کا تعلق ہے بلاشبہ اس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی' مجاز ہوتا- لیکن اس نے کہا کہ دشمنوں کو بھی بخش دو اور جو دشمن کو بخش دینا سیکھ لے گا اس کا دل خود بخود انسانی بغض و نفرت کی آلودگیوں سے پاک ہو جائے گا:

﴿ اَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾ (۳ : ۱۳۴)

''غصہ ضبط کرنے والے' اور انسانوں کے قصور بخش دینے والے اور اللہ کی محبت انہی کے لئے ہے جو احسان کرنے والے ہیں!''

﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ (۱۳: ۲۲)

''اور جن لوگوں نے اللہ کی محبت میں (سختی و ناگواری) برداشت کر لی' نماز قائم کی' خدا کی دی ہوئی روزی پوشیدہ و علانیہ (اس کے بندوں کے لیے) خرچ کی اور برائی کا جواب برائی سے نہیں نیکی سے دیا تو (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا بہتر ٹھکانا ہے۔''

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (۴۲: ۴۳)

''اور (دیکھو) جو کوئی برائی پر صبر کرے اور بخش دے تو یقیناً یہ بڑی ہی اولوالعزمی کی بات ہے!''

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ ﴾ (۴۱: ۳۴-۳۵)

''اور (دیکھو) نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی (اگر کوئی برائی کرے تو) برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا طریقہ ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ جس شخص سے تمہاری عداوت تھی یکا یک تمہارا دلی دوست ہو گیا ہے البتہ یہ ایسا مقام ہے جو اسی کو مل سکتا ہے جو (بدسلوکی سہہ لینے کی) برداشت رکھتا ہو اور جسے (نیکی و سعادت کا) حصہ وافر ملا ہو۔''

بلاشبہ اس نے بدلہ لینے سے بالکل روک نہیں دیا اور وہ کیونکر روک سکتا تھا جب کہ طبیعت حیوانی کا یہ فطری خاصہ ہے اور حفاظت نفس اس پر موقوف ہے لیکن جہاں کہیں بھی اس نے اس کی اجازت دی ہے ساتھ ہی عفو و بخشش اور بدی کے بدلے نیکی کرنے کی موثر ترغیب بھی دے دی ہے اور ایسی موثر ترغیب دی ہے کہ ممکن نہیں ایک خدا پرست انسان اس سے متاثر نہ ہو:

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ (۱۶: ۱۲۶)

''اور (دیکھو) اگر تم بدلہ لو تو چاہیے جتنی اور جیسی کچھ برائی تمہارے ساتھ کی گئی ہے اسی کے مطابق ٹھیک ٹھیک بدلہ بھی لیا جائے (یہ نہ ہو کہ زیادتی کر بیٹھو) لیکن اگر تم برداشت کر جاؤ اور بدلہ نہ لو تو (یاد رکھو) برداشت کرنے والوں کے لیے برداشت کر جانے ہی میں بہتری ہے!''

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (۴۲: ۴۰)

''اور برائی کے لیے ویسا ہی اور اتنا ہی بدلہ ہے جیسی اور جتنی برائی کی گئی ہے۔ لیکن جس کسی نے درگزر کیا اور معاملہ بگاڑنے کی جگہ سنوار لیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔''

☆☆☆

انجیل اور قرآن

ہم نے قرآن کی آیات عفو و بخشش نقل کرتے ہوئے ابھی کہا ہے کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی' مجاز ہوتا- ضروری ہے کہ اس کی مختصر تشریح کر دی جائے:

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کی ظاہر پرستیوں اور اخلاقی محرومیوں کی جگہ رحم و محبت اور عفو و بخشش کی اخلاقی قربانیوں پر زور دیا تھا اور ان کی دعوت کی اصلی روح یہی ہے- چنانچہ ہم انجیل کے مواعظ میں جا بجا اس طرح کے خطابات پاتے ہیں- ''تم نے سنا ہوگا کہ اگلوں سے کہا گیا دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ لیکن میں کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا'' یا ''اپنے ہمسایوں ہی کو نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی پیار کرو''- یا مثلاً ''اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو چاہیے دوسرا گال بھی آگے کر دو''- سوال یہ ہے کہ ان خطابات کی نوعیت کیا تھی؟ یہ اخلاقی فضائل و ایثار کا ایک موثر پیرایہ بیان تھا یا تشریع یعنی قوانین وضع کرنا تھا؟

دعوت مسیح ؑ اور دنیا کی حقیقت فراموشی:

افسوس ہے کہ انجیل کے معتقدوں اور نکتہ چینوں دونوں نے یہاں ٹھوکر کھائی - دونوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ تشریع تھی اور اس لیے دونوں کو تسلیم کر لینا پڑا کہ یہ ناقابل عمل احکام ہیں- معتقدوں نے خیال کیا کہ اگرچہ ان احکام پر عمل نہیں کیا جا سکتا تاہم مسیحیت کے احکام یہی ہیں اور عملی نقطہ خیال سے اس قدر کافی ہے کہ اوائل عہد میں چند ولیوں اور شہیدوں نے ان پر عمل کر لیا تھا- نکتہ چینوں نے کہا کہ یہ سرتاسر ایک نظری اور ناقابل عمل تعلیم ہے اور کہنے میں کتنی ہی خوشنما ہو لیکن عملی نقطۂ خیال سے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں- یہ فطرت انسانی کے صریح خلاف ہے-

فی الحقیقت نوع انسانی کی یہ بڑی ہی درد انگیز ناانصافی ہے جو تاریخ انسانیت کے اس عظیم الشان معلم کے ساتھ جائز رکھی گئی- جس طرح بے درد نکتہ چینوں نے اسے سمجھنے کی کوشش نہ کی اسی طرح نادان معتقدوں نے بھی فہم و بصیرت سے انکار کر دیا!

حضرت مسیح ؑ کی تعلیم کو فطرت انسانی کے خلاف سمجھنا تفریق بین الرسل ہے:

لیکن کیا کوئی انسان جو قرآن کی سچائی کا معترف ہو- ایسا خیال کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم فطرت انسانی

کے خلاف تھی اور اس لیے نا قابل عمل تھی حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تصدیق کے ساتھ ایسا منکرانہ خیال جمع نہیں ہو سکتا - اگر ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اسے تسلیم کر لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کی سچائی سے انکار کر دیں - کیونکہ جو تعلیم فطرت انسانی کے خلاف ہے وہ کبھی انسان کے لیے سچی تعلیم نہیں ہو سکتی - لیکن ایسا اعتقاد نہ صرف قرآن کی تعلیم کے خلاف ہو گا بلکہ اس کی دعوت کی اصلی بنیاد ہی متزلزل ہو جائے گی - اس کی دعوت کی بنیادی اصل یہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام رہنماؤں کی یکساں طور پر تصدیق کرتا اور سب کو خدا کی ایک ہی سچائی کا پیامبر قرار دیتا ہے - وہ کہتا ہے: پیروان مذہب کی سب سے بڑی گمراہی تفریق بین الرسل ہے - یعنی ایمان و تصدیق کے لحاظ سے خدا کے رسولوں میں تفریق کرنا' کسی ایک کو ماننا دوسروں کو جھٹلانا یا سب کو ماننا کسی ایک کا انکار کر دینا - اسی لیے اس نے جا بجا اسلام کی راہ یہ بتلائی ہے:

﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (۳: ۸٤)

''ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں) ہم تو خدا کے آگے جھکے ہوئے ہیں (اس کی سچائی کہیں بھی آئی ہو اور کسی کی زبانی آئی ہو' ہمارا اس پر ایمان ہے)''

علاوہ بریں خود قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کا یہی پہلو جا بجا نمایاں کیا ہے کہ وہ رحمت و محبت کے پیامبر تھے اور یہودیوں کی اخلاقی خشونت و قساوت کے مقابلہ میں مسیحی اخلاق کی رقت و رافت کی بار بار مدح کی ہے:

﴿ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾ (۱۹: ۲۱)

''اور تاکہ ہم اس کو (یعنی مسیح علیہ السلام کے ظہور کو) لوگوں کے لیے ایک الٰہی نشانی اور اپنی رحمت کا فیضان بنائیں اور یہ بات (مشیت الٰہی میں) طے شدہ تھی -''

﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ﴾ (۵۷: ۲۷)

''اور ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے (مسیح کی) پیروی کی' ہم نے شفقت اور رحمت ڈال دی -''

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن نے جس قدر اوصاف خود اپنی نسبت بیان کیے ہیں پوری فراخ دلی کے ساتھ وہی اوصاف تورات و انجیل کے لیے بھی بیان کیے ہیں - مثلاً وہ جس طرح اپنے آپ کو ہدایت کرنے والا' روشنی رکھنے والا' نصیحت کرنے والا' قوموں کا امام' متقیوں کا راہنما قرار دیتا ہے ٹھیک اسی طرح پچھلے صحیفوں کو بھی ان تمام اوصاف سے متصف قرار دیتا ہے - چنانچہ انجیل کی نسبت ہم جا بجا پڑھتے ہیں: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (۵: ٤٦) یہ ظاہر ہے کہ جو تعلیم فطرت بشری کے خلاف اور نا قابل عمل ہو' وہ کبھی نور و ہدایت اور ﴿ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ نہیں ہو سکتی -

دعوت مسیحی کی حقیقت:

اصل یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ان تمام تعلیمات کی وہ نوعیت ہی نہ تھی جو غلطی سے سمجھ لی گئی اور دنیا میں ہمیشہ

انسان کی سب سے بڑی گمراہی اس کے انکار سے نہیں بلکہ کج اندیشانہ اعتراف ہی سے پیدا ہوئی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا جب کہ یہودیوں کا اخلاقی تنزل انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا اور دل کی نیکی اور اخلاق کی پاکیزگی کی جگہ محض ظاہری احکام و رسوم کی پرستش دینداری و خدا پرستی سمجھی جاتی تھی۔ یہودیوں کے علاوہ جس قدر متمدن قومیں قرب و جوار میں موجود تھیں۔ مثلاً رومی، مصری، آشوری وہ بھی انسانی رحم و محبت کی روح سے یکسر نا آشنا تھیں۔ لوگوں نے یہ بات تو معلوم کر لی تھی کہ مجرموں کو سزائیں دینی چاہییں لیکن اس حقیقت سے بے بہرہ تھے کہ رحم و محبت اور عفو و بخشش کی چارہ سازیوں سے جرموں اور گناہوں کی پیدائش روک دینی چاہیے۔ انسانی قتل و ہلاکت کا تماشا دیکھنا، طرح طرح کے ہولناک طریقوں سے مجرموں کو ہلاک کرنا، زندہ انسانوں کو درندوں کے سامنے ڈال دینا، آباد شہروں کو بلا وجہ جلا کر خاکستر کر دینا، اپنی قوم کے علاوہ تمام انسانوں کو غلام سمجھنا اور غلام بنا کر رکھنا، رحم و محبت اور حلم و شفقت کی جگہ قلبی قساوت و بے رحمی پر فخر کرنا، رومی تمدن کا اخلاق اور مصری اور آشوری دیوتاؤں کا پسندیدہ طریقہ تھا۔

ضرورت تھی کہ نوع انسانی کی ہدایت کے لیے ایک ایسی ہستی مبعوث ہو جو سر تا سر رحمت و محبت کا پیام ہو، جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے قطع نظر کر کے صرف اس کی قلبی و معنوی حالت کی اصلاح و تزکیہ پر اپنی تمام پیغمبرانہ ہمت مبذول کر دے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت میں وہ ہستی نمودار ہوگئی۔ اس نے جسم کی جگہ روح پر، زبان کی جگہ دل پر، اور ظاہر کی جگہ باطن پر نوع انسانی کی توجہ دلائی اور انسانیت اعلیٰ کا فراموش شدہ سبق تازہ کر دیا!

مواعظ مسیحؑ کے مجازات کو تشریع و حقیقت سمجھ لینا سخت غلطی ہے:

معمولی سے معمولی کلام بھی بشرطیکہ بلیغ ہو اپنی بلاغت کے مجازات رکھتا ہے۔ قدرتی طور پر اس الہامی بلاغت کے بھی مجازات تھے جو اس کی تاثیر کا زیور اور اس کی دل نشینی کی خوبروئی ہیں لیکن افسوس کہ وہ دنیا جو اقانیم ثلاثہ اور کفارہ جیسے دور از کار عقائد پیدا کر لینے والی تھی ان کے مواعظ کا مقصد و محل نہ سمجھ سکی اور مجازات کو حقیقت سمجھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہوگئی۔

انہوں نے جہاں کہیں یہ کہا ہے کہ "دشمنوں کو پیار کرو" ۔ تو یقیناً اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہر انسان کو چاہیے اپنے دشمنوں کا عاشق زار ہو جائے بلکہ سیدھا سادھا مطلب یہ تھا کہ تم میں غیظ و غضب اور نفرت و انتقام کی جگہ رحم و محبت کا پر جوش جذبہ ہونا چاہیے اور ایسا ہونا چاہیے کہ دوست تو دوست، دشمن تک کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آؤ۔ اس مطلب کے لیے کہ رحم کرو، بخش دو، انتقام کے پیچھے نہ پڑو، یہ ایک نہایت ہی بلیغ اور مؤثر پیرایۂ بیان ہے کہ "دشمنوں تک کو پیار کرو" ۔ ایک ایسے گردوپیش میں جہاں اپنوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی رحم و محبت کا برتاؤ نہ کیا جاتا ہو یہ کہنا کہ اپنے دشمنوں سے بھی نفرت نہ کرو رحم و محبت کی ضرورت کا ایک اعلیٰ اور کامل ترین تخیل پیدا کر دینا تھا۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

یا مثلاً اگر انہوں نے کہا "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو" تو یقیناً اس کا مطلب یہ نہ تھا

کہ سچ مچ کو تم اپنا گال آگے کر دیا کرو بلکہ صریح مطلب یہ تھا کہ انتقام کی جگہ عفو و درگزر کی راہ اختیار کرو- بلاغت کلام کے یہ وہ مجازات ہیں جو ہر زبان میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں اور یہ ہمیشہ بڑی ہی جہالت کی بات سمجھی جاتی ہے کہ ان کے مقصود و مفہوم کی جگہ ان کے منطوق پر زور دیا جائے- اگر ہم اس طرح کے مجازات کو ان کے ظواہر پر محمول کرنے لگیں گے تو نہ صرف تمام الہامی تعلیمات ہی درہم برہم ہو جائیں گی' بلکہ انسان کا وہ تمام کلام جو ادب و بلاغت کے ساتھ دنیا کی تمام زبانوں میں کہا گیا ہے یک قلم مختل ہو جائے گا!

اعمال انسانی میں اصل رحم و محبت ہے نہ کہ تعزیر و انتقام:

باقی رہی یہ بات کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سزا کی جگہ محض رحم و درگزر ہی پر زور دیا تو ان کے مواعظ کی اصلی نوعیت سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے- بلاشبہ شرائع نے تعزیر و عقوبت کا حکم دیا تھا لیکن اس لیے نہیں کہ تعزیر و عقوبت فی نفسہٖ کوئی مستحسن عمل ہے بلکہ اس لیے کہ معیشت انسانی کی بعض ناگزیر حالتوں کے لیے یہ ایک ناگزیر علاج ہے- دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک کم درجہ کی برائی تھی جو اس لیے گوارا کر لی گئی کہ بڑے درجے کی برائیاں روکی جا سکیں- لیکن دنیا نے اسے علاج کی جگہ ایک دل پسند مشغلہ بنا لیا اور رفتہ رفتہ انسان کی تعذیب و ہلاکت کا ایک خوفناک آلہ بن گئی- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی قتل و غارت گری کی کوئی ہولناکی ایسی نہیں ہے جو شریعت اور قانون کے نام سے نہ کی گئی ہو اور جو فی الحقیقت اسی بدلہ لینے اور سزا دینے کے حکم کا ظالمانہ استعمال نہ ہو- اگر تاریخ سے پوچھا جائے کہ انسانی ہلاکت کی سب سے بڑی قوتیں میدانہائے جنگ سے باہر کون کون سی رہی ہیں؟ تو یقیناً اس کی انگلیاں ان عدالت گاہوں کی طرف اٹھ جائیں گی جو مذہب اور قانون کے ناموں سے قائم کی گئیں اور جنہوں نے ہمیشہ اپنے ہم جنسوں کی تعذیب و ہلاکت کا عمل اس کی ساری وحشت انگیزیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ جاری رکھا[1] پس اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے تعزیر و عقوبت کی جگہ سرتاسر رحم و درگزر پر زور دیا تو یہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ نفس تعزیر و سزا کے خلاف کوئی نئی تشریع کرنی چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس ہولناک غلطی سے انسان کو نجات دلائیں جس میں تعزیر و عقوبت کے غلو نے مبتلا کر رکھا ہے- وہ دنیا کو بتلانا چاہتے تھے کہ اعمال انسانی میں اصل رحم و محبت ہے' تعزیر و انتقام نہیں ہے- اور اگر تعزیر و سیاست جائز رکھی گئی ہے تو صرف اس لیے کہ بطور ایک ناگزیر علاج کے عمل میں لائی جائے- اس لیے نہیں کہ تمہارے دل رحم و محبت کی جگہ سرتاسر نفرت و انتقام کا آشیانہ بن جائیں!

شریعت موسوی کے پیروؤں نے شریعت کو صرف سزا دینے کا آلہ بنا لیا تھا- حضرت مسیح علیہ السلام نے بتلایا کہ شریعت سزا دینے کے لیے نہیں بلکہ نجات کی راہ دکھانے آتی ہے اور نجات کی راہ سرتاسر رحمت و محبت کی راہ ہے!

---

[1] شاید انسانی گمراہی کی بوالعجبیوں کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی- جس انجیل کی تعلیم کا یہ مطلب سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ کسی حال میں بدلہ لینے اور سزا دینے کی اجازت نہیں دیتی اسی انجیل کے پیروؤں نے نوع انسانی کی تعذیب و ہلاکت کا عمل ایسی وحشت و بے رحمی کے ساتھ صدیوں تک جاری رکھا کہ آج ہم اس کا تصور بھی بغیر وحشت و ہراس کے نہیں کر سکتے- اور پھر یہ جو کچھ کیا گیا انجیل اور اس کے مقدس معلم کے نام پر کیا گیا!

''عمل'' اور ''عامل'' میں امتیاز:

دراصل اس بارے میں انسان کی بنیادی غلطی یہ رہی ہے کہ وہ ''عمل'' میں اور ''عامل'' میں امتیاز قائم نہیں رکھتا- حالانکہ جہاں تک مذہب کی تعلیم کا تعلق ہے اس بات میں کہ ایک عمل کیسا ہے' اور اس بات میں کہ کرنے والا کیسا ہے بہت بڑا فرق ہے اور دونوں کا حکم ایک نہیں-

بلاشبہ تمام مذاہب کا یہ عالمگیر مقصد رہا ہے کہ بدعملی اور گناہ کی طرف سے انسان کے دل میں نفرت پیدا کردیں لیکن یہ انہوں نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ خود انسان کی طرف سے انسان کے اندر نفرت پیدا ہو جائے- یقیناً انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گناہ سے نفرت کرو لیکن یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ گنہگار سے نفرت کرو- اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طبیب ہمیشہ لوگوں کو بیماریوں سے ڈراتا رہتا ہے اور بسا اوقات ان کے مہلک نتائج کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ دیکھنے والے سہم کر رہ جاتے ہیں لیکن یہ تو وہ کبھی نہیں کرتا کہ جو لوگ بیمار ہو جائیں ان سے ڈرنے اور نفرت کرنے لگے یا لوگوں سے کہے ڈرو اور نفرت کرو؟ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی تو ساری توجہ اور شفقت کا مرکز بیمار ہی کا وجود ہوتا ہے- جو انسان جتنا زیادہ بیمار ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کی توجہ اور شفقت کا مستحق ہو جائے گا-

مرض اور مریض:

پس جس طرح جسم کا طبیب بیماریوں کے لیے نفرت لیکن بیمار کے لیے شفقت و ہمدردی کی تلقین کرتا ہے ٹھیک اسی طرح روح و دل کے طبیب بھی گناہوں کے لیے نفرت لیکن گنہگاروں کے لیے سرتاپا رحمت و شفقت کا پیام ہوتے ہیں- یقیناً وہ چاہتے ہیں کہ گناہوں سے (جو روح و دل کی بیماریاں ہیں) ہم میں دہشت و نفرت پیدا کردیں لیکن گنہگار انسانوں سے نہیں' اور یہی وہ نازک مقام ہے جہاں ہمیشہ پیروان مذاہب نے ٹھوکر کھائی ہے- مذاہب نے چاہا تھا انہیں برائی سے نفرت کرنا سکھلائیں- لیکن برائی سے نفرت کرنے کی جگہ انہوں نے ان انسانوں سے نفرت کرنا سیکھ لیا جنہیں وہ اپنے خیال میں برائی کا مجرم تصور کرتے ہیں!

گناہوں سے نفرت کرو مگر گناہگاروں پر رحم کرو:

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سرتاسر اسی حقیقت کی دعوت تھی- گناہوں سے نفرت کرو مگر ان انسانوں سے نفرت نہ کرو جو گناہوں میں مبتلا ہو گئے ہیں- اگر ایک انسان گنہگار ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی روح و دل کی تندرستی باقی نہ رہی- لیکن اگر اس نے بدبختانہ اپنی تندرستی ضائع کر دی ہے تو تم اس سے نفرت کیوں کرو؟ وہ تو اپنی تندرستی کھو کر اور زیادہ تمہارے رحم و شفقت کا مستحق ہو گیا ہے- تم اپنے بیمار بھائی کی تیمارداری کرو گے یا اسے جلاد کے تازیانے کے حوالے کر دو گے؟ وہ موقع یاد کرو جس کی تفصیل ہمیں سینٹ لوقا کی زبانی معلوم ہوئی ہے- جب ایک گناہگار عورت حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور اس نے اپنے بالوں کی لٹوں سے ان کے پاؤں پونچھے تو اس پر ریاکار فریسیوں کو (اور اب فریسیت کے معنی ہی ریاکاری کے ہو گئے ہیں (Pharisaism) سخت تعجب ہوا لیکن انہوں نے کہا طبیب بیماروں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ تندرستوں کے لیے- پھر خدا اور اس کے گناہگار بندوں کا رشتۂ رحمت واضح کرنے کے لیے ایک نہایت ہی مؤثر اور دلنشین مثال بیان کی- فرض

کرو' ایک ساہوکار کے دو قرضدار تھے- ایک پچاس روپیہ کا' ایک ہزار روپیہ کا- ساہوکار نے دونوں کا قرض معاف کر دیا- بتلاؤ' کس قرضدار پر اس کا احسان زیادہ ہوا' اور کون اس سے زیادہ محبت کرے گا؟ وہ جسے پچاس معاف کر دیئے یا وہ جسے ہزار؟

نصیب ماست بہشت اے خداشناس برو — کہ مستحق کرامت گناہگار انند

یہی حقیقت ہے جس کی طرف بعض ائمہ تابعین نے اشارہ کیا ہے: ((انکسار العاصیین احب الی الله من صولة المطیعین)) خدا کو فرمانبردار بندوں کی تمکنت سے کہیں زیادہ گناہگار بندوں کا عجز و انکسار محبوب ہے!

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست — کہ سلطان جہاں با ماست امروز

قرآن اور گناہگار بندوں کے لیے صدائے تشریف و رحمت

اور پھر یہی حقیقت ہے کہ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں جہاں کہیں خدا نے گناہگار انسانوں کو مخاطب کیا ہے یا ان کا ذکر کیا ہے تو عموماً یائے نسبت کے ساتھ کیا ہے جو تشریف و محبت پر دلالت کرتی ہے- ﴿ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم ﴾ (۳۹ : ۵۳) ﴿ ء انتم اضللتم عبادی ﴾ (۲۵ : ۱۷) اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک باپ جوش محبت میں اپنے بیٹے کو پکارتا ہے تو خصوصیت کے ساتھ اپنے رشتہ پدری پر زور دیتا ہے- ''اے میرے بیٹے!'' ''اے میرے فرزند!'' حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے سورۂ زمر کی آیۂ رحمت کی تفسیر کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے'' جب ہم اپنی اولاد کو اپنی طرف نسبت دے کر مخاطب کرتے ہیں تو وہ بے خوف و خطر ہماری طرف دوڑنے لگتے ہیں کیونکہ سمجھ جاتے ہیں ہم ان پر غضبناک نہیں- قرآن میں خدا نے بیس سے زیادہ موقعوں پر ہمیں عبادی کہہ کر اپنی طرف نسبت دی ہے اور سخت سے سخت گناہگار انسانوں کو بھی یعبادی کہہ کر پکارا ہے- کیا اس سے بھی بڑھ کر اس کی رحمت و آمرزش کا کوئی پیام ہو سکتا ہے؟''

صحیح مسلم کی مشہور حدیث کا مطلب کس طرح واضح ہو جاتا ہے- جب ہم اس روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں:

((والذی نفسی بیده لولم تذنبوا[1] لذهب الله بکم ولجآء بقوم یذنبون فیستغفرون)) (رواه مسلم عن ابی هریرة رضی الله عنه)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم ایسے ہو جاؤ کہ گناہ تم سے سرزد ہی نہ ہو تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ ایک دوسرا گروہ پیدا کر دے جس کا شیوہ یہ ہو کہ گناہوں میں مبتلا ہو اور پھر خدا سے بخشش و مغفرت کی طلبگاری کرے-''

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباس بہار — بعذر خواہی رندان بادہ نوش آمد!

---

[1] وایضاً عن انس قال قال ﷺ والذی نفسی بیده' لواخطأتم حتی تملاء خطایاکم ما بین السماء والارض' ثم استغفرتم الله' یغفرلکم- والذی نفسی بیده لولم تخطئون لجاء الله بقوم یخطئون ثم یستغفرون فیغفرلهم- اخرجه احمد وابو یعلی باسناد رجاله ثقات- وعن ابن عمر مرفوعاً لولم تذنبوا' لخلق الله خلقا یذنبون ثم یغفرلهم- اخرجه احمد والبزار ورجالهم ثقات- واخرج البزار من حدیث ابی سعید نحو حدیث ابی هریرة فی الصحیح وفی اسناده یحیی بن بکیر وهو ضعیف-

اصلاً انجیل اور قرآن کی تعلیم میں کوئی اختلاف نہیں:

پس فی الحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم میں اور قرآن کی تعلیم میں اصلاً کوئی فرق نہیں ہے- دونوں کا معیار احکام ایک ہی ہے- فرق صرف محل بیان اور پیرایۂ بیان کا ہے- حضرت مسیح علیہ السلام نے صرف اخلاق اور تزکیۂ قلب پر زور دیا کیونکہ شریعت موسوی موجود تھی اور وہ اس کا ایک نقطہ بھی بدلنا نہیں چاہتے تھے- لیکن قرآن کو اخلاق اور قانون' دونوں کے احکام بیک وقت بیان کرنے تھے اس لیے قدرتی طور پر اس نے پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا جو مجازات و متشابہات کی جگہ احکام و قوانین کا صاف صاف، چچا تلا پیرایۂ بیان تھا- اس نے سب سے پہلے عفوودرگزر پر زور دیا اور اسے نیکی وفضیلت کی اصل قرار دیا- ساتھ ہی بدلہ لینے اور سزا دینے کا دروازہ بھی کھلا رکھا کہ ناگزیر حالتوں میں اس کے بغیر چارہ نہیں- لیکن نہایت قطعی اور واضح لفظوں میں بار بار کہہ دیا کہ بدلے اور سزا میں کسی طرح کی ناانصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہیے- یقیناً دنیا کے تمام نبیوں اور شریعتوں کے احکام کا ماحصل یہی تین اصول رہے ہیں:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ ﴾ (۴۲: ۴۳)

''اور (دیکھو) برائی کے بدلے ویسی ہی اور اتنی ہی برائی ہے- لیکن جو کوئی بخش دے اور بگاڑنے کی جگہ سنوار لے تو (یقین کر و اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے-) اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو زیادتی کرنے والے ہیں- اور جس کسی پر ظلم کیا گیا ہو اور وہ ظلم کے بعد اس کا بدلہ لے تو اس پر کوئی الزام نہیں- الزام ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق ملک میں فساد کا باعث ہوتے ہیں- سو یہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب الیم ہے! اور جو کوئی بدلہ لینے کی جگہ برائی برداشت کر جائے اور بخش دے تو یقیناً یہ بڑی ہی اولوالعزمی کی بات ہے-''

اسلوب بیان پر غور کرو اگرچہ ابتدا میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور بظاہر عفوودرگزر کے لیے اتنا کہہ دینا کافی تھا لیکن آخر میں پھر دوبارہ اس پر زور دیا: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ یہ تکرار اس لیے ہے کہ عفوودرگزر کی اہمیت واضح ہو جائے- یعنی یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے کہ اگرچہ بدلہ اور سزا کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے لیکن نیکی وفضیلت کی راہ عفوودرگزر ہی کی راہ ہے!

پھر اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ قرآن نے اس سزا کو جو برائی کے بدلے میں دی جائے برائی ہی کے لفظ سے تعبیر کیا- ''جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' یعنی ''سیئۃ'' کے بدلے میں جو کچھ کیا جائے گا وہ بھی ''سیئۃ'' ہی ہوگا- عمل حسن نہیں ہو گا- لیکن اس کا دروازہ اس لیے باز رکھا گیا کہ اگر باز نہ رکھا جائے تو اس سے بھی زیادہ برائیاں ظہور میں آنے لگیں گی- پھر اس آدمی کی نسبت جو معاف کر دے ''اصلح'' کا لفظ کہا یعنی سنوارنے والا' اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بگاڑ کے اصلی سنوارنے والے وہی ہوئے جو بدلے کی جگہ عفوودرگزر کی راہ اختیار کرتے ہیں-

قرآن کے زواجر و قوارع

ممکن ہے بعض طبیعتیں یہاں ایک خدشہ محسوس کریں- اگر فی الحقیقت قرآن کی تمام تعلیم کا اصل اصول رحمت ہی ہے' تو پھر اس نے اپنے مخالفوں کی نسبت زجر و توبیخ کا سخت پیرایہ کیوں اختیار کیا؟

اس کا مفصل جواب تو اپنے محل میں آئے گا لیکن تکمیل بحث کے لیے ضروری ہے کہ یہاں مختصراً اشارہ کر دیا جائے- بلاشبہ قرآن میں ایسے مقامات موجود ہیں جہاں اس نے مخالفوں کے لیے شدت و غلظت کا اظہار کیا ہے- لیکن سوال یہ ہے کہ کن مخالفوں کے لیے؟ ان کے لیے جن کی مخالفت محض اختلاف فکر و اعتقاد کی مخالفت تھی؟ یعنی ایسی مخالفت جو معاندانہ اور جارحانہ نوعیت نہیں رکھتی تھی؟ ہمیں اس سے قطعاً انکار ہے- ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تمام قرآن میں شدت و غلظت کا ایک لفظ بھی نہیں مل سکتا جو اس طرح کے مخالفوں کے لیے استعمال کیا گیا ہو- اس نے جہاں کہیں بھی مخالفوں کا ذکر کرتے ہوئے سختی کا اظہار کیا ہے اس کا تمام تر تعلق ان مخالفوں سے ہے جن کی مخالفت بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی جارحانہ معاندت تھی اور ظاہر ہے کہ اصلاح و ہدایت کی کوئی تعلیم بھی اس صورت حال سے گریز نہیں کر سکتی- اگر ایسے مخالفوں کے ساتھ بھی نرمی و شفقت ملحوظ رکھی جائے تو بلاشبہ یہ رحمت کا سلوک تو ہوگا مگر انسانیت کے لیے نہیں ہوگا- ظلم و شرارت کے لیے ہوگا اور یقیناً سچی رحمت کا معیار یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ظلم و فساد کی پرورش کرے- ابھی چند صفحوں کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے صفات الٰہی میں رحمت کے ساتھ عدالت کو بھی اس کی جگہ دی ہے اور سورۂ فاتحہ میں ربوبیت اور رحمت کے بعد عدالت ہی کی صفت جلوہ گر ہوئی ہے- یہ اسی لیے ہے کہ وہ رحمت سے عدالت کو الگ نہیں کرتا بلکہ اسے عین رحمت کا مقتضا قرار دیتا ہے- وہ کہتا ہے: تم انسانیت کے ساتھ رحم و محبت کا برتاؤ کر ہی نہیں سکتے اگر ظلم و شرارت کے لیے تم میں سختی نہیں ہے- انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اپنے زمانے کے مفسدوں کو ''سانپ کے بچے'' اور ''ڈاکوؤں کا مجمع'' کہنے پر مجبور ہوئے-

کفر محض اور کفر جارحانہ:

قرآن نے ''کفر'' کا لفظ انکار کے معنی میں استعمال کیا ہے- انکار دو طرح کا ہوتا ہے- ایک یہ کہ انکار محض ہو' ایک یہ کہ جارحانہ ہو-

انکار محض سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص تمہاری تعلیم قبول نہیں کرتا- اس لیے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی یا اس لیے کہ

اس میں طلب صادق نہیں ہے یا اس لیے کہ جو راہ چل رہا ہے اسی پر قانع ہے- بہر حال کوئی وجہ ہو لیکن وہ تم سے متفق نہیں ہے-

جارحانہ انکار سے مقصود وہ حالت ہے جو صرف اتنے ہی پر قناعت نہیں کرتی بلکہ اس میں تمہارے خلاف ایک طرح کی کد اور ضد پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ ضد بڑھتے بڑھتے بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی سخت سے سخت صورتیں اختیار کر لیتی ہے- اس طرح کا مخالف صرف یہی نہیں کرتا کہ تم سے اختلاف رکھتا ہے بلکہ اس کے اندر تمہارے خلاف بغض و عناد کا ایک غیر محدود جوش پیدا ہو جاتا ہے- وہ اپنی زندگی اور زندگی کی ساری قوتوں کے ساتھ تمہاری بربادی و ہلاکت کے درپے ہو جائے گا- تم کتنی ہی اچھی بات کہو وہ تمہیں جھٹلائے گا- تم کتنا ہی اچھا سلوک کرو وہ تمہیں اذیت پہنچائے گا- تم کہو روشنی تاریکی سے بہتر ہے تو وہ کہے تاریکی سے بہتر کوئی چیز نہیں- تم کہو کڑواہٹ سے مٹھاس اچھی ہے تو وہ کہے نہیں کڑواہٹ ہی میں دنیا کی سب سے بڑی لذت ہے-

یہی حالت ہے جسے قرآن انسانی فکر و بصیرت کے تعطل سے تعبیر کرتا ہے اور اسی نوعیت کے مخالف ہیں جن کے لیے اس کے تمام زواجر و قوارع ظہور میں آئے ہیں:

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ (۷: ۱۷۹)

''ان کے پاس دل ہیں مگر سوچتے نہیں' ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں- ان کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں- وہ ایسے ہو گئے ہیں جیسے چارپائے- نہیں بلکہ چارپایوں سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے- بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں ڈوب گئے!''

ہمارے مفسر اسی دوسری حالت کو ''کفر و جحود'' سے تعبیر کرتے ہیں-

دنیا میں جب کبھی سچائی کی کوئی دعوت ظاہر ہوئی ہے' تو کچھ لوگوں نے اسے قبول کر لیا ہے کچھ نے انکار کیا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اس کے خلاف طغیان و جحود اور ظلم و شرارت کی جتھابندی کر لی ہے- قرآن کا جب ظہور ہوا تو اس نے بھی یہ تینوں جماعتیں اپنے سامنے پائیں- اس نے پہلی جماعت کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا دوسری کو دعوت و تذکیر کا مخاطب بنایا مگر تیسری کے ظلم و طغیان پر حسب حالت و ضرورت زجر و توبیخ کی- اگر ایسے گروہ کے لیے بھی اس کے لب و لہجہ کی سختی ''رحمت'' کے خلاف ہے تو بلاشبہ اس معنی میں قرآن رحمت کا معترف نہیں اور یقیناً اس ترازو سے اس کی رحمت نہیں تولی جا سکتی-

تم بار بار سن چکے ہو کہ وہ دین حق کے معنوی قوانین کو کائنات فطرت کے عام قوانین سے الگ نہیں قرار دیتا بلکہ انہی کا ایک گوشہ قرار دیتا ہے- فطرت کائنات کا اپنے فعل و ظہور کے ہر گوشے میں کیا حال ہے؟ یہ حال ہے کہ وہ اگرچہ سرتاسر رحمت ہے لیکن رحمت کے ساتھ عدالت اور بخشش کے ساتھ جزا کا قانون بھی رکھتی ہے- پس قرآن کہتا ہے' میں فطرت سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتا- تمہاری جس مزعومہ رحمت سے فطرت کا خزانہ خالی ہے یقیناً میرے آستین و دامن میں نہیں مل سکتی:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (۳۰: ۲۹)

''اللہ کی فطرت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے - اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی - یہی (اللہ کی ٹھہرائی ہوئی فطرت) سچا اور ٹھیک ٹھیک دین ہے لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہیں -''

قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالو جہاں اس نے سختی کے ساتھ منکروں کا ذکر کیا ہے یہ حقیقت بیک نظر واضح ہو جائے گی -

﴿۵﴾

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

ربوبیت اور رحمت کے بعد جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے' وہ عدالت ہے' اور اس کے لیے ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

الدین:

سامی زبانوں کا ایک قدیم مادہ ''دان'' اور ''دین'' ہے' جو بدلہ اور مکافات کے معنوں میں بولا جاتا تھا اور پھر آئین وقانون کے معنوں میں بھی بولا جانے لگا۔ چنانچہ عبرانی اور آرامی میں اس کے متعدد مشتقات ملتے ہیں۔ آرامی زبان ہی سے غالبًا یہ لفظ قدیم ایران میں بھی پہنچا اور پہلوی میں ''دینیہ'' نے شریعت وقانون کا مفہوم پیدا کرلیا۔ خورداوستا میں ایک سے زیادہ موقع پر یہ لفظ مستعمل ہوا ہے اور زردشتیوں کی قدیم ادبیات میں انشاء وکتابت کے آئین وقواعد کو بھی ''دین دبیرہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ علاوہ بریں زردشتیوں کی ایک مذہبی کتاب کا نام ''دین کارت'' ہے جو غالبًا نویں صدی مسیحی میں عراق کے ایک موجد نے مرتب کی تھی۔

بہرحال عربی میں ''الدین'' کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں۔ خواہ اچھائی کا ہو خواہ برائی کا:

ستعلم ليلى ایّ دين تداينت وَایُّ غريم فی التقاضی غريمها

پس ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کے معنی ہوئے وہ جو جزا کے دن کا حکمراں ہے یعنی روز قیامت کا۔

اس سلسلے میں کئی باتیں قابل غور ہیں:

''دین'' کے لفظ نے جزا کی حقیقت واضح کردی:

اولاً قرآن نے نہ صرف اس موقع پر بلکہ عام طور پر جزا کے لیے ''الدین'' کا لفظ اختیار کیا ہے اور اسی لیے وہ قیامت کو بھی عموماً ''یوم الدین'' سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جزا کے بارے میں جو اعتقاد پیدا کرنا چاہتا تھا اس کے لیے یہی تعبیر سب سے زیادہ موزوں اور واقعی تعبیر تھی وہ جزا کو اعمال کا قدرتی نتیجہ اور مکافات قرار دیتا ہے۔

نزول قرآن کے وقت پیروان مذاہب کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ جزا محض خدا کی خوشنودی اور اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہے- اعمال کے نتائج کو اس میں دخل نہیں- الوہیت اور شاہیت کا تشابہ تمام مذہبی تصورات کی طرح اس معاملے میں بھی گمراہی فکر کا موجب ہوا تھا- لوگ دیکھتے تھے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کبھی خوش ہو کر انعام و اکرام دینے لگتا ہے' کبھی بگڑ کر سزائیں دینے لگتا ہے اس لیے خیال کرتے تھے کہ خدا کا بھی ایسا ہی حال ہے وہ کبھی ہم سے خوش ہو جاتا ہے کبھی غیظ و غضب میں آ جاتا ہے- طرح طرح کی قربانیوں اور چڑھاووں کی رسم اسی اعتقاد سے پڑی تھی- لوگ دیوتاؤں کا جوش غضب ٹھنڈا کرنے کے لیے قربانیاں کرتے اور ان کی نظر التفات حاصل کرنے کے لیے نذریں چڑھاتے-

یہودیوں اور عیسائیوں کا عام تصور دیو بانی تصورات سے بلند ہو گیا تھا لیکن جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے ان کے تصور نے بھی کوئی وقیع ترقی نہیں کی تھی- یہودی بہت سے دیوتاؤں کی جگہ خاندان اسرائیل کا ایک خدا مانتے تھے لیکن پرانے دیوتاؤں کی طرح یہ خدا بھی شاہی اور مطلق العنانی کا خدا تھا- وہ کبھی خوش ہو کر انہیں اپنی چہیتی قوم بنا لیتا- کبھی جوش انتقام میں آ کر بربادی و ہلاکت کے حوالے کر دیتا- عیسائیوں کا اعتقاد تھا کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے اس کی پوری نسل مغضوب ہو گئی اور جب تک خدا نے اپنی صفت ابنیت کو بشکل مسیح علیہ السلام قربان نہیں کر دیا اس کے نسلی گناہ اور مغضوبیت کا کفارہ نہ ہو سکا-

مجازات عمل کا معاملہ بھی دنیا کے عالمگیر قانون فطرت کا ایک گوشہ ہے:

لیکن قرآن نے جزا و سزا کا اعتقاد ایک دوسری ہی شکل و نوعیت کا پیش کیا ہے- وہ اسے خدا کا کوئی ایسا فعل نہیں قرار دیتا جو کائنات ہستی کے عام قوانین و نظام سے الگ ہو بلکہ اسی کا ایک قدرتی گوشہ قرار دیتا ہے- وہ کہتا ہے' کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے- ممکن نہیں یہاں کوئی شئے اپنا وجود رکھتی ہو اور اثرات و نتائج کے سلسلہ سے باہر ہو- پس جس طرح خدا نے اجسام و مواد میں خواص و نتائج رکھے ہیں اسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج ہیں اور جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں اسی طرح روح انسانی کے لیے بھی قدرتی انفعالات ہیں- جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں- معنوی موثرات سے روح متاثر ہوتی ہے- اعمال کے یہی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنہیں جزا و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے- اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہ ثواب ہے- برے عمل کا نتیجہ برائی ہے اور یہ عذاب ہے- ثواب اور عذاب کے ان اثرات کی نوعیت کیا ہو گی؟ وحی الٰہی نے ہماری فہم و استعداد کے مطابق اس کا نقشہ کھینچا ہے- اس نقشہ میں ایک مرقع بہشت کا ہے ایک دوزخ کا- بہشت کے نعائم ان کے لیے ہیں جن کے اعمال بہشتی ہوں گے- دوزخ کی عقوبتیں ان کے لیے ہیں جن کے اعمال دوزخی ہوں گے-

﴿ لَا يَسْتَوِىٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ (۵۹: ۲۰)

''اصحاب جنت اور اصحاب دوزخ (اپنے اعمال و نتائج میں) یکساں نہیں ہو سکتے- کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحاب جنت ہیں!''

جس طرح مادیات میں خواص ونتائج ہیں' اسی طرح معنویات میں بھی ہیں:

وہ کہتا ہے تم دیکھتے ہو کہ فطرت ہر گوشہ وجود میں اپنا قانون مکافات رکھتی ہے- ممکن نہیں کہ اس میں تغیر یا تساہل ہو- فطرت نے آگ میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ جلائے- اب سوزش وتپش فطرت کی وہ مکافات ہوگئی جو ہر اس انسان کے لیے ہے جو آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈال دے- ممکن نہیں کہ تم آگ میں کودو اور اس فعل کے مکافات سے بچ جاؤ- پانی کا خاصہ ٹھنڈک اور رطوبت ہے- ٹھنڈک اور رطوبت وہ مکافات ہے جو فطرت نے پانی میں ودیعت کر دی ہے- اب ممکن نہیں کہ تم دریا میں اترو اور اس مکافات سے بچ جاؤ- پھر جو فطرت کائنات ہستی کی ہر چیز اور ہر حالت میں مکافات رکھتی ہے کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال کے لیے مکافات نہ رکھے؟ یہی مکافات جزا وسزا ہے-

آگ جلاتی ہے پانی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے' سنکھیا کھانے سے موت' دودھ سے طاقت آتی ہے- کونین سے بخار رک جاتا ہے- جب اشیا کی ان تمام مکافات پر تمہیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمہاری زندگی کی یقینیات ہیں تو پھر اعمال کے مکافات پر کیوں تعجب ہوتا ہے؟ افسوس تم پر' تم اپنے فیصلوں میں کتنے ناہموار ہو!

تم گیہوں بوتے ہو اور تمہارے دل میں کبھی یہ خدشہ نہیں گزرتا کہ گیہوں پیدا نہیں ہوگا- اگر کوئی تم سے کہے کہ ممکن ہے گیہوں کی جگہ جوار پیدا ہو جائے' تو تم اسے پاگل سمجھو گے- کیوں؟ اس لیے کہ فطرت کے قانون مکافات کا یقین تمہاری طبیعت میں راسخ ہوگیا ہے- تمہارے وہم وگمان میں بھی یہ خطرہ نہیں گزر سکتا کہ فطرت گیہوں لے کر اس کے بدلے میں جوار دے دے گی- اتنا ہی نہیں بلکہ تم یہ بھی نہیں مان سکتے کہ اچھے قسم کا گیہوں لے کر برے قسم کا گیہوں دے گی تم جانتے ہو کہ وہ بدلہ دینے میں قطعی اور شک وشبہ سے بالاتر ہے- پھر بتلاؤ کہ جو فطرت گیہوں کے بدلے گیہوں اور جوار کے بدلے جوار دے رہی ہے کیونکر ممکن ہے کہ اچھے عمل کے بدلے اچھا اور برے عمل کے بدلے برا نتیجہ نہ رکھتی ہو؟

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (۴۵: ۲۱-۲۲)

"جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ دونوں برابر ہو جائیں- زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟ (اگر ان لوگوں کی فہم ودانش کا یہی فیصلہ ہے تو) افسوس ان کے فیصلے پر! اور اللہ نے آسمان وزمین کو بیکار وعبث نہیں بنایا ہے بلکہ حکمت ومصلحت کے ساتھ بنایا ہے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ ملے اور یہ بدلہ ٹھیک ٹھیک ملے گا- کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا-"

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جزا وسزا کے لیے ﴿ الدِّيْنَ ﴾ کا لفظ اختیار کیا کیونکہ مکافات عمل کا مفہوم ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا-

اصطلاح قرآنی میں ''کسب'':

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس نے اچھے برے کام کرنے کو جا بجا کسب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے''کسب'' کے معنی عربی میں ٹھیک وہی ہیں جو اردو میں کمائی کے ہیں- یعنی ایسا کام جس کے نتیجے سے تم کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہو اگرچہ فائدہ کی جگہ نقصان بھی ہو جائے- مطلب یہ ہوا کہ انسان کے لیے جزا اور سزا خود انسان ہی کی کمائی ہے- جیسی کسی کی کمائی ہوگی ویسا ہی نتیجہ پیش آئے گا- اگر ایک انسان نے اچھے کام کر کے اچھی کمائی کر لی ہے تو اس کے لیے اچھائی ہے- اگر کسی نے برائی کر کے برائی کمالی ہے تو اس کے لیے برائی ہے-

﴿ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۝ ﴾ (۵۲: ۲۱)

''ہر انسان اس نتیجے کے ساتھ جو اس کی کمائی ہے' بندھا ہوا ہے!''

سورۂ بقرہ میں جزا و سزا کا قاعدۂ کلیہ بتلا دیا:

﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ (۲: ۲۸۶)

''ہر انسان کے لیے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہوگی- جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی سے ہے اور جس کے لیے اسے جواب دہ ہونا ہے وہ بھی اس کی کمائی ہے-

اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی نسبت بھی ایک عام قاعدہ بتلا دیا:

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (۲: ۱۳۴)

''یہ ایک امت تھی جو گزر چکی- اس کے لیے وہ نتیجہ تھا جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ نتیجہ ہے جو تم کماؤ گے- اور تم سے ان کے عملوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا-''

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا:

علاوہ بریں صاف صاف لفظوں میں جا بجا یہ حقیقت واضح کر دی کہ اگر دین الٰہی نیک عملی کی ترغیب دیتا ہے اور بد عملی سے روکتا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ انسان نقصان و ہلاکت سے بچے اور نجات و سعادت حاصل کرے- یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب و قہر اسے عذاب دینا چاہتا ہو اور اس سے بچنے کے لیے مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کی ضرورت ہو:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝ ﴾ (۴۱: ۴۶)

''جس کسی نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور جس کسی نے برائی کی تو خود اسی کے آگے آئے گی اور ایسا نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو!''

ایک مشہور حدیث قدسی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

((یا عبادی لو ان اوّلکم و اٰخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد

منکم' ما زاد فی ملکی شیئا- یا عبادی' لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذلک من ملکی شیئا- یا عبادی' لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی فاعطیت کل انسان مسئلته' ما نقص ذلک مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر- یا عبادی انما هی اعمالکم احصیها لکم ثم اوفیکم ایاها فمن وجد خیرا فلیحمد الله' و من وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسه)) (رواہ مسلم عن ابی ذرؓ)

''اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب انسان جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام انس اور تمام جن اس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو یاد رکھو اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوتا - اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام انس اور تمام جن اس شخص کی طرح بدکار ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ بدکار رہے تو اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی نقصان نہ ہوتا - اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے - ایک مقام پر جمع ہو کر مجھ سے سوال کرتے اور میں ہر انسان کو اس کی منہ مانگی مراد بخش دیتا تو میری رحمت و بخشش کے خزانہ میں اس سے زیادہ کمی نہ ہوتی جتنی کمی سوئی کے ناکے جتنا پانی نکل جانے سے سمندر میں ہو سکتی ہے - اے میرے بندو! یاد رکھو یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لیے انضباط اور نگرانی میں رکھتا ہوں اور پھر انہی کے نتائج بغیر کسی کمی بیشی کے تمہیں واپس دے دیتا ہوں - پس جو کوئی تم میں اچھائی پائے چاہیے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے اور جس کسی کو برائی پیش آئے تو چاہیے کہ خود اپنے وجود کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے!''

یہاں یہ خدشہ کسی کے دل میں واقع نہ ہو کہ خود قرآن نے بھی تو جا بجا خدا کی خوشنودی اور رضا مندی کا ذکر کیا ہے؟ بلاشبہ کیا ہے - اتنا ہی نہیں بلکہ وہ انسان کی نیک عملی کا اعلیٰ درجہ یہی قرار دیتا ہے کہ جو کچھ کرے صرف اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے کرے - لیکن خدا کے جس رضا و غضب کا وہ اثبات کرتا ہے وہ جزا و سزا کی علت نہیں بلکہ جزا و سزا کا قدرتی نتیجہ ہے - یعنی یہ نہیں کہتا کہ جزا و سزا محض خدا کی خوشنودی اور ناراضی کا نتیجہ ہے - نیک و بد اعمال کا نتیجہ نہیں ہے - بلکہ وہ کہتا ہے کہ جزا و سزا تمام تر انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے اور خدا نیک عملی سے خوشنود ہوتا ہے - بدعملی ناپسند کرتا ہے - ظاہر ہے کہ یہ تعلیم قدیم اعتقاد سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ یکسر متضاد ہے -

بہر حال جزا و سزا کی اس حقیقت کے لیے ''الدین'' کا لفظ نہایت موزوں لفظ ہے اور ان تمام گمراہیوں کی راہ بند کر دیتا ہے جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں سورۂ فاتحہ میں مجرد اس لفظ کے استعمال نے جزا و سزا کی اصلی حقیقت آشکارا کر دی -

الدین بمعنی قانون و مذہب:

ثانیاً: یہی وجہ ہے کہ مذہب اور قانون کے لیے بھی ''الدین'' کا لفظ استعمال کیا گیا- کیونکہ مذہب کا بنیادی اعتقاد مکافات عمل کا اعتقاد ہے اور قانون کی بنیاد بھی تعزیر و سیاست پر ہے- سورۂ یوسف میں جہاں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس روک لیا تھا وہاں فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ﴾ (۱۲: ۷۶) یہاں بادشاہ مصر کے دین سے مقصود اس کا قانون ہے-

''ملک یوم الدین'' میں عدالت الٰہی کا اعلان ہے:

ثالثاً: یہاں ربوبیت اور رحمت کے بعد صفات قہر و جلال میں سے کسی صفت کا ذکر نہیں کیا گیا' بلکہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی صفت بیان کی گئی جس سے عدالت الٰہی کا تصور ہمارے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے اس میں قہر و غضب کے لیے کوئی جگہ نہیں- البتہ عدالت ضرور ہے اور صفات قہریہ جس قدر بیان کی گئی ہیں دراصل اسی کے مظاہر ہیں-

فی الحقیقت صفات الٰہی کے تصور کا یہی مقام ہے جہاں فکر انسانی نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی یہ ظاہر ہے کہ فطرت کائنات ربوبیت و رحمت کے ساتھ اپنے مجازات بھی رکھتی ہے اور اگر ایک طرف اس میں پرورش و بخشش ہے تو دوسری طرف مواخذہ و مکافات بھی ہے- فکر انسانی کے لیے فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ فطرت کے مجازات اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہیں یا عدل و قسط کے؟ اس کا فکر نارسا عدل و قسط کی حقیقت معلوم نہ کر سکا- اس نے مجازات کو قہر و غضب پر محمول کر لیا اور یہیں سے خدا کی صفات میں خوف و دہشت کا تصور پیدا ہو گیا- حالانکہ اگر وہ فطرت کائنات کو زیادہ قریب ہو کر دیکھ سکتا تو معلوم کر لیتا کہ جن مظاہر کو قہر و غضب پر محمول کر رہا ہے وہ قہر و غضب کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ عین مقتضائے رحمت ہیں- اگر فطرت کائنات میں مکافات کا مواخذہ نہ ہوتا یا تعمیر کی تحسین و تکمیل کے لیے تخریب نہ ہوتی تو میزان عدل قائم نہ رہتا اور تمام نظام ہستی درہم برہم ہو جاتا-

کارخانہ ہستی کے تین معنوی عناصر: ربوبیت' رحمت' عدالت:

رابعاً: جس طرح کارخانہ خلقت اپنے وجود و بقا کے لیے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے' اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے- یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقت و ہستی کا قوام ظہور میں آتا ہے- ربوبیت پرورش کرتی ہے' رحمت افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے اور عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی اور نقصان و فساد کا ازالہ ہوتا ہے-

تعمیر و تحسین کے تمام حقائق دراصل عدل و توازن کا نتیجہ ہیں:

تم نے ابھی ربوبیت اور رحمت کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے- اگر ایک قدم آگے بڑھو' تو اسی طرح عدالت کا مقام بھی نمودار ہو جائے- تم دیکھو گے کہ اس کارخانہ ہستی میں بناؤ' سلجھاؤ' خوبی اور جمال میں سے جو کچھ بھی ہے' اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عدل و توازن کی حقیقت کا ظہور ہے- ایجاب و تعمیر کو تم اس کی بے شمار شکلوں میں دیکھتے ہو اور اس لیے بے شمار ناموں سے

پکارتے ہو لیکن اگر حقیقت کا سراغ لگاؤ تو دیکھ لو کہ ایجابی حقیقت یہاں صرف ایک ہی ہے اور وہ عدل واعتدال ہے!

عدل کے معنی ہیں برابر ہونا' کم زیادہ نہ ہونا- اسی لیے معاملات اور قضایا میں فیصلہ کر دینے کو عدالت کہتے ہیں کہ حاکم دو فریقوں کی باہم دگر زیادتیاں دور کر دیتا ہے- ترازو کی تول کو بھی معادلت کہتے ہیں- کیونکہ وہ دونوں پلوں کا وزن برابر کر دیتا ہے- یہی عدالت جب اشیا میں نمودار ہوتی ہے تو ان کی کمیت اور کیفیت میں تناسب پیدا کر دیتی ہے- ایک جز کا دوسرے جز سے کمیت یا کیفیت میں مناسب وموزوں ہونا عدالت ہے-

اب غور کرو کارخانہ ہستی میں بناؤ اور خوبی کے جس قدر مظاہر ہیں کس طرح اسی حقیقت سے ظہور میں آئے ہیں- وجود کیا ہے؟ حکیم بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے- اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی خلا واقع ہو جائے وجود کی نمود معدوم ہو جائے- جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے- اگر اس کا ایک جز بھی غیر معتدل ہو جائے جسم کی ہیئت ترکیبی بگڑ جائے- صحت وتندرستی کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال ہے- جہاں اس کا قوام بگڑا صحت کا انحراف ہو گیا- حسن وجمال کیا ہے؟ تناسب واعتدال کی ایک کیفیت ہے- اگر انسان میں ہے تو خوبصورت انسان ہے- نباتات میں ہے تو پھول ہے- عمارت میں ہے تو تاج محل ہے- نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سروں کی ترکیب کا تناسب واعتدال- اگر ایک سر بھی بے میل ہوا نغمے کی کیفیت جاتی رہی!

پھر کچھ اشیاء واجسام ہی پر موقوف نہیں- کارخانہ ہستی کا تمام نظام ہی عدل وتوازن پر قائم ہے- اگر ایک لمحہ کے لیے یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے- یہ کیا بات ہے کہ نظام شمسی کا ہر کرہ اپنی اپنی جگہ معلق ہے' اپنے اپنے دائروں میں حرکت کر رہا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ذرا بھی انحراف ومیلان واقع ہو؟ یہی عدالت کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم کے ساتھ جکڑ بند کر رکھا ہے- تمام کرے اپنی اپنی کشش رکھتے ہیں' اور ان کے مجموعی جذب وانجذاب کے توازن سے ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر کرہ اپنی جگہ قائم ومعلق ہے- اگر کوئی کرہ اس قانون عدالت سے باہر ہو جائے تو معاً دوسرے کروں سے ٹکرا جائے اور تمام نظام شمسی مختل ہو جائے-

اعداد کے تناسب کی عظیم الشان صداقت جس پر ریاضی اور حساب کے تمام حقائق کا دارومدار ہے' کیا ہے؟ یہی عدل وتعادل کی حقیقت ہے- جس دن یہ حقیقت ذہن انسانی پر کھلی تھی' علوم ومعارف کے تمام دروازے باز ہو گئے تھے-

وضع میزان:

چنانچہ قرآن نے اس حقیقت کی طرف جابجا اشارات کیے ہیں:

﴿ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ٥ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ٥ ﴾ (۵۵:۷:۸)

''اور اس نے آسمان کو بلند کر دیا' اور (اجرام سماویہ کے قیام کے لیے قانون عدالت کا) میزان بنا دیا- اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو-''

یہ ''المیزان'' یعنی ترازو کیا ہے؟ تعادل وتوازن کا قانون ہے جو تمام اجرام سماویہ کو ان کی مقررہ جگہ میں تھامے

ہوئے ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کے توازن کا پلہ کسی ایک طرف کو جھک پڑے- اجرام سماویہ کا یہی وہ غیر مرئی ستون ہے جس کی نسبت سورۂ رعد میں فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ﴾ (۱۳: ۲)

''اللہ جس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویہ کو) بغیر کسی ستون کے بلند کردیا ہے اور تم (اس کی یہ حکمت) دیکھ رہے ہو!''

اور سورۂ لقمان میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ﴾ (۳۱: ۱۰)

''اس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویہ کو) پیدا کردیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں!''

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عدل وتعادل کی حقیقت سمجھانے کے لیے میزان یعنی ترازو سے بہتر کوئی عام فہم اور دل نشین تعبیر ہوسکتی تھی-

اسی طرح سورۂ آل عمران کی مشہور آیت شہادت میں ﴿ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ﴾ (۳: ۱۸) کہہ کر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے- یعنی کائنات خلقت میں اس کے تمام کام عدالت کے ساتھ قائم ہیں اور اس نے قیام ہستی کے لیے یہی قانون ٹھہرا دیا ہے-

اعمال انسانی کا عدل وقسط پر مبنی ہونا قرآن کی اصطلاح میں ''عمل صالح'' ہے:

قرآن کہتا ہے: جب عدالت کا یہ قانون کائنات خلقت کے ہر گوشہ میں نافذ ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے افکار واعمال کے لیے بے اثر ہو جائے؟ پس اس گوشہ میں بھی وہی عمل مقبول ہوتا ہے جو افراط وتفریط اور میل وانحراف کی جگہ فطرت کے عدل وقسط پر مبنی ہوتا ہے اور اسی کو وحی الٰہی عمل صالح کے نام سے تعبیر کرتی ہے- اگر تعبیر و جمال کے سینکڑوں ناموں سے تمہیں مغالطہ نہیں ہوتا اور یہ بات پالیتے ہو کہ ان سب میں اصل حقیقت ایک ہی ہے اور وہ عدالت ہے تو اس گوشہ میں ایمان وعمل کی اصطلاح سے تمہیں کیوں توحش ہو؟ اور کیوں بے تحاشا انکار کر بیٹھو؟

﴿ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ○ ﴾ (۳: ۸۳)

''کیا یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین تلاش کریں؟ حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب اسی کے حکم کی اطاعت کر رہے ہیں- خوشی سے ہو یا ناخوشی سے (مگر سب کے لیے چلنا اسی کے ٹھہرائے ہوئے قانون پر ہے) اور بالآخر سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں!''

بدعملی کے لیے قرآن کے اختیارات لغویہ:

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بدعملی اور برائی کے لیے جتنی تعبیرات اختیار کی ہیں سب ایسی ہیں کہ اگر ان کے معانی پر غور کیا جائے تو عدل وتوازن کی ضد اور مخالف ثابت ہوں گی- گویا قرآن کے نزدیک برائی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حقیقت عدل سے انحراف ہو- مثلاً ظلم' طغیان' اسراف' تبذیر' فساد' اعتدا' عدوان' وغیر ذلک-

ظلم کے معنی وضع الشیء فی غیر موضعه کے ہیں- یعنی جو بات جس جگہ ہونی چاہیے وہاں نہ ہو' بے محل ہو تو لغت میں اس حالت کو ظلم کہیں گے- اسی لیے قرآن نے شرک کو ''ظلم عظیم'' کہا ہے- کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بے محل بات نہیں ہوسکتی اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کا اپنی صحیح جگہ میں نہ ہونا ایک ایسی حالت ہے جو حقیقت عدل کے عین منافی ہے-

طغیان کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی حد سے گزر جانا- دریا کا پانی اپنی حد سے بلند ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں طغی الماء- ظاہر ہے کہ حد سے تجاوز عین عدالت کی ضد ہے-

اسراف ''سرف'' سے ہے- ''سرف'' کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جتنی مقدار میں جہاں خرچ کرنی چاہیے' اس سے زیادہ خرچ کردی جائے-

تبذیر کے معنی کسی چیز کو ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے- ''اسراف'' اور ''تبذیر'' میں مقدار اور محل کا فرق ہوا- کھانے میں خرچ کرنا خرچ کا صحیح محل ہے لیکن اگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہوگا- دریا میں روپیہ پھینک دینا روپیہ خرچ کرنے کا صحیح محل نہیں ہے- اگر تم روپیہ پانی میں پھینک دو تو یہ فعل تبذیر ہوگا- دونوں صورتیں عدالت کے منافی ہیں- کیونکہ حقیقت عدل مقدار اور محل دونوں میں تناسب چاہتی ہے-

فساد کے معنی ہی خروج الشیء عن الاعتدال کے ہیں- یعنی کسی چیز کا حالت اعتدال سے باہر ہو جانا-

اعتدا اور عدوان ایک ہی مادّہ سے ہیں اور دونوں کے معنی حد سے گزر جانا ہے-

✵ ✵ ✵

قرآن اور صفات الٰہی کا تصور

قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے سورۂ فاتحہ اس کی سب سے پہلی رونمائی ہے- ہم اس مرقع میں وہ شبیہ دیکھ سکتے ہیں جو قرآن نے نوع انسانی کے سامنے پیش کی ہے- یہ ربوبیت' رحمت' اور عدالت کی شبیہ ہے- انہی تین صفتوں کے تفکر سے ہم اس کے تصور الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں-

خدا کا تصور ہمیشہ انسان کی روحانی واخلاقی زندگی کا محور رہا ہے- یہ بات کہ ایک مذہب کا معنوی اور نفسیاتی مزاج کیسا ہے اور وہ اپنے پیروؤں کے لیے کس طرح کے اثرات رکھتا ہے؟ صرف یہ بات دیکھ کر معلوم کر لی جاسکتی ہے کہ اس کے تصور الٰہی کی نوعیت کیا ہے؟

انسان کا ابتدائی تصور:

جب ہم انسان کے تصورات الوہیت کا ان کے مختلف عہدوں میں مطالعہ کرتے ہیں-تو ہمیں ان کے تغیرات کی رفتار کچھ عجیب طرح کی دکھائی دیتی ہے اور تعلیل وتوجیہ کے عام اصول کام نہیں دیتے-موجودات خلقت کے ہر گوشہ میں تدریجی ارتقا (Evolution) کا قانون کام کرتا ہے اور انسان کا جسم بتدریج ترقی کرتا ہوا نچلی کڑیوں سے اونچی کڑیوں تک پہنچا-اسی طرح اس کے دماغی تصورات بھی نچلے درجوں سے بلند ہوتے ہوئے بتدریج اونچے درجوں تک پہنچے لیکن جہاں تک خدا کی ہستی کے تصورات کا تعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ صورت حال اس سے بالکل برعکس رہی اور ارتقا کی جگہ ایک طرح کے تنزل یا ارتجاع کا قانون یہاں کام کرتا رہا- ہم جب ابتدائی عہد کے انسانوں کا سراغ لگاتے ہیں تو ہمیں ان کے قدم آگے بڑھنے کی جگہ پیچھے ہٹتے دکھائی دیتے ہیں!

انسانی دماغ کا سب سے زیادہ پرانا تصور جو قدامت کی تاریکی میں چمکتا ہے وہ توحید کا تصور ہے-یعنی صرف ایک ان دیکھی اور اعلیٰ ہستی کا تصور جس نے انسان کو اور ان تمام چیزوں کو جنہیں وہ اپنے چاروں طرف دیکھ رہا تھا پیدا کیا-لیکن پھر اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس جگہ سے ان کے قدم بتدریج پیچھے ہٹنے لگے اور توحید کی جگہ آہستہ آہستہ اشراک اور تعدد الٰہ کا تصور پیدا ہونے لگا-یعنی اب اس ایک ہستی کے ساتھ جو سب سے بالاتر ہے دوسری قوتیں بھی شریک ہونے لگیں اور ایک معبود کی جگہ بہت سے معبودوں کی چوکھٹوں پر انسان کا سر جھک گیا-

اگر خدا کے تصور میں وحدت کا تصور انسانی دماغ کا بلند تر تصور ہے اور اشراک اور تعدد کے تصورات نچلے درجے کے تصورات ہیں تو ہمیں اس نتیجہ تک پہنچنا پڑتا ہے کہ یہاں ابتدائی کڑی جو نمایاں ہوئی وہ نچلے درجہ کی نہ تھی- اونچے درجے کی تھی اور اس کے بعد جو کڑیاں ابھریں انہوں نے بلندی کی جگہ پستی کی طرف رخ کیا- گویا ارتقا کا عام قانون یہاں بے اثر ہو گیا- ترقی کی جگہ رجعت کی اصل کام کرنے لگی-

انیسویں صدی کے نظریے اور ارتقائی مذہب:

انیسویں صدی کے علمائے اجتماعیات کا عام نقطۂ خیال یہ تھا کہ انسان کے دینی عقائد کی ابتدا ان او ہامی تصورات سے ہوئی جو اس کی ابتدائی معیشت کے طبعی تقاضوں اور احوال وظروف کے قدرتی اثرات سے نشوونما پانے لگے تھے- یہ تصورات قانون ارتقا کے ماتحت درجہ بدرجہ مختلف کڑیوں سے گزرتے رہے اور بالآخر انہوں نے اپنی ترقی یافتہ صورت میں ایک اعلیٰ ہستی اور خالق کل خدا کے عقیدے کی نوعیت پیدا کر لی- گویا اس سلسلہ ارتقا کی ابتدائی کڑی او ہامی تصورات تھے جن سے طرح طرح کی الٰہی قوتوں کا تصور پیدا ہوا اور پھر اسی تصور نے ترقی کرتے ہوئے خدا کے ایک توحیدی اعتقاد کی شکل اختیار کر لی- بے جا نہ ہوگا اگر اختصار کے ساتھ یہاں ان تمام نظریوں پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو اس سلسلے میں یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئے اور وقت کے علمی حلقوں کو متاثر کیا-

دینی عقائد اور تصورات کی تاریخ بہ حیثیت ایک مستقل شاخ علم کے انیسویں صدی کی پیداوار ہے- اٹھارویں صدی کے اواخر میں جب انڈو جرمن قبائل (یعنی وسط ایشیا کے آریائی قبائل) اور ان کی زبانوں کی تاریخ روشنی میں آئی تو ان کے دینی تصورات بھی نمایاں ہوئے اور اس طرح بحث وتنقید کا ایک نیا میدان پیدا ہو گیا- یہی میدان تھا جس کے مباحث نے انیسویں صدی کے اوائل میں بحث ونظر کی ایک مستقل شاخ پیدا کر دی- یعنی دینی عقائد کی پیدائش اور ان کے نشوونما کی تاریخ کا علم مدون ہونے لگا- اسی دور میں عام خیال یہ تھا کہ خدا پرستی کی ابتدا نیچر متھس (Nature-myths) کے تصورات سے ہوئی- یعنی ان خرافاتی اساطیر سے ہوئی جو مظاہر فطرت کے متعلق بننا شروع ہو گئے تھے- مثلاً روشنی کی ایک مستقل ہستی کا تصور پیدا ہو گیا- بارش کی قوت نے ایک دیوتا کی شکل اختیار کر لی- قدیم آریائی تصورات سے جو مظاہر فطرت کی پرستش پر مبنی تھے اس خیال کا مواد فراہم ہوا تھا-

لیکن انیسویں صدی کے نصف ابتدائی دور میں جب افریقہ اور امریکہ کے وحشی قبائل کے حالات روشنی میں آئے تو ان کے دینی تصورات کی تحقیقات نے ایک نئے نظریے کا سامان فراہم کر دیا- ۱۷۶۰ء میں دہ بردسے (De Brosses) نے انہی وحشی قبائل کے تصورات سے فیٹش ورشپ (Fetish Worship) کا استنباط کیا تھا- یعنی ایسی اشیا کی پرستش کا جن سے کسی جنی روح کی وابستگی یقین کی جاتی تھی- اب پھر ۱۸۵۱ء میں اے- کامٹ (Comete) نے اسی پرستش سے خدا پرستی کی پیدائش کا نظریہ اختیار کیا اور سر جان لبک نے (جو آگے چل کر لارڈ اویبری کے لقب سے مشہور ہوا) اسے مزید بحث ونظر کا جامہ پہنایا- اس نظریے کا اس عہد میں عام طور پر استقبال کیا گیا تھا اور وقت کے علمی حلقوں کی قبولیت اس نے حاصل کر لی تھی-

تقریباً اسی عہد میں مین ازم (Manism) یعنی اجداد پرستی کے نظریے نے سر اٹھایا- اس نظریے کی بنیاد اس قیاس پر رکھی گئی تھی کہ انسان کو آباواجداد کی محبت وعظمت نے پہلے ان کی پرستش کی راہ دکھائی- پھر اسی پرستش نے قانون ارتقا کے ماتحت ترقی کر کے خداپرستی کی نوعیت پیدا کر لی- صحرانشین اور چراگاہوں کی جستجو کرنے والے قبیلوں کے ابتدائی تصورات میں اجداد پرستی کا ذہنی مواد موجود تھا- چین کی قدیم تاریخ میں بھی اس پرستش کا سراغ بہت دور تک ملنے لگا تھا- اس لیے اس نئے نظریے کے لیے ضروری مواد فراہم ہو گیا اور ۱۸۷۰ء میں جب ہربرٹ اسپنسر نے اپنے آسیبی نظریے (Ghost theory) کی بنیاد اسی تخیل پر استوار کی تو وقت کے فلسفیوں اور اجتماعیات کے عالموں کے حلقے میں اس نے فوراً مقبولیت پیدا کر لی-

اسی عہد میں ایک دوسرا نظریہ بھی بروئے کار آیا اور اس نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی- یہ ای بی ٹیلر اینی مزم (Animism) کا نظریہ تھا- ۱۸۷۲ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب پری مے ٹیو کلچر شائع کی اور اس میں دینی عقائد کی کم از کم تعریف اینی مزم کے ذریعہ کی- اینی مزم سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے تصورات میں اس کی جسمانی زندگی کے علاوہ ایک مستقل روحانی زندگی کا تصور بھی پیدا ہو جائے- اس ''مستقل روحانی زندگی'' کا تصور ٹیلر کے نزدیک خداپرستی اور دینی عقائد کا بنیادی مادہ تھا- اسی مادہ نے نشوونما پا کر خدا کی ہستی کے عقیدے کی نوعیت پیدا کر لی- غالباً دینی عقائد کی پیدائش کے تمام نظریوں میں یہ پہلا نظریہ ہے جو علمی طریقہ پر پوری طرح مرتب کیا گیا اور بحث ونظر کے تمام اطراف وجوانب منظم اور آراستہ کیے گئے- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کے تمام علمی حلقوں پر اس نظریے نے ایک خاص اثر ڈالا تھا اور عام طور پر اسے ایک مقررہ اور طے شدہ اصل کی شکل میں پیش کیا جانے لگا تھا- انیسویں صدی کے اختتام تک اس نظریے کا یہ اقتدار بلا استثنا قائم رہا-

اسی اثنا میں مصر، بابل، اور اشوریا کے قدیم آثار وکتبات کے حل سے تاریخ قدیم کا ایک بالکل نیا میدان روشنی میں آنے لگا تھا اور ان آثار کے مباحث نے مستقل علوم کی حیثیت پیدا کر لی تھی- اس نئے مواد نے مظاہر فطرت کی پرستش کی اصل کو از سر نو اہمیت دے کر ابھار دیا کیونکہ وادی نیل اور وادی دجلہ وفرات کے یہ دونوں قدیم تمدن دینی عقائد کے یہی تصورات نمایاں کرتے تھے- چنانچہ اب پھر ایک نیا مذہب (اسکول) پیدا ہو گیا جو خداپرستی کی پیدائش کی ابتدائی بنیاد مظاہر فطرت کے تاثرات کو قرار دیتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ اجرام سماوی کے تاثرات پر زور دیتا تھا- اس نظریے کے حامیوں نے اینی مزم کی مخالفت کی اور ایسٹرل اینڈ نیچر میتھالوجسٹ (Astral and Nature Mythologists) کے نام سے مشہور ہوئے-

لیکن انیسویں صدی کے نصف آخری حصے میں جبکہ یہ تمام نظریے سر اٹھا رہے تھے دوسری طرف ایک خاص علمی حلقہ ایک دوسرے نظریے کی بنیادیں بھی چن رہا تھا- اس نظریے کا مواد قدیم ترین تمدنی عہد کے شکار پیشہ قبائل کے تصورات نے بہم پہنچایا تھا جن کے حالات اب تاریخ کی دسترس سے باہر نہیں رہے تھے- یہ نظریہ ٹوٹم ازم (Totemism) کے نام سے مشہور ہوا اور بہت جلد اس نے وقت کے علمی حلقوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی- ٹوٹم ازم سے مقصود مختلف اشیا اور جانوروں کے وہ انتسابات ہیں جو جمعیت بشری کی ابتدائی قبائلی زندگی میں پیدا ہو گئے تھے اور پھر کچھ عرصے کے بعد ان اشیا اور جانوروں کا غیر معمولی احترام کیا جانے لگا تھا- اس نظریے کی رو سے خیال کیا گیا کہ ہندوستان کی گائے، مصر کا مگرمچھ اور بیل، شمالی خطوں

کا ریچھ' اور صحرا نشین قبائل کا سفید بچھڑا دراصل ٹوٹمزم ہی کے بقایا ہیں- سب سے پہلے ۱۸۸۵ء میں رابرٹسن سمتھ نے اس نظریے کا اعلان کیا تھا- پھر وقت کے دوسرے نظار نے بھی اسی رخ پر قدم اٹھایا-

لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس نظریے کی مقبولیت مجروح ہونا شروع ہوگئی- پروفیسر جے- جی- فریزر کا جمع کیا ہوا مواد جب منظر عام پر آیا تو معلوم ہوا کہ ٹوٹمزم کے تصورات نہ تو دینی تصورات کی نوعیت رکھتے تھے نہ دینی تصورات کا مبدء بننے کی ان میں صلاحیت تھی- ان کی اصلی نوعیت زیادہ سے زیادہ ایک اجتماعی نظام کی تھی جس کے ساتھ طرح طرح کے تصورات کا ایک سلسلہ وابستہ ہوگیا تھا- اس سے زیادہ انہیں اس سلسلہ میں اہمیت نہیں دی جاسکتی-

مگر اس سلسلہ میں معاملہ کا ایک اور گوشہ بھی نمایاں ہوا تھا- فریزر نے ٹوٹمزم کے تصورات میں ایک خاص قسم ایسی بھی پائی تھی جس میں دینی عقائد کا ابتدائی مواد بننے کی زیادہ صلاحیت دکھائی دیتی تھی- یعنی وہ قسم جو جادو کے اعتقاد سے تعلق رکھتی ہے- بحث ونظر کے اس گوشے نے مفکروں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور جادو کا نظریہ علمی حلقوں میں روشناس ہوگیا- ۱۸۹۲ء میں ایک امریکی عالم جے- ایچ کنگ اس پہلو پر توجہ دلا چکا تھا- اب بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں بیک وقت جرمنی' انگلینڈ' فرانس' اور امریکہ کے علمی حلقوں سے اس کی بازگشت شروع ہوگئی اور اینمزم کے خلاف ردفعل کام کرنے لگا- اب یہ خیال عام طور پر پھیل گیا کہ اینمزم کے تصورات سے پیشتر بھی انسانی تصورات کا ایک دور رہ چکا ہے اور یہ ماقبل اینمزم (Preanimism) دور' جادو کے تصورات کا دور تھا- اسی جادو کے اعمال کے عقیدے نے آگے چل کر روحانی عقائد کی شکل اختیار کرلی اور خدا پرستی اور دینی عقائد کے مبادیات پیدا ہوگئے-

اب جادو کا نظریہ ایک عام مقبول نظریہ بن گیا اور پچھلے نظریے اپنی جگہ کھونے لگے- ۱۸۹۵ء میں آر- آر- میرٹ نے' ۱۹۰۲ء میں ہیوٹ نے' ۱۹۰۴ء میں کے- پریو نے' ۱۹۰۷ء میں اے- وائرکنڈٹ نے' اور ۱۹۰۸ء میں ای- ایس- ہارٹ لینڈ نے اسی نظریے پر اپنے بحث وفکر کی تمام دیواریں اٹھائیں اور اسے دور تک پھیلاتے چلے گئے- سب سے زیادہ حصہ اس میں فرانس کے علمائے اجتماعیات کے اس طبقہ نے لیا جو دورکیم (Durkheim) کے مسلک نظر سے تعلق رکھتا تھا- اس طبقہ کا زعیم پہلے ایچ- ہیوبرٹ اور ام- ماس تھا- پھر ۱۹۱۲ء میں خود دورکیم آگے بڑھا اور اس نظریے کا سب سے بڑا علم بردار بن گیا- اس گروہ کی رائے میں ٹوٹمزم اور جادو کے تصورات کا مرکب مجموعہ جیسا کہ وسط آسٹریلیا کے قبائل کے اوہام میں پایا جاتا ہے جمعیت بشری کے دینی تصورات کا اصلی مبدء تھا- قانون ارتقا کے ماتحت انہی تصورات نے خدا پرستی کے عقائد کی ترقی یافتہ شکل پیدا کرلی-

اس زمانہ کے چند سال بعد بعض پروٹسٹنٹ علما نے جو دینی عقائد کے نفسیاتی مطالعہ میں مشغول تھے- مسئلے پر نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالی اور اس نظریے کی حمایت شروع کردی- وہ اس طرف گئے کہ خدا پرستی کے عقیدے کا مبدء ہمیں مذہب اور سحرکاری' دونوں کے مرکب تصورات میں ڈھونڈھنا چاہیے- اس جماعت کا پیشرو آرچ بشپ سوڈربلوم (Soderblom) تھا جس کے مباحث ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئے-

اس کے بعد کا زمانہ پہلی عالمگیر جنگ کا زمانہ تھا جو بیسویں صدی کا ایک دور ختم کر کے دوسرے دور کا دروازہ کھول رہی تھی- اس نئے دور نے جہاں علم ونظر کے بہت سے گوشوں کو انقلابی تغیرات سے آشنا کیا وہاں علم کی اس شاخ میں بھی ایک نیا انقلابی دور شروع ہو گیا-

یہ تمام پچھلے نظریے مادی مذہب ارتقا (Materialistic Evolutionism) کی اصل پر مبنی تھے- ان سب کے اندر یہ بنیادی اصل کام کر رہی تھی کہ اجسام ومواد کی طرح انسان کا دینی عقیدہ بھی بتدریج نچلی کڑیوں سے ترقی کرتا ہوا اعلیٰ کڑیوں تک پہنچا ہے اور خدا پرستی کے عقیدہ میں توحید (Monotheism) کا تصور ایک طول طویل سلسلہ ارتقا کا نتیجہ ہے- انیسویں صدی کا نصف آخر ڈارونزم کے شیوع واحاطہ کا زمانہ تھا اور بختر' ویلز' اسپنسر نے اسے اپنے فلسفیانہ مباحث سے انسانی فکر وعمل کے تمام دائروں میں پھیلا دیا تھا- قدرتی طور پر خدا کے اعتقاد کی پیدائش کا مسئلہ بھی اس سے متاثر ہوا اور نظر وبحث کے جتنے قدم اٹھے وہ اسی راہ پر گامزن ہونے لگے-

مذہب ارتقا کا خاتمہ اور زمانہ حال کی تحقیقات:

لیکن ابھی بیسویں صدی اپنے انقلاب انگیز انکشافوں میں بہت آگے نہیں بڑھی تھی کہ ان تمام نظریوں کی عمارتیں متزلزل ہونا شروع ہو گئیں اور پہلی عالمگیر جنگ کے بعد کے عہد نے تو انہیں یک قلم منہدم کر دیا - اب تمام اہل نظر بالاتفاق دیکھنے لگے کہ اس راہ میں جتنے قدم اٹھائے گئے تھے وہ سرے سے اپنی بنیاد ہی میں غلط تھے- کیونکہ ان سب کی بنیاد قانون ارتقا کی اصل پر رکھی گئی تھی اور ارتقائی اصل کی رہنمائی یہاں سود مند ہونے کی جگہ گمراہ کن ثابت ہوئی ہے- اب انہیں ٹھوس اور ناقابل انکار تاریخی شواہد کی روشنی میں صاف صاف نظر آ گیا کہ انسان کے دینی عقائد کی جس نوعیت کو انہوں نے اعلیٰ اور ترقی یافتہ قرار دیا تھا وہ بعد کے زمانوں کی پیداوار نہیں ہے بلکہ جمعیت بشری کی سب سے زیادہ پرانی متاع ہے- مظاہر فطرت کی پرستش' حیوانی انتسابات کے تصورات' اجداد پرستی کی رسوم' اور جادو کے توہمات کی اشاعت سے بھی بہت پہلے جو تصور انسانی دل ودماغ کے افق پر طلوع ہوا تھا وہ ایک اعلیٰ ترین ہستی کی موجودگی کا بے لاگ تصور تھا- یعنی خدا کی ہستی کا توحیدی اعتقاد تھا!

چنانچہ اب بحث ونظر کے اس گوشہ میں ارتقائی مذہب کا یک قلم خاتمہ ہو چکا ہے-

ڈبلیو شمٹ (Schmidt) پروفیسر وائنا یونیورسٹی جنہوں نے اس موضوع پر زمانۂ حال کی سب سے بہتر کتاب لکھی ہے لکھتے ہیں:

> ''علم شعوب وقبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب یکسر دیوالیہ ثابت ہو چکا ہے- نشو ونما کی مرتب کڑیوں کا وہ خوشنما سلسلہ جو اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کر دیا تھا اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے-''[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] دی اوریجین اینڈ گروتھ آف ریلیجن- صفحہ ۸

''اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی عمران و تمدن کے تصور کی ''اعلیٰ ترین ہستی'' فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا- یہ حقیقت اب اس درجہ نمایاں ہو چکی ہے کہ ایک سرسری نظر تحقیق بھی اس کے لیے کفایت کرے گی- نسل انسانی کے قدیم پستہ قد قبائل میں سے اکثروں کی نسبت یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے- اسی طرح ابتدائی عہد کے جنگلی قبیلوں کے جو حالات روشنی میں آئے ہیں اور کرنائی' کلین' اور جنوب مشرقی آسٹریلیا کے یائن قبیلوں کی نسبت جس قدر تاریخی مواد مہیا ہوا ہے ان سب کی تحقیقات ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے- ارکٹیک تہذیب کے قبیلوں کے روایتی آثار اور شمالی امریکہ کے قبائل کے دینی تصورات کی چھان بین نے بھی بالآخر اسی نتیجہ کو نمایاں کیا''[1]

زمانۂ حال کے نظار نے اب اس مسئلہ کا موسوعاتی (Pantologic) طریق نظر سے مطالعہ کیا ہے اور قدیم معلومات و مباحث کی تمام شاخیں جمع کر کے مجموعی نتائج نکالے ہیں- ضروری ہے کہ اس سلسلہ کی بعض جدید تحقیقات پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے کیونکہ ابھی وہ اس درجہ شائع نہیں ہوئی ہیں کہ عام طور پر نظر و مطالعہ میں آ چکی ہوں-

آسٹریلیا اور جزائر کے وحشی قبائل اور مصر کے قدیم ترین آثار کی جدید تحقیقات:

آسٹریلیا اور جزائر بحر محیط کے وحشی قبائل ایک غیر معین قدامت سے اپنی ابتدائی ذہنی طفولیت کی زندگی بسر کرتے رہے- زندگی و معیشت کی وہ تمام ترقی یافتہ کڑیاں جو عام طور پر انسانی جماعتوں کے ذہنی ارتقا کا سلسلہ مربوط کرتی ہیں یہاں یکسر مفقود رہیں- ابتدائی عہد کی بشری جمعیت کے تمام جسمانی اور دماغی خصائص ان کی قبائلی زندگی میں دیکھے جا سکتے تھے- ان کے تصور اس درجہ محدود تھے کہ اوہام و خرافات میں بھی کسی طرح کا ارتقائی نظم نہیں پایا جاتا- تاہم ان کا ایک اعتقادی تصور بالکل واضح تھا- ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ان کی زمین اور ان کا آسمان پیدا کیا اور ان کا مرنا اور جینا اسی کے قبضۂ و تصرف میں ہے- مصر کے قدیم باشندوں کی صدائیں آٹھ ہزار برس پیشتر تک کی ہمارے کانوں سے ٹکرا چکی ہیں- قدیم مصری تصورات کا پورا سلسلہ اپنی عہد بعہد کی تبدیلیوں کے ساتھ ہمارے سامنے ابھر آیا ہے- ہمیں صاف نظر آ رہا ہے کہ ایک خدا کی پرستش کا تصور اس سلسلہ میں بعد کو نہیں ابھرا بلکہ سلسلہ کی سب سے زیادہ پرانی کڑی ہے- مصر کے وہ تمام معبود جن کے مرقعوں سے اس کے مشہور عالم ہیکلوں اور مناروں کی دیواریں منقش کی گئی ہیں اس قدیم ترین عہد میں اپنی کوئی نمود نہیں رکھتے تھے- جب صرف ایک ''اوسیریز'' کی ان دیکھی ہستی کا اعتقاد دریائے نیل کی تمام آباد وادیوں پر چھایا ہوا تھا![2]

---

[1] دی اوریجین اینڈ گروتھ آف ریلیجن صفحہ ۲۶۲-

[2] ''مردہ کی کتاب'' قدیم مصری تصورات کا سب سے زیادہ مرتب اور منضبط نوشتہ ہے- مصریات کے مشہور محقق ڈاکٹر بج (Budge) کی رائے میں یہ سب سے زیادہ قدیم فکری مواد ہے جو مصری آثار نے ہمارے حوالہ کیا ہے- یہ خود اتنی ہی پرانی ہے جتنا پرانا مصری تمدن ہے- لیکن جو تصورات اس میں جمع کیے گئے ہیں' وہ مصری تمدن سے بھی زیادہ قدیم ہیں- وہ اتنے قدیم ہیں کہ ہم ان کی قدامت کی کوئی تاریخ معین نہیں کر سکتے اس نوشتہ میں ''اوسیریز'' کے یہ صفات ہمیں ملتے ہیں: معبود اعظم- الخیر- ازلی پادشاہ- آخرت کا مالک-

دجلہ وفرات کی وادیوں کی قدیم آبادیوں اور خدا کی ہستی کا توحیدی تصور:

پہلی عالمگیر جنگ کے بعد عراق کے مختلف حصوں میں کھدائی کی جو نئی مہمیں شروع کی گئی تھیں - اور جو موجودہ جنگ کی وجہ سے ناتمام رہ گئیں ان کے انکشافات نے اس مسئلہ کے لیے نئی روشنیاں بہم پہنچائی ہیں - اب اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا تا کہ دریائے نیل کی طرح دجلہ اور فرات کی وادیوں میں بھی جب انسان نے پہلے پہل اپنے خدا کو پکارا تو وہ بہت سی ہستیوں میں بٹا ہوا نہیں تھا بلکہ ایک ہی ان دیکھی ہستی کی صورت میں نمایاں ہوا تھا - کالڈیا کے سومیری اور اکادی قبائل جن انسانی نسلوں کے وارث ہوئے تھے وہ ''شمس'' یعنی سورج اور ''نانعار'' یعنی چاند کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اس ایک ہی لازوال ہستی کی ''جس نے سورج اور چاند اور تمام چمکدار ستاروں کو بنایا ہے''

مہنجو دارو کا خدائے واحد ''اون'':

ہندوستان میں ''مہنجو دارو'' کے آثار ہمیں آریاؤں کے عہد ورود سے بھی آگے لے جاتے ہیں - ان کے مطالعہ و تحقیق کا کام ابھی پورا نہیں ہوا ہے - تاہم ایک حقیقت بالکل واضح ہو گئی ہے - اس قدیم ترین انسانی بستی کے باشندوں کا بنیادی تصور توحید الٰہی کا تصور تھا - اصنام پرستانہ تصور نہ تھا - وہ اپنے یگانہ خدا کو ''اون'' کے نام سے پکارتے تھے - جس کی مشابہت ہمیں سنسکرت کے لفظ ''اندوان'' میں مل جاتی ہے - اس یگانہ ہستی کی حکومت سب پر چھائی ہوئی ہے - طاقت کی تمام ہستیاں اسی کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت کام کر رہی ہیں اس کی صفت ''ویدوکن'' ہے - یعنی ایسی ہستی جس کی آنکھیں کبھی غافل نہیں ہو سکتیں - ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ! ﴾

اللہ کی یگانہ اور ان دیکھی ہستی کا قدیم سامی تصور:

سامی قبائل کا اصلی سرچشمہ صحرائے عرب کے بعض شاداب علاقے تھے - جب اس چشمہ میں نسل انسانی کا پانی بہت بڑھ جاتا تو اطراف میں پھیلنے لگتا - یعنی قبائل کے جتھے عرب سے نکل کر اطراف و جوانب کے ملکوں میں منتشر ہونے لگتے اور پھر چند صدیوں کے بعد نیا رنگ روپ اور نئے نام اختیار کر لیتے -

شاید انسانی قبائل کا انشعاب کرۂ ارضی کے دو مختلف حصوں میں بیک وقت جاری رہا اور زمانہ مابعد کی مختلف قوموں اور تمدنوں کا بنیادی مبدء بنا - صحرائے گوبی کے سرچشمے سے وہ قبائل نکلے جو ہندی - یورپی (انڈو یورپین) آریاؤں کے نام سے پکارے گئے - صحرائے عرب سے وہ قبائل نکلے جن کا پہلا نام سامی پڑا اور پھر یہ نام بے شمار ناموں کے ہجوم میں گم ہو گیا - تاریخ کی موجودہ معلومات اس حد تک پہنچ کر رک گئی ہیں اور آگے کی خبر نہیں رکھتیں -

عرب قبائل کا یہ انشعاب بتدریج مغربی ایشیا اور قریبی افریقہ کے تمام دور دراز حصوں تک پھیل گیا تھا - فلسطین (شام) مصر' نوبیا' عراق' اور سواحل خلیج فارس سب ان کے دائرہ انشعاب میں آ گئے تھے - عاد' ثمود' عمالقہ' ہکسوس' موابی' آشوری' آکادی' سومیری' عیلامی' آرامی' اور عبرانی وغیرہم مختلف مقاموں اور مختلف عہدوں کی قوموں کے نام ہیں مگر دراصل سب ایک ہی قبائلی سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں یعنی عرب سے -

اب جدید سامی اثریات کے مطالعہ سے جو ان تمام قوموں سے تعلق رکھتی ہیں ایک حقیقت بالکل واضح ہو گئی ہے۔ یعنی ان تمام قوموں میں ایک ان دیکھے خدا کی ہستی کا اعتقاد موجود تھا - اور وہ ''اَل - اِلاہ'' یا ''اللہ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا - یہی ''الاہ'' ہے جس نے کہیں ''ایل'' کی صورت اختیار کی کہیں ''الوہ'' کی اور کہیں ''الاہیا'' کی -

سرحد حجاز کی وادی عقبہ اور شمالی شام کے راس شمر کے جو آثار گزشتہ جنگ کے بعد منکشف ہوئے ان سے یہ حقیقت اور زیادہ آشکارا ہو گئی ہے مگر یہ موقع تفصیل کا نہیں -

انسان کی پہلی راہ ہدایت کی تھی' گمراہی بعد کو آئی :

بہر حال بیسویں صدی کی علمی جستجو اب ہمیں جس طرف لے جا رہی ہے وہ انسان کا قدیم ترین توحیدی اور غیر اصنامی اعتقاد ہے - اس سے زیادہ اس کے تصورات کی کوئی بات پرانی نہیں - اس نے اپنے عہد طفولیت میں ہوش و خرد کی آنکھیں جونہی کھولی تھیں ایک یگانہ ہستی کا اعتقاد اپنے اندر موجود پایا تھا - پھر آہستہ آہستہ اس کے قدم بھٹکنے لگے اور بیرونی اثرات کی جولانیاں اسے نئی نئی صورتوں اور نئے نئے ڈھنگوں سے آشنا کرنے لگیں - اب ایک سے زیادہ مافوق الفطرت طاقتوں کا تصور نشو و نما پانے لگا اور مظاہر فطرت کے بے شمار جلوے اسے اپنی طرف کھینچنے لگے - یہاں تک کہ پرستش کی ایسی چوکھٹیں بننا شروع ہو گئیں جنہیں اس کی جبین نیاز چھو سکتی تھی اور تصورات کی ایسی صورتیں ابھرنے لگیں جو اس کے دیدۂ صورت پرست کے سامنے نمایاں ہو سکتی تھیں - یہیں اسے ٹھوکر لگی لیکن راہ ایسی تھی کہ ٹھوکر سے بچ بھی نہیں سکتا تھا :

کمند کوتہ و بازوئے ست و بام بلند
بمن حوالہ و نومیدیم گنہ گیرند!

پس معلوم ہوا کہ اس راہ میں ٹھوکر بعد کو لگی - پہلی حالت ٹھوکر کی نہ تھی - راہ راست پر گام فرسائیوں کی تھی :

من ملک بودم و فردوس بریں جائم بود
آدم آورد دریں خانۂ خراب آبادم

اگر اس صورت حال کو گمراہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ پہلی حالت جو انسان کو پیش آئی تھی وہ گمراہی کی نہ تھی' ہدایت کی تھی - اس نے آنکھیں روشنی میں کھولی تھیں - پھر آہستہ آہستہ تاریکی پھیلنے لگی !

دینی نوشتوں کی شہادت اور قرآن کا اعلان :

زمانۂ حال کی علمی تحقیقات کا یہ نتیجہ ادیان عالم کے مقدس نوشتوں کی تصریحات کے عین مطابق ہے - مصر' یونان' کالڈیا' ہندوستان' چین' ایران' سب کی مذہبی روایتیں ایک ایسے ابتدائی عہد کی خبر دیتی ہیں جب نوع انسانی گمراہی اور غمنا کی سے آشنا نہیں ہوئی تھی اور فطری ہدایت کی زندگی بسر کرتی تھی - افلاطون نے کریطیاس (Critias) میں آبادی عالم کی جو حکایت درج کی ہے اس میں اس اعتقاد کی پوری جھلک موجود ہے اور طیماوس (Timaeus) کی حکایت جو ایک مصری پجاری کی زبانی ہے مصری روایت کی خبر دیتی ہے - تورات کی کتاب پیدائش نے آدم کا قصہ بیان کیا ہے - اس قصہ میں آدم کی پہلی

زندگی ہدایت کی بہشتی زندگی تھی پھر لغزش ہوئی اور بہشتی زندگی مفقود ہوگئی- اس قصہ میں بھی یہی اصل کام کر رہی ہے کہ یہاں پہلا دور فطری ہدایت کا تھا- انحراف و گمراہی کی راہیں بعد کو کھلیں- قرآن نے تو صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ:

﴿ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ﴾ (۱۰:۱۹)

''ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے (یعنی الگ الگ راہوں میں بھٹکے ہوئے نہ تھے) پھر اختلاف میں پڑ گئے-''

دوسری جگہ مزید تشریح کی:

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ (۲:۲۱۳)

''ابتدا میں تمام انسانوں کا ایک ہی گروہ تھا (یعنی فطری ہدایت کی ایک ہی راہ پر تھے- پھر اس کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے) پس اللہ نے ایک کے بعد ایک نبی مبعوث کیے- وہ نیک عملی کے نتیجوں کی خوشخبری دیتے تھے- بدعملی کے نتیجوں سے متنبہ کرتے تھے- نیز ان کے ساتھ نوشتے نازل کیے- تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے ہیں ان کا فیصلہ کر دیں-''

ارتقائی نظریہ خدا کی ہستی کے اعتقاد میں نہیں' مگر اس کی صفات کے تصورات کے مطالعہ میں مدد دیتا ہے:

پس خدا کی ہستی کے عقیدے کے بارے میں انیسویں صدی کا ارتقائی نظریہ اب اپنی علمی اہمیت کھو چکا ہے اور بحث و نظر میں بہت کم مدد دے سکتا ہے- البتہ جہاں تک انسان کے ان تصوروں کا تعلق ہے جو خدا کی صفات کی نقش آرائیاں کرتے رہے ہمیں ارتقائی نقطۂ خیال سے ضرور مدد ملتی ہے- کیونکہ بلاشبہ یہاں تصورات کے نشوو ارتقا کا ایک ایسا سلسلہ موجود ہے جس کی ارتقائی کڑیاں ایک دوسرے سے الگ کی جاسکتی ہیں اور نچلے درجوں سے اونچے درجہ کی طرف ہم بڑھ سکتے ہیں-

خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کے ذہن کی پیداوار نہ تھا کہ ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی بدلتا رہتا - وہ اس کی فطرت کا ایک وجدانی احساس تھا اور وجدانی احساسات میں نہ تو ذہن و فکر کے مؤثرات مداخلت کر سکتے ہیں نہ باہر کے اثرات سے ان میں تبدیلی ہوسکتی ہے-

لیکن انسان کی عقل' ذات مطلق کے تصور سے عاجز ہے- وہ جب کسی چیز کا تصور کرنا چاہتی ہے تو گو تصور ذات کا کرنا چاہے لیکن تصور میں صفات و عوارض ہی آتے ہیں اور صفات ہی کے جمع و تفرقہ سے وہ ہر چیز کا تصور آراستہ کرتی ہے- پس جب فطرت کے اندرونی جذبہ نے ایک بالاتر ہستی کے اعتراف کا ولولہ پیدا کیا تو ذہن نے چاہا' اس کا تصور آراستہ کرے لیکن جب تصور کیا تو یہ اس کی ذات کا تصور نہ تھا - اس کی صفات کا تصور تھا - اور صفات میں سے بھی انہی صفات کا جن کا ذہن انسانی تخیل کر سکتا تھا - یہیں سے خدا پرستی کے فطری جذبہ میں ذہن و فکر کی مداخلت شروع ہوگئی-

عقل انسانی کی درماندگی اور صفات الٰہی کی صورت آرائی:

عقل انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرے میں محدود ہے- اس لیے اس کا تصور اس دائرے سے باہر قدم نہیں

نکال سکتا - وہ جب کسی ان دیکھی اور غیر محسوس چیز کا تصور کرے گی تو ناگریز ہے کہ تصور میں وہی صفات آئیں جنہیں وہ دیکھتی اور سنتی ہے اور جو اس کے حاسۂ ذوق و لمس کی دسترس سے باہر نہیں ہیں - پھر اس کے ذہن و تفکر کی جتنی بھی رسائی ہے یک دفعہ ظہور میں نہیں آئی ہے بلکہ ایک طول طویل عرصہ کے نشو و ارتقا کا نتیجہ ہے - ابتدا میں اس کا ذہن عہد طفولیت میں تھا - اس لیے اس کے تصورات بھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے - پھر جوں جوں اس میں اور اس کے ماحول میں ترقی ہوتی گئی اس کا ذہن بھی ترقی کرتا گیا اور ذہن کی ترقی و تزکیہ کے ساتھ اس کے تصورات میں بھی شائستگی اور بلندی آتی گئی -

اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کبھی ذہن انسانی نے خدا کی صورت بنانی چاہی تو ہمیشہ ویسی ہی بنائی جیسی صورت خود اس نے اور اس کے احوال و ظروف نے پیدا کر لی تھی - جوں جوں اس کا معیار فکر بدلتا گیا وہ اپنے معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا - اسے اپنے آئینہ تفکر میں ایک صورت نظر آتی تھی - وہ سمجھتا تھا یہ اس کے معبود کی صورت ہے - حالانکہ وہ اس کے معبود کی صورت نہ تھی خود اسی کے ذہن و صفات کا عکس تھا!

فکر انسانی کی سب سے پہلی درماندگی یہی ہے جو اس راہ میں پیش آئی!

حرم جویاں درے را می پرستند　　　　فقیہاں دفترے را می پرستند
بر افگن پردہ تا معلوم گردد　　　　کہ یاراں دیگرے را می پرستند!

یہی درماندگی ہے جس سے نجات دلانے کے لیے وحی الٰہی کی ہدایت ہمیشہ نمودار ہوتی رہی -

انبیائے کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اسلوب میں دی جیسی شکل و اسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبوں میں پیدا ہو گئی تھی - وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے اور معلم کا فرض ہے کہ متعلموں میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے اسی درجہ کا سبق بھی دے - پس انبیائے کرامؑ نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کے لیے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلہ ارتقا سے باہر نہ تھا - بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے -

ارتقائے تصور کے نقاط ثلاثہ:

اس سلسلہ کی تمام کڑیوں پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور ان کے فکری عناصر کی تحلیل کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کی بے شمار نوعیتیں قرار دی جا سکتی ہیں لیکن ارتقائی نقطے ہمیشہ تین ہی رہے اور انہی سے اس سلسلہ کی ہدایت و نہایت معلوم کی جا سکتی ہے:

(۱) تجسم[1] سے تنزیہہ کی طرف

---

[1] تجسم سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی نسبت ایسا تصور قائم کرنا کہ وہ مخلوق کی طرح جسم و صورت رکھتا ہے - تشبہ سے مقصود یہ ہے کہ ایسی صفات تجویز کر لیں جو مخلوقات کی صفات سے مشابہ ہوں - تنزیہہ سے مقصود یہ ہے کہ ان تمام باتوں سے جو اسے مخلوقات سے مشابہ کرتی ہوں اسے مبرا الیقین کرنا - انگریزی میں تجسم کے لیے ان تھروپو مارفزم (Anthropomorphism) اور تشبہ کے لیے "ان تھراپو فیوازم (Anthropophuism) کی مصطلحات استعمال کرتے ہیں -

(۲) تعدد و اشراک (Polytheism) سے توحید (Monotheism) کی طرف۔

(۳) صفات قہر و جلال سے صفات رحمت و جمال کی طرف۔

یعنی تجسم اور صفات قہریہ کا تصور اس کا ابتدائی درجہ ہے اور تنزہ اور صفات رحمت و جمال سے اتصاف اعلیٰ و کامل درجہ۔ جو تصور جس قدر ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کا ہے' اتنا ہی تجسم اور صفات قہریہ کا عنصر اس میں زیادہ ہے۔ جو تصور جس قدر زیادہ ترقی یافتہ ہے اتنا ہی زیادہ منزہ اور صفات رحمت وجلال سے متصف ہے۔

انسان کا تصور صفات قہریہ کے تاثر سے کیوں شروع ہوا؟:

انسان کا تصور صفات قہریہ کے تخیل سے کیوں شروع ہوا؟ اس کی علت واضح ہے۔ فطرت کائنات کی تعمیر' تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ انسانی فکر کی طفولیت تعمیر کا حسن نہ دیکھ سکی۔ تخریب کی ہولناکیوں سے سہم گئی۔ تعمیر کا حسن و جمال دیکھنے کے لیے فہم و بصیرت کی دور رس نگاہ مطلوب تھی اور وہ ابھی اس کی آنکھوں نے پیدا نہیں کی تھی۔

دنیا میں ہر چیز کی طرح ہر فعل کی نوعیت بھی اپنا مزاج رکھتی ہے۔ بناؤ ایک ایسی حالت ہے جس کا مزاج سرتاسر سکون اور خاموشی ہے اور بگاڑ ایک ایسی حالت ہے کہ اس کا مزاج سرتاسر شورش اور ہولناکی ہے۔ بناؤ ایجاب ہے' نظم ہے' جمع و ترتیب ہے اور بگاڑ سلب ہے' برہمی ہے' تفرقہ و اختلال ہے۔ جمع و نظم کی حالت ہی سکون کی حالت ہوتی ہے اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و انفجار کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو تمہیں کوئی شورش محسوس نہیں ہوتی لیکن جب گرتی ہے تو دھما کا ہوتا ہے اور تم بے اختیار چونک اٹھتے ہو۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ حیوانی طبیعت سلبی افعال سے فوراً متاثر ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی نمود میں شورش اور ہولناکی ہے لیکن ایجابی افعال سے متاثر ہونے میں دیر لگاتی ہے کیونکہ ان کا حسن و جمال یکایک مشاہدہ میں نہیں آجاتا اور ان کا مزاج شورش کی جگہ خاموشی اور سکون ہے۔

فطرت کے سلبی مظاہر کی قہرمانی اور ایجابی مظاہر کا حسن و جمال:

اسی بنا پر عقل انسانی نے جب صفات الٰہی کی صورت آرائی کرنی چاہی تو فطرت کائنات کے سلبی مظاہر کی دہشت سے فوراً متاثر ہو گئی کیونکہ زیادہ نمایاں اور پرشور تھے اور ایجابی و تعمیری حقیقت سے متاثر ہونے میں بہت دیر لگ گئی کیونکہ ان میں شورش اور ہنگامہ نہ تھا۔ بادلوں کی گرج' بجلی کی کڑک' آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار' زمین کا زلزلہ' آسمان کی ژالہ باری' دریا کا سیلاب' سمندر کا تلاطم' ان تمام سلبی مظاہر میں اس کے لیے رعب و ہیبت تھی اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈراؤنی صورت دیکھنے لگا تھا۔ اسے بجلی کی کڑک میں کوئی حسن محسوس نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بادلوں کی گرج میں کوئی شان محبوبیت نہیں پا سکتا تھا۔ وہ آتش فشاں پہاڑوں کی سنگ باری سے پیار نہیں کر سکتا تھا اور اس کی عقل ابھی خدا کے انہی کاموں سے آشنا ہوئی تھی!

انسان پر شیفتگی سے پہلی دہشت طاری ہوئی:

خود اس کی ابتدائی معیشت کی نوعیت بھی ایسی ہی تھی کہ انس و محبت کی جگہ خوف و وحشت کے جذبات برانگیختہ

ہوتے - وہ کمزور اور نہتا تھا اور دنیا کی ہر چیز اسے دشمنی اور ہلاکت پر تلی نظر آتی تھی - دلدل کے مچھروں کے جھنڈ چاروں طرف منڈلا رہے تھے' زہریلے جانور ہر طرف رینگ رہے تھے اور درندوں کے حملوں سے ہر وقت مقابل رہنا پڑتا تھا - سر پر سورج کی تپش بے پناہ تھی اور چاروں طرف موسم کے اثرات ہولناک تھے - غرض کہ اس کی زندگی سرتاسر جنگ اور محنت تھی اور اس ماحول کا قدرتی نتیجہ تھا کہ اس کا ذہن خدا کا تصور کرتے ہوئے خدا کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا رحمت و فیضان کا ادراک نہ کر سکتا -

بالآخر صفات رحمت و جمال کا اشتمال:

لیکن جوں جوں اس میں اور اس کے ماحول میں تبدیلی ہوتی گئی اس کے تصور میں بھی یاس و دہشت کی جگہ امید و رحمت کا عنصر شامل ہوتا گیا - یہاں تک کہ معبودیت کے تصور میں صفات رحمت و جمال نے بھی ویسی ہی جگہ پالی جیسی صفات قہر و جلال کے لیے تھی - چنانچہ اگر قدیم اقوام کے اصنام پرستانہ تصورات کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان کی ابتدا ہر جگہ صفات قہر و غضب کے تصور ہی سے ہوئی ہے اور پھر آہستہ آہستہ رحمت و جمال کی طرف قدم اٹھا ہے - آخری کڑیاں وہ نظر آئیں گی جن میں قہر و غضب کے ساتھ رحمت و جمال کا تصور بھی مساویانہ حیثیت سے قائم ہو گیا ہے - مثلاً قہر و ہلاکت کے دیوتاؤں اور قوتوں کے ساتھ زندگی' رزق' دولت اور حسن و علم کے دیوتاؤں کی بھی پرستش شروع ہو گئی ہے - یونان کا علم الاصنام اپنے لطافت تخیل کے لحاظ سے تمام اصنامی تخیلات میں اپنی خاص جگہ رکھتا ہے لیکن اس کی پرستش کے بھی قدیم معبود وہی تھے جو قہر و غضب کی خوفناک قوتیں سمجھی جاتی تھیں - ہندوستان میں اس وقت تک زندگی اور بخشش کے دیوتاؤں سے کہیں زیادہ ہلاکت کے دیوتاؤں کی پرستش ہوتی ہے -

ظہور قرآن کے وقت دنیا کے عام تصورات:

بہر حال ہمیں غور کرنا چاہیے کہ قرآن کے ظہور کے وقت صفات الٰہی کے عام تصورات کی نوعیت کیا تھی اور قرآن نے جو تصور پیش کیا اس کی حیثیت کیا ہے؟

ظہور قرآن کے وقت پانچ دینی تصور فکر انسانی پر چھائے ہوئے تھے:

چینی...... ہندوستانی...... مجوسی...... یہودی...... اور مسیحی -

(۱) چینی تصور:

دنیا کی تمام قدیم قوموں میں چینیوں کی یہ خصوصیت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ ان کے تصور الوہیت نے ابتدا میں جو ایک سادہ اور مبہم نوعیت اختیار کر لی تھی وہ بہت حد تک برابر قائم رہی اور زمانہ مابعد کی ذہنی وسعت پذیریاں اس میں زیادہ مداخلت نہ کر سکیں - تاہم تصور کا کوئی مرقع بغیر رنگ و روغن کے بن نہیں سکتا - اس لیے آہستہ آہستہ اس سادہ خاکے میں بھی مختلف رنگتیں نمایاں ہونے لگیں اور بالآخر ایک رنگین تصویر متشکل ہو گئی -

چین میں قدیم زمانے سے مقامی خداؤں کے ساتھ ایک ''آسمانی'' ہستی کا اعتقاد بھی موجود تھا - ایک ایسی بلند اور

عظیم ہستی جس کی علویت کے تصور کے لیے ہم آسمان کے سوا اور کسی طرف نظر نہیں اٹھا سکتے - آسمان حسن و بخشائش کا بھی مظہر ہے - قہر و غضب کی بھی ہولنا کی ہے - اس کا سورج روشنی اور حرارت بخشتا ہے' اس کے ستارے اندھیری راتوں میں قندیلیں روشن کر دیتے ہیں' اس کی بارش زمین کو طرح طرح کی روئیدگیوں سے معمور کر دیتی ہے' لیکن اس کی بجلیاں ہلاکت کا بھی پیام ہیں اور اس کی گرج دلوں کو دہلا بھی دیتی ہے - اس لیے آسمانی خدا کے تصور میں بھی دونوں صفتیں نمودار ہوئیں - ایک طرف اس کی جود و بخشائش ہے' دوسری طرف اس کا قہر و غضب ہے - چینی شاعری کی قدیم کتاب میں ہم قدیم ترین چینی تصورات کی جھلک دیکھ سکتے ہیں - ان میں جا بجا ہمیں ایسے مخاطبات ملتے ہیں جن میں آسمانی اعمال کی' ان متضاد نمودوں پر حیرانی و سرگشتگی کا اظہار کیا گیا ہے: ''یہ کیا بات ہے کہ تیرے کاموں میں یکسانی اور ہم آہنگی نہیں؟ تو زندگی بھی بخشتا ہے اور تیرے پاس ہلاکت کی بجلیاں بھی ہیں -''

یہ ''آسمان'' چینی تصور کا ایک ایسا بنیادی عنصر بن گیا کہ چینی جمعیت آسمانی جمعیت اور چینی مملکت آسمانی مملکت کے نام سے پکاری جانے لگی - رومی جب پہلے پہل چین سے آشنا ہوئے تو انہیں ایک ''آسمانی مملکت'' ہی کی خبر ملی تھی - اس وقت سے (Coelum) کے مشتقات کا چین کے لیے استعمال ہونے لگا - یعنی آسمان والے اور ''آسمانی'' اب بھی انگریزی میں چین کے باشندوں کے لیے مجازاً سلسٹیل (Celestial) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے - یعنی آسمانی ملک کے باشندے -

اس آسمانی ہستی کے علاوہ گزرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھی تھیں - جنہیں دوسرے عالم میں پہنچ کر تدبیر و تصرف کی طاقتیں حاصل ہو گئی تھیں اور اس لیے پرستش کی مستحق سمجھی گئی تھیں - ہر خاندان اپنی معبود روحیں رکھتا تھا اور ہر علاقہ اپنا مقامی خدا -

لاؤتزو اور کنگ فوزی کی تعلیم:

سنہ مسیحی سے پانچ سو برس پہلے لاؤ-تزو (Lao-Tzu) اور کنگ فوزی[1] (King-fu-Tse) کا ظہور ہوا - کنگ فوزی نے ملک کو عملی زندگی کی سعادتوں کی راہ دکھائی اور معاشرتی حقوق و فرائض کی ادائیگی کا ایک قانون مہیا کر دیا لیکن جہاں تک خدا کی ہستی کا تعلق ہے ''آسمان'' کا قدیمی تصور بدستور قائم رہا اور اجداد پرستی کے عقائد نے اس کے ساتھ مل کر ایک ایسی نوعیت پیدا کر لی گویا آسمانی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ گزری ہوئی روحوں کا وسیلہ اور تشفع ہے - روحانی تصورات میں وسیلہ کا اعتقاد ہمیشہ عابدانہ پرستش کی نوعیت پیدا کر لیتا ہے چنانچہ یہ توسل بھی عملاً تعبد تھا اور ہر طرح کے دینی اعمال و رسوم کا مرکزی نقطہ بن گیا تھا -

ہندوستان اور یونان میں دیوتاؤں کے تصور نے نشو و نما پائی تھی جو خدائی کی ایک بالاتر ہستی کے ساتھ کارخانہ عالم

---

[1] ''کنگ فوزی'' فارسی تلفظ ہے - صحیح چینی لفظ ''کونگ - فو - تسی'' ہے - ایرانیوں نے اسے زیادہ صحت کے ساتھ نقل کیا - یعنی صرف اتنی تبدیلی کی کہ ''فوتسی'' کو ''فوزی'' کر دیا' لیکن یورپ کی زبانوں نے اسے یک قلم مسخ کر کے ''کنفیوشیس'' (Confuocius) بنا دیا اور اس کی آواز اصل آواز سے اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ایک چینی سن کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کس چیز کا نام ہے اور کس ملک کی بولی ہیں؟

کے تصرفات میں شرکت رکھتے تھے- چینی تصور میں یہ خانہ بزرگوں کی روحوں نے بھرا اور اس طرح اشراک اور تعدد کے تصور کی پوری نقش آرائی ہوگئی-

کنگ فوزی کے ظہور سے پہلے قربانیوں کی رسم عام طور پر رائج تھی- کنگ فوزی نے اگرچہ ان پر زور نہیں دیا لیکن ان سے تعرض بھی نہیں کیا- چنانچہ وہ چینی مندروں کا تقاضا برابر پورا کرتی رہیں- قربانیوں کے عمل کے پیچھے طلب بخشش اور جلب تحفظ دونوں کے تصور کام کرتے تھے- قربانیوں کے ذریعہ ہم اپنے مقاصد بھی حاصل کر سکتے ہیں اور خدا کے قہر و غضب سے محفوظ بھی ہو جا سکتے ہیں- پہلی غرض کے لیے وہ نذر ہیں- دوسری غرض کے لیے فدیہ!

لاؤ- تزو نے ''تاؤ'' یعنی طریقت کے مسلک کی بنیاد ڈالی- اسے چین کا تصوف اور ویدانت سمجھنا چاہیے- تاؤ نے چینی زندگی کو روحانی استغراق اور داخلی مراقبہ کی راہوں سے آشنا کیا اور مذہبی اور اخلاقی تصورات میں ایک طرف گہرائی اور دقت آفرینی پیدا ہوئی دوسری طرف لطافت فکر اور رقت خیال کے نئے نئے دروازے کھلے- لیکن تصوف ملک کا عام دینی تصور نہیں بن سکتا تھا- اس کی محدود جگہ چین میں بھی وہی رہی جو ویدانت کی ہندوؤں میں اور تصوف کی مسلمانوں میں رہی ہے-

چین کا شمنی تصور:

اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب ہندوستان کے شمنی[1] مذہب (یعنی بدھ مذہب) کی چین میں اشاعت ہوئی- یہ مہایانا بدھ مذہب تھا جو مذہب کے اصلی مبادیات سے بہت دور جا چکا تھا اور جس نے تبدل پذیری کی ایسی بے روک لچک پیدا کر لی تھی کہ جس شکل وقطع کا خانہ ملتا تھا ویسا ہی جسم بنا کر اس میں سما جاتا تھا- یہ جب چین' کوریا اور جاپان میں پہنچا تو اسے

---

[1] سنسکرت میں ''شمن'' زاہد اور تارک الدنیا کو کہتے ہیں- بدھ مذہب کے تارک الدنیا بھکشو اس لقب سے پکارے جاتے تھے- رفتہ رفتہ تمام پیروان بدھ کو ''شمنی'' کہنے لگے- اسی ''شمنی'' کو عربوں نے ''سمنی'' بنا لیا اور وسط ایشیا کے باشندوں نے ''شامانی''- چنانچہ زکریا رازی' البیرونی' اور ابن الندیم وغیرہم نے بدھ مذہب کا ذکر سمنیہ ہی کے نام سے کیا ہے- البیرونی بدھ مذہب کی عالمگیر اشاعت کی تاریخ کی بھی خبر رکھتا تھا- چنانچہ کتاب الہند کی پہلی فصل میں اس طرف اشارات کیے ہیں-

چنگیز خاں کی نسبت یہ تصریح ملتی ہے کہ وہ شامانی مذہب کا پیرو تھا- یعنی بدھ مذہب کا- چونکہ شامانی اور بدھ مذہب کا ترادف واضح نہیں ہوا تھا اس لیے انیسویں صدی کے بعض یورپی مؤرخوں کو طرح طرح کی غلط فہمیاں ہوئیں اور وہ اس کا صحیح مفہوم متعین نہ کر سکے-

یہ غلط فہمی یورپ کے عام اہل قلم میں آج بھی موجود ہے- شمالی سائبیریا اور چینی ترکستان کے ہمسایہ علاقوں کے تورانی قبائل اپنے مذہبی پیشواؤں کو (جو تبت کے لاماؤں کی طرح ملکی پیشوائی بھی رکھتے ہیں) ''شامان'' کہتے ہیں- سوویٹ روس کی حکومت آج کل ان کی تعلیم و تربیت کا سروسامان کر رہی ہے- یہ لوگ بھی بلاشبہ بدھ مذہب کے پیرو ہیں لیکن ان کا بدھ مذہب منگولیوں کے محرف مذہب کی بھی ایک مسخ شدہ صورت ہے اس لیے اصلیت کی بہت کم جھلک باقی رہ گئی ہے اور اسی لیے ان کی مذہبی اصلیت کے بارے میں آج کل کے مصنف حیرانی ظاہر کر رہے ہیں-

انگریزی میں انہی تورانی قبائل کے مذہب کی نسبت شے منزم (Shamanism) کی ترکیب رائج ہوگئی ہے اور جادوگری کے اعمال و اثرات کو (Shamanic) اور (Shamanislic) وغیرہ سے تعبیر کرنے لگے ہیں- یہ ''شمین'' بھی وہی ''شامانی'' ہی کی ایک محرف صورت ہے چونکہ ان قبائل میں جادوگری کا اعتقاد عام ہے اور وہ اپنے شامانوں سے بیماریوں میں جادو کے ٹوٹکے کراتے ہیں اس لیے جادوگری کے لیے یہ لفظ مستعمل ہو گیا ہے-

ہندوستان اور سیلون سے مختلف قسم کی فضا ملی اور اس نے فوراً مقامی وضع وقطع اختیار کر لی۔

بدھ مذہب کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ خدا کی ہستی کے تصور سے خالی ہے۔لیکن پیروان بدھ نے خود بدھ کو خدا کی جگہ دے دی اور اس کی پرستش کا ایک ایسا عالمگیر نظام قائم کر دیا جس کی کوئی دوسری نظیر اصنامی مذاہب کی تاریخ میں نہیں ملتی - چنانچہ چین' کوریا' اور جاپان کی عبادت گاہیں بھی اب اس نئے معبود کے بتوں سے معمور ہو گئیں۔

(۲) ہندوستانی تصور

ہندوستان کے تصور الوہیت کی تاریخ متضاد تصوروں کا ایک حیرت انگیز منظر ہے۔ایک طرف اس کا توحیدی فلسفہ ہے' دوسری طرف اس کا عملی مذہب ہے۔توحیدی فلسفہ نے استغراق فکر وعمل کے نہایت گہرے اور دقیق مرحلے طے کیے اور معاملہ کو فکری بلندیوں کی ایک ایسی اونچی سطح تک پہنچا دیا جس کی کوئی دوسری مثال ہمیں قدیم قوموں کے مذہبی تصورات میں نہیں ملتی۔عملی مذہب نے اشراک اور تعدد الٰہ کی بے روک راہ اختیار کی اور اصنامی تصوروں کو اتنی دور تک پھیلنے دیا کہ ہر پتھر معبود ہو گیا' ہر درخت خدائی کرنے لگا' اور ہر چوکھٹ سجدہ گاہ بن گئی - وہ بیک وقت زیادہ سے زیادہ بلندی کی طرف بھی اڑا اور زیادہ سے زیادہ پستی میں بھی گرا - اس کے خواص نے اپنے لیے توحید کی جگہ پسند کی اور عوام کے لیے اشراک اور اصنام پرستی کی راہ مناسب سمجھی!

اوپانی شد کا توحیدی اور وحدۃ الوجودی تصور:

رگ وید کے زمزموں میں ہمیں ایک طرف مظاہر قدرت کی پرستش کا ابتدائی تصور بتدریج پھیلتا اور مجسم ہوتا دکھائی دیتا ہے - دوسری طرف ایک بالاتر اور خالق کل ہستی کا توحیدی تصور بھی آہستہ آہستہ ابھرتا نظر آتا ہے۔خصوصاً دسویں حصے کے زمزموں میں تو اس کی نمود صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہے - یہ توحیدی تصور کسی بہت پرانے گذشتہ عہد کے بنیادی تصور کا بقیہ تھا یا مظاہر قدرت کی کثرت آرائیوں کا تصور اب خود بخود کثرت سے وحدت کی طرف ارتقائی قدم اٹھانے لگا تھا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن بہر حال ایک ایسے قدیم عہد میں بھی جبکہ رگ وید کے تصوروں نے نظم وسخن کا جامہ پہننا شروع کیا تھا توحیدی تصور کی جھلک صاف صاف دیکھی جا سکتی ہے - خداؤں کا وہ ہجوم جس کی تعداد تین سو تینتیس یا اسی طرح کی ثلاثی کثرت تک پہنچ گئی تھی -[1] بالآخر تین دائروں میں سمٹنے لگا - یعنی زمین' فضا' اور آسمان میں اور پھر اس نے ایک رب الارباب تصور[2] (Henotheism) کی نوعیت پیدا کر لی - پھر یہ رب الاربابی تصور اور زیادہ سمٹنے لگتا ہے اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی ہستی نمایاں ہونے لگتی ہے - یہ ہستی کبھی ''ورون'' میں نظر آتی ہے' کبھی ''اندر'' میں' اور کبھی ''اگنی'' میں لیکن بالآخر ایک خالق کل ہستی کا تصور پیدا ہو جاتا ہے جو ''پرجاپتی'' (پروردگار عالم) اور ''وشوا کرمن'' (خالق کل) کے نام سے پکاری جانے لگتی ہے اور جو تمام کائنات کی اصل وحقیقت ہے۔'' وہ ایک ہے مگر علم والے اسے مختلف ناموں

---

[1] رگ وید - حصہ سوم ۹ - ۹ - [2] رب الاربابی تصور سے مقصود تصور کی وہ نوعیت ہے جب خیال کیا جاتا ہے کہ بہت سے خداؤں میں ایک خدا سب سے بڑا ہے اور چھوٹے خداؤں کو اس کے ماتحت رہنا پڑتا ہے - جیسا کہ یونانیوں اور رومیوں کا عقیدہ مشتری کی نسبت تھا -

سے پکارتے ہیں: اگنی' یم' ماتری شوان'' (۱۶۴-۴۶) ''وہ ایک نہ تو آسمان ہے نہ زمین ہے- نہ سورج کی روشنی ہے نہ ہوا کا طوفان ہے- وہ کائنات کی روح ہے- تمام قوتوں کا سرچشمہ- ہمیشگی- لازوالی- وہ کیا ہے؟ وہ شاید رٹ ہے جو ہر کے روپ میں- ادیتی ہے روحانیت کے بھیس میں- وہ بغیر سانس کے سانس لینے والی ہستی!'' (حصہ دہم-۱۲۱-۲) ''ہم اسے دیکھ نہیں سکتے- ہم اسے پوری طرح بتلا نہیں سکتے'' (ایضاً-۱۲۱) وہ ''ایکم ست'' ہے- یعنی حقیقت یگانہ- الحق- یہی وحدت ہے جو کائنات کی تمام کثرت کے اندر دیکھی جا سکتی ہے-[1]

یہی مبادیات ہیں جنہوں نے اوپانی شدوں میں توحید وجودی (Pantheism) کے تصور کی نوعیت پیدا کر لی اور پھر ویدانت کے مابعد الطبیعیات (Metaphysics) نے انہی بنیادوں پر استغراق فکر و نظر کی بڑی بڑی عمارتیں تیار کر دیں-

وحدۃ الوجودی اعتقاد ذات مطلق کے کشفی مشاہدات پر مبنی تھا- نظری عقائد کو اس میں دخل نہ تھا- اس لیے اصلاً یہاں صفات آرائیوں کی گنجائش ہی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو صرف سلبی صفات (Negative Attributes) ہی ابھر سکتی تھیں- ایجابی (Positive) صفات کی صورت آرائی نہیں کی جا سکتی تھی- یعنی یہ تو کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایسا نہیں ہے- ایسا نہیں ہے- لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایسا ہے اور ایسا ہے- کیونکہ ایجابی صفات کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ ہمارے ذہن و فکر ہی کا بنایا ہوا نقشہ ہو گا اور ہمارا ذہن و فکر امکان و اضافت کی چار دیواری میں اس طرح مقید ہے کہ مطلق اور غیر محدود حقیقت کا تصور کر ہی نہیں سکتا- وہ جب تصور کرے گا تو ناگزیر ہے کہ مطلق کو متشخص بنا کر سامنے لائے' اور جب تشخص آیا تو اطلاق باقی نہیں رہا- بابا فغانی نے دو مصرعوں کے اندر معاملہ کی پوری تصویر کھینچ دی تھی:

مشکل حکایتیست کہ ہر ذرہ عین اوست امانمی تواں کہ اشارت بہ اوکنند!

یہی وجہ ہے کہ اوپانی شد نے پہلے ذات مطلق (برہمان) کو ذات متشخص (ایشور) کے مرتبہ میں اتارا اور جب اطلاق نے تشخص کا نقاب چہرہ پر ڈال لیا تو پھر اس نقاب پوش چہرہ کی صفتوں کی نقش آرائیاں کی گئیں اور اس طرح وحدۃ الوجودی عقیدہ نے ذات متشخص و متصف (ساگون) کے تصور کا مقام بھی مہیا کر دیا-[2]

---

[1] رگ وید اور اوپانی شد کے مطالب کے لیے ہم نے حسب ذیل مصادر سے مدد لی ہے:

(Maxmuller): دی ویدک ہیمز — (Bloomfield): دی ریلیجن آف دی وید
(Kaeigi): دی رگ وید — (Ghate): لیکچرز آن دی رگ وید
(Deussen): دی فلاسفی آف اوپانی شد — (Hume): دی تھرٹین پرنسپل اوپانی شد

[2] ہمارے صوفیائے کرام نے اسی صورت حال کو یوں تعبیر کیا ہے کہ ''احدیت'' نے مرتبہ ''واحدیت'' کی تجلی میں نزول کیا- ''احدیت'' یعنی یگانہ ہونا- ''واحدیت'' یعنی اول ہونا- یگانہ ہستی کو ہم اول نہیں کہہ سکتے- کیونکہ اول جبھی ہو گا جب دوسرا' تیسرا اور چوتھا بھی ہو اور یگانگی بحت کے مرتبہ میں دوسرے اور تیسرے کی گنجائش ہی نہیں- لیکن جب ''احدیت'' نے ''واحدیت'' کے مرتبہ میں نزول کیا تو اب ''ھو الاول'' کا مرتبہ ظہور میں آ گیا- اور جب اول ہوا تو دوسرے' تیسرے اور چوتھے کے تعینات بھی ظہور میں آنے لگے- وما املح قول الشاعر العارف:

دریائے کہن چو بر زند موجہ نو موجش خوانند و فی الحقیقت دریاست

جب ان صفات کا ہم مطالعہ کرتے ہیں تو بلا شبہ ایک نہایت بلند تصور سامنے آ جاتا ہے جس میں سلبی اور ایجابی دونوں طرح کی صفتیں اپنی پوری نمود اریاں رکھتی ہیں- اس کی ذات یگانہ ہے- اس ایک کے لیے دوسرا نہیں- وہ بے ہمتا ہے- بے مثال ہے- ظرف وزمان اور مکان کے قیود سے بالاتر- ازلی وابدی- ناممکن الادراک- واجب الوجود- وہی پیدا کرنے والا ہے' وہی حفاظت کرنے والا' اور وہی فنا کر دینے والا- وہ علۃ العلل اور علت مطلقہ (''اپادنا'' اور ''نیمتا کارنا'') ہے- تمام موجودات اسی سے بنیں' اسی سے قائم رہتی ہیں اور پھر اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں- وہ نور ہے- کمال ہے حسن ہے- سرتاسر پاکی ہے- سب سے زیادہ طاقتور' سب سے زیادہ رحم و محبت والا' ساری عبادتوں اور عاشقیوں کا مقصود حقیقی!

لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یہ حقیقت بھی ہمیں صاف صاف دکھائی دیتی ہے کہ توحیدی تصور کی یہ بلندی بھی اشراک اور تعدد کی آمیزش سے خالی نہیں رہی' اور توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات کا بے میل عقیدہ جلوہ گر نہ ہو سکا- زمانۂ حال کے ایک قابل ہندو مصنف کے لفظوں میں دراصل اشراکی اور تعددی تصور (Polytheistic) ہندوستانی دل و دماغ میں اس درجہ جڑ پکڑ چکا تھا کہ اب اسے یک قلم اکھاڑ کے پھینک دینا آسان نہ تھا- اس لیے ایک یگانہ ہستی کی جلوہ طرازی کے بعد بھی دوسرے خدا نابود نہیں ہو گئے- البتہ اس یگانہ ہستی کا قبضۂ اقتدار ان سب پر چھا گیا اور سب اس کی ماتحتی میں آ گئے-[1]

اب اس طرح کی تصریحات بھی ہمیں ملنے لگتی ہیں کہ بغیر اس بالاتر ہستی (برہماں) کے ''اگنی'' دیبی کچھ نہیں کر سکتی ''یہ اسی (برہماں) کا خوف ہے جو تمام دیوتاؤں سے ان کے فرائض منصبی انجام دلاتا ہے'' (تیتر ااو پانی شد) راجہ اشواپتی نے جب پانچ گھر والوں سے پوچھا ''تم اپنے دھیان میں کس کی پرستش کرتے ہو؟ تو ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک دیوتا کا نام لیا- اس پر اشواپتی نے کہا ''تم میں سے ہر ایک نے حقیقت کے صرف ایک ہی حصہ کی پرستش کی حالانکہ وہ سب کے ملنے سے شکل پذیر ہوتی ہے- ''اندر'' اس کا سر ہے- ''سوریہ'' (سورج) اس کی آنکھیں ہیں- ''وایو'' سانس ہے- ''آکاش'' (ایتھر) جسم ہے- ''دھرتی'' (زمین) اس کا پاؤں ہے'' - (ایضاً)[2]

لیکن پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جب حقیقت کی قیومیت اور احاطہ پر زور دیا جاتا ہے تو تمام موجودات کے ساتھ دیوتاؤں کی ہستی بھی غائب ہو جاتی ہے کیونکہ تمام موجودات اسی پر موقوف ہیں- وہ کسی پر موقوف نہیں ''جس طرح رتھ کے پہیے کی تمام شاخیں ایک ہی دائرہ کے اندر اپنا وجود رکھتی ہیں اسی طرح تمام چیزیں' تمام دیوتا' تمام دنیائیں اور تمام آلات اسی ایک وجود کے اندر ہیں'' (برہادر یناک او پانی شد باب ۲-۵) یہاں وہ درخت موجود ہے جس کی جڑ اوپر کی طرف چلی گئی ہے اور

---

[1] پروفیسر اس- رادھا کرشناں: انڈین فلاسفی جلد اول صفحہ ۱۴۴- طبع ثانی-

[2] اگر او پانی شد کی اشراکی لچک کے دوسرے صریح شواہد موجود نہ ہوتے تو اس طرح کی تصریحات بآسانی مجازات پر محمول کی جا سکتی تھیں- یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ او پانی شد ایک سو آٹھ ہیں اور مختلف عہدوں میں مرتب ہوئے ہیں- ہر او پانی شد اپنے عہد کے تدریجی تصورات و مباحث کے اثرات پیش کرتا ہے اور یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ان نتائج پر مبنی ہے جو مجموعی حیثیت سے نکالے گئے ہیں-

شاخیں نیچے کی طرف پھیلی ہوئی ہیں- یہ برہماں ہے لافانی- تمام کائنات اس میں ہے- کوئی اس سے باہر نہیں'' (تیتر-۱-۱۰)

یہاں ہم مصنف موصوف کے الفاظ پھر مستعار لیتے ہیں'' یہ دراصل ایک سمجھوتا تھا جو چند خاص دماغوں کے فلسفیانہ تصور نے انسانی بھیڑ کے وہم پرستانہ ولولوں کے ساتھ کرلیا تھا- اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواص اور عوام کی فکری موافقت کی ایک آب وہوا پیدا ہوگئی اور وہ برابر قائم رہی''[1]

آگے چل کر ویدانت کے فلسفہ نے بڑی وسعتیں اور گہرائیاں پیدا کیں لیکن خواص کے توحیدی تصور میں عوام کے اشرا کی تصور سے مفاہمت کا جو میلان پیدا ہوگیا تھا وہ متزلزل نہ ہوسکا- بلکہ اور زیادہ مضبوط اور وسیع ہوتا گیا- یہ بات عام طور پر تسلیم کرلی گئی کہ سالک جب عرفان حقیقت کی منزلیں طے کرلیتا ہے تو پھر ماسوئی کی تمام ہستیاں معدوم ہوجاتی ہیں اور ماسوئی میں دیوتاؤں کی ہستیاں بھی داخل ہیں- گویا دیوتاؤں کی ہستیاں مظاہر وجود کی ابتدائی تعینات ہوئیں- لیکن ساتھ ہی یہ بنیاد بھی برابر قائم رکھی گئی کہ جب تک اس آخری مقام عرفان تک رسائی حاصل نہ ہوجائے دیوتاؤں کی پرستش کے بغیر چارہ نہیں اور ان کی پرستش کا جو نظام قائم ہوگیا ہے اسے چھیڑنا نہیں چاہیے- اس طرح گویا ایک طرح کے توحیدی- اشرا کی تصور (Monotheistic-Polytheism) کا مخلوط مزاج پیدا ہوگیا جو بیک وقت فکر ونظر کا توحیدی تقاضا بھی پورا کرنا چاہتا تھا اور ساتھ ہی اصنامی عقائد کا نظام عمل بھی سنبھالے رکھنا چاہتا تھا- ویدانت کے بعض مذہبوں میں تو یہ مخلوط نوعیت بنیادی تصوروں تک سرایت کرگئی- مثلاً نیمبارک اور اس کا شاگرد سری نواس برہم سوتر کی شرح کرتے ہوئے ہمیں بتلاتے ہیں کہ ''اگرچہ برہما یا کرشن کی طرح کوئی نہیں مگر اس سے ظہور میں آئی ہوئی دوسری قوتیں بھی ہیں جو اس کے ساتھ اپنی نمود رکھتی ہیں اور اسی کی طرح کارفرمائی میں شریک ہیں- چنانچہ کرشن کے بائیں طرف رادھا ہے- یہ بخشش ونوال کی ہستی ہے- تمام نتائج و ثمرات بخشنے والی- ہمیں چاہیے کہ برہما کے ساتھ رادھا کی بھی پرستش کریں-[2]

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ فطرت کائنات کے جن قوائے مدبرہ کو سامی تصور نے ''ملاک'' اور ''ملائکہ'' سے تعبیر کیا تھا' اسی کو آریائی تصور نے ''دیو'' اور ''یزتا'' سے تعبیر کیا- یونانیوں کا ''تھیوس'' (ΘΕΟS) رومیوں کا ڈے یوس (Deus) پارسیوں کا ''یزتا'' (یزداں) سب کے اندر وہی ایک بنیادی مادہ اور وہی ایک بنیادی تصور کام کرتا رہا- سنسکرت میں ''دیو'' ایک لچکدار لفظ ہے جو متعدد معنوں میں مستعمل ہوا ہے لیکن جب مافوق الفطرت ہستیوں کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایک ایسی غیر مادی اور روحانی ہستی کے ہوجاتے ہیں جو اپنے وجود میں روشن اور درخشاں ہو- سامی ادیان نے ان روحانی ہستیوں کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں دیکھی کہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی کارکن ہستیاں ہیں- لیکن آریائی تصور نے ان میں تدبیر وتصرف کی بالاستقلال طاقتیں دیکھیں اور جب توحیدی تصور کے قیام سے وہ استقلال باقی نہیں رہا تو توسل اور تزلف کا درمیانی مقام انہوں نے پیدا کرلیا- یعنی اگرچہ وہ خود خدا نہیں ہیں لیکن خدا تک پہنچنے کے لیے ان کی

---

[1] ویدانت پاری جات سورابھ جلد سوم صفحہ ۲۵- اس کا انگریزی ترجمہ مترجمہ ڈاکٹر روما بوس' رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے حال میں شائع کیا ہے-

پرستش ضروری ہوئی - ایک پرستار کی پرستش اگرچہ ہوگی معبود حقیقی کے لیے مگر ہوگی انہی کے آستانوں پر - ہم براہ راست خدا کے آستانے تک پہنچ نہیں سکتے ہمیں پہلے دیوتاؤں کے آستانوں کا وسیلہ پکڑنا چاہیے - دراصل یہی توسل و تزلف کا عقیدہ ہے جس نے ہر جگہ توحیدی اعتقاد و عمل کی تکمیل میں خلل ڈالا - ورنہ ایک خدا کی یگانگی اور بالاتری سے تو کسی کو بھی انکار نہ تھا - عرب جاہلیت کے بت پرستوں کا بھی یہی عقیدہ قرآن نے نقل کیا ہے کہ ﴿ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ (۳۹-۳)

بہر حال شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت کا یہی وہ عنصری مادہ تھا جس نے ہندوستان کے عملی مذہب کو سرتا سر اشراک اور اصنام پرستی کے عقائد سے معمور کر دیا اور بالآخر یہ صورت حال اس درجہ گہری اور عام ہوگئی کہ جب تک ایک سراغ رساں جستجو اور تفحص کی دور دراز مسافتیں طے نہ کر لے ہندو عقیدہ کے توحیدی تصور کا کوئی نشان نہیں پا سکتا - توحیدی تصور نے یہاں ایک ایسے راز کی نوعیت پیدا کر لی جس تک صرف خاص خاص عارفوں ہی کی رسائی ہو سکتی ہے - ہم اس کا سراغ پہاڑوں کے غاروں میں پا سکتے ہیں لیکن کوچہ و بازار میں نہیں پا سکتے - گیارھویں صدی مسیحی میں جب ابو ریحان البیرونی ہندوستان کے علوم و عقائد کے سراغ میں نکلا تھا تو یہ متضاد صورت حال دیکھ کر حیران رہ گیا تھا - سولہویں صدی میں ویسی ہی حیرانی ابوالفضل کو پیش آئی' اور پھر اٹھارہویں صدی میں سر ولیم جونس کو -

بہترین معذرت جو اس صورت حال کی کی جا سکتی ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ گیتا کے شہرۂ آفاق ترانوں میں ہمیں ملتا ہے اور جس نے البیرونی کے فلسفیانہ دماغ کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا - یعنی یہاں پہلے دن سے عقائد و عمل کی مختلف راہیں مصلحتاً کھلی رکھی گئیں تاکہ خواص اور عوام دونوں کی فہم و استعداد کی رعایت ملحوظ رہے - توحیدی تصور خواص کے لیے تھا کیونکہ وہی اس بلند مقام کے متحمل ہو سکتے تھے - اصنامی تصور عوام کے لیے تھا کیونکہ ان کی طفلانہ عقول کے لیے یہی راہ موزوں تھی - اور پھر چونکہ خواص بھی جمعیت و معاشرت کے عام ضبط و نظم سے باہر نہیں رہ سکتے' اس لیے عملی زندگی میں انہیں بھی اصنام پرستی کے تقاضے پورے کرنے ہی پڑتے تھے - اور اس طرح ہندو زندگی کی بیرونی وضع و قطع بلا استثنا اشراک اور اصنام پرستی ہی کی رہتی آئی -

البیرونی نے حکمائے یونان کے اقوال نقل کر کے دکھایا ہے کہ اس بارے میں ہندوستان اور یونان دونوں کا حال ایک ہی طرح کا رہا - پھر گیتا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''بہت سے لوگ مجھ تک (یعنی خدا تک) اس طرح پہنچنا چاہتے ہیں کہ میرے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں لیکن میں ان کی مرادیں بھی پوری کر دیتا ہوں - کیونکہ میں ان سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہوں'' [1]

---

[1] البیرونی نے کتاب الہند ص ۵۹ میں بعض سنسکرت کتابوں سے بتوں کے بنانے کے احکام و قواعد نقل کیے ہیں - اس کے بعد لکھتا ہے وکان الفرض فی حکایة هذا الهذیان ان تعرف الصورة من صنمها اذا شوهد' ولیتحقق ما قلنا من ان هذه الاصنام للعوام الذین سفلت مراتبهم وقصرت معارفهم' فما عمل صنم قط باسم من علا المادة فضلا عن الله تعالیٰ ولیعرف کیف یعبد السفل بالتمویهات' وکذلك قیل فی کتاب گیتا ان کثیراً من الناس یتقربون فی مباغیهم الیَّ بغیری' ویتوسلون بالصدقات والتسبیح والصلوة لسوای فاقویهم علیها' واوفقهم لها' واوصلهم الی ارادتهم' لا استغنائی عنهم - آج کل کے تمام ہندو اہل نظر جو ہندو عقائد و تصورات کی فلسفیانہ تعبیر کرنی چاہتے ہیں عموماً یہی توجیہ پیش کرتے ہیں جو البیرونی نے پیش کی تھی - ابوالفضل اور دارا شکوہ نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے -

بے محل نہ ہوگا اگر اس موقع پر زمانہ حال کے ایک ہندو مصنف کی رائے پر بھی نظر ڈال لی جائے - گوتم بدھ کے ظہور سے پہلے ہندو مذہب کے تصورِ الوہیت نے جو عام شکل و صورت پیدا کر لی تھی اس پر بحث کرتے ہوئے یہ قابل مصنف لکھتا ہے:

''گوتم بدھ کے عہد میں جو مذہب ملک پر چھایا ہوا تھا اس کے نمایاں خط و خال یہ تھے کہ لین دین کا ایک سودا تھا جو خدا اور انسانوں کے درمیان ٹھہر گیا تھا - جب کہ ایک طرف اوپانی شد کا برہماں تھا جو ذات الوہیت کا ایک اعلیٰ اور شائستہ تصور پیش کرتا تھا تو دوسری طرف ان گنت خداؤں کا ہجوم تھا جن کے لیے کوئی حد بندی نہیں ٹھہرائی جا سکتی تھی - آسمان کے سیارے' مادہ کے عناصر' زمین کے درخت' جنگل کے حیوان' پہاڑوں کی چٹانیں' دریاؤں کی جدولیں' غرض کہ موجودات خلقت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو خدائی حکومت میں شریک نہ کر لی گئی ہو - گویا ایک بے لگام اور خود رو تخیل کو پروانہ مل گیا تھا کہ دنیا کی جتنی چیزوں کو خدائی مسند پر بٹھا سکتا ہے بے روک ٹوک بٹھاتا رہے - پھر جیسے خداؤں کی یہ بے شمار بھیڑیں بھی اس کے ذوق خدا سازی کے لیے کافی نہ ہوئی ہوں - طرح طرح کے عفریتوں اور عجیب الخلقت جسموں کی متخیلہ صورتوں کا بھی ان پر اضافہ ہوتا رہا - اس میں شبہ نہیں کہ اوپانی شدوں نے فکر و نظر کی دنیا میں ان خداؤں کی سلطانی برہم کر دی تھی - لیکن عمل کی زندگی میں انہیں نہیں چھیڑا گیا - وہ بدستور اپنی خدائی مسندوں پر جمے رہے''[1]

شمنی مذہب اور اس کے تصورات:

قدیم برہمنی مذہب کے بعد شمنی مذہب (یعنی بدھ مذہب) کا ظہور ہوا - اسلام کے ظہور سے پہلے ہندوستان کا عام مذہب یہی تھا - شمنی مذہب کی اعتقادی مبادیات کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں - انیسویں صدی کے مستشرقوں کے ایک گروہ نے اسے اوپانی شدوں کی تعلیم ہی کا ایک عملی استغراق قرار دیا تھا اور خیال کیا تھا کہ ''نروان'' میں جذب وانفصال کی روحانی اصل پوشیدہ ہے - یعنی جس سرچشمہ سے انسانی ہستی نکلی ہے - پھر اسی میں واصل ہو جانا ''نروان'' یعنی نجات کامل ہے - لیکن اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ شمنی مذہب خدا اور روح کی ہستی کا کوئی تصور نہیں رکھتا - اس کا دائرہ اعتقاد و عمل صرف زندگی کی سعادت اور نجات کے مسئلہ میں محدود ہے - وہ صرف پرکرتی یعنی مادۂ ازلی کا حوالہ دیتا ہے جسے کائناتی طبیعت حرکت میں لاتی ہے - ''نروان'' سے مقصود یہ ہے کہ ہستی کی انانیت فنا ہو جائے اور زندگی کے چکر سے نجات مل جائے - اس میں شک نہیں کہ جہاں تک مابعد زمانے کے شمنی مفکروں کی تصریحات کا تعلق ہے یہی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے - اگر ان کا ایک گروہ لاادریت (Agnosticism) تک پہنچ کر رک گیا ہے تو دوسرا گروہ اس سے بھی آگے نکل گیا ہے اور مدعیانہ انکار کی راہ اختیار کی ہے -

---

[1] پروفیسر اس - رادھا کرشناں - انڈین فلاسفی جلد اول صفحہ ۴۵۳ - طبع ثانی -

موکشا آ کر گپتا نے ''ترک بھاشا''[1] میں ان تمام دلائل کا رد کیا- جو نیائے[2] اور ویشیسک طریق نظر کے نظار خدا کی ہستی کے اثبات میں پیش کرتے تھے-[3] تاہم یہ بات بھی قطعی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ خود گوتم بدھ کا سکوت و توقف بھی انکار ہی پر مبنی تھا- اس کے سکوتی تحفظات متعدد مسئلوں میں ثابت ہیں اور اس کے متعدد محمل قرار دیے جا سکتے ہیں- اگر ان تمام اقوال پر جو براہ راست اس کی طرف منسوب ہیں غور کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مسلک نفی ذات کا نہ تھا- نفی صفات کا تھا- اور نفی صفات کا مقام ایسا ہے کہ انسانی فکر و زبان کی تمام تعبیرات معطل ہو جاتی ہیں اور سکوت کے سوا چارۂ کار باقی نہیں رہتا-

علاوہ بریں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اس کے ظہور کے وقت اصنامی خدا پرستی کے مفاسد بہت گہرے ہو چکے تھے اور اصنامی خدا پرستی بجائے خود راہ حقیقت کی سب سے بڑی روک بن گئی تھی- اس نے اس روک سے راستہ صاف کر دینا چاہا اور تمام توجہ زندگی کی عملی سعادت کے مسئلہ پر مرکوز کر دی- اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ برہمنی خدا پرستی کے عقائد سے انکار کیا جائے اور اس پر زور دیا جائے کہ نجات کی راہ ان معبودوں کی پرستش میں نہیں ہے بلکہ علم حق اور عمل حق میں ہے- یعنی ''اشٹانگ مارگ[4] '' میں ہے- آگے چل کر اس اصنافی انکار نے مطلق انکار کی شکل پیدا کر لی اور پھر برہمنی مذہب کی مخالفت کے غلو نے معاملہ کو دور تک پہنچا دیا-

بہرحال خود گوتم بدھ اور اس کی تعلیم کے شارحوں کی تصریحات اس بارے میں کچھ ہی رہی ہوں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس کے پیروؤں نے خدا کے تصور کی خالی مسند بہت جلد بھر دی- انہوں نے اس مسند کو خالی دیکھا تو خود گوتم بدھ کو وہاں لا کر بٹھا دیا اور پھر اس نئے معبود کی پرستش اس جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دی کہ آدھی سے زیادہ دنیا اس کے بتوں سے معمور ہو گئی!

آوارۂ غربت نہ تواں دید صنم را وقتست کہ دگر بتکدہ سازند حرم را!

گوتم بدھ کی وفات پر ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ پیروان بدھ کی اکثریت نے اس کی شخصیت کو عام انسانی سطح سے بالاتر دیکھنا شروع کر دیا تھا اور اس کے آثار و تبرکات کی پرستش کا میلان بڑھنے لگا تھا- اس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب مذہب کی پہلی مجلس اعظم راج گیری میں منعقد ہوئی اور اس کے شاگرد خاص آنند نے اس کی آخری وصایا بیان کیں تو

---

[1] یہ قدیم کتاب جس کا صرف تبتی نسخہ دنیا کے علم میں آیا تھا اب اصل سنسکرت میں نکل آئی ہے اور گائیکواڑ اورنٹیل سیریز کے ادارے نے حال میں شائع کر دی ہے- میسور کا مشرقی کتب خانہ بھی اس کا ایک دوسرا نسخہ اشاعت کے لیے مرتب کر رہا ہے-

[2] ''نیائے'' یعنی منطق ''ویشیسک'' طریق نظر سے مقصود منطقی نقد و تحلیل کا ایک خاص مسلک ہے-

[3] گوتم بدھ کی تعلیم میں ''اشٹانگ مارگ'' یعنی آٹھ باتوں کا طریقہ ایک بنیادی اصل ہے- آٹھ باتوں سے مقصود علم و عمل کا تزکیہ و طہارت ہے- علم حق، رحم و شفقت، قربانی، ہوا و ہوس سے آزادی، خودی کو مٹانا وغیرہ-

[4] میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی استنباط ہے اور مجھے حق نہیں کہ اپنی رائے کو وثوق کے ساتھ ان محققوں کے مقابلہ میں پیش کروں جنہوں نے اس موضوع کے مطالعہ میں زندگیاں بسر کر دی ہیں- تاہم میں مجبور ہوں کہ اپنی محدود معلومات کی روشنی میں جن نتائج تک پہنچا ہوں ان سے دست بردار نہ ہوں- یورپ کے محققوں نے بدھ مذہب کے مصادر کی جستجو و فراہمی میں بڑی کدو کاوش کی ہے اور پالی زبان کے تمام اہم مصادر فرنچ یا انگریزی میں منتقل کر لیے ہیں- میں نے حتی الامکان اس تمام مواد کے مطالعہ کی کوشش کی اور بالآخر اسی نتیجہ تک پہنچا-

بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ اس کی روایت پر مطمئن نہ ہوئے اور اس کے مخالف ہو گئے کیونکہ اس کی روایتوں میں انہیں وہ ماورائے انسانیت عظمت نظر نہیں آئی جسے اب ان کی طبیعت ڈھونڈنے لگی تھی- تقریباً سو برس بعد جب دوسری مجلس ویسالی (مظفر پور حالی) میں منعقد ہوئی تو اب مذہب کی بنیادی سادگی اپنی جگہ کھو چکی تھی اور اس کی جگہ نئے نئے تصوروں اور مخلوط عقیدوں نے لے لی تھی- اب مسیحی مذہب کے اقانیم ثلاثہ کی طرح جو پانچ سو برس بعد ظہور میں آنے والا تھا ایک شمنی اقانیم کا عقیدہ بدھ کی شخصیت کے گرد ہالے کی طرح چمکنے لگا اور عام انسانی سطح سے وہ ماورا تسلیم کر لی گئی- یعنی بدھ کی ایک شخصیت کے اندر تین وجودوں کی نمود ہوگئی: اس کی تعلیم کی شخصیت' اس کے دنیاوی وجود کی شخصیت اور اس کے حقیقی وجود کی شخصیت- یہ آخری شخصیت لوک (بہشت) میں رہتی ہے- دنیا میں جب کبھی بدھ کا ظہور ہوتا ہے تو یہ اس حقیقی وجود کا ایک پرتو ہوتا ہے- نجات پانے کے معنی یہ ہوئے کہ آدمی حقیقی بدھ کے اسی ماورائے عالم مسکن میں پہنچ جائے-

پہلی صدی مسیحی میں بعہد کوشان جب چوتھی مجلس برشاور (پشاور حالی) میں منعقد ہوئی تو اب بنیادی مذہب کی جگہ ایک طرح کا کلیسائی مذہب قائم ہو چکا تھا اور بدھ کے اشٹا نگ مارگ (طریق ثمانیہ) کی عملی روح طرح طرح کی رسوم پرستیوں اور قواعد آرائیوں میں معدوم ہو چکی تھی-

بالآخر پیروان بدھ دو بڑے فرقوں میں بٹ گئے- ''ہینیان'' اور ''مہایان'' پہلا فرقہ بدھ کی شخصیت میں ایک رہنما اور معلم کی انسانی شخصیت دیکھنا چاہتا تھا لیکن دوسرے نے اسے پوری طرح ماورائے انسانیت کی ربانی سطح پر متمکن کر دیا تھا اور پیروان بدھ کی عام راہ وہی ہو گئی تھی- افغانستان' بامیان' وسط ایشیا' چین' کوریا' جاپان اور تبت سب میں مہایان مذہب ہی کی تبلیغ و اشاعت ہوئی- چینی سیاح فاہین جب چوتھی صدی مسیحی میں ہندوستان آیا تھا تو اس نے پورب کے ہینیان شمنیوں سے مباحثہ کیا تھا اور مہایان طریقہ کی صداقت کے دلائل پیش کیے تھے- موجودہ زمانے میں سیلون کے سوا جہاں ہینیان طریقے کا ایک محرف بقیہ ''تھیراواد'' کے نام سے پایا جاتا ہے تمام پیروان بدھ کا مذہب مہایان ہے-

موجودہ زمانے کے بعض محققین شمنیہ کا خیال ہے کہ اشوک کے زمانہ تک بدھ مذہب میں بت پرستی کا عام رواج نہیں ہوا تھا- کیونکہ اس عہد تک کے جو بدھ آثار ملتے ہیں ان میں بدھ کی شخصیت کسی بت کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف ایک کنول کے پھول یا ایک خالی کرسی کی شکل میں دکھائی گئی ہے- پھر کنول اور خالی کرسی کی جگہ دو قدم نمودار ہونے لگے اور پھر بتدریج قدموں کی جگہ خود بدھ کا پورا مجسمہ نمودار ہو گیا- اگر یہ استنباط صحیح تسلیم کر لیا جائے جب بھی ماننا پڑے گا کہ اشوک کے زمانے کے بعد سے بدھ کے بتوں کی عام پرستش جاری ہو گئی تھی- اشوک کا عہد ۲۵۰ قبل از مسیح تھا-

(۳) ایرانی مجوسی تصور:

زردشت کے ظہور سے پہلے مادا (میڈیا) اور پارس میں ایک قدیم ایریانی[1] طریق پرستش رائج تھا- ہندوستان کے

---

[1] ''ایرایان'' وہی لفظ ہے جو ہندوستان میں ''آریا'' ہو گیا- اوستا میں چوبیس ملکوں کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے جس میں سب سے پہلا اور سب سے بہتر ''ایریاناویج'' ہے اور غالباً اس سے شمالی ایران مقصود ہے (وندیداد- فرگرد اول- فقرہ ۲) ہرمزدیشت کے فقرہ ۲۱- میں بھی ''ایریاناویج'' کا ذکر کیا ہے اور اس پر درود بھیجا ہے- ''ویج'' جرمن مستشرق اسپیگل کی قراءت ہے- آنک تیل نے اسے ''ویگو'' پڑھا تھا- ''ویج'' یا ''ویگو'' کے معنی پہلوی میں مبارک کے ہیں- یعنی مبارک ایریانا کی سرزمین-

ویدوں میں دیوتاؤں کی پرستش اور قربانیوں کے اعمال ورسوم جس طرح کے پائے جاتے ہیں قریب قریب ویسے ہی عقائد و رسوم پارس اور ماد میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ دیوتائی طاقتوں کو ان کے دو بڑے مظہروں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک طاقت روشن ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھی۔ دوسری برائی کے تاریک عفریتوں کی تھی جو ہر طرح کی مصیبتوں اور ہلاکتوں کا سر چشمہ تھی۔ آگ کی پرستش کے لیے قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور ان کے پجاریوں کو ''موگوش'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اوستا کے گاتھا میں انہیں ''کارپان'' اور ''کاوی'' کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ آگے چل کر اسی ''موگوش'' نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر لیا اور غیر قومیں ایرانیوں کو ''مگ'' اور ''مگوش'' کے نام سے پکارنے لگیں۔ عربوں نے اسی ''موگوش'' کو ''مجوس'' کر دیا۔

مزدیسنا:

زردشت کا جب ظہور ہوا تو اس نے ایرانیوں کو ان قدیم عقائد سے نجات دلائی اور ''مزدیسنا'' کی تعلیم دی۔ یعنی دیوتاؤں کی جگہ ایک خدائے واحد ''اہورامزد'' کی پرستش کی۔ یہ اہورامزد یگانہ ہے' بے ہمتا ہے' بے مثال ہے' نور ہے' پاک ہے' سرتاسر حکمت اور خیر ہے' اور تمام کائنات کا خالق ہے۔ اس نے انسان کے لیے دو عالم بنائے ایک عالم دنیوی زندگی کا ہے دوسرا مرنے کے بعد کی زندگی کا۔ مرنے کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے مگر روح باقی رہتی ہے اور اپنے اعمال کے مطابق جزا پاتی ہے۔

دیوتاؤں کی جگہ اس نے ''امش سپند'' اور ''یزتا'' کا تصور پیدا کیا۔ یعنی فرشتوں کا۔ یہ فرشتے اہورامزد کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ برائی اور تاریکی کی طاقتوں کی جگہ ''انگرامے نیوش'' کی ہستی کی خبر دی۔ یعنی شیطان کی۔ یہی ''انگرامے نیوش'' پازند کی زبان میں ''اہرمن'' ہو گیا۔

زردشت کی تعلیم میں ہندوستانی آریاؤں کے ویدی عقائد کا رد صاف صاف نمایاں ہے۔ ایک ہی نام ایران اور ہندوستان دونوں جگہ ابھرتا ہے اور متضاد معنی پیدا کر لیتا ہے۔ اوستا کا ''اہورا'' سام اور یجر وید میں ''اسورا'' ہے اور اگرچہ رگ وید میں اس کا اطلاق اچھے معنوں پر ہوا تھا مگر اب وہ برائی کی شیطانی روح بن گیا ہے۔ ویدوں کا ''اندرا'' اوستا کا ''انگرا'' ہو گیا۔ ویدوں میں وہ آسمان کا خدا تھا۔ اوستا میں زمین کا شیطان ہے۔ ہندوستان اور یورپ میں ''دیو'' اور ''ڈے یوس'' اور ''تھیوس'' خدا کے لیے بولا گیا لیکن ایران میں ''دیو'' کے معنی عفریتوں کے ہو گئے۔ گویا دونوں عقیدے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ ایک کا خدا دوسرے کا شیطان ہو جاتا تھا اور دوسرے کا شیطان پہلے کے لیے خدا کا کام دیتا تھا۔ اسی طرح ہندوستان میں ''یم'' موت کی طاقت ہے۔ اوستا کی روایتوں میں ''یم'' زندگی اور انسانیت کی سب سے بڑی نمود ہوئی اور پھر یہی ''یم'' جم ہو کر جمشید ہو گیا!

فسانہا کہ بہ بازیچۂ روزگار سرود
کنوں بہ مسند جمشید و تاجِ کے بستند!

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چند صدیوں کے بعد ایران کے قدیم تصورات اور بیرونی اثرات پھر غالب آ گئے اور ساسانی عہد میں جب ''مزدیسنا'' کی تعلیم کی از سرنو تدوین ہوئی تو یہ قدیم مجوسی' یونانی' اور زردشتی عقائد کا ایک مخلوط مرکب تھا اور اس کا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر مجوسی تصور ہی نے فراہم کیا تھا- اسلام کا جب ظہور ہوا تو یہی مخلوط تصور ایران کا قومی مذہبی تصور تھا- مغربی ہند کے پارسی مہاجر یہی تصور اپنے ساتھ ہندوستان لائے اور پھر یہاں کے مقامی اثرات کی ایک تہہ اس پر اور چڑھ گئی-

مجوسی تصور کی بنیاد ثنویت (Dualism) کے عقیدہ پر تھی- یعنی خیر اور شر کی دو الگ الگ قوتیں ہیں- اہورامزد جو کچھ کرتا ہے خیر اور روشنی ہے- انگرا ے نیوش یعنی اہرمن جو کچھ کرتا ہے شر اور تاریکی ہے- عبادت کی بنیاد سورج اور آگ کی پرستش پر رکھی گئی کہ روشنی یزدانی صفات کی سب سے بڑی مظہر ہے- کہا جا سکتا ہے کہ مجوسی تصور نے خیر اور شر کی گتھی یوں سلجھانی چاہی کہ کارخانہ ہستی کی سربراہی دو متقابل اور متعارض قوتوں میں تقسیم کر دی-

(۴) یہودی تصور:

یہودی تصور ابتدا میں ایک محدود نسلی تصور تھا- یعنی کتاب پیدائش کا یہوا خاندان اسرائیل کے نسلی خدا کی حیثیت سے نمایاں ہوا تھا- لیکن پھر یہ تصور بتدریج وسیع ہوتا گیا- یہاں تک کہ یشعیا دوم[1] کے صحیفہ میں ''تمام قوموں کا خدا'' اور ''تمام قوموں کا ہیکل'' نمایاں ہو گیا- تاہم ''اسرائیلی خدا'' کا نسلی اختصاص کسی نہ کسی شکل میں برابر کام کرتا ہی رہا اور ظہور اسلام کے وقت اس کے نمایاں خال و خط نسل اور جغرافیہ ہی کے خال و خط تھے-

تجسم اور تنزیہہ کے اعتبار سے وہ ایک درمیانی درجہ رکھتا تھا اور اس میں غالب عنصر قہر و غضب اور انتقام و تعذیب کا تھا- خدا کا بار بار متشکل ہو کر نمودار ہونا' مخاطبات کا تمام تر انسانی اوصاف و جذبات سے آلودہ ہونا' قہر و انتقام کی شدت اور ابتدائی درجہ کا تمثیلی اسلوب' تورات کے صحیفوں کا عام تصور ہے-

خدا کا انسان سے رشتہ اس نوعیت کا رشتہ ہوا جیسے ایک شوہر کا اپنی بیوی سے ہوتا ہے- شوہر نہایت غیور ہوتا ہے- وہ اپنی بیوی کی ساری خطائیں معاف کر دے گا لیکن یہ جرم معاف نہیں کرے گا کہ اس کی محبت میں کسی دوسرے مرد کو بھی شریک کرے- اسی طرح خاندان اسرائیل کا خدا بھی بہت غیور ہے اس نے اسرائیل کے گھرانے کو اپنی چہیتی بیوی بنایا اور چونکہ چہیتی بیوی بنایا اس لیے خاندان اسرائیل کی بے وفائی اور غیر قوموں سے آشنائی اس پر بہت ہی شاق گزرتی ہے- اور ضروری ہے کہ وہ اس جرم کے بدلے سخت سزائیں دے- چنانچہ احکام عشرہ (Ten Commandments) میں ایک حکم یہ بھی تھا ''تو کسی چیز کی صورت نہ بنائیو اور نہ اس کے آگے جھکیو- کیونکہ میں خداوند تیرا خدا رشک کرنے والا ایک بہت ہی غیور خدا ہوں!'' (خروج-۲۱)

---

[1] عہد عتیق میں یشعیا نبی کی طرف جو کتاب منسوب ہے اس کی زبان اور مطالب کا آیت ۵۱ تک ایک خاص انداز ہے اور پھر اس کے بعد بالکل دوسرا ہو جاتا ہے- ابتدائی حصہ ایک ایسے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے جو قید بابل سے پہلے تھا- لیکن بعد کے قصہ میں قید بابل کے زمانے کے اثرات صاف صاف نمایاں ہیں- اس لیے انیسویں صدی کے نقادوں نے اسے دو شخصوں کے کلام میں تقسیم کر دیا- ایک کو یشعیا اول اور دوسرے کو دوم سے تعبیر کرتے ہیں-

شوہر کے رشتہ کی یہ تمثیل جو مصر سے خروج کے بعد متشکل ہونا شروع ہو گئی تھی آخر عہد تک کم و بیش قائم رہی۔ یہودیوں کی ہر گمراہی پر خدا کے غضب کا اظہار ایک غضبناک شوہر کا پر جوش اظہار ہوتا ہے جو اپنی چہیتی بیوی کو اس کی ایک ایک بے وفائی یاد دلا رہا ہو۔ یہ اسلوب تمثیل بظاہر کتنا ہی مؤثر اور شاعرانہ دکھائی دیتا ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ خدا کے تصور کے لیے ایک ابتدائی درجہ کا غیر ترقی یافتہ تصور تھا۔

(۵) مسیحی تصور:

لیکن یشعیا دوم کے زمانے سے اس صورت حال میں تبدیلی شروع ہوئی اور یہودی تصور میں بیک وقت وسعت اور لطافت دونوں طرح کے عناصر نمایاں ہونے لگے۔ گویا اب ایک نئی تصوری فضا کے لیے زمانے کا مزاج تیار ہونے لگا تھا۔ چنانچہ مسیحیت آئی تو رحم و محبت اور عفو و بخشش کا ایک نیا تصور لے کر آئی۔ اب خدا کا تصور نہ تو جابر بادشاہ کی طرح قہر آلود تھا۔ نہ رشک و غیرت میں ڈوبے ہوئے شوہر کی طرح سخت گیر تھا بلکہ باپ کی محبت و شفقت کی مثال نمایاں کرتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہودی تصور کی شدت و غلظت کے مقابلے میں رحم و محبت کی رقت کا یہ ایک انقلابی تصور تھا۔ انسانی زندگی کے سارے رشتوں میں ماں اور باپ کا رشتہ سب سے بلند تر رشتہ ہے اس میں شوہر کے رشتہ کی طرح جذبوں اور خواہشوں کی غرضوں کو دخل نہیں ہوتا۔ یہ سرتا سر رحم و شفقت اور پرورش و چارہ سازی ہوتی ہے۔ اولاد بار بار قصور کرے گی لیکن ماں کی محبت پھر بھی گردن نہیں موڑے گی اور باپ کی شفقت پھر بھی معافی سے انکار نہیں کرے گی۔ پس اگر خدا کے تصور کے لیے انسانی رشتوں کی مشابہتوں سے کام لیے بغیر چارہ نہ ہو تو بلاشبہ شوہر کی تمثیل کے مقابلہ میں باپ کی تمثیل کہیں زیادہ شائستہ اور ترقی یافتہ تمثیل ہے[۱]

تجسم اور تنزہ کے لحاظ سے مسیحی تصور کی سطح اصلاً وہی تھی جہاں تک یہودی تصور پہنچ چکا تھا مگر جب مسیحی عقائد کا رومی اصنام پرستی کے تصوروں سے امتزاج ہوا تو اقانیم ثلاثہ' کفارہ اور مسیح پرستی کے تصورات چھا گئے اور اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اصنامی تصور سراپیز (Serapis) نے مسیحی اصنامی تصور کی شکل اختیار کر لی۔ اب مسیحیت کو بت پرستوں کی بت پرستی سے تو انکار تھا لیکن خود اپنی بت پرستی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ میڈونا کے قدیم بت کی جگہ اب ایک نئی مسیحی میڈونا کا بت تیار ہو گیا۔ یہ خدا کے فرزند کو گود میں لیے ہوئے تھی اور ہر راسخ الاعتقاد مسیحی کی جبین نیاز کا سجدہ طلب کرتی تھی!

غرض کہ قرآن کا جب نزول ہوا تو مسیحی تصور رحم و محبت کی پدری تمثیل کے ساتھ اقانیم ثلاثہ' کفارہ' اور تجسم کا ایک مخلوط اشراکی۔ توحیدی تصور تھا۔

(۶) فلاسفہ یونان و اسکندریہ کا تصور:

ان تصوروں کے علاوہ ایک تصور فلاسفۂ یونان کا بھی ہے جو اگرچہ مذاہب کے تصوروں کی طرح اقوام عالم کا تصور

---

[۱] اسی لیے ہندو تصور نے ماں کی تشبیہ سے کام لیا کیونکہ ماں کی تشبیہ میں اگرچہ نسائیت آجاتی ہے لیکن تشبیہ باپ سے بھی زیادہ پر اثر ہو جاتی ہے۔ باپ کی شفقت کبھی کبھی جواب دے دے گی لیکن ماں کی محبت کی گہرائیوں کے لیے کوئی تھاہ نہیں!

نہ ہوسکا تاہم انسان کی فکری نشوونما کی تاریخ میں اس نے بہت بڑا حصہ لیا اور اس لیے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تقریباً پانچ سو برس قبل از مسیح یونان میں توحید کا تصور نشوونما پانے لگا تھا۔ اس کی سب سے بڑی معلم شخصیت سقراط (Socrates) کی حکمت میں نمایاں ہوئی جسے افلاطون (Plato) نے تدوین وانضباط کے جامے سے آراستہ کیا۔

جس طرح ہندوستان میں رگ وید کے دیوبانی تصورات نے بالآخر ایک رب الارباب تصور کی نوعیت پیدا کر لی تھی اور پھر اسی رب الاربابی تصور نے بتدریج توحیدی تصور کی طرف قدم بڑھایا تھا ٹھیک اسی طرح یونان میں بھی المپس کے دیوتاؤں کو بالآخر ایک رب الارباب ہستی کے آگے جھکنا پڑا اور پھر یہ رب الاربابی تصور بتدریج کثرت سے وحدت کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ یونان کے قدیم ترین تصوروں کے معلوم کرنے کا تنہا ذریعہ اس کی پرانی شاعری ہے۔ جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو عقیدے برابر پس پردہ کام کرتے دکھائی دیتے ہیں: مرنے کے بعد کی زندگی اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی الوہیت۔

آئیونی (Ionie) فلسفہ نے جو یونانی مذاہب فلسفہ میں سب سے زیادہ پرانا ہے اجرام سماوی کی ان دیکھی روحوں کا اعتراف کیا تھا اور پھر ان روحوں کے اوپر کسی ایسی روح کا سراغ لگانا چاہا تھا جسے اصل کائنات قرار دیا جا سکے۔ پانچویں صدی قبل از مسیح میں فیثا غورس (Pythagoras) کا ظہور ہوا اور اس نے نئے نئے فکری عنصروں سے فلسفہ کو آشنا کیا۔ فیثا غورث کے سفر ہند کی روایت صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کے فلسفیانہ تصوروں میں ہندوستانی طریق فکر کی مشابہتیں پوری طرح نمایاں ہیں۔ تناسخ کا غیر مشتبہ عقیدہ' پانچویں آسمانی عنصر (Quintaessentia) کا اعتراف' نفس انسانی کی انفرادیت کا تصور' مکاشفاتی طریق ادراک کی جھلک اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک ''طریق زندگی'' کے ضابطہ کا اہتمام' ایسے مبادیات ہیں جو ہمیں اوپانی شد کے دائرۂ فکر و نظر سے بہت قریب کر دیتے ہیں۔ فیثا غورس کے بعد انکساغورس (Anaxagoras) نے ان مبادیات کو کلیاتی (Abstracts) تصورات کی نوعیت کا جامہ پہنایا اور اس طرح یونانی فلسفے کی وہ بنیاد استوار ہوگئی جس پر آگے چل کر سقراط اور افلاطون اپنی کلیاتی تصوریت کی عمارتیں کھڑی کرنے والے تھے۔

سقراط کی شخصیت میں یونان کے توحیدی اور تنزیہی اعتقاد کی سب سے بڑی نمود ہوئی۔ سقراط سے پہلے جو فلسفی گزرے تھے انہوں نے قومی پرستش گاہوں کے دیوتاؤں سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ کیونکہ خود ان کے دل و دماغ بھی ان کے اثرات سے خالی نہیں ہوئے تھے۔ نفوس فلکی کے تصورات کی اگر اصل حقیقت معلوم کی جائے تو اس سے زیادہ نہیں نکلے گی کہ یونان کے کوا کبی دیوتاؤں نے علم و نظر کے حلقوں سے روشناس ہونے کے لیے ایک نیا فلسفیانہ نقاب اپنے چہروں پر ڈال لیا تھا اور اب ان کی ہستی صرف عوام کو ہی نہیں بلکہ فلسفیوں کو بھی تسکین دینے کے قابل بنا دی گئی تھی۔ یہ تقریباً ویسی ہی صورت حال تھی جو ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہم ہندوستان کی قدیم تاریخ کے صفحوں پر دیکھ رہے تھے۔ یعنی فکری غور و خوض کے نتائج ایک ایسی لچکدار صورت میں ابھرنے لگے کہ ایک طرف فلسفیانہ دماغوں کے تقاضوں کا بھی جواب دیا جا سکے' دوسری طرف عوام

کے قومی عقائد سے بھی تصادم نہ ہو- ہندوستان کی طرح یونان میں بھی خواص اور عوام کے فکر و عمل نے باہم دگر سمجھوتا کر لیا تھا- یعنی توحیدی اور اصنامی عقیدے ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے!

لیکن سقراط کا معنوی علوِ فکر اس عام سطح سے بہت بلند جا چکا تھا- وہ وقت کے اصنامی عقائد سے کوئی سمجھوتا نہیں کر سکا- اس کا توحیدی تصور تجسم اور تشبہ کی تمام آلودگیوں سے پاک ہو کر ابھرا- اس کی بے لوث خدا پرستی کا تصور اس درجہ بلند تھا کہ وقت کے عام مذہبی تصورات اسے سر اونچا کر کے بھی دیکھ نہیں سکتے تھے- اس کی حقیقت شناس نگاہ میں یونان کی اصنامی خدا پرستی اس سے زیادہ کوئی اخلاقی بنیاد نہیں رکھتی تھی کہ ایک طرح کا دکاندارانہ لین دین تھا جو اپنے خود ساختہ معبودوں کے ساتھ چکایا جاتا تھا- افلاطون یوثی فرا (Euthyphro) کے مکالمہ میں ہمیں صاف صاف بتلاتا ہے کہ یونان کے دینی تصورات و اعمال کی نسبت سقراط کے بے لاگ فیصلے کیا تھے؟ سقراط پر مذہبی بے احترامی کا الزام لگایا گیا تھا- وہ پوچھتا ہے کہ ''مذہبی احترام'' کی حقیقت کیا ہے؟ پھر جو جواب ملتا ہے وہ اسے اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ ''مذہبی احترام گویا مانگنے اور دینے کا ایک فن ہوا- دیوتاؤں سے وہ چیز مانگی جس کی ہمیں خواہش ہے' اور انہیں وہ چیز دے دی جس کی انہیں احتیاج ہے- مختصراً یہ کہ تجارتی کاروبار کا ایک خاص ڈھنگ''

ایسی بے پردہ تعلیم' وقت کے دار و گیر سے بچ نہیں سکتی تھی اور نہ بچی لیکن سقراط کی اولوالعزم روح وقت کی کوتاہ اندیشیوں سے مغلوب نہیں ہو سکتی تھی- اس نے ایک ایسے صبر و استقامت حق کے ساتھ جو صرف نبیوں اور شہیدوں ہی کے اندر گھر بنا سکتا ہے زہر کا جام اٹھایا اور بغیر کسی تلخ کامی کے پی لیا:

تمنت سلیمی ان نموت بحبها   واهون شیء عندنا ما تمنت!

اس نے مرنے سے پہلے آخری بات جو کہی تھی وہ یہ تھی: ''وہ ایک کمزور دنیا سے ایک بہتر دنیا کی طرف جا رہا ہے!''

افلاطون نے سقراط کے باختانہ (Dialectic) افکار کو جو ایک معلم کے درس و املا کی نوعیت رکھتے تھے ایک مکمل ضابطہ کی شکل دے دی اور منطقی تحلیل کے ذریعہ انہیں کلیات و جوامع کی صورت میں مرتب کیا- اس نے اپنے تمام فلسفیانہ بحث و نظر کی بنیاد کلیات (Abstracts) پر رکھی اور حکومت سے لے کر خدا کی ہستی تک سب کو تصوریت (Idea) کا جامہ پہنا دیا- اگر تصوریت محسوسات سے الگ ہستی رکھتی ہے تو ''ناؤس''[1] (Nause) یعنی نفس ناطقہ بھی مادہ سے الگ اپنی ہستی رکھتا ہے اور اگر نفس مادہ سے الگ ہستی رکھتا ہے تو خدا کی ہستی بھی مادیات سے الگ اپنی نمود رکھتی ہے- اس نے انکساغورس

---

[1] ''ناؤس'' جس کا تلفظ ''ناؤز'' کیا جاتا ہے عربی کے ''نفس'' سے اس درجہ صوتی مشابہت رکھتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ''ناؤز'' تعریب کا جامہ پہن کر ''نفس'' ہو گیا- اسی طرح ''نوئٹک'' (Noetic) اور ''ناطق'' اس درجہ قریب ہیں کہ دوسرے کو پہلے کی تعریب سمجھا سکتا ہے- چنانچہ رینان اور دوزی نے نفس ناطقہ کو ''نوئٹک ناؤز'' کا معرب قرار دیا ہے- وہ کہتے ہیں یہ ''ناطق'' نطق سے نہیں ہے بلکہ ''نوئٹک'' کی تعریب ہے جس کے معنی ادراک کے ہیں- بعض عربی مصادر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اصل یونانی الفاظ پیش نظر رکھے گئے تھے-

''نفس'' عربی لغت میں ذات اور خود کے معنی میں بولا جاتا تھا اور ارسطو نے عاقلانہ نطق کو انسان کی فصل قرار دیا تھا- اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب مترجموں نے یونانی تعبیر سامنے رکھ کر نفس ناطقہ کی ترکیب اختیار کر لی اور یہ تعریب خود عربی الفاظ کے مدلول سے بھی ملتی جلتی ہوئی بن گئی-

کے مسلک کے خلاف دونفسوں میں امتیاز کیا - ایک کو فانی قرار دیا - دوسرے کو لا فانی - فانی نفس خواہشیں رکھتا ہے - اور وہی مجسم ایجو (Ego) ہے - لیکن لا فانی نفس کائنات کی اصل عاقلہ ہے اور جسمانی زندگی کی تمام آلائشوں سے یک قلم منزہ یہی نفس کلی کی وہ الٰہی چنگاری ہے جس نے انسان کے اندر قوت مدرکہ کی روشنی کا چراغ روشن کر دیا ہے یہاں پہنچ کر نفس کلی کا تصور بھی ایک طرح سے وحدۃ الوجودی تصور کی نوعیت پیدا کر لیتا ہے - دراصل ہندو فلسفے کا ''آتما'' اور یونانی فلسفے کا ''نفس'' ایک ہی مسمّٰی کے دو نام ہیں - یہاں ''آتما'' کے بعد ''پرم آتما'' نمودار ہوا تھا - وہاں نفس کے بعد نفس کلی نمودار رہوا -

سقراط نے خدا کی ہستی کے لیے ''اگاتھوس'' (αγαθος) یعنی ''الخیر'' کا تصور قائم کیا تھا - وہ سرتا سر اچھائی اور حسن ہے - افلاطون وجود کی دنیاؤں سے بھی اوپر اڑا اور اس نے خیر بحت کا سراغ لگانا چاہا لیکن سقراط کے صفاتی تصور پر کوئی اضافہ نہ کر سکا -

ارسطو (Aristotle) جس نے فلسفے کو روحانی تصوروں سے خالص کر کے صرف مشاہدۂ واحساسات کے دائرہ میں دیکھنا چاہا تھا اس سقراطی تصور کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا - اس نے عقل اول اور عقل فعال کا تصور قائم کیا جو ایک ابدی، غیر متجزی، اور بسیط بحت ہستی ہے - پس گویا سقراط اور افلاطون نے جس ذات کی صفت ''الخیر'' میں دیکھی تھی ارسطو نے اسے ''العقل'' میں دیکھا اور اس منزل پر پہنچ کر رک گیا - اس سے زیادہ جو کچھ مشائی فلسفے (Peripatetic) میں ہمیں ملتا ہے وہ خود ارسطو کی تصریحات نہیں ہیں - اس کے یونانی اور عرب شارحوں کے اضافے ہیں -

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''الخیر'' اور ''العقل'' یونانی فلسفے کے تصور الوہیت کا ماحصل ہے -

سقراط کے صفاتی تصور کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ افلاطون کی جمہوریت (Republic) کا حسب ذیل مکالمہ پیش نظر رکھا جائے - اس مکالمہ میں اس نے تعلیم کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کے بنیادی اصول کیا ہونے چاہییں :

''اِڈمنٹس[1] نے سوال کیا کہ شاعروں کو خدا کا ذکر کرتے ہوئے کیا پیرایہ بیان اختیار کرنا چاہیے :

سقراط : ہر حال میں خدا کی توصیف ایسی کرنی چاہیے جیسا کہ وہ اپنی ذات میں ہے - خواہ رزمی (Epic) شعر ہو خواہ غنائی (Lyric) - علاوہ بریں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا کی ذات صالح ہے - پس ضروری ہے کہ اس کی صفات بھی صلاح پر مبنی ہوں -

---

[1] جمہوریت کے اشخاص مکالمہ میں ''اڈمنٹس'' اور ''گلوکن'' افلاطون کے بھائی ہیں - چنانچہ افلاطون نے خود ایک جگہ اس کی تصریح کی ہے - افلاطون کی دوسری مصنفات کے ساتھ جمہوریت کا ترجمہ بھی عربی میں ہو گیا تھا - چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں ابن رشد نے اس کی شرح لکھی شرح کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ میں نے ارسطو کی کتاب السیاسہ کی شرح لکھنی چاہی تھی مگر اندلس میں اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا - مجبوراً افلاطون کی کتاب اختیار کرنی پڑی - ابن رشد کی شرح کے عبرانی اور لاطینی تراجم یورپ میں موجود ہیں مگر اصل عربی ناپید ہے - یورپ کے موجود تراجم براہ راست یونانی سے ہوئے ہیں - ہمارے پیش نظر اے - ای - ٹیلر اور بی جوویٹ (Jowet) کے انگریزی تراجم ہیں -

اڈمنٹس: درست ہے-

سقراط: اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو وجود صالح ہوگا اس سے کوئی بات مضر صادر نہیں ہوسکتی اور جو ہستی غیر مضر ہوگی وہ کبھی شر کی صانع نہیں ہوسکتی- اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو ذات صالح ہوگی ضروری ہے کہ نافع بھی ہو- پس معلوم ہوا کہ خدا صرف خیر کی علت ہے- شر کی علت نہیں ہوسکتا-

اڈمنٹس: درست ہے-

سقراط: اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خدا کا تمام حوادث کی علت ہونا ممکن نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے- بلکہ وہ انسانی حالات کے بہت ہی تھوڑے حصے کی علت ہے- کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ہماری برائیاں بھلائیوں سے کہیں زیادہ ہیں اور برائیوں کی علت خدا کی صالح اور نافع ذات نہیں ہوسکتی- پس چاہیے کہ صرف اچھائی ہی کو اس کی طرف نسبت دیں اور برائی کی علت کسی دوسری جگہ ڈھونڈھیں-

اڈمنٹس: میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ بات بالکل واضح ہے-

سقراط: تو اب ضروری ہوا کہ ہم شاعروں کے ایسے خیالات سے متفق نہ ہوں جیسے ہومر کے حسب ذیل شعروں میں ظاہر کیے گئے ہیں ''مشتری[1] کی ڈیوڑھی میں دو پیالے رکھے ہیں- ایک خیر کا ہے- ایک شر کا- اور وہی انسان کی بھلائی اور برائی کی تمام تر علت ہیں- جس انسان کے حصے میں خیر کے پیالے کی شراب آ گئی اس کے لیے تمام تر خیر ہے- جس کے حصے میں شر کی آئی- اس کے لیے تمام تر شر ہے- اور پھر جس کسی کو دونوں پیالوں کا ملا جلا گھونٹ مل گیا اس کے حصے میں اچھائی بھی آ گئی اور برائی بھی''[2]

پھر اس کے بعد تجسم کے عقیدہ پر بحث کی ہے اور اس سے انکار کیا ہے کہ ''خدا ایک بازیگر اور بہروپیے کی طرح

---

[1] مشتری یعنی ''زیوس'' (Zeus) یونان کے اصنامی عقائد میں رب الارباب یعنی دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور حکمراں دیوتا تھا- ہومر نے ایلیڈ میں دیوتاؤں کی جو مجلس آراستہ کی ہے- اس میں تخت نشین ہستی مشتری ہی کی ہے-

[2] یہ اشعار ایلیڈ کے ہیں- سلیمان بستانی نے اپنے بے نظیر ترجمہ عربی میں ان کا ترجمہ حسب ذیل شعروں میں کیا ہے:

فباعتاب رفس قارورتان ذی لخیر وذی لشرالھوان
فیھما کل قسمۃ الانسان
فالذی منھما مزیجاً انالا زفس یلقٰی خیراً و یلقٰی وبالا
و الذی لا ینال الا من الشر فتنتابہ الخطوب انتیابا
بطواہ یطوی البلاد کلیلا تائھا فی عرض الفلاۃ ذلیلا
من بنی الخلد والوریٰ مخذولا

(الیاذہ- نشید ۲۴- صفحہ ۱۱۳۱)

ان اشعار میں ''زفس'' یونانی ''زیوس'' کی تعریف ہے-

کبھی ایک بھیس میں نمودار ہوتا ہے کبھی دوسرے بھیس میں'' [1]

اسکندریہ کا مذہب افلاطون جدید:

تیسری صدی مسیحی میں اسکندریہ کے فلسفۂ تصوف نے ''مذہب افلاطون جدید (Neo-Platonic) کے نام سے ظہور کیا جس کا بانی امونیس سکاس (Ammonius Saccas) تھا - امونیس کا جانشین فلاطینس (Platinus) ہوا اور فلاطینس کا شاگرد فورفوریوس (Porphyry) تھا جو اسکندرا فردوسی کے بعد ارسطو کا سب سے بڑا شارح تسلیم کیا گیا ہے اور جس نے افلاطونیۂ جدیدہ کی مبادیات مشائی فلسفے میں مخلوط کر دیں - فلاطینس اور فورفوریوس کی تعلیم سرتا سر اسی اصل پر مبنی تھی جو ہندوستان میں اوپانی شد کے مذہب نے اختیار کی ہے - یعنی عامِ حق کا اصلی ذریعہ کشف ہے - نہ کہ استدلال' اور معرفت کا کمال مرتبہ یہ ہے کہ جذب وفنا کا مقام حاصل ہو جائے -

خدا کی ہستی کے بارے میں فلاطینس بھی اس نتیجہ پر پہنچا جس پر اوپانی شد کے مصنف اس سے بہت پہلے پہنچ چکے تھے - یعنی نفی صفات کا مسلک اس نے بھی اختیار کیا - ذات مطلق ہمارے تصور ادراک کی تمام تعبیرات سے ماورا ہے - اس لیے ہم اس بارے میں کوئی حکم نہیں لگا سکتے - ذات مطلق ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں جو اس سے ظہور میں آئیں - ہم اس کی نسبت کوئی حکم نہیں لگا سکتے - ہم نہ تو اسے موجودیت سے تعبیر کر سکتے ہیں نہ جوہر سے - نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زندگی ہے - حقیقت ان تمام تعبیروں سے وراء الوراء ہے'' [1]

سقراط اور افلاطون نے حقیقت کو ''الخیر'' سے تعبیر کیا تھا - اس لیے فلاطینس وہاں تک بڑھنے سے انکار نہ کر سکا لیکن اس سے آگے کی تمام راہیں بند کر دیں'' جب تم نے کہا الخیر تو بس یہ کہہ کر رک جاؤ اور اس پر اور کچھ نہ بڑھاؤ - اگر تم کسی دوسرے خیال کا اضافہ کرو گے تو ہر اضافہ کے ساتھ ایک نئے نقص کی اس سے تقریب کرتے جاؤ گے'' [2] ارسطو نے حقیقت کا سراغ عقول مجردہ کی راہ سے لگایا تھا اور علۃ العلل کو عقل اول سے تعبیر کیا تھا مگر فلاطینس کا مطلق اس تعبیر کی گرانی بھی برداشت نہیں کر سکتا - ''یہ بھی مت کہو کہ وہ عقل ہے - تم اس طرح اسے منقسم کرنے لگو گے'' [3]

لیکن اگر ہم ''عقل'' کا اطلاق اس پر نہیں کر سکتے تو پھر ''الوجود'' اور ''الخیر'' کیونکر کہہ سکتے ہیں؟ اگر ہم اپنی متصورہ صفتوں میں سے کوئی صفت بھی اس کے لیے نہیں بول سکتے تو پھر وجودیت اور خیریت کی صفات بھی کیوں ممنوع نہ ہوں؟ اس اعتراض کا وہ خود جواب دیتا ہے:

''ہم نے اگر اسے ''الخیر'' کہا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کوئی باقاعدہ تصدیق کسی خاص وصف کی کرنی چاہتے ہیں جو اس کے اندر موجود ہے - ہم اس تعبیر کے ذریعہ صرف یہ بات واضح کرنی چاہتے ہیں کہ وہ ایک مقصد اور منتہیٰ ہے جس

---

[1] دی پبلک ترجمہ ٹیلر - باب ۲

[2] E.T.Mekenna جلد ۲ - صفحہ ۱۳۴

[3] ایضاً [4] ایضاً

پر تمام سلسلے جا کر ختم ہو جاتے ہیں- یہ گویا ایک اصطلاح ہوئی جو ایک خاص غرض کے لیے کام میں لائی گئی ہے- اسی طرح اگر ہم اس کی نسبت وجود کا حکم لگاتے ہیں تو صرف اس لیے کہ عدم کے دائرہ سے اسے باہر رکھیں- وہ تو ہر چیز سے ماورا ہے- حتیٰ کہ وجود کے اوصاف وخواص سے بھی''[1]

اسکندریہ کے کلیمنٹ (Clement) نے اس مسلک کا خلاصہ چند لفظوں میں کہہ دیا- ''اس کی شناخت اس سے نہیں کی جا سکتی کہ وہ کیا ہے؟ صرف اس سے کی جا سکتی ہے کہ وہ کیا کچھ نہیں ہے'' یعنی یہاں صرف سلب ونفی کی راہ ملتی ہے- ایجاب واثبات کی راہیں بند ہیں:

سر لسان النطق عنه اخرس!

باب صفات میں یہ وہی بات ہوئی جو اوپانی شد کی ''نیتی نیتی'' میں ہم سن چکے ہیں اور جس پر شنکر نے اپنے مذہب کی مبادیات کی تمام عمارتیں استوار کی ہیں-

ازمنہ وسطیٰ کے یہودی فلاسفہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا تھا- موسیٰ بن میمون (المتوفی ۶۰۵ ھ) خدا کو ''الموجود'' کہنے سے بھی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے ہم جونہی ''موجود'' کا وصف بولتے ہیں ہمارے تصور پر مخلوق کے اوصاف وخواص کی پرچھائیں پڑنے لگتی ہے اور خدا ان اوصاف سے منزہ ہے- اس نے اس سے بھی انکار کیا کہ خدا کو وحدہ لاشریک کہا جائے- کیونکہ ''وحدت'' اور ''عدم شرکت'' کے تصورات بھی اضافی نسبتوں سے خالی نہیں'' ابن میمون کا یہ مسلک دراصل فلسفہ اسکندریہ ہی کی بازگشت تھی-

قرآنی تصور:

بہر حال چھٹی صدی مسیحی میں دنیا کی خدا پرستانہ زندگی کے تصورات اس حد تک پہنچے تھے کہ قرآن کا نزول ہوا-

---

[1] E.T.Mekenna جلد اول صفحہ ۱۱۸- مذہب افلاطون جدید افلاطون کی طرف اس لیے منسوب ہوا کہ اس کی بنیاد بعض افلاطونی مبادیات پر رکھی گئی تھی- مگر پھر اپنی بحث ونظر میں اس نے جو راہ اختیار کی اور جن نتائج تک پہنچا انہیں افلاطون سے کوئی تعلق نہیں- لیکن عرب فلاسفہ کا ایک بڑا طبقہ اس غلط فہمی میں پڑ گیا کہ فی الحقیقت یہ افلاطون ہی کا مذہب ہے- اس مذہب کے بعض فلسفیوں مثلاً فورفوریوس نے ارسطو کی شرح کرتے ہوئے اس کے مذہب میں جو اضافے کیے تھے اسے بھی عرب حکما اصل سے ممتاز نہ کر سکے- چنانچہ ابونصر فارابی نے الجمع بین الرائین میں ارسطو کا جو مذہب ظاہر کیا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے- ابن رشد پہلا عرب فلسفی ہے جس نے یہ غلط فہمی محسوس کی اور ارسطو کے مذہب کو شارحوں کے اضافے سے خالص کر کے دیکھنا چاہا-

۵۲۹ء میں جب شہنشاہ جسٹینین کے حکم سے اسکندریہ کے فلاسفہ جلا وطن کیے گئے تو ان میں سے بعض نے ایران میں پناہ لی- چنانچہ سیمپلس اور ڈیماسیس خسرو کے دربار میں معزز جگہ رکھتے تھے- ان فلاسفہ کی وجہ سے پہلوی زبان بھی مذہب افلاطون جدید سے آشنا ہوگئی اور ایرانی حکما نے اسے قومی رنگ دینے کے لیے زردشت اور جاماسپ کی طرف منسوب کر دیا- عربی میں جب پہلوی ادبیات منتقل ہوئیں تو یہ فلسفیانہ مقالات بھی ترجمہ ہوئے اور عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ زردشت اور جاماسپ کا ایک پراسرار فلسفہ ہے- چنانچہ شیخ شہاب الدین نے حکمۃ الاشراق میں اور شیرازی نے اس کی شرح میں دونوں غلطیاں جمع کر دی ہیں- وہ مذہب افلاطون جدید کو افلاطون کا مذہب سمجھتے ہیں اور زردشت اور جاماسپ کا بھی حوالہ دیتے ہیں!

اب غور کرو کہ قرآن کے تصور الٰہی کا کیا حال ہے؟ جب ہم ان تمام تصورات کے مطالعہ کے بعد قرآن کے تصور پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آ جاتا ہے کہ تصور الٰہی کی تمام تصویروں میں اس کی تصویر جامع اور بلند تر ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(۱) تنزیہہ کی تکمیل:

اولاً: تجسم اور تنزیہہ کے لحاظ سے قرآن کا تصور تنزیہہ کی ایسی تکمیل ہے جس کی کوئی نمود اس وقت دنیا میں موجود نہیں تھی۔ قرآن سے پہلے تنزیہہ کا بڑے سے بڑا مرتبہ جس کا ذہن انسانی متحمل ہو سکا تھا یہ تھا کہ اصنام پرستی کی جگہ ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کی جائے۔ لیکن جہاں تک صفات الٰہی کا تعلق ہے انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت اور جسم و ہیئت کے تمثل سے کوئی تصور بھی خالی نہ تھا۔ ہندوستان اور یونان کا حال ہم دیکھ چکے ہیں۔ یہودی تصور جس نے اصنام پرستی کی کوئی شکل بھی جائز نہیں رکھی تھی وہ بھی اس طرح کے تشبہ و تمثل سے یکسر آلودہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا کو ممرے کے بلوطوں میں دیکھنا' خدا کا حضرت یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑنا' کوہ طور پر شعلوں کے اندر نمودار ہونا' حضرت موسیٰؑ کا خدا کو پیچھے سے دیکھنا' خدا کا جوش غضب میں آ کر کوئی کام کر بیٹھنا اور پھر پچھتانا' بنی اسرائیل کو اپنی چہیتی بیوی بنا لینا اور پھر اس کی بدچلنی پر ماتم کرنا' ہیکل کی تباہی پر اس کا نوحہ' اس کی انتڑیوں میں درد کا اٹھنا اور کلیجے میں سوراخ پڑ جانا' تورات کا عام اسلوب بیان ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے فکر انسانی اس درجہ بلند نہیں ہوا تھا کہ تمثیل کا پردہ ہٹا کر صفات الٰہی کا جلوہ دیکھ لیتا۔ اس لیے ہر تصور کی بنیاد تمام تر تمثیل و تشبیہ ہی پر رکھنی پڑی۔ مثلاً تورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف زبور کے ترانوں اور یشعیا کی کتاب میں خدا کے لیے شائستہ صفات کا تخیل موجود ہے لیکن دوسری طرف خدا کا کوئی مخاطبہ ایسا نہیں جو سرتاسر انسانی اوصاف و جذبات کی تشبیہ سے مملو نہ ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب چاہا کہ رحمت الٰہی کا عالمگیر تصور پیدا کریں تو وہ بھی مجبور ہوئے کہ خدا کے لیے باپ کی تشبیہ سے کام لیں۔ اسی تشبیہ سے ظاہر پرستوں نے ٹھوکر کھائی اور ابنیت مسیح علیہ السلام کا عقیدہ پیدا کر لیا۔

لیکن ان تمام تصورات کے بعد جب ہم قرآن کی طرف رخ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اچانک فکر و تصور کی ایک بالکل نئی دنیا سامنے آ گئی۔ یہاں تمثیل و تشبیہ کے تمام پردے بیک دفعہ اٹھ جاتے ہیں' انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت مفقود ہو جاتی ہے' ہر گوشہ میں مجاز کی جگہ حقیقت کا جلوہ نمایاں ہو جاتا ہے اور تجسم کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ تنزیہہ اس مرتبہ کمال تک پہنچ جاتی ہے کہ:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (۴۲:۱۱)

''اس کے مثل کوئی شے نہیں۔ کسی چیز سے بھی تم اسے مشابہ نہیں ٹھہرا سکتے!''

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾ (۶:۱۰۳)

''انسان کی نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں لیکن وہ انسان کی نگاہوں کو دیکھ رہا ہے!''

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ (۱۱۲:۱-۴)

''اللہ کی ذات یگانہ ہے' بے نیاز ہے اسے کسی کی احتیاج نہیں- نہ تو اس سے کوئی پیدا ہوا' نہ وہ کسی سے پیدا ہوا' اور نہ کوئی ہستی اس کے درجے اور برابری کی ہوئی!''

تورات اور قرآن کے جو مقامات مشترک ہیں دقت نظر کے ساتھ ان کا مطالعہ کرو- تورات میں جہاں کہیں خدا کی براہ راست نمود کا ذکر کیا گیا ہے قرآن وہاں خدا کی تجلی کا ذکر کرتا ہے- تورات میں جہاں یہ پاؤ گے کہ خدا متشکل ہو کر اترا قرآن اس موقع کی یوں تعبیر کرے گا کہ خدا کا فرشتہ متشکل ہو کر نمودار ہوا- بطور مثال کے صرف ایک مقام پر نظر ڈال لی جائے- تورات میں ہے:

''خداوند نے کہا اے موسیٰ دیکھ' یہ جگہ میرے پاس ہے' تو اس چٹان پر کھڑا رہ' اور یوں ہوگا کہ جب میرے جلال کا گذر ہوگا تو میں تجھے اس چٹان کی دراڑ میں رکھوں گا' اور جب تک نہ گزر لوں گا تجھے اپنی ہتھیلی سے ڈھانپے رہوں گا- پھر ایسا ہوگا کہ میں ہتھیلی اٹھا لونگا اور تو میرا پیچھا دیکھ لے گا لیکن تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا-'' (خروج ۳۳:۲۰)

''تب خداوند بدلی کے ستون میں ہو کر اترا اور خیمہ کے دروازے پر کھڑا رہا......اس نے کہا کہ میرا بندہ موسیٰ اپنے خداوند کی شبیہ دیکھے گا''- (گنتی ۱۲:۵)

اسی معاملہ کی تعبیر قرآن نے یوں کی ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ ﴾ (۷:۱۴۳)

''موسیٰ نے کہا اے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا تا کہ میں تیری طرف نگاہ کر سکوں فرمایا نہیں- تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا لیکن ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ-

تنزیہہ اور تعطیل کا فرق:

البتہ یاد رہے کہ تنزیہہ اور تعطیل میں فرق ہے- تنزیہہ سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک عقل بشری کی پہنچ ہے صفات الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک اور بلند رکھا جائے- تعطیل کے معنی یہ ہیں کہ تنزیہہ کے منع و نفی کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ فکر انسانی کے تصور کے لیے کوئی بات باقی ہی نہ رہے- قرآن کا تصور تنزیہہ کی تکمیل ہے- تعطیل کی ابتدا نہیں ہے-

بلاشبہ اوپانی شد تنزیہہ کی ''نیتی نیتی''[1] کو بہت دور تک لے گئے لیکن عملاً نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نا کہ ذات مطلق (برہماں) کو ذات متشخص (ایشور) میں اتارے بغیر کام نہ چل سکا:

---

[1] ''نیتی'' یعنی کلمۂ نفی- وہ ایسا بھی نہیں ہے- ایسا بھی نہیں ہے- بر ہدرینا ک اوپانی شد میں یہ نفی دور تک چلی گئی ہے- وہ کثیف ہے؟ ''نہیں'' وہ لطیف ہے؟ ''نہیں'' وہ کوتاہ ہے؟ ''نہیں'' وہ دراز ہے؟ ''نہیں'' غرض کہ ہر مشابہت کے جواب میں ''نہیں'' دہرایا جاتا ہے- نہ وہ ایسا ہے- نہ ویسا ہے- نہ یہ ہے- نہ وہ ہے:

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک بر فرق من و تمثیل من!

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر!

جس طرح اثبات صفات میں غلو تشبہ کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح نفی صفات میں غلو تعطیل تک پہنچا دیتا ہے اور دونوں میں تصور انسانی کے لیے ٹھوکر ہوئی - اگر تشبہ اسے حقیقت سے ناآشنا کر دیتا ہے تو تعطل اسے عقیدہ کی روح سے محروم کر دیتا ہے- پس یہاں ضروری ہوا کہ افراط اور تفریط دونوں سے قدم روکے جائیں اور تشبہ اور تعطیل دونوں کے درمیان راہ نکالی جائے- چنانچہ قرآن نے جو راہ اختیار کی ہے وہ دونوں راہوں کے درمیان جاتی ہے اور دونوں انتہائی سمتوں کے میلان سے بچتی ہوئی نکل گئی ہے-

اگر خدا کے تصور کے لیے صفات و افعال کی کوئی صورت ایسی باقی نہ رہے جو فکر انسانی کی پکڑ میں آ سکتی ہے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی نکلے گا کہ تنزیہہ کے معنی نفی وجود کے ہو جائیں گے- یعنی اگر کہا جائے' ہم خدا کے لیے کوئی ایجابی صفت قرار نہیں دے سکتے - کیونکہ جو صفت بھی قرار دینگے اس میں مخلوق کے اوصاف سے مشابہت کی جھلک آ جائے گی' تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فکر انسانی کے لیے کوئی سررشتہ تصور باقی نہیں رہے گا اور وہ کسی ایسی ذات کا تصور ہی نہیں کر سکے گا' اور جب تصور نہیں کر سکے گا تو ایسا عقیدہ اس کے اندر کوئی پکڑ اور لگاؤ بھی پیدا نہیں کر سکے گا - ایسا تصور اگرچہ اثبات وجود کی کوشش کرے لیکن فی الحقیقت وہ نفی وجود کا تصور ہوگا - کیونکہ صرف سلبی تصور کے ذریعہ ہم ہستی کو نیستی سے جدا نہیں کر سکتے -

خدا کی ہستی کا اعتقاد انسانی فطرت کے اندرونی تقاضوں کا جواب ہے- اسے حیوانی سطح سے بلند ہونے اور انسانیت اعلیٰ کے درجہ تک پہنچنے کے لیے بلندی کے ایک نصب العین کی ضرورت ہے اور اس نصب العین کی طلب بغیر کسی ایسے تصور کے پوری نہیں ہو سکتی جو کسی نہ کسی شکل میں اس کے سامنے آئے - لیکن مشکل یہ ہے کہ مطلق کا تصور سامنے آ نہیں سکتا - وہ جبھی آئے گا کہ ایجابی صفتوں کے تشخص کا کوئی نہ کوئی نقاب چہرے پر ڈال لے - چنانچہ ہمیشہ اس نقاب ہی کے ذریعہ جمال حقیقت کو دیکھنا پڑا - یہ کبھی بھاری ہوا کبھی ہلکا - کبھی پرخوف رہا کبھی دلآویز - مگر اترا کبھی نہیں:

آہ ازاں حوصلۂ تنگ و ازاں حسن بلند
کہ دلم را گلہ از حسرت دیدار تو نیست!

جمال حقیقت بے نقاب ہے مگر ہماری نگاہوں میں یارائے دید نہیں - ہم اپنی نگاہوں پر نقاب ڈال کر اسے دیکھنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے چہرے پر نقاب پڑ گیا:

ہرچہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

غیر صفاتی تصور کو انسان پکڑ نہیں سکتا اور طلب اسے ایسے مطلوب کی ہوئی جو اس کی پکڑ میں آ سکے - وہ ایک ایسا جلوہ محبوبی چاہتا ہے جس کے عشق میں اس کا دل اٹک سکے' جس کے حسن گریزاں کے پیچھے وہ والہانہ دوڑ سکے' جس کا دامن کبریائی

پکڑنے کے لیے ہمیشہ اپنا دست عجز و نیاز بڑھاتا رہے- جو اگرچہ زیادہ سے زیادہ بلندی پر ہو لیکن پھر بھی اسے ہر دم جھانک لگائے تاک رہا ہو کہ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾(۸۹: ۱۴) ''یقیناً تمہارا پروردگار تمہیں گھات لگائے تاک رہا ہے!'' اور ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾[1] (۲: ۱۸۶)

در پردہ و بر ہمہ کس پردہ می دری   با ہر کسی و با تو کسے را وصال نیست

غیر صفاتی تصور محض نفی و سلب ہوتا ہے اور اس سے انسانی طلب کی پیاس نہیں بجھ سکتی- ایسا تصور ایک فلسفیانہ تخیل ضرور پیدا کر دے گا لیکن دلوں کا زندہ اور سرگرم عقیدہ نہیں بن سکے گا-

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جو راہ اختیار کی وہ ایک طرف تو تنزیہہ کو اس کے کمال درجہ پر پہنچا دیتی ہے- دوسری طرف تعطیل سے بھی تصور کو بچا لے جاتی ہے- وہ فرداً فرداً تمام صفات و افعال کا اثبات کرتا ہے مگر ساتھ ہی مشابہت کی قطعی نفی بھی کرتا جاتا ہے- وہ کہتا ہے: خدا حسن و خوبی کی ان تمام صفتوں سے جو انسانی فکر میں آ سکتی ہیں متصف ہے- وہ زندہ ہے قدرت والا ہے' پالنے والا ہے' رحمت والا ہے' دیکھنے والا' سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے- اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ انسان کی بول چال میں قدرت و اختیار اور ارادہ و فعل کی جتنی شائستہ تعبیرات ہیں انہیں بھی بلا تامل استعمال کرتا ہے- مثلاً خدا کے ہاتھ تنگ نہیں: ﴿ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ ﴾ (۵: ۶۴) اس کے تخت حکومت و کبریائی کے احاطہ سے کوئی گوشہ باہر نہیں: ﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (۲: ۲۵۵) لیکن یہ بھی صاف صاف اور بے لچک لفظوں میں کہہ دیتا ہے کہ اس سے مشابہ کوئی چیز نہیں جو تمہارے تصور میں آ سکتی- وہ عدیم المثال ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (۴۲: ۱۱) تمہاری نگاہ اسے پا ہی نہیں سکتی: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ (۶: ۱۰۳) تم اس کے لیے اپنے تخیل سے مثالیں نہ گھڑو: ﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ (۱۶: ۷۴) پس ظاہر ہے کہ اس کا زندہ ہونا ہمارے زندہ ہونے کی طرح نہیں ہو سکتا- اس کی پروردگاری ہماری پروردگاری کی طرح نہیں ہو سکتی- اس کا دیکھنا' سننا' جاننا ویسا نہیں ہو سکتا جس طرح کے دیکھنے' سننے' اور جاننے کا ہم تصور کر سکتے ہیں- اس کی قدرت و بخشش کا ہاتھ اور جلال و احاطہ کا عرش ضرور ہے لیکن یقیناً اس کا مطلب وہ نہیں ہو سکتا جو ان الفاظ کے مدلولات سے ہمارے ذہن میں متشکل ہونے لگتا ہے-

قرآن کے تصور الٰہی کا یہ پہلو فی الحقیقت اس راہ کی تمام درماندگیوں کا ایک ہی حل ہے اور ساری عمر کی سرگردانیوں کے بعد بالآخر اسی منزل پر پہنچ کر دم لینا پڑتا ہے- انسانی فکر جتنی بھی کاوشیں کرے اس کے سوا اور کوئی حل پیدا نہیں کر سکے گا- یہاں ایک طرف بام حقیقت کی بلندی اور فکر کوتاہ کی نارسائیاں ہوئیں- دوسری طرف ہماری فطرت کا اضطراب طلب اور ہمارے دل کا تقاضائے دید ہوا- بام اتنا بلند کہ نگاہ تصور تھک تھک کے رہ جاتی ہے- تقاضائے دید اتنا سخت کہ بغیر کسی کا جلوہ سامنے لائے چین نہیں پا سکتا:

نہ بہ اندازۂ بازوست کمندم ہیہات
ورنہ با گوشۂ بامیم سروکارے ہست!

---

[1] اور جب میرا بندہ تجھ سے میری نسبت سوال کرتا ہے تو اس سے کہہ دے کہ میں اس سے دور کب ہوں؟ میں تو بالکل اس کے پاس ہوں-

ایک طرف راہ کی اتنی دشواریاں دوسری طرف طلب کی اتنی سہل اندیشیاں !ولنعم ما قیل :

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں!

اگر تنزیہہ کی طرف زیادہ جھکتے ہیں تو تعطیل میں جا گرتے ہیں- اگر اثبات صفات کی صورت آرائیوں میں دور نکل جاتے ہیں تو تشبہ اور تجسم میں کھوئے جاتے ہیں- پس نجات کی راہ صرف یہی ہوئی کہ دونوں کے درمیان قدم سنبھالے رکھیں- اثبات کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے' تنزیہہ کی باگ بھی ڈھیلی نہ پڑنے پائے- اثبات اس کی دلآویز صفتوں کا مرقع کھینچے گا- تنزیہہ تشبہ کی پرچھائیں سے بچاتی رہے گی- ایک کا ہاتھ حسن مطلق کو صورت صفات میں جلوہ آرا کر دے گا- دوسرے کا ہاتھ اسے اتنی بلندی پر تھامے رہے گا کہ تشبہ کا گرد و غبار اسے چھونے کی جرأت نہیں کر سکے گا-

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست!

اوپانی شد کے مصنفوں کا نفی صفات میں غلو تو معلوم ہے لیکن مسلمانوں میں جب علم کلام کے مختلف مذاہب وآرا پیدا ہوئے تو ان کی نظری کاوشیں اس میدان میں ان سے بھی آگے نکل گئیں اور صفات باری کا مسئلہ بحث ونظر کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا- جہمیہ اور باطنیہ قطعی انکار کی طرف گئے- معتزلہ نے انکار نہیں کیا لیکن ان کا رخ رہا اسی طرف امام ابوالحسن اشعری نے گو خود معتدل راہ اختیار کی تھی (جیسا کہ کتاب الابانہ سے ظاہر ہے) لیکن ان کے پیرووں کی کاوشیں تاویل صفات میں دور تک چلی گئیں اور بحث ونزاع سے غلو کا رنگ پیدا ہوگیا- لیکن ان میں سے کوئی بھی معاملہ کی گتھی نہ سلجھا سکا- اگر گتھی سلجھی تو اسی طریقہ سے سلجھی جو قرآن نے اختیار کیا ہے- امام جوینی یہ اقرار کرتے ہوئے دنیا سے گئے کہ ((وھا انا ذا اموت علی عقیدۃ امی)) (میری ماں نے جو عقیدہ سکھلایا تھا اس پر دنیا سے جا رہا ہوں!)

اشاعرہ میں امام فخر الدین رازی سب سے زیادہ ان کاوشوں میں سرگرم رہے ہیں لیکن بالآخر اپنی زندگی کی آخری تصنیف میں انہیں بھی اقرار کرنا پڑا تھا کہ

> (لقد تاملت الطرق الکلامیة والمناھج الفلسفیه' فما رأیتها تشفی علیلًا ولا تروی غلیلًا ورأیت اقرب الطرق طریق القراٰن اقرأ فی الاثبات" الرحمن علی العرش استویٰ" وفی النفی"لیس کمثله شیء"ومن جرب مثل تجربتی عرف مثل معرفتی)
>
> (نقله ملا علی القاری فی شرح الفقه الاکبر)

''میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں کو خوب دیکھا بھالا لیکن بالآخر معلوم ہوا کہ نہ تو ان میں کسی بیمار دل کے لیے شفا ہے نہ کسی پیاسے کے لیے سیرابی- سب سے بہتر اور حقیقت سے نزدیک تر راہ وہی ہے جو قرآن کی راہ ہے- اثبات صفات میں پڑھو ﴿ اَلرَّحمٰن عَلی العرش استویٰ ﴾اور نفی تشبہ میں پڑھو ﴿ لیس کمثله شئی ﴾ یعنی اثبات اور نفی دونوں کا دامن تھامے رہو- اور جس کسی کو میری طرح

اس معاملہ کے تجربے کا موقع ملا ہوگا اسے میری طرح یہ حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی۔''

یہی وجہ ہے کہ اصحاب حدیثؒ اور سلفیہؒ نے اس باب میں تفویض کا مسلک اختیار کیا تھا اور تاویل صفات میں کاوشیں کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے جہمیہ کے انکار صفات کو تعطیل سے تعبیر کیا اور معتزلہ و اشاعرہ کی تاویلوں میں بھی تعطل کی بو سونگھنے لگے۔ متکلمین نے ان پر تجسم اور تشبہ کا الزام لگایا لیکن وہ کہتے تھے کہ تمہارے سلب ونفی کی کاوشوں کے بعد تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ متاخرین اصحاب حدیثؒ میں امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم نے اس مسئلہ کی گہرائیوں کو خوب سمجھا اور اسی لیے سلفؒ کے مسلک سے ادھر ادھر ہونا گوارا نہیں کیا۔

آریائی اور سامی نقطۂ خیال کا اختلاف:

آریائی اور سامی تعلیموں کے نقطۂ خیال کا اختلاف ہم اس معاملہ میں پوری طرح دیکھ سکتے ہیں۔ آریائی حکمت نے فطرت انسانی کی جس صورت پرستی کے تقاضے کا جواب مورتی پوجا کا دروازہ کھول کر دیا قرآن نے اسے صرف صفات کی صورت آرائی سے پورا کر دیا اور پھر اس سے نیچے اترنے کی تمام راہیں بند کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان تمام مفاسد کے کھلنے کے دروازے بند ہوگئے جو بت پرستی کی غیر عقلی زندگی سے پیدا ہو سکتے تھے اور ہندوستان میں پیدا ہوئے۔

محکمات اور متشابہات:

قرآن نے اپنے مطالب کی دو بنیادی قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک کو ''محکمات'' سے تعبیر کیا ہے دوسری کو ''متشابہات'' سے۔ ''محکمات'' سے وہ باتیں مقصود ہیں جو صاف صاف انسان کی سمجھ میں آ جاتی ہیں اور اس کی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لیے ایک سے زیادہ معانی کا ان میں احتمال نہیں۔ ''متشابہات'' وہ ہیں جن کی حقیقت وہ پا نہیں سکتا اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک خاص حد تک جا کر رک جائے اور بے نتیجہ باریک بینیاں نہ کرے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (۳:۷)

صفات الٰہی کی حقیقت متشابہات میں داخل ہے۔ اس لیے قرآن کہتا ہے کہ اس باب میں فکری کاوشیں کچھ سودمند نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ طرح طرح کی کج اندیشیوں کا دروازہ کھول دیتی ہیں یہاں بجز تفویض[1] کے چارۂ کار نہیں پس وہ تمام فلسفیانہ کاوشیں جو ہمارے متکلموں نے کی ہیں فی الحقیقت قرآن کے معیار تعلیم کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔

---

[1] تفویض کے مسلک سے مقصود یہ ہے کہ جو حقائق ہمارے دائرہ علم و ادراک سے باہر ہیں ان میں ردوکد اور باریک بینی نہ کرنا اور اپنے عجز و نارسائی کا اعتراف کر لینا تفویض کہلاتا ہے۔

اوپانی شد کا مرتبہ اطلاق اور مرتبہ تشخص:

اس موقعے پر یہ بات بھی صاف ہو جانی چاہیے کہ ویدانت سوتر اور اس کے سب سے بڑے شارح شنکر اچار جیا نے نفیٔ صفات پر جتنا زور دیا ہے وہ حقیقت کے اس مرتبہ اطلاق سے تعلق رکھتا ہے جسے وہ ''برہمن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی ذات مطلق سے۔ لیکن اس سے انہیں بھی انکار نہیں کہ مرتبہ اطلاق کے نیچے ایک اور مرتبہ بھی ہے جہاں تمام صفات ایجابی کی نقش آرائی ظہور میں آ جاتی ہے اور انسان کے تمام عابدانہ تصورات کا معبود وہی ذات متصف ہوتی ہے۔

اوپانی شد کے نزدیک ذات مطلق ''نیروپادھیک ست'' اور ''نرگن'' ہے۔ یعنی تمام مظاہرات سے منزہ اور عدیم التوصیف ہے۔ اگر کوئی ایجابی صفت اس کی نسبت سے کہی بھی جاسکتی ہے تو وہ اسی سلب کا ایجاب ہے۔ یعنی وہ ''نرگنونگی'' ہے۔ عدیم الوصفی صفت سے متصف۔ ہم اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم جو کچھ کہیں گے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ لامحدود کو محدود بنا دیں گے۔ اگر محدود لامحدود کا تصور کرسکتا ہے تو پھر یا تو محدود کو لامحدود ماننا پڑے گا۔ یا لامحدود کو محدود بن جانا پڑے گا'' (شنکر ابھاشیا برہم سوتر۔ باب ۳) ''ہم کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو الفاظ بولتے ہیں وہ یا تو اس چیز کا تعلق کسی خاص نوع سے ظاہر کرتے ہیں یا اس کے فعلی خواص بتلاتے ہیں یا اس کی قسم کی خبر دیتے ہیں یا کسی اور اضافی نوعیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیکن برہمن کے لیے کوئی نوع نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔ اس کی کوئی قسم نہیں۔ اس کے فعلی خواص بتلائے نہیں جاسکتے۔ اس کے لیے کوئی اضافت نہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایسا ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس طرح کا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لیے کوئی مشابہت نہیں اور چونکہ مشابہت نہیں اس لیے اس کی عدم مشابہت اور غیریت بھی انسانی تصور میں نہیں لائی جاسکتی۔ مشابہت کی طرح ہماری نفی مشابہت بھی اضافی رشتے رکھتی ہے'' (ایضاً باب اول وثانی)

غرض کہ حقیقت اپنے مرتبۂ اطلاق میں ناممکن التعریف ہے اور منطقی ماورائیت سے بھی ماورا ہے۔ اسی لیے ویدانت سوتر نے بنیادی طور پر ہستی کے دو دائرے ٹھہرا دیے۔ ایک کو ممکن التصور کہا ہے' دوسرے کو ناممکن التصور۔ ممکن التصور دائرہ پرکرتی' عناصر' ذہن' تعقل اور خودی کا ہے۔ ناممکن التصور دائرۂ برہمن (ذات مطلق) کا۔ یہی مذہب اسکندریہ کے افلاطونیہ جدیدہ کا بھی تھا اور حکما اسلام اور صوفیہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا۔ صوفیہ مرتبۂ اطلاق کو مرتبۂ ''احدیت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''احدیت'' ناممکن التصور' ناممکن التعبیر اور تمام منطقی ماورائیوں سے بھی وراالورا ہے:

بنام آں کہ آں نامے نہ دارد
بہ ہر نامے کہ خوانی سر برآرد!

لیکن پھر مرتبۂ اطلاق ایک ایسے مرتبہ میں نزول کرتا ہے جس میں تمام ایجابی صفات کی صورت آرائی کا تشخص نمودار ہو جاتا ہے۔ اوپانی شد نے اسے ''ایشور'' سے اور صوفیہ نے ''واحدیت'' سے تعبیر کیا ہے۔ ویدانت سوتر کے شارحوں میں شنکر نے سب سے زیادہ اوپانی شد کے نفی صفات کے مسلک کو قائم رکھنا چاہا ہے۔ اور اس باب میں بڑی کاوش کی۔ تاہم اسے بھی ''سگن برہمن'' یعنی ذات متشخص و متصف کے مرتبہ کا اعتراف کرنا پڑا اور گو اس مرتبہ کے عرفان کو وہ

''اپرم''، یعنی فروتر مرتبہ کا عرفان قرار دیتا ہے مگر ساتھ ہی تسلیم کرتا ہے کہ ایک معبود ہستی کا تصور بغیر اس کے ممکن نہیں- اور انسانی ذہن وادراک کے لیے زیادہ سے زیادہ بلند پروازی جو یہاں ہو سکتی ہے، وہ یہی ہے-[1]

(۲) صفات رحمت و جمال:

ثانیاً تنزیہہ کی طرح صفات رحمت و جمال کے لحاظ سے بھی قرآن کے تصور پر نظر ڈالی جائے تو اس کی شان تکمیل نمایاں ہے- نزول قرآن کے وقت یہودی تصور میں قہر وغضب کا عنصر غالب تھا- مجوسی تصور نے نور و ظلمت کی دو مساویانہ قوتیں الگ الگ بنالی تھیں- مسیحی تصور نے رحم و محبت پر زور دیا تھا- لیکن جزا کی حقیقت مستور ہو گئی تھی- اسی طرح پیروان بدھ نے بھی صرف رحم و محبت پر زور دیا- عدالت نمایاں نہیں ہوئی- گویا جہاں تک رحمت و جمال کا تعلق ہے یا تو قہر وغضب کا عنصر غالب تھا یا مساوی تھا یا پھر رحمت و محبت آئی تھی تو اس طرح آئی تھی کہ عدالت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی-

لیکن قرآن نے ایک طرف تو رحمت و جمال کا ایسا کامل تصور پیدا کر دیا کہ قہر وغضب کے لیے کوئی جگہ ہی نہ رہی دوسری طرف جزائے عمل کا سررشتہ بھی ہاتھ سے نہیں دیا کیونکہ جزا کا اعتقاد قہر وغضب کی بنا پر نہیں بلکہ عدالت کی بنا پر قائم کر دیا- چنانچہ صفات الٰہی کے بارے میں اس کا عام اعلان یہ ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾(۱۷: ۱۱۰)

''اے پیغمبرؐ، ان سے کہہ دو، تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس صفت سے بھی پکارو اس کی ساری صفتیں حسن و خوبی کی صفتیں ہیں!''

یعنی وہ خدا کی تمام صفتوں کو ''اسمائے حسنٰی'' قرار دیتا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت نہیں جو حسن و خوبی کی صفت نہ ہو- یہ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے پوری وسعت کے ساتھ انہیں جا بجا بیان کیا ہے- ان میں ایسی صفتیں بھی ہیں جو بظاہر قہر و جلال کی صفتیں ہیں- مثلاً جبار، قہار، لیکن قرآن کہتا ہے، وہ بھی ''اسمائے حسنٰی'' ہیں- کیونکہ ان میں قدرت و عدالت کا ظہور ہوا ہے اور قدرت و عدالت حسن و خوبی ہے- خونخواری و خوفناکی نہیں ہے- چنانچہ سورۂ حشر میں صفات رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر متصلاً ان سب کو ''اسمائے حسنٰی'' قرار دیا ہے:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ ﴾(۵۹: ۲۳-۲۴)

''وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ الملک ہے- القدوس ہے- السلام ہے- المومن ہے- المہیمن ہے- العزیز ہے- الجبار ہے- المتکبر ہے- اور اس ساجھے سے پاک ہے جو لوگوں نے اس کی معبودیت میں بنا

---

[1] شنکر بھاشیا ۱: ۲ اور چندوگیا اوپانی شد قسم ۸

رکھے ہیں' وہ الخالق ہے- الباری ہے- المصور ہے (غرض کہ) اس کے لیے حسن و خوبی کی صفتیں ہیں- آسمان و زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں سب اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہیں اور بلاشبہ وہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ و توانائی بھی رکھنے والا ہے!

اسی طرح سورۂ اعراف میں ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ [1] ﴾ (۷: ۱۸۰)

''اور اللہ کے لیے حسن و خوبی کی صفتیں ہیں- سو چاہیے کہ ان صفتوں سے اسے پکارو- اور جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ اس کی صفتوں میں کج اندیشیاں کرتے ہیں' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو-''

چنانچہ اسی لیے سورۂ فاتحہ میں صرف تین صفتیں نمایاں ہوئیں: ربوبیت' رحمت' اور عدالت- اور قہر و غضب کی کسی صفت کو یہاں جگہ نہ دی گئی-

(۳) اشراکی تصورات کا کلی انسداد:

ثالثاً: جہاں تک توحید و اشراک کا تعلق ہے قرآن کا تصور اس درجہ کامل اور بے لچک ہے کہ اس کی کوئی نظیر پچھلے تصورات میں نہیں مل سکتی-

اگر خدا اپنی ذات میں یگانہ ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنی صفات میں بھی یگانہ ہو- کیونکہ اس کی یگانگت کی عظمت قائم نہیں رہ سکتی اگر کوئی دوسری ہستی اس کی صفات میں شریک و سہیم مان لی جائے- قرآن سے پہلے توحید کے ایجابی پہلو پر تو تمام مذاہب نے زور دیا تھا لیکن سلبی پہلو نمایاں نہیں ہوسکا تھا- ایجابی پہلو یہ ہے کہ خدا ایک ہے- سلبی یہ ہے کہ اس کی طرح کوئی نہیں- اور جب اس کی طرح کوئی نہیں تو ضروری ہے کہ جو صفتیں اس کے لیے ٹھہرا دی گئی ہیں ان میں کوئی دوسری ہستی شریک نہ ہو- پہلی بات توحید فی الذات سے اور دوسری توحید فی الصفات سے تعبیر کی گئی ہے- قرآن سے پہلے اقوام عالم کی استعداد اس درجہ بلند نہیں ہوئی تھی کہ توحید فی الصفات کی نزاکتوں اور بندشوں کی متحمل ہوسکتی اس لیے مذاہب نے تمام تر زور توحید فی الذات ہی پر دیا- توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں چھوڑ دی گئی-

---

[1] اس آیت میں ''الحاد فی الاسماء'' سے مقصود کیا ہے؟ ''الحاد'' لحد سے ہے- ''لحد'' کے معنی میلان عن الوسط کے ہیں- یعنی درمیان سے کسی ایک طرف کو ہٹا ہوا ہونا- اسی لیے ایسی قبر کو جس میں نعش کی جگہ ایک طرف کو ہٹی ہوئی ہوتی ہے- لحد کہتے ہیں- جب یہ لفظ انسانی افعال کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی راہ حق سے ہٹ جانے کے ہوتے ہیں- کیونکہ وسط حق ہے اور جو اس سے منحرف ہو باطل ہے- الحد فلان- ای مال عن الحق- پس یہاں الحاد فی الاسماء کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفات کے بارے میں جو راہ حق ہے اس سے منحرف ہو جانا- امام راغب اصفہانیؒ نے اس کی تشریح حسب ذیل لفظوں میں کی ہے: ''ان یوصف بما لا یصح وصفه به او ان یتاول اوصافه علی مالا یلیق به (مفردات ۴۶۴) یعنی خدا کے لیے کوئی ایسا وصف قرار دینا جو اس کا وصف نہیں ہونا چاہیے یا اس کی صفتوں کا ایسا مطلب ٹھہرانا جو اس کی شان کے لائق نہیں- ۱۲

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں باوجود یکہ تمام مذاہب قبل از قرآن میں عقیدۂ توحید کی تعلیم موجود تھی لیکن کسی نہ کسی صورت میں شخصیت پرستی، عظمت پرستی، اور اصنام پرستی نمودار ہوتی رہی اور رہنمایان مذاہب اس کا دروازہ بند نہ کر سکے۔ ہندوستان میں تو غالباً اول روز ہی سے یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ عوام کی تشفی کے لیے دیوتاؤں اور انسانی عظمتوں کی پرستاری ناگریز ہے اور اس لیے توحید کا مقام صرف خواص کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔ فلاسفہ یونان کا بھی یہی خیال تھا۔ یقیناً وہ اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ کوہ ایلمپس کے دیوتاؤں کی کوئی اصلیت نہیں، تاہم سقراط کے علاوہ کسی نے بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ عوام کے اصنامی عقائد میں خلل انداز ہو۔ وہ کہتے تھے اگر دیوتاؤں کی پرستش کا نظام قائم نہ رہا تو عوام کی مذہبی زندگی درہم برہم ہو جائے گی۔ فیثا غورس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ جب اس نے اپنا مشہور حسابی قاعدہ معلوم کیا تھا تو اس کے شکرانے میں سو بچھڑوں کی قربانی دیوتاؤں کے نذر کی تھی۔

اس بارے میں سب سے زیادہ نازک معاملہ معلم و رہنما کی شخصیت کا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی تعلیم عظمت و رفعت حاصل نہیں کر سکتی جب تک معلم کی شخصیت میں بھی عظمت کی شان پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن شخصیت کی عظمت کے حدود کیا ہیں؟ یہیں آ کر سب کے قدموں نے ٹھوکر کھائی۔ وہ اس کی ٹھیک ٹھیک حد بندی نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کبھی شخصیت کو خدا کا اوتار بنا دیا، کبھی ابن اللہ سمجھ لیا، کبھی شریک و سہیم ٹھہرا دیا اور اگر یہ نہیں کیا تو کم از کم اس کی تعظیم میں بندگی و نیاز کی سی شان پیدا کر دی۔ یہودیوں نے اپنے ابتدائی عہد کی گمراہیوں کے بعد کبھی ایسا نہیں کیا کہ پتھر کے بت تراش کر ان کی پوجا کی ہو۔ لیکن اس بات سے وہ بھی نہ بچ سکے کہ اپنے نبیوں کی قبروں پر ہیکل تعمیر کر کے انہیں عبادت گاہوں کی سی شان و تقدیس دے دیتے تھے۔ گوتم بدھ کی نسبت معلوم ہے کہ اس کی تعلیم میں اصنام پرستی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس کی آخری وصیت جو ہم تک پہنچی ہے یہ ہے ''ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کر دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کر و نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی[1]'' لیکن اس وصیت پر جیسا کچھ عمل کیا گیا، وہ دنیا کے سامنے ہے۔ نہ صرف بدھ کی خاک اور یادگاروں پر معبد تعمیر کیے گئے۔ بلکہ مذہب کی اشاعت کا ذریعہ ہی یہ سمجھا گیا کہ اس کے مجسّموں سے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسّے نہیں بنائے گئے جتنے گوتم بدھ کے بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح ہمیں معلوم ہے کہ مسیحیت کی حقیقی تعلیم سرتاسر توحید کی تعلیم تھی لیکن ابھی اس کے ظہور پر پورے سو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ نشو ونما پا چکا تھا۔

توحید فی الصفات:

لیکن قرآن نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقشہ کھینچ دیا کہ اس طرح کی لغزشوں کے تمام دروازے بند ہو گئے۔ اس نے صرف توحید ہی پر زور نہیں دیا بلکہ شرک کی بھی راہیں بند کر دیں اور یہی اس باب میں اس کی خصوصیت ہے۔

وہ کہتا ہے ہر طرح کی عبادت اور نیاز کی مستحق صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو توحید الٰہی کا اعتقاد باقی نہ رہا۔ وہ کہتا ہے یہ اسی کی ذات ہے جو انسانوں کی پکار

---

[1] آر لی بودھ ازم ۱۴

سنتی اوران کی دعائیں قبول کرتی ہے- پس اگر تم نے اپنی دعاؤں اور طلبگاریوں میں کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کر لیا تو گویا تم نے اسے خدا کی خدائی میں شریک کر لیا- وہ کہتا ہے کہ دعا' استعانت' رکوع وسجود' عجز ونیاز' اعتماد وتوکل' اور اس طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں- پس اگر ان اعمال میں تم نے کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کر لیا تو خدا کے رشتۂ معبودیت کی یگانگی باقی نہ رہی- اسی طرح عظمتوں' کبریائیوں' کارسازیوں اور بے نیازیوں کا جو اعتقاد تمہارے اندر خدا کی ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیے- اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیے بھی پیدا کر لیا تو تم نے اسے خدا کا ند یعنی شریک ٹھہرالیا اور توحید کا اعتقاد درہم برہم ہو گیا!

یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ کی تلقین کی گئی- اس میں اول تو عبادت کے ساتھ استعانت کا بھی ذکر کیا گیا پھر دونوں جگہ مفعول کو مقدم کیا جو مفید حصر ہے- یعنی ''صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں-'' اس کے علاوہ تمام قرآن میں اس کثرت کے ساتھ توحید فی الصفات اور رد اشراک پر زور دیا گیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورت بلکہ کوئی صفحہ اس سے خالی ہو-

مقام نبوت کی حد بندی:

سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقام نبوت کی حد بندی کا تھا- یعنی معلم کی شخصیت کو اس کی اصلی جگہ میں محدود کر دینا تا کہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لیے سد باب ہو جائے- اس بارے میں قرآن نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جا بجا پیغمبر اسلام کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے محتاج بیان نہیں- ہم یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلائیں گے- اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے: ((اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) یعنی ''میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے'' اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا بھی اعتراف ہے- غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ پیغمبر اسلامؐ کی بندگی اور درجہ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل واساس بن جائے اور اس کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت کا اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو- ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اس معاملہ کا تحفظ کیا کیا جا سکتا تھا؟ کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلامؐ کی بندگی کا بھی اقرار نہ کر لے!

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے لیکن ان کی شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا- ابھی ان کی وفات پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر اعلان کر دیا تھا:

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ یَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ

اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ!)) (بخاری شریف)

جو کوئی تم میں محمد (ﷺ) کی پرستش کرتا تھا - سوا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ نے وفات پائی - اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں -''

(۴) عوام اور خواص دونوں کے لیے ایک تصور:

رابعاً: قرآن سے پہلے علوم وفنون کی طرح مذہبی عقائد میں بھی خاص و عام کا امتیاز ملحوظ رکھا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے اور خواص کے لیے ہے - ایک تصور مجازی ہے اور عوام کے لیے ہے - چنانچہ ہندوستان میں خداشناسی کے تین درجے قرار دیے گئے:

عوام کے لیے دیوتاؤں کی پرستش' خواص کے لیے براہ راست خدا کی پرستش اور اخص الخواص کے لیے وحدۃ الوجود کا مشاہدہ - یہی حال فلاسفۂ یونان کا تھا - وہ خیال کرتے تھے کہ ایک غیر مرئی اور غیر مجسم خدا کا تصور صرف اہل علم و حکمت ہی کر سکتے ہیں - عوام کے لیے اسی میں امن ہے کہ دیوتاؤں کی پرستاری میں مشغول رہیں -

لیکن قرآن نے حقیقت و مجاز یا خاص و عام کا کوئی امتیاز باقی نہ رکھا - اس نے سب کو خداپرستی کی ایک ہی راہ دکھائی اور سب کے لیے صفات الٰہی کا ایک ہی تصور پیش کر دیا - وہ حکماو عرفا سے لے کر جہال و عوام تک سب کو حقیقت کا ایک ہی جلوہ دکھاتا ہے اور سب پر اعتقاد و ایمان کا ایک ہی دروازہ کھولتا ہے - اس کا تصور جس طرح ایک حکیم و عارف کے لیے سرمایۂ تفکر ہے اسی طرح ایک چرواہے اور دہقان کے لیے سرمایۂ تسکین!

اس سلسلہ میں معاملہ کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے - ہندوستان میں خواص اور عوام کے خداپرستانہ تصوروں میں جو فرق مراتب ملحوظ رکھا گیا وہ معاملہ کو اس رنگ میں بھی نمایاں کرتا ہے کہ یہاں کا مذہبی نقطۂ خیال ابتدا سے فکر و عمل کی رواداری پر مبنی رہا ہے - یعنی کسی دائرۂ فکر کو بھی اتنا تنگ اور بے لچک نہیں رکھا گیا کہ کسی دوسرے دائرہ کی اس میں گنجائش ہی نہ نکل سکے - یہاں خواص توحید کی راہ پر گامزن ہوئے لیکن عوام کے لیے دیوتاؤں کی پرستش اور مورتیوں کی معبودیت کی راہیں بھی کھلی چھوڑ دی گئیں - گویا ہر عقیدہ کو جگہ دی گئی' ہر عمل کے لیے گنجائش نکالی گئی اور ہر طور طریقہ کو آزادانہ نشو و نما کا موقع مل گیا - مذہبی اختلاف جو دوسری قوموں میں باہمی جنگ و جدال کا ذریعہ رہا ہے یہاں آپس کے سمجھوتوں کا ذریعہ بنا اور ہمیشہ متعارض اصول باہم دگر ٹکرانے کی جگہ ایک دوسرے کے لیے جگہیں نکالتے رہے - تخالف کی حالت میں تفاہم اور تعارض کی حالت میں تطابق گویا یہاں کے ذہنی مزاج کی عام خصوصیت تھی - ایک ویدانتی جانتا ہے کہ اصل حقیقت اشراک اور بت پرستی کے عقائد سے بالاتر ہے تاہم یہ جاننے پر بھی وہ بت پرستی کا منکر و مخالف نہیں ہو جاتا - کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ پس ماندگان راہ کے لیے یہ بھی ایک ابتدائی منزل ہوئی اور راہرو کوئی راہ اختیار کرے مگر مقصود اصلی ہر حال میں سب کا ایک ہی ہے:

خواہ از طریق میکدہ خواہ از رہ حرم ... از ہر جہت کہ شاد شوی فتح باب گیر!

چنانچہ چند سال ہوئے پروفیسر سی-ای-ام جوڈ (Joad) نے ہندوستان کے تاریخی خصائص پر نظر ڈالتے ہوئے اس خصوصیت کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی تھی اور اس سے پہلے دوسرے اہل قلم بھی اس پہلو پر زور دے چکے ہیں- ہمیں چاہیے معاملے کے اس پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لیں-

بلاشبہ فکر و عمل کی اس رواداراانہ سوچ کا جو ہندوستان کی تاریخ میں برابر ابھرتی رہی ہے ہمیں اعتراف کرنا چاہیے لیکن معاملہ صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا- زندگی کے حقائق کے تقاضوں کا یہاں کچھ عجیب حال ہے- یہاں ہم کسی ایک گوشے ہی کے ہو کر نہیں رہ جاسکتے- دوسرے گوشوں کی بھی خبر رکھنی پڑتی ہے اور فکر و عمل کی ہر راہ اتنی دور تک چلی گئی ہے کہ کہیں نہ کہیں جا کر حد بندی کی لکیریں کھینچنی پڑتی ہیں- اگر ایسا نہ کریں تو علم و اخلاق کے تمام احکام متزلزل ہو جائیں اور اخلاقی اقدار کی کوئی مستقل حیثیت باقی نہ رہے- رواداری یقیناً ایک خوبی کی بات ہے لیکن ساتھ ہی عقیدہ کی مضبوطی، رائے کی پختگی، اور فکر کی استقامت کی خوبیوں سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا- پس یہاں کوئی نہ کوئی حد بندی کا خط ضرور ہونا چاہیے جو ان تمام خوبیوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے- اخلاق کے تمام احکام انہی حد بندیوں کے خطوط سے بنتے اور ابھرتے ہیں- جونہی یہ ہلنے لگتے ہیں اخلاق کی پوری دیوار ہل جاتی ہے-عفوودرگزر بڑی ہی حسن وخوبی کی بات ہے لیکن یہی عفوودرگزر جب اپنی حد بندی کے خط سے آگے بڑھ جاتا ہے تو عفوودرگزر نہیں رہتا اسے بزدلی اور بےہمتی کے نام سے پکارنے لگتے ہیں-شجاعت انسانی سیرت کا سب سے بڑا وصف ہے لیکن یہی وصف جب اپنی حد سے گزر جائے گا تو نہ صرف اس کا حکم ہی بدل جائے گا بلکہ صورت بھی بدل جائے گی- اب اسے دیکھیے تو وہ شجاعت نہیں ہے-قہر وغضب اور ظلم وتشدد ہو گیا!

دو حالتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا- ایک حالت یہ ہے کہ کسی خاص اعتقاد اور عمل کی روشنی ہمارے سامنے آگئی ہے اور ہم ایک خاص نتیجہ تک پہنچ گئے ہیں- اب اس کی نسبت ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ ہم اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں یا متزلزل رہیں؟ دوسری حالت یہ ہے کہ جس طرح ہم کسی خاص نتیجے تک پہنچے ہیں اسی طرح ایک دوسرا شخص بھی ایک دوسرے نتیجے تک پہنچ گیا ہے اور یہاں فکر و عمل کی ایک ہی راہ سب کے آگے نہیں کھلتی- اب ہمارا طرز عمل اس شخص کی نسبت کیا ہونا چاہیے؟ ہماری طرح اسے بھی اپنی راہ چلنے کا حق ہے یا نہیں؟ رواداری کا صحیح محل دوسری حالت ہے- پہلی نہیں ہے- اگر پہلی حالت میں وہ آئے گی تو یہ رواداری نہ ہوگی- اعتقاد کی کمزوری اور یقین کا فقدان ہوگا-

رواداری یہ ہے کہ اپنے حق اعتقاد و عمل کے ساتھ دوسرے کے حق اعتقاد و عمل کا بھی اعتراف کیجیے اور اگر دوسرے کی راہ آپ کو صریح غلط دکھائی دے رہی ہے جب بھی اس کے اس حق سے انکار نہ کیجیے کہ وہ اپنی غلط راہ پر بھی چل سکتا ہے- لیکن اگر رواداری کے حدود یہاں تک بڑھا دیے گئے کہ وہ آپ کے عقیدوں میں بھی مداخلت کرسکتی ہے اور آپ کے فیصلوں کو بھی نرم کرسکتی ہے تو پھر یہ رواداری نہ ہوئی استقامت فکر کی نفی ہوگئی-

مفاہمت زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور ہماری زندگی ہی سرتاسر مفاہمت ہے-لیکن ہر راہ کی طرح یہاں بھی حد بندی کی کوئی لکیر کھینچنی پڑے گی اور جس حد پر بھی جا کر لکیر کھینچی گئی معاً عقیدہ پیدا ہوگیا- اب جب تک عقیدہ کی تبدیلی کی کوئی روشنی

سامنے نہیں آتی آپ مجبور ہیں کہ اس پر جمے رہیں اور اس میں کاٹ چھانٹ نہ کریں- آپ دوسروں کے عقائد کا احترام ضرور کریں گے لیکن اپنے عقیدہ کو بھی کمزوری کے حوالہ نہیں ہونے دیں گے-

کتنی ہی مصیبتیں ہیں جو اعتقاد اور عمل کے تمام گوشوں میں اسی دروازہ سے آئیں کہ ان دو مختلف حالتوں کا امتیازی خط اپنی جگہ سے ہل گیا- اگر اعتقاد کی مضبوطی آئی تو اتنی دور تک چلی گئی کہ رواداری کے تمام تقاضے بھلا دیے گئے اور دوسروں کے اعتقاد و عمل میں جبراً مداخلت کی جانے لگی- اگر رواداری آئی تو اس بے اعتدالی کے ساتھ آئی کہ استقامت فکر و رائے کے لیے کوئی جگہ نہ رہی' ہر عقیدہ لچک گیا ہر یقین ہلنے لگا- پہلی بے اعتدالی کی مثالیں' ہمیں ان مذہبی تنگ نظریوں اور سخت گیریوں میں ملتی ہیں جن کی خونچکاں داستانوں سے تاریخ کے اوراق رنگین ہو چکے ہیں- دوسری بے اعتدالی کے نتائج کی مثال ہمیں ہندوستان کی تاریخ مہیا کر دیتی ہے- یہاں فکر و عقیدہ کی کوئی بلندی بھی وہم و جہالت کی گراوٹ سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکی اور علم و عقل اور وہم و جہل میں ہمیشہ سمجھوتوں کا سلسلہ جاری رہا- ان سمجھوتوں نے ہندوستانی دماغ کی شکل و صورت بگاڑ دی- اس کی فکری ترقیوں کا تمام حسن اصنامی عقیدوں اور وہم پرستیوں کے گرد و غبار میں چھپ گیا-

زمانۂ حال کے مؤرخوں نے اس صورت حال کا اعتراف کیا ہے- ہمارے زمانے کا ایک قابل ہندو مصنف اس عہد کی فکری حالت پر نظر ڈالتے ہوئے جب آریائی تصورات ہندوستان کے مقامی مذاہب سے مخلوط ہونے لگے تھے تسلیم کرتا ہے کہ ''ہندو مذہب کی مخلوط نوعیت کی توضیح ہمیں اس صورت حال میں مل جاتی ہے- صحرا نورد قبائل کے وحشیانہ توہمات سے لے کر اونچے سے اونچے درجہ کے تہہ رس غور و خوض تک ہر درجہ اور ہر دائرۂ فکر کے خیالات یہاں باہم دگر ملتے اور مخلوط ہوتے رہے- آریائی مذہب اول روز سے کشادہ دل' خود رو اور روادار تھا- وہ جب کبھی کسی نئے مؤثر سے دوچار ہوا تو خود سمٹتا گیا اور جگہیں نکالتا رہا- اس کی اس مزاجی حالت میں ہم ایک سچے انکسار طبع اور ہمدردانہ مفاہمت کا شائستہ رجحان محسوس کرتے ہیں- ہندو دماغ اس کے لیے تیار نہیں ہوا کہ نچلے درجہ کے مذہبوں کو نظر انداز کر دے یا لڑ کر ان کی ہستی مٹا دے- اس کے اندر ایک مذہبی مجنون کا غرور نہیں تھا کہ صرف اسی کا مذہب سچا مذہب ہے- اگر انسانوں کے ایک گروہ کو کسی ایک معبود کی پرستش اس کے طور طریقے پر تسکین قلب مہیا کر دیتی ہے تو تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہ بھی سچائی کی ایک راہ ہے- مکمل سچائی پر کوئی بیک دفعہ قابض نہیں ہو سکتا- وہ صرف بتدریج اور بہ تفریق ہی حاصل کی جا سکتی ہے اور یہاں ابتدائی اور عارضی درجوں کو بھی ان کی ایک جگہ دینی پڑتی ہے- ہندو دماغ نے رواداری اور باہمی مفاہمتوں کی یہ راہ اختیار کر لی لیکن وہ یہ بات بھول گیا کہ بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں جب رواداری کی جگہ ناروا داری ایک فضیلت کا حکم پیدا کر لیتی ہے اور مذہبی معاملات میں بھی گریشم[1] (Gresham) کے قانون کی طرح کا ایک قانون کام کرتا رہتا ہے جب آریائی اور غیر آریائی مذاہب باہم دگر ملے- ایک شائستہ' دوسرا ناشائستہ- ایک اچھی قسم کا' دوسرا نکما- تو غیر شائستہ اور نکمے اجزا میں قدرتی طور پر یہ میلان پیدا ہو گیا

---

[1] گریشم کے قانون سے مقصود اقتصادیات کی یہ اصل ہے کہ اگر کھرے سکوں کے ساتھ کھوٹے سکے ملا دیے جائیں گے تو کھرے سکوں کی قیمت باقی نہیں رہے گی-

کہ شائستہ اور اچھے اجزا کو دبا کر معطل کر دے۔"[1]

بہر حال قرآن کے تصور الٰہی کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کسی طرح کی اعتقادی مفاہمت اس بارے میں جائز نہیں رکھی- وہ اپنے توحید اور تنزیہی تصور میں سرتاسر بے میل اور بے لچک رہا- اس کی یہ مضبوط جگہ کسی طرح بھی ہمیں رواداراتہ طرز عمل سے روکنا نہیں چاہتی- البتہ اعتقادی مفاہمتوں کے تمام دروازے بند کر دیتی ہے-

خامساً: قرآن نے تصور الٰہی کی بنیاد انسان کے عالمگیر وجدانی احساس پر رکھی ہے- یہ نہیں کیا ہے کہ اسے نظر وفکر کی کاوشوں کا ایک ایسا معمہ بنا دیا ہو جسے کسی خاص طبقہ کا ذہن ہی حل کر سکے- انسان کا عالمگیر وجدانی احساس کیا ہے؟ یہ ہے کہ کائنات ہستی خود بخود پیدا نہیں ہوگئی ہے اور اس لیے ضروری ہے کہ ایک صانع ہستی موجود ہو- پس قرآن بھی اس بارے میں عام طور پر جو کچھ بتلاتا ہے وہ اتنا ہی ہے اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ مذہبی عقیدہ کا معاملہ نہیں ہے- انفرادی اور ذاتی تجربہ واحوال کا معاملہ ہے- اس لیے وہ اس کا بوجھ جماعت کے افکار پر نہیں ڈالتا- اسے اصحاب جہد وطلب کے لیے چھوڑ دیتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (۲۹: ۶۹)

"اور جو لوگ ہم تک پہنچنے کے لیے کوشش کریں گے تو ہم بھی ضرور ان پر راہ کھول دیں گے اور اللہ نیک کرداروں سے الگ کب ہے؟ وہ تو ان کے ساتھ ہے!"

﴿ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ○ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ (۵۱: ۲۰-۲۱)

"اور ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں زمین میں کتنی ہی حقیقت کی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر بھی، پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟"

سادساً: اسی مقام سے وہ فرق مراتب بھی نمایاں ہو جاتا ہے جو اسلام نے بالکل ایک دوسری شکل ونوعیت میں عوام وخواص کا ملحوظ رکھا ہے- ہندو مفکروں نے عوام اور خواص میں الگ الگ تصور اور عقیدے تقسیم کیے- اسلام نے تصور اور عقیدے کے اعتبار سے کوئی امتیاز جائز نہیں رکھا- وہ حقیقت کا ایک ہی عقیدہ ہر انسانی دل ودماغ کے آگے پیش کرتا ہے- لیکن یہ ظاہر ہے کہ طلب وجہد کے لحاظ سے سب کے مراتب یکساں نہیں ہو سکتے، اور یہاں ایک ہی درجہ کی پیاس لے کر ہر طالب حقیقت نہیں آتا- عامۃ الناس بحیثیت جماعت کے اپنا ایک خاص مزاج اور اپنی خاص احتیاج رکھتے ہیں- خاص افراد بحیثیت فرد کے اپنی طلب واستعداد کا الگ الگ درجہ ومقام رکھتے ہیں- پس اس نے جس امتیاز سے پہلی صورت میں انکار کر دیا تھا اس سے دوسری صورت میں انکار نہیں کیا اور مختلف مدارج طلب کے لیے عرفان ویقین کی مختلف راہیں کھلی چھوڑ دیں-

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک متفق علیہ روایت میں جو حدیث جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے، نہایت جامع ومانع لفظوں میں یہ فرق مراتب واضح کر دیا گیا ہے- یہ حدیث تین مرتبوں کا ذکر کرتی ہے: اسلام، ایمان اور احسان- اسلام یہ ہے کہ اسلامی عقیدے کا اقرار کرنا اور عمل کے چاروں رکن یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ انجام دینا- ایمان یہ ہے کہ اقرار کے مرتبہ سے

---

[1] پروفیسر اس رادھا کرشناں- انڈین فلاسفی- جلد اول صفحہ ۱۱۹- طبع ثانی-

آ گے بڑھنا اور اسلام کے بنیادی عقائد کے حق الیقین کا مرتبہ حاصل کرنا- احسان یہ ہے کہ:

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) (صحیحین)

''تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا اسے اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے-''

پس گویا عرفان حقیقت کے لحاظ سے یہاں تین مرتبے ہوئے- پہلا مرتبہ اسلامی دائرہ کے عام اعتقاد وعمل کا ہے- یہ اسلام ہے- یعنی جس نے اسلامی عقیدہ کا اقرار کرلیا اور اس کے اعمال کی زندگی اختیار کر لی وہ اس دائرہ میں آ گیا- لیکن دائرہ میں داخل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آ جاتا کہ علم ویقین کے جو مقامات ہیں وہ بھی ہر وارد و داخل کو حاصل ہو گئے- پس اب دوسرا مرتبہ نمایاں ہوا جسے ایمان سے تعبیر کیا ہے- اسلام ظاہر کا اقرار وعمل تھا- ایمان دل و دماغ کا یقین واذعان ہے- یہ مرتبہ جس نے حاصل کرلیا وہ عوام سے نکل کر خواص کے زمرہ میں داخل ہو گیا- لیکن معاملہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا- عرفان حقیقت اور عین الیقینی ایقان کا ایک اور مرتبہ ابھی باقی رہ جاتا ہے- اسے احسان سے تعبیر کیا گیا- لیکن یہ مقام محض اعتقاد اور یقین پیدا کر لینے کا نہیں ہے جو ایک گروہ کو بحیثیت گروہ کے حاصل ہو سکتا ہے- یہ ذاتی تجربہ کا مقام ہے- جو یہاں تک پہنچتا ہے وہ اپنے ذاتی تجربہ وکشف سے یہ درجہ حاصل کر لیتا ہے- تعلیمی اور احکامی عقائد کو اس میں دخل نہیں- بحث ونظر کی اس میں گنجائش نہیں- یہ خود کرنے اور پانے کا معاملہ ہے- بتلانے اور سمجھانے کا معاملہ نہیں- جو یہاں تک پہنچ گیا وہ اگر کچھ بتلائے گا بھی تو یہی بتلائے گا کہ میری طرح بن جاؤ- پھر جو کچھ دکھائی دیتا ہے دیکھ لو:

پرسید یکے کہ عاشقی چیست؟
گفتم کہ چو من شوی بدانی

اسلام نے اس طرح طلب وجہد کی پیاس کے لیے درجہ بدرجہ سیرابی کا سامان کر دیا- عوام کے لیے پہلا مرتبہ کافی ہے- خواص کے لیے دوسرا مرتبہ ضروری ہے اور اخص الخواص کی پیاس بغیر تیسرے جام کے تسکین پانے والی نہیں- اس کے تصور الٰہی اور عقیدہ کا میخانہ ایک ہے لیکن جام الگ الگ ہوئے- ہر طالب کے حصے میں اس کے ظرف کے مطابق ایک جام آ جاتا ہے اور اس کی سرشاری کی کیفیتیں مہیا کر دیتا ہے- وللہ در ما قال:

ساقی بہ ہمہ بادہ ز یک خم دہد اما
در مجلس او مستی ہر کس ز شرابے ست!

یہاں یہ امر بھی واضح کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ قرآن کی متعدد تصریحات ہیں جنہیں اگر وحدۃ الوجودی تصور کی طرف لے جایا جائے تو بلا تکلف دور تک جا سکتی ہیں- مثلاً ''ھو الاول والاخر والظاھر والباطن اور'' اینما تولوا فثم وجہ اللہ'' اور ''ونحن اقرب الیہ من حبل الورید'' اور '' کل یوم ھو فی شان'' یا تمام اس طرح کی تصریحات جن میں تمام موجودات کا بالآخر اللہ کی طرف لوٹنا بیان کیا گیا ہے- توحید وجودی کے قائل ان تمام آیات سے مسئلہ وحدۃ الوجود پر

استدلال کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ''اگر میں مسئلہ وحدۃ الوجود کو ثابت کرنا چاہوں تو قرآن و حدیث کے تمام نصوص وظواہر سے اس کا اثبات کرسکتا ہوں'' لیکن صاف بات جو اس بارے میں معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ان تمام تصریحات کو ان کے قریبی محامل سے دور نہیں لے جانا چاہیے اور ان معانی سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے جو صدر اول کے مخاطبوں نے سمجھے تھے- باقی رہا حقیقت کے کشف وعرفان کا وہ مقام جو عرفائے طریق کو پیش آتا ہے-تو وہ کسی طرح بھی قرآن کے تصور الٰہی کے عقیدے کے خلاف نہیں- اس کا تصور ایک جامع تصور ہے اور ہر توحیدی تصور کی اس میں گنجائش موجود ہے- جو افرادِ خاصہ مقامِ احسان تک رسائی حاصل کرتے ہیں وہ حقیقت کو اس کی پس پردہ جلوہ طرازیوں میں بھی دیکھ لیتے ہیں اور عرفان کا وہ منتہیٰ مرتبہ جو فکر انسانی کی دسترس میں ہے انہیں حاصل ہو جاتا ہے-ومن لم یذق' لم یدر:

تو نظر باز نہ ورنہ تغافل نگہ ست

تو زبان فہم نہ ورنہ خموشی سخن ست!

سابعاً: جس ترتیب کے ساتھ سورۂ فاتحہ میں یہ تینوں صفتیں بیان کی گئی ہیں دراصل فکر انسانی کی طلب ومعرفت کی قدرتی منزلیں ہیں اور اگر غور کیا جائے تو اسی ترتیب سے پیش آتی ہیں-سب سے پہلے ربوبیت کا ذکر کیا گیا- کیونکہ کائنات ہستی میں سب سے زیادہ ظاہر نمود اسی صفت کی ہے اور ہر وجود کو سب سے زیادہ اسی کی احتیاج ہے- ربوبیت کے بعد رحمت کا ذکر کیا گیا کیونکہ اس کی حقیقت بمقابلۂ ربوبیت کے مطالعہ وتفکر کی محتاج تھی اور ربوبیت کے مشاہدات سے جب نظر آگے بڑھتی ہے تب رحمت کا جلوہ نمودار ہوتا ہے- پھر رحمت کے بعد عدالت کی صفت جلوہ افروز ہوئی کیونکہ یہ سفر کی آخری منزل ہے- رحمت کے مشاہدات کی منزل سے جب قدم آگے بڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے یہاں عدالت کی نمود بھی ہر جگہ موجود ہے اور اس لیے موجود ہے کہ ربوبیت اور رحمت کا مقتضا یہی ہے-

☆☆☆

﴿۶﴾

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ

ہدایت

ہدایت کے معنی رہنمائی کرنے' راہ دکھانے اور راہ پر لگا دینے کے ہیں- اجمالاً اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے- یہاں ہم چاہتے ہیں کہ ہدایت کے مختلف مراتب و اقسام پر نظر ڈالیں جن کا قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے اور جن میں سے ایک خاص مرتبہ وحی و نبوت کی ہدایت کا ہے-

تکوین وجود کے مراتب اربعہ:

تم ابھی پڑھ چکے ہو کہ خدا کی ربوبیت نے جس طرح مخلوقات کو ان کے مناسب حال جسم و قویٰ دیے ہیں اسی طرح ان کی ہدایت کا فطری سامان بھی مہیا کر دیا ہے- فطرت کی یہی ہدایت ہے جو ہر وجود کو زندگی و معیشت کی راہ پر لگاتی اور ضروریات زندگی کی جستجو میں رہنما ہوتی ہے- اگر فطرت کی یہ ہدایت موجود نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی زندگی و بقا کا سامان بہم پہنچا سکتی- چنانچہ قرآن نے جا بجا اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے- وہ کہتا ہے ہر وجود کے بننے اور درجہ تکمیل تک پہنچنے کے مختلف مراتب ہیں اور ان میں آخری مرتبہ ہدایت کا مرتبہ ہے- سورۂ اعلیٰ میں بالترتیب چار مرتبوں کا ذکر کیا ہے:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیO وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰیO ﴾ (۸۷: ۲-۳)

''وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی' پھر اسے درست کیا' پھر ایک اندازہ ٹھہرا دیا' پھر اس پر راہ (عمل) کھول دی!''

یعنی تکوین وجود کے چار مرتبے ہوئے: تخلیق' تسویہ' تقدیر اور ہدایت-

تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں- یہ بات کہ کائنات خلقت اور اس کے ہر وجود کا مواد عدم سے وجود میں آ گیا تخلیق ہے-

تسویہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز کو جس طرح ہونا چاہیے ٹھیک ٹھیک اسی طرح درست اور آراستہ کر دینا-

تقدیر کے معنی اندازہ ٹھہرا دینے کے ہیں- اور اس کی تشریح اوپر گزر چکی ہے-

ہدایت سے مقصود یہ ہے کہ ہر وجود پر اس کی زندگی و معیشت کی راہ کھول دی جائے اور اس کی تشریح بھی ربوبیت کے مبحث میں گزر چکی ہے-

مثلاً مخلوقات میں ایک خاص قسم پرندکی ہے-

1. یہ بات کہ ان کا مادۂ خلقت ظہور میں آ گیا تخلیق ہے-
2. یہ بات کہ ان کے تمام ظاہری و باطنی قویٰ اس طرح بنا دیے گئے کہ ٹھیک ٹھیک قوام و اعتدال کی حالت پیدا ہوگئی تسویہ ہے-
3. یہ بات کہ ان کے ظاہری و باطنی قویٰ کے اعمال کے لیے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا گیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتے تقدیر ہے- مثلاً یہ کہ ہوا میں اڑیں گے- مچھلیوں کی طرح پانی میں تیریں گے نہیں-
4. یہ بات کہ ان کے اندر وجدان وحواس کی روشنی پیدا ہوگئی جو انہیں زندگی و بقا کی راہیں دکھاتی اور سامان حیات کے طلب وحصول میں رہنمائی کرتی ہے ہدایت ہے-

قرآن کہتا ہے خدا کی ربوبیت کا مقتضا یہی تھا کہ جس طرح اس نے ہر وجود کو اس کا جامۂ ہستی عطا فرمایا اور اس کے ظاہری و باطنی قویٰ درست کر دیے اور اس کے اعمال کے لیے ایک مناسب حال اندازہ ٹھہرا دیا اسی طرح اس کی ہدایت کا بھی سروسامان کر دیا:

﴿ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ○ ﴾ (۲۰ : ۵۰)

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی پھر اس پر راہ عمل کھول دی!''

قرآن نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی قوم کا جو مکالمہ جا بجا نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیمؑ اپنے عقیدہ کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ○ ﴾

(۴۳ : ۲۶-۲۷)

''اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے کہا تھا: تم جن (دیوتاؤں) کی پرستش کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں- میرا اگر رشتہ ہے تو اس ذات سے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہنمائی کرے گی-''

﴿ اَلَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴾ یعنی جس خالق نے مجھے جسم و وجود عطا فرمایا ہے ضروری ہے کہ اس نے میری ہدایت کا بھی سامان کر دیا ہو- سورۂ شعراء میں یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ ﴾

(۲۶: ۷۸-۷۹-۸۰)

''جس پروردگار نے مجھے پیدا کیا ہے وہی میری ہدایت کرے گا اور پھر وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو شفا بخشتا ہے!''

یعنی جس پروردگار کی پروردگاری نے میری تمام ضروریات زندگی کا سامان کر دیا ہے جو مجھے بھوک کے لیے غذا' پیاس کے لیے پانی اور بیماری میں شفا عطا فرماتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ اس نے مجھے پیدا تو کر دیا ہو لیکن میری ہدایت کا سامان نہ کیا ہو؟ اگر اس نے مجھے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہی ہے جو طلب و سعی میں میری رہنمائی بھی کرے- سورۂ صافات میں یہی مطلب ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے:

﴿ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ ﴾ (۳۷: ۹۹)

''میں (ہر طرف سے کٹ کر) اپنے پروردگار کا رخ کرتا ہوں- وہ میری ہدایت کرے گا!''

''ربی'' کے لفظ پر غور کرو' وہ میرا ''رب'' ہے' اور جب وہ ''رب'' ہے تو ضروری ہے کہ وہی مجھ پر راہ عمل بھی کھول دے!

ہدایت کے ابتدائی تین مرتبے:

پھر ہدایت کے بھی مختلف مراتب ہیں جو ہم حیوانات میں محسوس کرتے ہیں-

سب سے پہلا مرتبہ وجدان کی ہدایت کا ہے- وجدان طبیعت حیوانی کا فطری اور اندرونی الہام ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کے لیے رونے لگتا ہے اور پھر بغیر اس کے کہ خارج کی کوئی رہنمائی اسے ملی ہو ماں کی چھاتی منہ میں لیتے ہی اسے چوستا اور اپنی غذا حاصل کر لیتا ہے-

وجدان کے بعد حواس کی ہدایت کا مرتبہ ہے اور وہ اس سے بلند تر ہے- یہ ہمیں دیکھنے' سننے' چکھنے' چھونے' اور سونگھنے کی قوتیں بخشتی ہے اور انہی کے ذریعہ ہم خارج کا علم حاصل کرتے ہیں-

ہدایت فطرت کے یہ دونوں مرتبے انسان اور حیوان سب کے لیے ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تیسرا مرتبہ ہدایت بھی موجود ہے اور وہ عقل کی ہدایت ہے- فطرت کی یہی ہدایت ہے جس نے انسان کے آگے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھول دیا ہے اور اسے کائنات ارضی کی تمام مخلوقات کا حاصل و خلاصہ بنا دیا ہے-

وجدان کی ہدایت اس میں سعی و طلب کا ولولہ پیدا کرتی ہے' حواس اس کے لیے معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور عقل نتائج و احکام مرتب کرتی ہے- حیوانات کو اس آخری مرتبہ کی ضرورت نہ تھی اس لیے ان کا قدم وجدان اور حواس سے آگے نہیں بڑھا لیکن انسان میں یہ تینوں مرتبے جمع ہو گئے-

جو ہر عقل کیا ہے؟ دراصل اسی قوت کی ایک ترقی یافتہ حالت ہے جس نے حیوانات میں وجدان اور حواس کی روشنی

پیدا کر دی ہے- جس طرح انسان کا جسم اجسام ارضی کی سب سے اعلیٰ کڑی ہے اسی طرح اس کی معنوی قوت بھی تمام معنوی قوتوں کا برترین جوہر ہے- روح حیوانی کا وہ جوہر ادراک جو نباتات میں مخفی اور حیوانات کے وجدان و مشاعر میں نمایاں تھا انسان کے مرتبے میں پہنچ کر درجہ کمال تک پہنچ گیا اور جوہر عقل کے نام سے پکارا گیا-

ہر مرتبہ ہدایت ایک خاص حد سے آگے رہنمائی نہیں کر سکتا:

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہدایت فطری کے ان تینوں مرتبوں میں سے ہر مرتبہ اپنی قوت وعمل کا ایک خاص دائرہ رکھتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا- اور اگر اس مرتبہ سے ایک دوسرا بلند مرتبہ موجود نہ ہوتا تو ہماری معنوی قوتیں اس حد تک ترقی نہ کر سکتیں جس حد تک فطرت کی رہنمائی سے ترقی کر رہی ہے-

وجدان کی ہدایت ہم میں طلب وسعی کا جوش پیدا کرتی ہے اور مطلوبات زندگی کی راہ پر لگاتی ہے- لیکن ہمارے وجود سے باہر جو کچھ موجود ہے اس کا ادراک حاصل نہیں کر سکتی- یہ کام مرتبہ حواس کی ہدایت کا ہے- وجدان کی رہنمائی جب درماندہ ہو جاتی ہے تو حواس کی دستگیری نمایاں ہوتی ہے- آنکھ دیکھتی ہے' کان سنتا ہے' زبان چکھتی ہے' ہاتھ چھوتا ہے' ناک سونگھتی ہے اور اس طرح ہم اپنے وجود سے باہر کی تمام محسوس اشیا کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں-

لیکن حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد تک ہی کام دے سکتی ہے' اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی- آنکھ دیکھتی ہے مگر صرف اسی حالت میں جبکہ دیکھنے کی تمام شرطیں موجود ہوں- اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے- مثلاً روشنی نہ ہو یا فاصلہ زیادہ ہو تو ہم آنکھ رکھتے ہوئے بھی ایک موجود چیز کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے- علاوہ بریں حواس کی ہدایت صرف اتنا ہی کر سکتی ہے کہ اشیا کا احساس پیدا کر دے لیکن مجرد احساس کافی نہیں ہے- ہمیں استنباط و استنتاج کی ضرورت ہے' احکام کی ضرورت ہے' کلیات کی ضرورت ہے' اور یہ کام عقل کی ہدایت کا ہے- وہ ان تمام مدرکات کو جو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے ترتیب دیتی ہے اور ان سے احکام وکلیات کا استنباط کرتی ہے-

ہر مرتبہ ہدایت اپنی تصحیح ونگرانی میں بالاتر مرتبہ ہدایت کا محتاج ہے:

علاوہ بریں جس طرح وجدان کی نگرانی کے لیے حواس ومشاعر کی ضرورت تھی اسی طرح حواس کی تصحیح ونگرانی کے لیے عقل کی ضرورت ہوئی- حواس کا ذریعہ ادراک نہ صرف محدود ہی ہے بلکہ بسا اوقات غلطی وگمراہی سے بھی محفوظ نہیں- ہم دور سے ایک چیز دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ایک سیاہ نقطے سے زیادہ حجم نہیں رکھتی- حالانکہ وہ ایک عظیم الشان گنبد ہوتا ہے- ہم بیماری کی حالت میں شہد جیسی میٹھی چیز چکھتے ہیں لیکن ہمارا حاسہ ذوق یقین دلاتا ہے کہ مزہ کڑوا ہے- ہم تالاب میں ایک لکڑی کا عکس دیکھتے ہیں- لکڑی مستقیم ہوتی ہے لیکن عکس میں ٹیڑھی دکھائی دیتی ہے- بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی عارضے کی وجہ سے کان بجنے لگتے ہیں اور ہمیں ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں- اگر مرتبۂ حواس سے ایک بلند تر مرتبہ ہدایت موجود نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ہم حواس کی ان درماندگیوں میں حقیقت کا سراغ پا سکتے- لیکن ان تمام حالتوں میں عقل کی ہدایت نمو ر وتی ہے- وہ حواس کی درماندگیوں میں ہماری رہنمائی کرتی ہے- وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ سورج ایک

عظیم الشان کرہ ہے۔ اگرچہ ہماری آنکھ اسے ایک سنہری تھال سے زیادہ محسوس نہیں کرتی ۔ وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ شہد کا مزہ ہر حال میں میٹھا ہے اور اگر ہمیں کڑوا محسوس ہوا ہے' تو یہ اس لیے ہے کہ ہمارے منہ کا مزہ بگڑ گیا ہے۔ اسی طرح وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ بعض اوقات خشکی بڑھ جانے سے کان بجنے لگتے ہیں اور اس حالت میں جو صدائیں سنائی دیتی ہیں وہ خارج کی صدائیں نہیں ہوتیں۔ خود ہمارے ہی دماغ کی گونج ہوتی ہے۔

ہدایت فطرت کا چوتھا مرتبہ:

لیکن جس طرح وجدان کے بعد حواس کی ہدایت نمودار ہوئی کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی اور جس طرح حواس کے بعد عقل کی ہدایت نمودار ہوئی کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ ٹھیک اسی طرح ہم محسوس کرتے ہیں کہ عقل کی ہدایت کے بعد بھی ہدایت کا کوئی مزید مرتبہ ہونا چاہیے کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اس کے دائرہ عمل کے بعد بھی ایک دائرہ باقی رہ جاتا ہے۔ عقل کی کارفرمائی جیسی کچھ اور جتنی کچھ بھی ہے محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے۔ یعنی وہ صرف اسی حد تک کام دے سکتی ہے جس حد تک ہمارے حواس خمسہ معلومات بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن محسوسات کی سرحد سے آگے کیا ہے؟ اس پردے کے پیچھے کیا ہے جس سے آگے ہماری چشم حواس نہیں بڑھ سکتی؟ یہاں پہنچ کر عقل یک قلم درماندہ ہوجاتی ہے۔ اس کی ہدایت ہمیں کوئی روشنی نہیں دے سکتی۔

علاوہ بریں جہاں تک انسان کی عملی زندگی کا تعلق ہے عقل کی ہدایت نہ تو ہر حال میں کافی ہے نہ ہر حال میں مؤثر۔ نفس انسانی طرح طرح کی خواہشوں اور جذبوں سے کچھ اس طرح مقہور واقع ہوا ہے کہ جب کبھی عقل اور جذبات میں کشمکش ہوتی ہے تو اکثر حالتوں میں فتح جذبات ہی کے لیے ہوتی ہے۔ بسا اوقات عقل ہمیں یقین دلاتی ہے کہ فلاں فعل مضر اور مہلک ہے۔ لیکن جذبات ہمیں ترغیب دیتے ہیں اور ہم اس کے ارتکاب سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتے ۔ عقل کی بڑی سے بڑی دلیل بھی ہمیں ایسا نہیں بنا سکتی کہ غصے کی حالت میں بے قابو نہ ہوجائیں اور بھوک کی حالت میں مضر غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں۔

اچھا! اگر خدا کی ربوبیت کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہمیں وجدان کے ساتھ حواس بھی دے کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اگر ضروری تھا کہ حواس کے ساتھ عقل بھی دے' کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی ۔ تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دے کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اعمال کی درستگی وانضباط کے لیے کافی نہیں؟ اگر اس نے وجدان کے ساتھ حواس بھی دیے تاکہ وجدان کی لغزشوں میں نگرانی کریں اور اگر حواس کے ساتھ عقل بھی دی تاکہ حواس کی غلطیوں میں قاضی وحاکم ہو تو کیا ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دیتا تاکہ عقل کی درماندگیوں میں رہنما اور فیصلہ کن ہوتا؟

قرآن کہتا ہے کہ ضروری تھا اور اسی لیے اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے ایک چوتھے مرتبہ ہدایت کا بھی سامان کردیا۔ یہی مرتبہ ہدایت ہے جسے وہ وحی ونبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اس نے جابجا ان مراتب ہدایت کا ذکر کیا ہے اور انہیں ربوبیت الٰہی کی سب سے بڑی بخشش و

رحمت قرار دیا ہے:

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا○ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا○ ﴾(۷۶: ۲-۳)

''ہم نے انسانوں کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا جسے (ایک کے بعد ایک) مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں پھر اسے ایسا بنا دیا کہ سننے والا اور دیکھنے والا وجود ہو گیا - ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی - اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا (یعنی یا تو خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک ٹھیک کام میں لائے اور فلاح و سعادت کی راہ اختیار کرے یا ان سے کام نہ لے اور گمراہ ہو جائے)-''

﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ○ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ○ ﴾ (۹۰: ۸-۱۰)

''کیا ہم نے اسے ایک چھوڑ دو دو آنکھیں نہیں دے دی ہیں (جن سے وہ دیکھتا ہے) اور زبان اور ہونٹ نہیں دیے ہیں (جو گویائی کا ذریعہ ہیں)- اور کیا اس نے (سعادت و شقاوت کی) دونوں راہیں نہیں دکھا دیں؟''

﴿ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ ﴾ (۱۶: ۷۸)

''اور اللہ نے تمہارے لیے سننے اور دیکھنے کے حواس پیدا کر دیے اور سوچنے کے لیے دل (یعنی عقل[1]) تا کہ تم شکر گزار رہو! (یعنی خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک طریقہ پر کام میں لاؤ)-''

ان آیات اور ان کی ہم معنی آیات میں حواس و مشاعر اور عقل و فکر کی ہدایت کی طرف اشارات کیے گئے ہیں لیکن وہ تمام مقامات جہاں انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کا ذکر کیا گیا ہے وحی و نبوت کی ہدایت سے متعلق ہیں- مثلاً:

﴿ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی○ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی○ ﴾(۹۲: ۱۲-۱۳)

''بلاشبہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم رہنمائی کریں - اور یقیناً آخرت اور دنیا دونوں ہمارے ہی لیے ہیں-''

﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی ﴾(۴۱: ۱۶)

''اور باقی رہی قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہ (حق) دکھلا دی تھی لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن کا شیوہ پسند کیا-''

﴿ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ○ ﴾(۲۹: ۶۹)

''اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جانفشانی کی تو ضروری ہے کہ ہم بھی ان پر اپنی راہیں کھول دیں اور بلاشبہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو نیک عمل ہیں!''

---

[1] یاد رہے کہ عربی میں قلب اور فؤاد کے معنی محض اس عضو ہی کے نہیں ہیں جسے اردو میں دل کہتے ہیں' بلکہ اس کا اطلاق عقل و فکر پر بھی ہوتا ہے' قرآن میں جہاں کہیں سمع و بصر وغیرہ کے ساتھ قلب اور فواد کہا گیا ہے' اس سے مقصود جوہر عقل ہے-

اَلْهُدٰى

چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اللہ کی خاص ہدایت کا ذکر کرتا ہے اور اسے ''الھدی'' کے نام سے پکارتا ہے یعنی الف لام تعریف کے ساتھ:

﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (۶: ۷۱)

''(اے پیغمبرؐ! ان سے) کہہ دو یقیناً اللہ کی ہدایت تو ''الھدی'' ہے اور ہم سب کو (اسی بات کا) حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے سرعبودیت جھکا دیں!''

﴿ وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ (۲: ۱۲۰)

''اور (یاد رکھو) یہودی تم سے خوش ہونے والے نہیں جب تک کہ تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرو اور یہی حال نصاریٰ کا ہے- (اے پیغمبرؐ) تم ان سے کہہ دو اللہ کی ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو الھدی ہے (یعنی ہدایت کی حقیقی اور عالمگیر راہ)-''

یہ ''الھدی'' یعنی ہدایت کی ایک ہی اور حقیقی راہ کونسی ہے؟ قرآن کہتا ہے وحی الٰہی کی عالمگیر ہدایت ہے جو اول دن سے دنیا میں موجود ہے اور بلاتفریق و امتیاز تمام نوع انسانی کے لیے ہے- وہ کہتا ہے جس طرح خدا نے وجدان' حواس اور عقل کی ہدایت میں نہ تو نسل و قوم کا امتیاز رکھا' نہ زمان و مکان کا' اسی طرح اس کی ہدایت وحی بھی ہر طرح کے تفرقہ و امتیاز سے پاک ہے- وہ سب کے لیے ہے اور سب کو دی گئی ہے- اور اس ایک ہدایت کے سوا اور جتنی ہدایتیں بھی انسانوں نے سمجھ رکھی ہیں سب انسانی بناوٹ کی راہیں ہیں- خدا کی ٹھہرائی ہوئی راہ' صرف یہی ایک راہ ہے-

اسی لیے وہ ہدایت کی ان تمام صورتوں سے یک قلم انکار کرتا ہے جو اس اصل سے منحرف ہو کر طرح طرح کی مذہبی گروہ بندیوں اور متخالف ٹولیوں میں بٹ گئی ہیں اور سعادت و نجات کی عالمگیر حقیقت خاص خاص گروہوں اور حلقوں کی میراث بنالی گئی ہے- وہ کہتا ہے: انسانی بناوٹ کی یہ الگ الگ راہیں ہدایت کی راہ نہیں ہو سکتیں- ہدایت کی راہ تو وہی عالمگیر ہدایت کی راہ ہے- اسی عالمگیر ہدایت وحی کو وہ ''الدین'' کے نام سے پکارتا ہے- یعنی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین- اور اسی کا نام اس کی زبان میں ''الاسلام'' ہے-

وحدت دین کی اصل عظیم اور قرآن حکیم

یہ اصل عظیم قرآن کی دعوت کی سب سے پہلی بنیاد ہے- وہ جو کچھ بھی بتلانا چاہتا ہے تمام تر اسی اصل پر مبنی ہے- اگر اس اصل سے قطع نظر کر لی جائے تو اس کا تمام کارخانۂ دعوت درہم برہم ہو جائے- لیکن تاریخ عالم کے عجائب تصرفات میں سے یہ واقعہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس درجہ قرآن نے اس اصل پر زور دیا تھا اتنا ہی زیادہ دنیا کی نگاہوں نے اس سے اعراض کیا- حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے آج قرآن کی کوئی بات بھی دنیا کی نظروں سے اس درجہ پوشیدہ نہیں ہے جس قدر کہ یہ اصل عظیم- اگر ایک شخص ہر طرح کے خارجی اثرات سے خالی الذہن ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے اور اس کے صفحات میں جا بجا اس اصل عظیم کے قطعی اور واضح اعلانات پڑھے اور پھر دنیا کی طرف نظر اٹھائے جو قرآن کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھتی کہ بہت سی مذہبی گروہ بندیوں کی طرح وہ بھی ایک مذہبی گروہ بندی ہے تو یقیناً وہ حیران ہو کر پکار اٹھے گا: یا تو اس کی نگاہیں اسے دھوکا دے رہی ہیں یا دنیا ہمیشہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اپنے فیصلے صادر کر دیا کرتی ہے-

دین کی حقیقت اور قرآن کی تصریحات:

اس حقیقت کی توضیح کے لیے ضروری ہے کہ ایک مرتبہ تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی جائے کہ جہاں تک وحی و نبوت کا یعنی دین کا تعلق ہے قرآن کی دعوت کیا ہے اور کس راہ کی طرف نوع انسانی کو لے جانا چاہتی ہے؟

جمعیت بشری کی ابتدائی وحدت پھر اختلاف اور ہدایت وحی کا ظہور:

اس بات میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

وہ کہتا ہے ابتدا میں انسانی جمعیت کا یہ حال تھا کہ لوگ قدرتی زندگی بسر کرتے تھے- ان میں نہ تو کسی طرح کا باہمی اختلاف تھا نہ کسی طرح کی مخاصمت- سب کی زندگی ایک ہی طرح کی تھی اور سب اپنی قدرتی یگانگت پر قانع تھے- پھر ایسا ہوا کہ نسل انسانی کی کثرت اور ضروریات معیشت کی وسعت سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے اور اختلافات نے تفرقہ وانقطاع اور ظلم و فساد کی صورت اختیار کر لی- ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنے لگا اور ہر زبردست زیردست کے حقوق پامال کرنے لگا- جب یہ صورت حال پیدا ہوئی تو ضروری ہوا کہ نوع انسانی کی ہدایت اور عدل و صداقت کے قیام کے لیے وحی الٰہی کی روشنی نمودار ہو- چنانچہ یہ روشنی نمودار ہوئی اور خدا کے رسولوں کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ قائم ہو گیا- وہ ان تمام رہنماؤں کو جن کے ذریعہ اس ہدایت کا سلسلہ قائم ہوا ''رسول'' کے نام سے تعبیر کرتا ہے- کیونکہ وہ خدا کی سچائی کا پیغام

پہنچانے والے تھے اور ''رسول'' کے معنی پیغام پہنچانے والے کے ہیں:

﴿ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ (۱۰:۱۹)

''اور ابتدا میں تمام انسانوں کا ایک ہی گروہ تھا (الگ الگ گروہوں میں متفرق نہ تھے) پھر ایسا ہوا کہ وہ باہم دگر مختلف ہو گئے- اور اگر اس بارے میں تمہارے پروردگار نے پہلے سے ایک فیصلہ نہ کر دیا ہوتا (یعنی یہ کہ انسانوں میں اختلاف ہوگا اور مختلف راہیں لوگ اختیار کریں گے) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کا (یہیں دنیا میں) فیصلہ کر دیا جاتا!''

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ (۲:۲۱۳)

''ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے (پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا) پس اللہ نے (یکے بعد دیگرے) نبیوں کو مبعوث کیا - وہ (نیک عملی کے نتائج کی) بشارت دیتے اور (بدعملی کے نتائج سے) متنبہ کرتے- نیز ان کے ساتھ الکتاب (یعنی وحی الٰہی سے لکھی جانے والی تعلیم) نازل کی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے ان میں وہ فیصلہ کر دینے والی ہو-''

عموم ہدایت:

یہ ہدایت کسی خاص ملک وقوم یا عہد کے لیے مخصوص نہ تھی- بلکہ تمام نوع انسانی کے لیے تھی- چنانچہ ہر زمانے اور ہر ملک میں یکساں طور پر اس کا ظہور ہوا- قرآن کہتا ہے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں نسل انسانی آباد ہوئی ہو اور خدا کا کوئی رسول مبعوث نہ ہوا ہو:

﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ (۳۵:۲٤)

''اور کوئی قوم دنیا کی ایسی نہیں جس میں (بدعملیوں کے نتائج سے) متنبہ کرنے والا (خدا کا رسول) نہ گزرا ہو-''

﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ (۱۳:۷)

''(اے پیغمبرؐ) بلاشبہ تم اس کے سوا اور کیا ہو کہ (بدعملیوں کے نتائج سے) متنبہ کرنے والے ہو اور دنیا میں ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے-''

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ (۱۰:٤۷)

''اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے پس جب رسول ظاہر ہوتا ہے تو تمام باتوں کا انصاف کے ساتھ فیصلہ

کر دیا جاتا ہے۔''

نسل انسانی کے ابتدائی عہد اور خدا کے رسول:

وہ کہتا ہے نسل انسانی کے ابتدائی عہدوں میں کتنے ہی پیغمبرؑ گزرے ہیں جو یکے بعد دیگر مبعوث ہوئے' اور قوموں کو پیغام حق پہنچایا:

﴿ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (۴۳:۶)

''اور کتنے ہی نبی ہیں جو ہم نے پہلوں میں (یعنی ابتدائی عہد کی قوموں میں) مبعوث کیے!''

عدل الٰہی اور بعثت رسل:

وہ کہتا ہے یہ بات عدل الٰہی کے خلاف ہے کہ ایک گروہ اپنے اعمال بد کے لیے جواب دہ ٹھہرایا جائے حالانکہ اس کی ہدایت کے لیے کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ (۱۷:۱۶)

''اور (ہمارا قانون یہ ہے کہ) جب تک ہم ایک پیغمبرؑ مبعوث کر کے راہ ہدایت دکھا نہ دیں اس وقت تک (پاداش عمل میں) عذاب دینے والے نہیں!''

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴾ (۲۸:۵۹)

''اور (یاد رکھو) تمہارے پروردگار کا قانون یہ ہے کہ وہ کبھی انسان کی بستیوں کو (پاداش عمل میں) ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان میں ایک پیغمبر مبعوث نہ کرے اور وہ خدا کی آیتیں پڑھ کر نہ سنا دے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر صرف اسی حالت میں کہ ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر لیا ہو۔''

بعض رسولوں کا ذکر کیا گیا بعض کا نہیں کیا گیا:

خدا کے ان رسولوں اور دین الٰہی کے داعیوں میں سے بعض کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے بعض کا نہیں کیا گیا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾

(۴۰:۷۸)

''اور (اے پیغمبرؐ!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی پیغمبرؑ مبعوث کیے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے (یعنی قرآن میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا)''

بے شمار قومیں اور بے شمار رسولؑ:

قوم نوح اور عاد ثمود کے بعد کتنی ہی قومیں گزر چکی ہیں اور ان میں کتنے ہی رسولؑ مبعوث ہو چکے ہیں جن کا ٹھیک

ٹھیک حال اللہ ہی کو معلوم ہے:

﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْآ اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ (۱۴: ۹)

''تم سے پہلے جو قومیں گذر چکی ہیں کیا تم تک ان کی خبر نہیں پہنچی؟ قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئیں جن کی ٹھیک ٹھیک تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے- ان سب میں ان کے پیغمبرؑ سچائی کی روشنیوں کے ساتھ مبعوث ہوئے مگر انہوں نے جہل و سرکشی سے ان کی تعلیم انہی پر لوٹا دی اور کان دھرنے سے انکار کر دیا!''

ہدایت ہمیشہ ایک ہی رہی اور وہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت کے سوا کچھ نہ تھی:

فطرت الٰہی کی راہ کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں ایک ہی ہے- وہ نہ تو ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے نہ باہم دگر مختلف- پس ضروری تھا کہ یہ ہدایت بھی اول دن سے ایک ہی ہوتی اور ایک ہی طرح پر تمام انسانوں کو مخاطب کرتی- چنانچہ قرآن کہتا ہے خدا کے جتنے پیغامبرؑ پیدا ہوئے خواہ وہ کسی زمانے اور کسی گوشے میں ہوئے ہوں سب کی راہ ایک ہی تھی اور سب خدا کے ایک ہی عالمگیر قانون سعادت کی تعلیم دینے والے تھے- یہ عالمگیر قانون سعادت کیا ہے؟ ایمان اور عمل صالح کا قانون ہے- یعنی ایک پروردگار عالم کی پرستش کرنے اور نیک عملی کی زندگی بسر کرنی- اس کے علاوہ' اور اس کے خلاف جو کچھ بھی دین کے نام سے کہا جاتا ہے دین حقیقی کی تعلیم نہیں ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (۱۶-۳۶)

''اور بلاشبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبرؑ مبعوث کیا (جس کی تعلیم یہ تھی کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے (یعنی سرکش اور شریر قوتوں کے اغوا سے) اجتناب کرو-''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (۱۴: ۹)

''اور (اے پیغمبرؑ) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس وحی کے ساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو!''

سب نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور تفرقہ و اختلاف سے بچنے کی تعلیم دی:

وہ کہتا ہے دنیا میں کوئی بانی مذہب بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور تفرقہ و اختلاف سے بچنے کی تعلیم نہ دی ہو- سب کی تعلیم یہی تھی کہ خدا کا دین بچھڑے ہوئے انسانوں کو جمع کر دینے کے لیے ہے- الگ الگ کر دینے کے لیے نہیں ہے- پس ایک پروردگار عالم کی بندگی و نیاز میں سب متحد ہو جاؤ اور تفرقہ و مخاصمت کی جگہ باہمی محبت و یک جہتی کی راہ اختیار کرو!

﴿ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴾ (۲۳: ۵۲)

''اور (دیکھو) یہ تمہاری امت' فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں- پس (میری عبودیت و نیاز کی راہ میں تم سب ایک ہو جاؤ اور) نافرمانی سے بچو-''

وہ کہتا ہے خدا نے تمہیں ایک ہی جامۂ انسانیت دیا تھا لیکن تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لیے اور رشتۂ انسانیت کی وحدت سیکڑوں ٹکڑوں میں بکھر گئی- تمہاری نسلیں بہت سی ہیں اس لیے تم نسل کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہو- تمہارے وطن بہت سے بن گئے ہیں اس لیے اختلاف وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو- تمہاری قومیتیں بے شمار ہیں اس لیے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریباں ہو رہی ہے- تمہارے رنگ یکساں نہیں اور یہ بھی باہمی نفرت و عناد کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا ہے- تمہاری بولیاں مختلف ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا رہنے کی بہت بڑی حجت بن گئی ہے پھر ان کے علاوہ امیر و فقیر' نوکر و آقا' رذیل و شریف' ضعیف و قوی' ادنیٰ و اعلیٰ' بے شمار اختلاف پیدا کر لیے گئے ہیں- اور سب کا منشا یہی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو- ایسی حالت میں بتلاؤ وہ رشتہ کونسا رشتہ ہے جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے اور انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر از سر نو آباد ہو جائے؟ وہ کہتا ہے صرف ایک ہی رشتہ باقی رہ گیا ہے اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے- تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو لیکن تمہارے خدا الگ الگ نہیں ہو سکتے- تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو- تم سب کی بندگی و نیاز کے لیے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے- تم بے شمار اختلافات رکھنے پر بھی ایک ہی رشتۂ عبودیت میں جکڑے ہوئے ہو- تمہاری کوئی نسل ہو' تمہارا کوئی وطن ہو' تمہاری کوئی قومیت ہو' تم کسی درجے میں اور کسی حلقے کے انسان ہو لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سر نیاز جھکا دو گے تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا- تم سب کے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے- تم محسوس کرو گے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے' تمام نسل انسانی تمہارا گھرانا ہے اور تم سب ایک ہی رب العلمین کی عیال ہو!

چنانچہ وہ کہتا ہے: خدا کے جتنے رسول بھی پیدا ہوئے سب کی تعلیم یہی تھی کہ ''الدین'' پر یعنی بنی نوع انسانی کے ایک ہی عالمگیر دین پر قائم رہو اور اس راہ میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جاؤ!

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾(۱۳:۴۲)

''اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیے دین کی وہی راہ قرار دی ہے جس کی وصیت نوحؑ کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیمؑ' موسیٰؑ' اور عیسیٰؑ کو دیا تھا- (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ الدین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو- اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ!''

قرآن کی تحدی کہ اس حقیقت کے خلاف کوئی مذہبی تعلیم اور روایت نہیں پیش کی جا سکتی ہے:

اسی بنا پر وہ بطور ایک دلیل کے اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر تمہیں میری تعلیم کی سچائی سے انکار ہے تو کسی مذہب

کی الہامی کتاب سے بھی ثابت کر دکھاؤ کہ دین حقیقی کی راہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتی ہے- تم جس مذہب کی بھی حقیقی تعلیم دیکھو گے اصل و بنیاد یہی ملے گی:

﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○ ﴾

(۲۱:۲۴-۲۵)

''اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو (اگر تمہیں میری تعلیم سے انکار ہے تو) اپنی دلیل پیش کرو- یہ تعلیم موجود ہے جس پر میرے ساتھی یقین رکھتے ہیں اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے قوموں کو دی گئیں (تم ثابت کر دکھاؤ' کسی نے بھی میری تعلیم کے خلاف تعلیم دی ہو) اصل یہ ہے کہ ان (منکرین حق) میں اکثر آدمی ایسے ہیں جنہیں سرے سے امر حق کی خبر ہی نہیں- اور اس لیے حقیقت کی طرف سے گردن موڑے ہوئے ہیں- (اے پیغمبرؐ! یقین کر) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں بھیجا جسے اس بات کے سوا کوئی دوسری بات بتلائی گئی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو!''

اتنا ہی نہیں بلکہ وہ کہتا ہے علم و بصیرت کے کسی قول اور روایت سے تم ثابت کر دکھاؤ کہ جو کچھ میں بتلا رہا ہوں- یہی تمام پچھلی دعوتوں کی تعلیم نہیں رہی ہے:

﴿ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ ﴾ (۴۶:۴)

''اگر تم اپنے انکار میں سچے ہو تو ثبوت میں کوئی کتاب پیش کرو جو اب سے پہلے نازل ہوئی ہو یا (کم از کم) علم و بصیرت کی کوئی پچھلی روایت ہی لا دکھاؤ جو تمہارے پاس موجود ہو!''

تمام مقدس کتابوں کی باہم دگر تصدیق اور اس سے قرآن کا استدلال:

اسی بنا پر وہ تمام مذاہب عالم کی باہم دگر تصدیق کو بھی بطور ایک دلیل کے پیش کرتا ہے- یعنی وہ کہتا ہے: ان میں سے ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے' جھٹلاتی نہیں- اور جب ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے تو اس سے معلوم ہوا ان تمام تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی ثابت و قائم حقیقت ضرور کام کر رہی ہے- کیونکہ اگر مختلف وقتوں' مختلف گوشوں' مختلف قوموں' مختلف ناموں' مختلف پیرایوں اور مختلف زبانوں سے کوئی بات کہی گئی ہو اور باوجود ان تمام اختلافات کے بات ہمیشہ ایک ہی ہو اور ایک ہی مقصد پر زور دیتی ہو تو قدرتی طور پر تمہیں ماننا پڑے گا کہ ایسی بات اصلیت سے خالی نہیں ہو سکتی!

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ○ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ (۳:۲)

''(اے پیغمبرؐ!) اللہ نے تم پر یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی ہے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو

اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اسی طرح لوگوں کی ہدایت کے لیے اس نے تورات اور انجیل نازل کی تھی۔''

﴿ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ ﴾ (۵:۴۷)

''اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی۔ اس میں انسان کے لیے ہدایت اور روشنی ہے اور اس سے پہلے جو تورات نازل ہو چکی تھی وہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس کے بیان و موعظت کا ایک بڑا موضوع پچھلے عہدوں کی ہدایتوں اور رسالتوں کا تذکرہ ہے۔ وہ ان کی یکسانی، ہم آہنگی اور وحدت تعلیم سے مذہبی صداقت کے تمام مقاصد پر استشہاد کرتا ہے۔

☆☆☆☆

''الدین'' اور ''الشرع''

ادیان کا اختلاف:

اچھا تو اگر تمام نوع انسانی کے لیے دین ایک ہی ہے اور تمام بانیان مذاہب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی ہے تو پھر مذاہب میں اختلاف کیوں ہوا؟ کیوں تمام مذہبوں میں ایک ہی طرح کے احکام' ایک ہی طرح کے اعمال' ایک ہی طرح کے رسوم و ظواہر نہ ہوئے؟ کسی مذہب میں عبادت کی ایک خاص شکل اختیار کی گئی ہے' کسی میں دوسری- کسی مذہب کے ماننے والے ایک طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں' کسی مذہب کے ماننے والے دوسری طرف- کسی کے ہاں احکام و قوانین ایک خاص طرح کی نوعیت کے ہیں' کسی کے ہاں دوسری طرح کے-

اختلاف دین میں نہیں ہوا شرع و منہاج میں ہوا اور یہ ناگزیر تھا:

قرآن کہتا ہے: مذاہب کا اختلاف دو طرح کا ہے- ایک اختلاف تو وہ ہے جو پیروان مذاہب نے مذہب کی حقیقی تعلیم سے منحرف ہو کر پیدا کر لیا ہے- یہ اختلاف مذاہب کا اختلاف نہیں ہے- پیروان مذاہب کی گمراہی کا نتیجہ ہے- دوسرا اختلاف وہ ہے جو فی الحقیقت مذاہب کے احکام و اعمال میں پایا جاتا ہے- مثلاً ایک مذہب میں عبادت کی کوئی خاص شکل اختیار کی گئی ۔ ہے' دوسرے میں کوئی دوسری شکل- تو یہ اختلاف اصل و حقیقت کا اختلاف نہیں ہے- محض فروع و ظواہر کا اختلاف ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آتا-

وہ کہتا ہے مذاہب کی تعلیم دو قسم کی باتوں سے مرکب ہے- ایک قسم تو وہ ہے جو ان کی روح و حقیقت ہے- دوسری وہ ہے جن سے ان کی ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے- پہلی چیز اصل ہے- دوسری فرع ہے- پہلی چیز کو وہ ''دین'' سے تعبیر کرتا ہے- دوسری کو ''شرع'' اور ''نسک'' سے اور اس کے لیے ''منہاج'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے- ''شرع'' اور ''منہاج'' کے معنی راہ کے ہیں اور ''نسک'' سے مقصود عبادت کا طور طریقہ ہے- پھر اصطلاح میں ''شرع'' قانون مذہب کو کہنے لگے اور ''نسک'' عبادت کو- وہ کہتا ہے' مذاہب میں جس قدر بھی اختلاف ہے' ان کا اصلی اختلاف ہے- وہ ''دین'' کا اختلاف نہیں محض شرع و منہاج کا اختلاف ہے- یعنی اصل کا نہیں ہے' فرع کا ہے- حقیقت کا نہیں ہے ظواہر کا ہے- روح کا نہیں صورت کا ہے- اور ضروری تھا کہ یہ اختلاف ظہور میں آتا- مذہب کا مقصود انسانی جمعیت کی سعادت و اصلاح ہے لیکن

انسانی جمعیت کے احوال وظروف ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے ہیں اور نہ یکساں رہ سکتے تھے- کسی زمانے کی معاشرتی اور ذہنی استعداد ایک خاص طرح کی نوعیت رکھتی تھی' کسی زمانے میں ایک خاص طرح کی- کسی ملک کے حالات ایک خاص طرح کی معیشت چاہتے تھے' کسی دوسرے ملک کے حالات دوسری طرح کی- پس جس مذہب کا ظہور جیسے زمانے میں اور جیسی استعداد وطبیعت کے لوگوں میں ہوا اسی کے مطابق شرع ومنہاج کی صورت بھی اختیار کی گئی- جس عہد اور جس ملک میں جو صورت اختیار کی گئی وہی اس کے لیے موزوں تھی- اس لیے ہر صورت اپنی جگہ بہتر اور حق ہے اور یہ اختلاف اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت نوع بشری کے تمام معاشرتی اور طبعی اختلافات کو دی جاسکتی ہے:

﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَ مْرِوَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍO ﴾ (٢٢:٦٧)

''(اے پیغمبرؐ) ہم نے ہر گروہ کے لیے عبادت کا ایک خاص طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ چلتا ہے پس لوگوں کو چاہیے اس معاملہ میں تم سے جھگڑا نہ کریں- تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو- یقیناً تم ہدایت کے سیدھے راستہ پر گامزن ہو-''

تحویل قبلہ کا معاملہ اور قرآن کا اعلان حقیقت:

جب تحویل قبلہ کا معاملہ پیش آیا- یعنی پیغمبر اسلام ﷺ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہ بات یہودیوں اور عیسائیوں پر بہت شاق گزری- ان کے نزدیک مذہب کا تمام دارو مدار اسی طرح کی ظاہری اور فروعی باتوں پر تھا اور انہی کو وہ حق وباطل کا معیار سمجھتے تھے- لیکن ہم دیکھتے ہیں قرآن نے اس معاملہ کو بالکل دوسری نظر سے دیکھا ہے- وہ کہتا ہے' تم اس طرح کی باتوں کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے ہو؟ یہ نہ تو حق وباطل کا معیار ہیں نہ مذہب کی اصل وحقیقت میں انہیں کوئی دخل ہے- ہر مذہب نے اپنے اپنے حالات ومقتضیات کے مطابق کوئی ایک طریقہ عبادت کا اختیار کر لیا تھا اور اس پر لوگ کاربند ہو گئے- مقصود اصلی سب کا ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی اور نیک عملی ہے- پس جو شخص سچائی کا طلبگار ہے اسے چاہیے کہ اصل مقصود پر نظر رکھے اور اسی کے لحاظ سے ہر بات کو جانچے پر کھے- ان باتوں کو حق وباطل کا معیار نہ بنا لے:

﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌO ﴾ (٢:١٤٨)

''اور (دیکھو) ہر گروہ کے لیے کوئی نہ کوئی سمت ہے جس کی طرف عبادت کرتے ہوئے وہ اپنا منہ کر لیتا ہے- پس (اس معاملہ کو اس قدر طول نہ دو) نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو (کہ اصلی کام یہی ہے) تم کسی جگہ بھی ہو اللہ تم سب کو پا لے گا- یقیناً اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں!''

قرآن کے نزدیک دین کے اعتقاد و عمل کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں؟

پھر اسی سورت میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ اصل دین کیا ہے؟ اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے؟ وہ کہتا ہے' دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف - اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے خداپرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے؟ پھر تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ خداپرستی اور نیک عملی کی باتیں کیا کیا ہیں:

﴿ لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ○ ﴾ (۲:۱۷۷)

''اور (دیکھو) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف اور پچھم کی طرف کر لیا - (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظاہری رسم اور ڈھنگ کی کر لی) نیکی کی راہ تو اس کی راہ ہے جو اللہ پر' آخرت کے دن پر' ملائکہ پر' تمام کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے - اپنا مال خدا کی محبت کی راہ میں رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سائلوں کو دیتا ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے - نماز قائم کرتا ہے' زکوٰۃ ادا کرتا ہے' قول و قرار کا پکا ہوتا ہے' تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں ثابت قدم رہتا ہے - (سو یاد رکھو) ایسے لوگ ہیں جو (اپنی دینداری میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے ہیں -

جس کتاب میں تیرہ سو برس سے یہ آیت موجود ہے اگر دنیا اس کی دعوت کا مقصد اصلی نہیں سمجھ سکتی تو پھر کون سی بات ہے جسے دنیا سمجھ سکتی ہے؟

خدا کی حکمت اسی کی مقتضی ہوئی کہ اختلاف شرائع ظہور میں آئے:

سورۂ مائدہ میں ہم دیکھتے ہیں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مختلف دعوتوں کا ذکر کیا گیا ہے - ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات سے شروع ہوتا ہے: ﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ﴾ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کا ذکر کیا جاتا ہے: ﴿ ثُمَّ قَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ﴾ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا: ﴿ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ ﴾ پھر ان مختلف دعوتوں کے ذکر کے بعد وہ لوگوں کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ﴾ (۵:۴۸)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے (یعنی ہر دعوت کے پیرووں کے لیے) ایک خاص شریعت اور راہ ٹھہرا دی- اگر اللہ چاہتا تو (شریعتوں کا کوئی اختلاف نہ ہوتا) تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن یہ اختلاف اس لیے ہوا کہ (ہر وقت و حالت کے مطابق) تمہیں جو احکام دیے گئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے- پس (اس اختلاف کے پیچھے نہ پڑو) نیکی کی راہوں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو-''

پیروان مذاہب نے دین کی وحدت بھلا دی اور شرع کے اختلاف کو بنائے نزاع بنا لیا:

اس آیت پر سرسری نظر ڈال کر آگے نہ بڑھ جاؤ بلکہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرو- قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروان مذاہب' مذہب کو صرف اس کے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے اور مذہبی اعتقاد کا تمام جوش و خروش اسی طرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا- ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے کیونکہ وہ دیکھتا تھا دوسرے کے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں- لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں' یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں نہ ان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے- یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچا ہے مگر روح و حقیقت ان سے بالاتر ہے اور وہی اصل دین ہے- یہ اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی- یہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو- یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے اور چونکہ یہ اصل دین ہے اس لیے نہ تو اس میں تغیر ہوا نہ کسی طرح کا اختلاف رونما ہوا- اعمال و رسوم فرع ہیں اس لیے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے اور جس قدر بھی اختلاف ہوا انہی میں ہوا-

پھر وہ کہتا ہے' اعمال و رسوم کے اس اختلاف کو تم اس قدر اہمیت کیوں دے رہے ہو؟ خدا نے ہر زمانے اور ہر ملک کے لیے ایک خاص طرح کا طور طریقہ ٹھہرا دیا تھا جو اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق مناسب تھا اور وہ اس پر کاربند ہو گیا- اگر خدا چاہتا تو تمام نوع انسانی کو ایک ہی قوم و جماعت بنا دیتا اور فکر و عمل کا کوئی اختلاف وجود ہی میں نہ آتا لیکن معلوم ہے کہ خدا نے ایسا نہیں چاہا- اس کی حکمت کا مقتضا یہی ہوا کہ فکر و عمل کی مختلف حالتیں پیدا ہوں- پس اس اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف کیوں بنا لیا جائے؟ کیوں اس اختلاف کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت سے برسر پیکار رہے؟ اصلی چیز جس پر تمام توجہ مبذول کرنی چاہیے ''خیرات'' ہے- یعنی نیکی کے کام ہیں اور تمام اعمال و رسوم بھی انہی کے لیے ہیں-

غور کرو اس آیت میں ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ کہا- یعنی تم میں سے ہر جماعت کے لیے ہم نے ایک ''شرع'' اور ''منہاج'' ٹھہرا دی- یہ نہیں کہا کہ ایک ''دین'' ٹھہرا دیا کیونکہ دین تو سب کے لیے ایک ہی ہے- اس میں تعدد اور تنوع نہیں ہو سکتا- البتہ شرع و منہاج سب کے لیے یکساں نہیں ہو سکتے تھے- ضروری تھا کہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف کے مطابق مختلف ہوں- پس مذاہب کا اختلاف اصل کا اختلاف نہیں ہوا- محض فرع کا اختلاف ہوا-

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جہاں کہیں قرآن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ''اگر خدا چاہتا تو تمام انسان

ایک ہی راہ پر جمع ہو جاتے'' یا ''ایک ہی قوم بن جاتے'' جیسا کہ آیت مندرجہ صدر میں ہے تو ان سب سے مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے- وہ چاہتا ہے' یہ بات لوگوں کے دلوں میں اتار دے کہ فکر و عمل کا اختلاف طبیعت بشری کا قدرتی خاصہ ہے اور جس طرح ہر گوشے میں موجود ہے اسی طرح مذہب کے معاملہ میں بھی موجود ہے- پس اس اختلاف کو حق و باطل کا معیار نہیں سمجھنا چاہیے- وہ کہتا ہے' جب خدا نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر انسان' ہر قوم' ہر عہد اپنی اپنی سمجھ' اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا طور طریقہ رکھتا ہے' اور ممکن نہیں کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی تمام انسانوں کی طبیعت ایک طرح کی ہو جائے تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ مذہبی اعمال و رسوم کی راہیں مختلف نہ ہوتیں اور سب ایک ہی طرح کی وضع و حالت اختیار کر لیتے؟ یہاں بھی اختلاف ہونا تھا اور اختلاف ہوا- کسی نے ایک طریقے سے اصل مقصود حاصل کرنا چاہا کسی نے دوسرے طریقے سے' لیکن اصل مقصود یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم' تو اس میں سب متفق رہے- پس جب اصل مقصود سب کا ایک ہے تو محض ظواہر و اعمال کے اختلاف سے کیوں ایک دوسرے کے مخالف و معاند ہو جائیں؟ کیوں ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلائے؟ کیوں مذہبی سچائی کسی ایک ہی نسل و گروہ کی میراث سمجھ لی جائے؟

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شریعتوں کے اس اختلاف ہی کے لیے نہیں بلکہ فکر و عمل کے ہر اختلاف کے لیے رواداری اور وسعت نظر کی تعلیم دیتا ہے- یہاں تک کہ جو لوگ اس کی دعوت کے خلاف جبر و تشدد کام میں لا رہے تھے ان کی طرف سے بھی اسے معذرت کرنے میں تامل نہیں- ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: تم جوش دعوت میں چاہتے ہو کہ ہر انسان کو راہ حقیقت دکھا دو لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اختلاف فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے- تم بہ جبر کسی کے اندر ایک بات نہیں اتار دے سکتے:

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (۱۰: ۹۹)

''اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو زمین میں جتنے انسان ہیں سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو لوگوں کو مجبور کر دو کہ مومن ہو جائیں؟''

وہ کہتا ہے انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے- وہ اپنی باتوں کو دوسروں کی مخالفانہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا- جس طرح تمہاری نظر میں سب سے بہتر راہ تمہاری ہے ٹھیک اسی طرح دوسروں کی نظر میں سب سے بہتر راہ ان کی ہے- پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں تحمل اور رواداری اپنے اندر پیدا کرو:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (۶: ۱۰۸)

''اور (دیکھو) جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں تم ان پر سب وشتم نہ کرو- کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ لوگ بھی از راہ جہل و نادانی خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا ہے- پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے اور وہیں ہر گروہ پر اس کے اعمال کی حقیقت کھلنے والی ہے-

☆☆☆☆
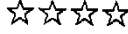
''تشیع'' اور ''تحزب'' کی گمراہی اور تجدید دعوت کی ضرورت

اچھا' جب تمام مذاہب کا اصل مقصد ایک ہی ہے اور سب کی بنیاد سچائی پر ہے تو پھر قرآن کے ظہور کی ضرورت کیا تھی؟ وہ کہتا ہے' اس لیے کہ اگر چہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن تمام مذاہب کے پیرو سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ سب کو ان کی گم شدہ سچائی پر از سر نو جمع کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں اس نے پیروان مذاہب کی تمام گمراہیاں ایک ایک کر کے گنائی ہیں۔ وہ اعتقادی اور عملی دونوں طرح کی ہیں۔ من جملہ ان کے ایک سب سے بڑی گمراہی جس پر جا بجا زور دیتا ہے وہ ہے جسے اس نے ''تشیع'' اور ''تحزب'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ عربی میں ''تشیع'' اور ''تحزب'' کے معنی یہ ہیں کہ الگ الگ جتھے بنا لینا اور ان میں ایسی روح کا پیدا ہو جانا جسے اردو میں گروہ پرستی کی روح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡہُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہُمۡ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ۝ ﴾ (٦: ١٦٠)

''جن لوگوں نے اپنے ایک ہی دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور الگ الگ گروہ بندیوں میں بٹ گئے تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے حوالے ہے۔ جیسے کچھ ان کے عمل رہے ہیں اس کا نتیجہ خدا انہیں بتلا دے گا۔''

﴿ فَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَہُمۡ بَیۡنَہُمۡ زُبُرًا ؕ کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡہِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝ ﴾ (٢٣: ٥٣)

''پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر جدا جدا دین بنا لیے۔ ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے!

تشیع اور تحزب کی حقیقت:

''تشیع'' اور ''تحزب'' کی گمراہی سے کیا مقصود ہے؟ اسے پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے۔ وہ کہتا ہے خدا کے ٹھہرائے ہوئے دین کی حقیقت تو یہ تھی کہ وہ نوع انسانی پر خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ کھولتا تھا۔ یعنی خدا کے اس قانون کا اعلان کرتا تھا کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسانی افکار و اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں۔ اچھے فکر و عمل کا بدلہ اچھا ہے۔ برے فکر و

عمل کا بدلہ برا ہے- لیکن لوگوں نے یہ حقیقت فراموش کر دی اور دین و مذہب کو نسلوں' قوموں' ملکوں اور طرح طرح کی رسموں اور رواجوں کا ایک جتھا بنا لیا- نتیجہ یہ نکلا کہ اب انسان کی نجات و سعادت کی راہ یہ نہیں سمجھی جاتی کہ کس کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے؟ بلکہ سارا دارو مدار اس پر آ کے ٹھہر گیا ہے کہ کون کس جتھے اور گروہ بندی میں داخل ہے؟ اگر ایک آدمی کسی خاص مذہبی گروہ بندی میں داخل ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے اور دین کی سچائی اسے مل گئی- اگر داخل نہیں ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ نجات کا دروازہ اس پر بند ہو گیا اور دین کی سچائی میں اس کا کوئی حصہ نہیں- گویا دین کی سچائی' آخرت کی نجات' اور حق و باطل کا معیار تمام تر گروہ بندی اور گروہ پرستی ہو گیا- اعتقاد اور عمل کوئی چیز نہیں ہے- پھر باوجودیکہ تمام مذاہب کا مقصود اصلی ایک ہی ہے اور سب ایک ہی پروردگار عالم کی پرستش کرنے کے مدعی ہیں لیکن ہر گروہ یقین کرتا ہے کہ دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے- باقی تمام نوع انسانی اس سے محروم ہے- چنانچہ ہر مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے خلاف نفرت و تعصب کی تعلیم دیتا ہے اور دنیا میں خدا پرستی اور دین داری کی راہ سرتاسر بغض و عداوت' نفرت و توحش اور قتل و خونریزی کی راہ بن گئی ہے!

اس بارے میں دعوت قرآنی کی تین مہمات:

اس سلسلہ میں قرآن نے جن مہمات پر زور دیا ہے' ان میں تین باتیں سب سے نمایاں ہیں:

① انسان کی نجات و سعادت کا دارو مدار اعتقاد و عمل پر ہے نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر-

② نوع انسانی کے لیے دین الٰہی ایک ہی ہے اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے- پس یہ جو پیروان مذاہب نے دین کی وحدت اور عالمگیر حقیقت ضائع کر کے بہت سے متخالف اور متخاصم جتھے بنا لیے ہیں یہ صریح گمراہی ہے-

③ اصل دین توحید ہے- یعنی ایک پروردگار عالم کی براہ راست پرستش کرنی' اور تمام بانیان مذاہب نے اس کی تعلیم دی ہے- اس کے خلاف جس قدر عقائد اور اعمال اختیار کر لیے گئے ہیں اصلیت سے انحراف کا نتیجہ ہیں-

یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی اور اس کا رد:

چنانچہ آیات مندرجہ صدر کے علاوہ حسب ذیل آیات میں بھی اسی حقیقت پر زور دیا گیا ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ٥ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ٥ ﴾ (۲: ۱۱۱-۱۱۲)

''اور یہود اور نصاریٰ نے کہا جنت میں کوئی انسان داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہودی اور نصاریٰ نہ ہو (یعنی جب تک یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو) یہ ان لوگوں کی (جاہلانہ) امنگیں ہیں- اے پیغمبرؐ! ان سے کہہ دو اگر تم (اس زعم باطل میں) سچے ہو تو بتلاؤ تمہاری دلیل کیا ہے؟ ہاں (بلاشبہ نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے مگر وہ کسی خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہو سکتی- وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے)

جس کسی نے بھی خدا کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہو تو (خواہ وہ یہودی اور نصرانی ہو خواہ کوئی ہو) وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر پائے گا۔ اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!''

دوسری جگہ یہی حقیقت زیادہ واضح لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾(۲:۶۲)

''جو لوگ (پیغمبر اسلامؐ پر) ایمان لائے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی کہلاتے ہیں۔ یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی بھی ہو) لیکن جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے کام بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان وعمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!''

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی۔ وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا۔ کوئی انسان ہو' کسی نسل و قوم سے ہو' کسی نام سے پکارا جاتا ہو لیکن اگر خدا پر سچا ایمان رکھتا ہے اور اس کے اعمال بھی نیک ہیں۔ تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے اور اس کے لیے نجات ہے۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا۔ یہودیوں نے گروہ بندی کا ایک دائرہ کھینچا اور اس کا نام ''یہودیت'' رکھ دیا۔ جو اس دائرہ کے اندر ہے وہ سچائی پر ہے اور اس کے لیے نجات ہے۔ جو اس سے باہر ہے وہ باطل پر ہے اور اس کے لیے نجات نہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی ایک دائرہ کھینچ لیا اور اس کا نام ''مسیحیت'' یا کلیسا رکھ دیا۔ جو اس میں داخل ہے صرف وہی سچائی پر ہے اور صرف اسی کے لیے نجات ہے۔ جو اس سے باہر ہے اس کا سچائی میں کوئی حصہ نہیں اور نجات سے قطعاً محروم۔ باقی رہا عمل واعتقاد تو اس کا قانون یک قلم غیر مؤثر ہو گیا۔ ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو لیکن اگر ''یہودیت'' کی نسلی گروہ بندی یا ''مسیحیت'' کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں تو اسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک سخت سے سخت بد عمل اور بد اعتقاد انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائے گا اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہو گا۔ قرآن ان کے اسی اعتقاد کو ان لفظوں میں نقل کرتا ہے: ﴿ كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ﴾ یعنی ہدایت کی راہ اعتقاد اور عمل کی راہ نہیں ہے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی کی راہ ہے۔ جب تک کوئی یہودی یا نصرانی نہ ہو جائے ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے خدا کی ہدایت جو دنیا کا عالمگیر قانون ہے وہ بھلا ان خود ساختہ گروہ بندیوں میں کیونکر محدود کی جا سکتی ہے؟ ﴿ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ کے زور اور عموم پر غور کرو! کوئی انسان ہو' کسی نسل وقوم اور گروہ بندی کا ہو لیکن جس کسی نے بھی اللہ کے آگے عبودیت کا سر جھکا دیا اور نیک عملی کی زندگی اختیار کی اس نے دین کی نجات وسعادت پا لی اور اس کے لیے کوئی غم اور کھٹکا نہیں!

غور کرو مذہبی صداقت کی عالمگیر وسعت کا اس سے زیادہ واضح اور ہمہ گیر اعلان اور کیا ہو سکتا ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ (۲:۱۱۳)

''اور یہودیوں نے کہا عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے- اسی طرح عیسائیوں نے کہا یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ دونوں اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں (اور دونوں کا سرچشمہ دین ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے- (یعنی مشرکین عرب نے کہ وہ بھی صرف اپنے ہی کو نجات کا وارث سمجھتے ہیں) اچھا' جس بات میں باہم دگر جھگڑ رہے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کا فیصلہ کر دے گا (اور اس وقت حقیقت حال سب پر کھل جائے گی)-''

یعنی باوجودیکہ خدا کا دین ایک ہی ہے اور کتاب الٰہی یعنی تورات دونوں کے سامنے ہے- بایں ہمہ مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ باہم دگر مخالف اور مکذب جتھے قائم ہو گئے ہیں- ہر جتھا دوسرے جتھے کو جھٹلاتا ہے اور ہر جتھا صرف اپنے ہی کو نجات و سعادت کا مالک سمجھتا ہے!

سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے:

سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں بٹ گئی اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلا رہا ہے تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو کہ فی الحقیقت سچائی ہے کہاں؟ قرآن کہتا ہے' سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے- سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی اور سب کے لیے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا- لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی اور ''الدین'' پر قائم رہنے کی جگہ الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں- اب ہر گروہ دوسرے گروہ سے لڑ رہا ہے اور سمجھتا ہے دین کی سعادت اور نجات صرف اسی کے ورثہ میں آئی ہے- دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں-

عبادت گاہوں میں تفرقہ:

سورۂ بقرہ میں مندرجہ صدر آیت کے بعد ہی حسب ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے:

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

(۲:۱۱٤)

''اور غور کرو اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد سے مانع آئے اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم و شرارت کا یہ حال ہے یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں- بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے

ڈرانے کی جگہ خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں- یاد رکھو! ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب!''

یعنی مذہبی گروہ بندی کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت گاہیں تک الگ الگ ہوگئی ہیں اور باوجودیکہ تمام پیروان مذاہب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہیں لیکن ممکن نہیں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کی بنائی ہوئی عبادت گاہ میں جا کر خدا کا نام لے سکے- اتنا ہی نہیں بلکہ ہر گروہ صرف اپنی عبادت گاہ کو خدا کی عبادت گاہ سمجھتا ہے- دوسرے گروہ کی عبادت گاہ اس کی نظروں میں کوئی احترام نہیں رکھتی- حتیٰ کہ بسا اوقات وہ مذہب کے نام پر اٹھتا ہے اور دوسروں کی عبادت گاہیں منہدم کر ڈالتا ہے- قرآن کہتا ہے اس سے بڑھ کر انسان کا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ خدا کے بندوں کو خدا کی یاد سے روکا جائے؟ اور صرف اس لیے روکا جائے کہ وہ ایک دوسرے مذہبی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں یا ایک عبادت گاہ ڈھادی جائے اور اس لیے ڈھادی جائے کہ وہ ہماری بنائی ہوئی نہیں ہے- دوسرے گروہ کی بنائی ہوئی ہے؟ کیا تمہارے بنائے ہوئے مذہبی جتھوں کے اختلاف سے خدا بھی مختلف ہوگئے؟ اور اس لیے ایک جتھے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ تو خدا کی عبادت گاہ ہوئی مگر دوسرے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ خدا کی عبادت گاہ نہیں؟

﴿ وَلَا تُؤْمِنُوٓا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ أَنْ يُّؤْتٰٓى أَحَدٌ مِّثْلَ مَآ أُوْتِيْتُمْ أَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ ﴾(۳: ۷۴)

''اور (یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں) یہ بات کبھی نہ مانو کہ دین کی جو سعادت تمہیں دی گئی ہے (یعنی یہودیوں کو دی گئی ہے) ویسی اب کسی دوسرے انسان کو مل سکے یا اللہ کے حضور تمہارے خلاف کسی کی کوئی حجت چل سکے- (اے پیغمبرؐ) ان لوگوں سے کہہ دو ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اور اس کی راہ سب کے لیے کھلی ہوئی ہے) اور فضل و بخشش کا سر رشتہ تمہارے ہاتھ نہیں ہے اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے دے- وہ (اپنے فضل میں) بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے-''

یعنی یہودیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ وحی و نبوت کی ہدایت جو انہیں دی گئی ہے وہ صرف انہی کے لیے ہے- ممکن نہیں کسی دوسرے انسان یا قوم کو یہ بات حاصل ہوسکے- چنانچہ اسی بنا پر وہ کہتے ہیں اپنے مذہب کے آدمیوں کے علاوہ اور کسی آدمی کی سچائی اور بزرگی تسلیم نہ کرو اور نہ یہ بات مانو کہ تمہارے خلاف (یعنی یہودیوں کے خلاف) کسی آدمی کی کوئی دلیل خدا کے حضور مقبول ہوسکتی ہے- قرآن اس زعم باطل کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے ﴿ إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ﴾ ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے اور اللہ کا فضل کسی ایک انسان یا گروہ ہی کے لیے نہیں ہے سب کے لیے ہے- پس جو انسان بھی ہدایت کی راہ چلے گا ہدایت یافتہ ہوگا- خواہ یہودی ہو یا کوئی اور ہو-

یہودی اپنے آپ کو نجات یافتہ امت سمجھتے تھے اور کہتے تھے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کردی گئی ہے:

یہودیوں کی گروہ بندی کا غرور یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے خدا نے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کردی ہے-

اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا تو اس لیے نہیں کہ اسے عذاب میں ڈالا جائے بلکہ اس لیے کہ گناہ کے داغ دھبوں سے پاک وصاف کر دیا جائے اور پھر جنت میں جا داخل ہو- قرآن ان کا یہ زعم باطل جا بجا نقل کرتا ہے اور پھر اس کا رد کرتے ہوئے پوچھتا ہے یہ بات تمہیں کہاں سے معلوم ہوگئی کہ یہودی گروہ بندی کا ہر فرد نجات یافتہ ہے اور عذاب اخروی سے اسے چھٹکارا مل چکا ہے؟ کیا تمہیں خدا نے غیر مشروط نجات کا کوئی پٹہ لکھ کر دے دیا ہے کہ جہاں ایک انسان یہودی ہوا اور آتش دوزخ اس پر حرام ہوگئی؟ اگر نہیں دیا ہے تو پھر بتلاؤ ایسا اعتقاد رکھنا خدا پر افترا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد صاف صاف لفظوں میں خدا کے قانون عمل کا اعلان کرتا ہے: ''جس کسی نے بھی اپنے عمل سے برائی کمائی اس کے لیے برائی ہے- جس کسی نے بھی بھلائی کمائی اس کے لیے بھلائی ہے''- یعنی جس طرح سنکھیا کھانے سے ہر کھانے والا ہلاک ہو جاتا ہے خواہ یہودی ہو یا غیر یہودی' اور دودھ پینے سے صحت وتوانائی ملتی ہے خواہ پینے والا کسی نسل وقوم اور گروہ سے تعلق رکھتا ہو اسی طرح عالم معنویات میں بھی ہر عمل کا ایک خاصہ ہے اور وہ اس لیے بدلا نہیں جا سکتا کہ عمل کرنے والے کی نسل یا گروہ بندی کیا ہے-

چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ○ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ○ ﴾ (۲: ۸۰-۸۲)

''اوران لوگوں نے (یعنی یہودیوں نے) کہا: ہمیں جہنم کی آگ کبھی چھونے والی نہیں اور اگر چھوئے بھی تو اس سے زیادہ نہیں کہ چند دنوں کے لیے چھوئے (اے پیغمبرؐ!) ان سے کہو یہ جو تم کہتے ہو تو کیا تم نے خدا سے کوئی قول وقرار کرالیا ہے اور اب وہ اپنے قول وقرار سے پھر نہیں سکتا یا پھر تم خدا کے نام سے ایک ایسی (جھوٹی) بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟ نہیں' (خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کسی نسل اور کسی گروہ کا انسان ہو لیکن) جس کسی نے بھی برائی کمائی اور اپنے گناہوں میں گھر گیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے' ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا- اور جس کسی نے بھی ایمان کی راہ اختیار کی اور نیک عمل ہوا تو وہ بہشتی گروہ میں سے ہے' ہمیشہ بہشت میں رہنے والا!''

قانون نجات کا اعلان عام:

سورۂ نساء میں نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کو بلکہ سب کو مخاطب کر کے صاف صاف اعلان کر دیا ہے- ایسا اعلان جس کے بعد کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی:

﴿ لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا○ ﴾ (۴: ۱۲۳)

''(مسلمانو! یاد رکھو نجات اور سعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی بھی برائی کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سامنے آئے گا اور پھر نہ تو کسی کی دوستی بچا سکے گی نہ کسی طاقت کی مددگاری!''

یہودی سمجھتے تھے' غیر مذہب والوں کے ساتھ معاملت میں دیانتداری ضروری نہیں - قرآن کا اس پر انکار:

اسی مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ تھا کہ یہودی سمجھتے تھے سچائی اور دیانت داری کے جس قدر بھی احکام ہیں وہ اس لیے نہیں کہ تمام انسانوں کے ساتھ عمل میں لائے جائیں بلکہ محض اس لیے ہیں کہ ایک یہودی دوسرے یہودی کے ساتھ بددیانتی نہ کرے - وہ کہتے تھے اگر ایک آدمی ہمارا ہم مذہب نہیں ہے تو ہمارے لیے جائز ہے کہ جس طرح بھی چاہیں اس کا مال کھا لیں - کچھ ضروری نہیں کہ راست بازی و دیانت کے اصول ملحوظ رکھے جائیں - چنانچہ لین دین میں سود لینے کی ممانعت کو انہوں نے صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا اور آج تک ان کا طرز عمل یہی ہے - وہ کہتے ہیں ایک یہودی کو دوسرے یہودی سے ظالمانہ سود نہیں لینا چاہیے لیکن ایک یہودی غیر یہودی سے لے تو کوئی مضائقہ نہیں - قرآن ان کے اس عقیدہ کا ذکر کرتا اور اسے ان کی بہت بڑی گمراہی قرار دیتا ہے:

﴿ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ﴾ (٤:٥٩)

''اور ان کا سود کھانا حالانکہ وہ اس سے روک دیے گئے تھے - اور ان کی یہ بات کہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیتے تھے -''

اسی طرح جو یہودی عرب میں آباد تھے وہ کہتے تھے عرب کے ان پڑھ باشندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں راست بازی و دیانت داری کچھ ضروری نہیں - یہ لوگ بت پرست ہیں - ہم ان لوگوں کا مال جس طرح بھی کھا لیں ہمارے لیے جائز ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾ (٧٥-٧٦)

(یہودیوں کی) یہ (بدمعاملگی) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں (عرب کے ان اَن پڑھ لوگوں سے (بدمعاملگی کرنے میں) ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی - (جس طرح بھی ہم چاہیں ان کا مال کھا سکتے ہیں حالانکہ) ایسا کہتے ہوئے وہ صریحاً اللہ پر افترا کرتے ہیں - ہاں ان سے باز پرس ہو اور ضرور ہو کیونکہ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی اپنا قول قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو وہی اللہ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور اللہ برائی سے بچنے والوں کو دوست رکھتا ہے -''

یعنی ایسا عقیدہ رکھنا خدا کے دین پر صریح افترا ہے - خدا کا دین تو یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے اور ہر حال میں راست بازی و دیانت داری کی راہ چلنی چاہیے خواہ کوئی انسان ہو اور کسی عقیدہ اور گروہ کا ہو کیونکہ سفید ہر حال میں سفید ہے اور سیاہ ہر حال میں سیاہ - کوئی سفید چیز اس لیے کالی نہیں ہو جاتی کہ کس آدمی کو دی گئی ہے اور کوئی کالی چیز اس لیے سفید نہیں ہو

جاتی کہ کس نسل اور کس گروہ کے ہاتھوں نکلی ہے۔ پس دیانتداری ہر حال میں دیانتداری ہے اور بددیانتی ہر حال میں بددیانتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت سے استشہاد:

نزولِ قرآن کے وقت بڑے مذہبی گروہ عرب میں تین تھے۔ یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب، اور یہ تینوں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی شخصیت کو یکساں طور پر عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ تینوں گروہوں کے مورثِ اعلیٰ وہی تھے۔ پس قرآن مذہبی گروہ بندی کی گمراہی واضح کرنے کے لیے ایک نہایت سیدھا سادھا سوال ان تینوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر دین کی سچائی گروہ بندیوں کے ساتھ وابستہ ہے تو بتلاؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس گروہ بندی کے آدمی تھے؟ یہ ظاہر ہے کہ اس وقت تک نہ تو یہودیت کا ظہور ہوا تھا نہ مسیحیت کا اور نہ کوئی دوسری گروہ بندی ہی موجود تھی۔ پھر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی گروہ بندی میں داخل نہ ہونے پر بھی دینِ حق کی راہ پر تھے تو بتلاؤ وہ راہ کون سی تھی؟ قرآن کہتا ہے وہ اسی دینِ حقیقی کی راہ تھی جو تمہاری تمام بنائی ہوئی گروہ بندیوں سے بالاتر اور نوعِ انسانی کے لیے عالمگیر قانونِ نجات ہے۔ یعنی خدا کی موحدانہ پرستش اور نیک عملی کی زندگی:

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (۲: ۱۳۵)

''اور یہودی کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے (اے پیغمبرؐ) تم کہو: نہیں (اللہ کی عالمگیر ہدایت تمہاری ان گروہ بندیوں کی پابند نہیں ہو سکتی) ہدایت کی راہ تو وہی حنیفی راہ ہے جو ابراہیمؑ کا طریقہ تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

سورۂ آلِ عمران میں یہی مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ (۳: ۶۵)

''اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو حالانکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ تورات اور انجیل نازل نہیں ہوئیں مگر اس کے بعد۔ پھر کیا اتنی صاف بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟''

یعنی وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے سوال کرتا ہے۔ تمہاری ان گروہ بندیوں کی تاریخ زیادہ سے زیادہ تورات اور انجیل کے ظہور تک جا سکتی ہے۔ کیونکہ انہی کی نسبت سے گروہ بندیوں کے حلقے کھینچے گئے ہیں۔ اچھا بتاؤ کہ تورات سے پہلے بھی ہدایت یافتہ انسان موجود تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ان کی راہ کیا تھی؟ خود تمہارے اسرائیلی گھرانے کے تمام نبیوں کی راہ کیا تھی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو جس دین کی تلقین کی وہ دین کون سا تھا؟ حضرت یعقوب علیہ السلام جب بسترِ مرگ پر تھے اور اپنے بیٹوں کو دینِ الٰہی پر قائم رہنے کی وصیت کر رہے تھے تو اس دین سے مقصود کون سا دین تھا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ یہودیت یا مسیحیت کی گروہ بندی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دونوں گروہ بندیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر کی گئی ہیں اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہم سے کئی سو برس بعد پیدا ہوئے۔ پس معلوم ہوا تمہارے

ان خود ساختہ حلقہ ہائے نجات سے بھی کوئی بالاتر راہ نجات موجود ہے جو اس وقت بھی نوع انسانی کے سامنے موجود تھی جب ان حلقہ بندیوں کا نام و نشان تک نہ تھا- قرآن کہتا ہے یہی راہ نجات دین کی اصلی راہ ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے کسی گروہ بندی کی نہیں بلکہ اعتقاد اور عمل کی ضرورت ہے:

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝ ﴾ (۲: ۱۳۳)

''پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنی اولاد سے پوچھا تھا بتلاؤ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب میں کہا تھا: اسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جس کی تو نے عبادت کی ہے اور تیرے بزرگوں ابراہیم' اسمٰعیل' اور اسحٰق نے کی ہے اور ہم خدا کے حکموں کے فرمانبردار ہیں!''

اصل دین وحدت واخوت ہے نہ کہ تفرقہ ومنافرت:

وہ کہتا ہے کہ دین الٰہی کی اصل' نوع انسانی کی اخوت و وحدت ہے نہ کہ تفرقہ و منافرت- خدا کے جتنے رسولؑ بھی دنیا میں آئے سب نے یہی تعلیم دی تھی کہ تم سب اصلاً ایک ہی امت ہو اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے- پس چاہیے کہ سب اسی ایک پروردگار کی بندگی کریں اور ایک گھرانے کے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہیں- اگرچہ ہر مذہب کے داعی نے اسی راہ کی تعلیم دی لیکن ہر مذہب کے پیرووں نے اس سے انحراف کیا- نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ملک' ہر قوم اور ہر نسل نے اپنے اپنے جتھے الگ الگ بنا لیے اور ہر جتھا اپنے طور طریقہ میں مگن ہو گیا-

قرآن نے پچھلے رسولوں اور مذہب کے بانیوں میں سے جن جن رہنماؤں کے مواعظ نقل کیے ہیں ان سب میں بھی اصل اصول یہی حقیقت ہے اور عموماً اکثر مواعظ کا خاتمہ دین کی وحدت اور انسان کی عالمگیر اخوت کی تعلیم ہی پر ہوتا ہے- مثلاً سورۂ مومنون میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ (۲۳: ۲۳) اس کے بعد ان دعوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوتی رہیں: ﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُو اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ (۳۱-۳۲) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے: ﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ﴾ (۴۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت نمایاں ہوئی: ﴿ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ اٰيَةً ﴾ (۵۰) پھر ان تمام دعوتوں کے بعد یہ صدائے حق بلند ہوتی ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۝ ﴾ (۲۳: ۵۱-۵۳)

''اور ہم نے تمام رسولوں کو یہی حکم دیا تھا کہ پاک وصاف چیزیں کھاؤ اور نیک عملی کی زندگی بسر کرو- تم جو کچھ کرتے ہو اس سے میں بے خبر نہیں ہوں- اور (دیکھو) یہ تمہاری قوم دراصل ایک ہی قوم ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں- پس نافرمانی سے بچو! لیکن پھر ایسا ہوا کہ لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر جدا جدا دین بنا لیے- ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے!''

یعنی تمام رسولوں نے یکے بعد دیگرے یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی بندگی کرو اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرو تم سب خدا کے نزدیک ایک ہی امت ہو اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے- تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کو اپنے سے الگ نہ سمجھے نہ کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مخالف ہو جائے- ﴿ فَتَقَطَّعُوٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ﴾ لیکن لوگوں نے یہ تعلیم فراموش کر دی اور اپنی الگ الگ ٹولیاں بنا لیں- ﴿ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾ اب ہر ٹولی اسی میں مگن ہے جو اس کے پلے پڑ گیا ہے-

رسم اصطباغ:

مذہبی گروہ بندی کی رسموں میں سے ایک رسم وہ ہے جو عیسائی کلیسا نے اختیار کر رکھی ہے اور جسے وہ اصطباغ (بپتسما) سے تعبیر کرتے ہیں- یہ دراصل ایک یہودی رسم تھی جو اس وقت ادا کی جاتی تھی جب لوگ گناہوں سے توبہ کیا کرتے تھے اور اس لیے فی نفسہ ایک مقررہ رسم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن عیسائیوں نے اسے انسانی نجات وسعادت کی بنیاد سمجھ لیا ہے- جب تک ایک شخص مسیح علیہ السلام کے نام پر اصطباغ نہ لے وہ نجات یافتہ انسان نہیں سمجھا جاتا- قرآن کہتا ہے' یہ کیسی گمراہی ہے کہ انسانی نجات وسعادت جس کا دارومدار عمل واعتقاد پر ہے محض ایک مقررہ رسم کے ساتھ وابستہ کر دی جائے؟ انسانوں کا یہ ٹھہرایا ہوا اصطباغ اللہ کا اصطباغ نہیں ہے- اللہ کا اصطباغ تو یہ ہے کہ تمہارے دل خدا پرستی کے رنگ میں رنگ جائیں:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۝ ﴾ (۲:۱۳۸)

''یہ اللہ کا رنگ ہے- (یعنی دین الٰہی کا قانون اصطباغ ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ دینے میں اور کون ہو سکتا ہے؟ ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں-''

قانون عمل:

اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے- دین الٰہی عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لیے وہی ہونا ہے جو اس کے عمل کی کمائی ہے- یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبیؑ اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہے یا کسی پچھلی قوم سے رشتہ قدامت رکھتا ہے نجات وسعادت کے لیے کچھ سودمند نہیں:

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ﴾

(۲:۱۴۱)

''یہ ایک امت تھی جو گزر چکی- اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو اپنے عمل سے کماؤ- تم سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی کہ ان کے عمل کیسے تھے-''

قرآن کی دعوت

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں' کوئی بات بھی قرآن کے صفحوں پر اس درجہ نمایاں نہیں ہے' جس قدر یہ بات ہے کہ اس نے بار بار صاف اور قطعی لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ کسی نئی مذہبی گروہ بندی کی دعوت لے کر نہیں آیا ہے' بلکہ چاہتا ہے' تمام مذہبی گروہ بندیوں کی جنگ و نزاع سے دنیا کو نجات دلا دے' اور سب کو اسی ایک راہ پر جمع کر دے جو سب کی مشترک اور متفقہ راہ ہے!

وہ بار بار کہتا ہے' جس راہ کی میں دعوت ہوں' وہ کوئی نئی راہ نہیں ہے' اور نہ سچائی کی راہ نئی ہو سکتی ہے- یہ وہی راہ ہے جو اول روز سے موجود ہے' اور تمام مذاہب کے داعیوں نے اسی کی طرف بلایا ہے!

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (۴۲:۱۳)

''اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیے دین کی وہی راہ ٹھہرائی ہے جس کی وصیت نوحؑ کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو حکم دیا تھا (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ الدین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو' اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ!''

سورۂ نساء میں ہے:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ (۴:۱۶۳)

''(اے پیغمبرؐ!) ہم نے تمہیں اسی طرح اپنی وحی سے مخاطب کیا ہے جس طرح نوحؑ کو کیا تھا' اور ان تمام نبیوں کو کیا تھا' جو نوحؑ کے بعد ہوئے' نیز جس طرح ابراہیمؑ' اسمٰعیلؑ' اسحٰقؑ' یعقوبؑ' اولاد یعقوب' یونسؑ' ہارونؑ' سلیمانؑ (وغیرہم) کو مخاطب کیا' اور داؤدؑ کو زبور عطا کی- علاوہ بریں وہ رسول جن میں سے بعض کا حال ہم تمہیں پہلے سنا چکے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کا حال تمہیں نہیں سنایا-''

سورۂ انعام میں پچھلے رسولوں کا ذکر کر کے پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کیا ہے' اور کہا ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ﴾(٦ : ٩٠)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے راہ حق دکھلائی' پس (اے پیغمبر) تم بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کرو-''

سب کی یکساں تصدیق اور سب کے متفقہ دین کی پیروی اس کی دعوت کا اصل اصول ہے:

اسی لیے اس کی دعوت کی پہلی بنیاد ہی یہ ہے کہ تمام بانیان مذاہب کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے - یعنی یقین کیا جائے کہ سب حق پر تھے - سب خدا کی سچائی کے پیغامبر تھے' سب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی اور سب کی اس متفقہ تعلیم پر کار بند ہونا ہی ہدایت و سعادت کی تنہا راہ ہے:

﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

(٣ : ٨٤)

''(اے پیغمبرؐ!) کہہ دو ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں' اور جو کچھ اس نے ہم پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں - نیز جو کچھ ابراہیمؑ' اسمٰعیلؑ' اسحٰقؑ' یعقوبؑ' اور اولاد یعقوبؑ پر نازل ہوا ہے' ان سب پہ ایمان رکھتے ہیں اسی طرح جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور دنیا کے تمام نبیوں کو ان کے پروردگار سے دیا گیا ہے' سب پر ہمارا ایمان ہے ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے نہ مانیں' دوسروں کو مانیں) اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں (اس کی سچائی جہاں کہیں بھی اور جس کسی کی زبانی بھی آئی ہو' اس پر ہمارا ایمان ہے)-''

تفریق بین الرسل:

قرآن نے اس آیت میں اور متعدد موقعوں پر ''تفریق بین الرسل'' کو ایک بہت بڑی گمراہی قرار دیا ہے اور سچائی کی راہ یہ بتلائی ہے کہ ''تفریق بین الرسل'' سے انکار کیا جائے - ''تفریق بین الرسل'' کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے رسولوں میں باعتبار تصدیق' تفرقہ و امتیاز کرنا - یعنی ایسا سمجھنا کہ ان میں سے فلاں سچا تھا' فلاں سچا نہ تھا - یا کسی ایک کی تصدیق کرنی' باقی سب سے انکار کر دینا - یا سب کی تصدیق کرنی' کسی ایک سے انکار کر دینا - قرآن کہتا ہے' ہر راست باز انسان کا جو خدا کے سچے دین پر چلنا چاہتا ہے' فرض ہے کہ بلا کسی امتیاز کے تمام رسولوں' تمام کتابوں اور تمام مذہبی دعوتوں پر ایمان لائے اور کسی ایک کا بھی انکار نہ کرے - اس کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ کہے' سچائی جہاں کہیں بھی ظاہر ہوئی ہے' اور جس کسی کی زبان پر بھی ظاہر ہوئی ہے' سچائی ہے' اور میرا اس پر ایمان ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ ﴾ (٢ : ٢٨٥)

''اللہ کا رسولؐ اس (کلام حق) پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے اور وہ لوگ بھی جو ایمان لائے ہیں- یہ سب اللہ پر' اس کے ملائکہ پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں- (ان کے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں' کسی کو نہ مانیں) انہوں نے کہا' خدایا! ہم نے تیرا پیام سنا اور تیری فرمانبرداری کی -ہمیں تیری مغفرت نصیب ہو- ہم سب کو بالآخر تیری ہی طرف لوٹنا ہے!''

وہ کہتا ہے خدا ایک ہے' اس کی سچائی ایک ہے' لیکن سچائی کا پیغام بہت سی زبانوں نے پہنچایا ہے- پھر اگر تم کسی ایک پیغامبر کی تصدیق کرتے ہو- دوسروں کا انکار کر دیتے ہو' تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک ہی حقیقت کو ایک جگہ مان لیتے ہو' دوسری جگہ ٹھکرا دیتے ہو- یا ایک ہی بات کو مانتے بھی ہو' رد بھی کرتے ہو- ظاہر ہے کہ ایسا ماننا ماننا نہیں ہے بلکہ ایک بہت بری قسم کا انکار ہے!

خدا کی سچائی اس کی عالمگیر بخشش ہے:

وہ کہتا ہے' خدا کی سچائی' اس کی ساری باتوں کی طرح' اس کی عالمگیر بخشش ہے- وہ نہ تو کسی خاص زمانہ سے وابستہ کی جا سکتی ہے' نہ کسی خاص نسل و قوم سے اور نہ کسی خاص مذہبی گروہ بندی سے- تم نے اپنے لیے طرح طرح کی قومیتیں اور جغرافیائی اور نسلی حد بندیاں بنالی ہیں لیکن تم خدا کی سچائی کے لیے کوئی ایسا امتیاز نہیں گھڑ سکتے- اس کی نہ تو کوئی قومیت ہے' نہ نسل ہے' نہ جغرافیائی حد بندی ہے' نہ جماعتی حلقہ بندی- وہ خدا کے سورج کی طرح ہر جگہ چمکتی اور نوع انسان کے ہر فرد کو روشنی بخشتی ہے- اگر تم خدا کی سچائی کی تلاش میں ہو' تو اسے کسی ایک ہی گوشہ میں نہ ڈھونڈھو- وہ ہر جگہ نمودار ہوئی ہے اور ہر عہد میں اپنا ظہور رکھتی ہے- تمہیں زمانوں کا' قوموں کا' وطنوں کا' زبانوں کا' اور طرح طرح کی گروہ بندیوں کا پرستار نہیں ہونا چاہیے- صرف خدا کا اور اس کی عالمگیر سچائی کا پرستار ہونا چاہیے- اس کی سچائی جہاں کہیں بھی آئی ہو اور جس بھیس میں بھی آئی ہو تمہاری متاع ہے اور تم اس کے وارث ہو-

راہیں صرف دو ہیں: ایمان کی یہ ہے کہ سب کو مانو- انکار کی یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کر دو:

چنانچہ اس نے جا بجا ''تفریق بین الرسل'' کی راہ کو انکار کی راہ قرار دیا ہے اور ایمان کی راہ یہ بتلائی ہے کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کی جائے- وہ کہتا ہے' یہاں راہیں صرف دو ہی ہیں' تیسری نہیں ہو سکتی- ایمان کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو- انکار کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو- یہاں کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًاo اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا

وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًاo وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo ﴾ (۴: ۱۵۰-۱۵۲)

''جولوگ اللہ اوراس کے پیغمبروںؑ سے برگشتہ ہیں اور چاہتے ہیں اللہ اوراس کے رسولوںؑ میں تفرقہ کریں (یعنی کسی کوخدا کا رسولؑ مانیں کسی کو نہ مانیں) اور کہتے ہیں' ان میں سے بعض کو ہم مانتے ہیں' بعض کا انکار کرتے ہیں' اور پھراس طرح چاہتے ہیں' کفراورایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کرلیں۔ تو یقین کرو' یہی لوگ ہیں کہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ اور جن لوگوں کی راہ کفر کی راہ ہے' توان کے لیے رسوا کن عذاب تیار ہے۔ لیکن ہاں' جولوگ اللہ اوراس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے اور کسی ایک پیغمبرؑ کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا) تو بلا شبہ یہی لوگ ہیں جنہیں عنقریب اللہ ان کے اجر عطا فرمائے گا اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے!''

سورۂ بقرہ میں جو سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی پہلی سورۃ ہے۔ سچے مومنوں کی راہ یہ بتلائی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَo اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo ﴾ (۲: ۴: ۵)

''اور وہ لوگ جو اس سچائی پر ایمان لائے جو پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئی ہے اور ان تمام سچائیوں پر جو ان سے پہلے نازل ہو چکی ہیں' اور نیز آخرت کی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ٹھہرائی ہوئی ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں جنھوں نے فلاح پائی۔''

جب سب ایک ہی خدا کے پرستار ہیں اور سب کو اپنے اپنے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے تو پھر دین کے نام پر نزاع کیوں ہو؟:

وہ کہتا ہے اگر تمہیں اس بات سے انکار نہیں کہ تمام کارخانۂ ہستی کا خالق ایک ہی خالق ہے اوراسی کی پروردگاری یکساں طور پر' ہر مخلوق کو پرورش کر رہی ہے' تو پھر تمہیں اس بات سے کیوں انکار ہو کہ اس کی روحانی سچائی کا قانون بھی ایک ہی ہے' اور ایک ہی طرح پر تمام نوع انسانی کو دیا گیا ہے؟ وہ کہتا ہے' تم سب کا پروردگار ایک ہے' تم سب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہو۔ تم سب کے رہنماؤں نے تمہیں ایک ہی راہ دکھلائی ہے۔ پھر یہ کیسی گمراہی کی انتہا اور عقل کی موت ہے کہ رشتہ ایک ہے' مقصد ایک ہے' راہ ایک ہے' لیکن ہر گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہے' اور ہر انسان دوسرے انسان سے متنفر۔ اور پھر یہ تمام جنگ ونزاع کس کے نام پر کی جا رہی ہے؟ اسی خدا کے نام پر' اور اسی خدا کے دین کے نام پر' جس نے سب کو ایک ہی چوکھٹ پر جھکایا تھا' اور سب کو ایک ہی رشتۂ اخوت میں جکڑ دیا تھا؟

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ (۵: ۵۹)

''ان لوگوں سے کہو کہ اے اہل کتاب! تم جو ہماری مخالفت میں کمر بستہ ہو گئے ہو' تو بتلاؤ' اس کے سوا ہمارا جرم کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں' اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل ہو چکا ہے' سب پر ایمان رکھتے ہیں؟ (پھر کیا خدا پرستی اور خدا کے تمام رسولوں کی تصدیق تمہارے نزدیک جرم اور عیب ہے؟ افسوس تم پر!) تم میں اکثر ایسے ہی ہیں جو راہ حق سے یکسر برگشتہ ہیں!''

﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۝ ﴾ (۱۹:۳۶)

''دیکھو' خدا تو میرا اور تمہارا' دونوں کا پروردگار ہے' پس اسی کی بندگی کرو۔ یہی دین کی سیدھی راہ ہے!''

﴿ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۝ ﴾ (۲:۱۳۹)

''(اے پیغمبرؐ ان سے) کہو' کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو' حالانکہ ہمارا اور تمہارا' دونوں کا پروردگار وہی ہے۔ اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ (یعنی ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے۔ پھر اس بارے میں جھگڑا کیوں ہو؟)''

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن میں جہاں کہیں' اس طرح کے مخاطبات ہیں' جیسا کہ آیات مندرجہ صدر میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ - اللہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے۔ ﴿ یااِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ﴾ ''ہمارا اور تمہارا' دونوں کا خدا ایک ہی ہے'' ﴿ یااَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے' اور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں تمہارے لیے تمہارے'' تو ان تمام مخاطبات سے مقصود اسی حقیقت پر زور دینا ہے۔ یعنی جب سب کا پروردگار ایک ہے اور ہر انسان کے لیے ویسا ہی نتیجہ ہے جیسا اس کا عمل ہے' تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ عالمگیر جنگ و جدال کیوں برپا ہے؟ وہ بار بار کہتا ہے' میری تعلیم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف بلاتا ہوں۔ میں کسی مذہب کو نہیں جھٹلاتا' میں کسی رہنما سے انکار نہیں کرتا۔ ''سب کی یکساں تصدیق'' اور ''سب کی مشترکہ اور متفقہ تعلیم'' میرا دستور العمل ہے۔ پھر میرے خلاف تمام پیروان مذاہب نے کیوں اعلان جنگ کر دیا ہے؟

قرآن کا پیروان مذاہب سے مطالبہ:

اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس نے کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا دین قبول کر لے بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر جسے تم نے طرح طرح کی تحریفوں اور اضافوں سے مسخ کر دیا ہے' سچائی کے ساتھ کاربند ہو جاؤ۔ وہ کہتا ہے اگر تم نے ایسا کر لیا تو میرا کام پورا ہو گیا کیونکہ جونہی تم اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم کی طرف لوٹو گے تو تمہارے سامنے وہی حقیقت آ موجود ہو گی جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں۔ میرا پیام کوئی نیا پیام نہیں ہے' وہی قدیم اور عالمگیر پیام ہے جو تمام بانیان مذاہب دے چکے ہیں:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾(۵: ۶۸-۶۹)

''اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کی اور ان تمام صحیفوں کی جو تم پر نازل ہوئے ہیں' حقیقت قائم نہ کرو' اس وقت تک تمہارے پاس دین میں سے کچھ بھی نہیں ہے اور (اے پیغمبرؐ) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں' تم دیکھو گے کہ) ان میں سے بہتوں کا کفر وطغیان اس کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ جائے گا' تو جن لوگوں نے انکار حق کی راہ اختیار کر لی ہے تم ان کی حالت پر بیکار غم نہ کھاؤ- جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں' جو یہودی ہیں' جو صابی ہیں' جو نصاریٰ ہیں' (یہ ہوں یا کوئی ہو) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے عمل بھی نیک ہوئے تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا خوف ہے' نہ کسی طرح کی غمگینی-''

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان راست باز انسانوں کے ایمان وعمل کا پوری فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے جو نزول قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے اور جنہوں نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی- البتہ وہ کہتا ہے ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے- غالب تعداد انہی لوگوں کی ہے جنہوں نے دین الٰہی کی اعتقادی اور عملی حقیقت یک قلم ضائع کر دی ہے:

﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۝ ﴾(۳: ۱۱۳-۱۱۵)

''یہ بات نہیں ہے کہ سب ایک ہی طرح کے ہوں- انہی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اصل دین پر قائم ہیں- وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کے سر اس کے سامنے جھکے ہوتے ہیں! اور وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' نیکی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' نیکی کی راہوں میں تیز گام ہیں' اور بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو نیک انسانوں میں سے ہیں- اور (یاد رکھو) یہ لوگ جو کچھ بھی نیکی کرتے ہیں' تو ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اس کی قدر نہ کی جائے- وہ جانتا ہے کہ (کس گروہ میں) کون پرہیزگار ہے-''

﴿ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (۵: ۶۶)

''ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو میانہ رو ہیں' لیکن بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں' برا ہی کرتے ہیں!''

یہ جو قرآن جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے' جھٹلانے والا نہیں' اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے: ﴿ وَاٰمِنُوْ بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ (۲: ۴۱) اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ہے'' تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر زور دینا ہے- یعنی جب میری تعلیم تمہارے مقدس نوشتوں کے خلاف کوئی نیا دین نہیں پیش کرتی' اور نہ ان سے تمہیں منحرف کرانا چاہتی ہے بلکہ سرتاسر مصدق اور مؤید ہے' تو پھر تم میں اور مجھ میں نزاع کیوں ہے؟ کیوں تم میرے خلاف اعلان جنگ کرتے ہو؟

اصطلاح قرآنی میں ''المعروف'' اور ''المنکر'':

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' اس نے نیکی کے لیے ''معروف'' کا اور برائی کے لیے ''منکر'' کا لفظ اختیار کیا ہے- ﴿ وَاْمُرْبِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۳۱: ۱۷) معروف ''عرف'' سے ہے' جس کے معنی پہچاننے کے ہیں- پس ''معروف'' وہ بات ہوئی جو جانی پہچانی بات ہو- ''منکر'' کے معنی انکار کرنے کے ہیں- یعنی ایسی بات جس سے عام طور پر انکار کیا جاتا ہو- پس قرآن نے نیکی اور برائی کے لیے یہ الفاظ اس لیے اختیار کیے کہ وہ کہتا ہے' دنیا میں عقائد و افکار کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو' لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے اچھے ہونے پر سب کا اتفاق ہے' اور کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے برے ہونے پر سب متفق ہیں- مثلاً اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے' جھوٹ بولنا برا ہے- اس میں سب کا اتفاق ہے کہ دیانتداری اچھی بات ہے اور بد دیانتی برائی ہے- اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ماں باپ کی خدمت' ہمسایہ سے سلوک' مسکینوں کی خبر گیری' مظلوم کی دادرسی' انسان کے اچھے اعمال ہیں اور ظلم اور بدسلوکی برے اعمال ہیں- گویا یہ وہ باتیں ہوئیں جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے اور جن کے خلاف جانا عام طور پر قابل انکار و اعتراض ہے- دنیا کے تمام مذاہب' دنیا کے تمام اخلاق' دنیا کی تمام حکمتیں' دنیا کی تمام جماعتیں' دوسری باتوں میں کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں لیکن جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے' سب ہم آہنگ و ہم رائے ہیں-

قرآن کہتا ہے: یہ اعمال جن کی اچھائی عام طور پر نوع انسانی میں جانی بوجھی ہوئی ہے' دین الٰہی کے مطلوبہ اعمال ہیں- اسی طرح وہ اعمال جن سے عام طور پر انکار کیا گیا ہے اور جن کی برائی پر تمام مذاہب متفق ہیں' دین الٰہی کے ممنوعہ اعمال ہیں- یہ بات چونکہ دین کی اصل حقیقت تھی اس لیے اس میں اختلاف نہ ہو سکا اور مذہبی گروہوں کی بے شمار گمراہیوں اور حقیقت فراموشیوں پر بھی ہمیشہ معلوم و مسلم رہی- ان اعمال کی اچھائی اور برائی پر نوع انسانی کے تمام عہدوں' تمام مذہبوں' اور تمام قوموں کا عالمگیر اتفاق ان کی فطری اصلیت پر ایک بہت بڑی دلیل ہے- پس جہاں تک اعمال کا تعلق ہے' میں انہی باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں' جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے اور انہی باتوں سے روکتا ہوں' جن سے عام طور پر نوع انسانی نے انکار کیا ہے- یعنی میں معروف کا حکم دیتا ہوں- منکر سے روکتا

ہوں- پس جب میری دعوت کا یہ حال ہے' تو پھر کسی انسان کو بھی جسے راست بازی سے اختلاف نہیں' کیوں مجھ سے اختلاف ہو؟

''الدین القیم'' اور ''فطرت اللہ'':

وہ کہتا ہے' یہی راہ عمل' نوع انسانی کے لیے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے' اور فطرت کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی- یہی ''الدین القیم'' ہے- یعنی سیدھا اور درست دین جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہیں- یہی ''دین حنیف'' ہے جس کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی- اسی کا نام میری اصطلاح میں ''الاسلام'' ہے- یعنی خدا کے ٹھہرائے قوانین کی فرمانبرداری:

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾

(۳۰:۳۲)

''تم ہر طرف سے منہ پھیر کر الدین کی طرف رخ کرو' یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے- اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی- یہی ''الدین القیم'' (یعنی سیدھا اور سچا دین) ہے' لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو نہیں جانتے- (دیکھو) اسی (ایک خدا) کی طرف متوجہ رہو- اس کی نافرمانی سے بچو' نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکرے ٹکڑے کر دیے اور گروہ بندیوں میں بٹ گئے' ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے' وہ اسی میں مگن ہے!''

''الاسلام'':

وہ کہتا ہے: خدا کا ٹھہرایا ہوا دین جو کچھ ہے یہی ہے- اس کے سوا جو کچھ بنا لیا گیا ہے' وہ انسانی گروہ بندیوں کی گمراہیاں ہیں- پس اگر تم خدا پرستی اور عمل صالح کی اصل پر جو تم سب کے یہاں اصل دین ہے' جمع ہو جاؤ اور خود ساختہ گمراہیوں سے باز آ جاؤ' تو میرا مقصد پورا ہوگیا- میں اس سے زیادہ اور کیا چاہتا ہوں؟

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝ ﴾(۳:۱۸-۲۰)

''اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے اور وہ الاسلام ہے اور یہ جو اہل کتاب نے اختلاف کیا (اور ایک دین پر مجتمع رہنے کی جگہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں بٹ گئے) تو یہ اس لیے ہوا کہ اگرچہ علم و

حقیقت کی راہ ان پر کھل چکی تھی' لیکن آپس کی ضد اور سرکشی سے اختلاف میں پڑ گئے- (یاد رکھو) جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے تو اللہ (کا قانون مکافات بھی) حساب لینے میں سست رفتار نہیں!

پھر اگر یہ لوگ تم سے اس بارے میں جھگڑا کریں' تو تم کہو' میری اور میرے پیروؤں کی راہ تو یہ ہے کہ اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینا اور ہم نے سر جھکا دیا ہے- پھر اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے (یعنی مشرکین عرب سے) پوچھو' تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ (یعنی ساری باتیں جھگڑے کی چھوڑ کر یہ بتلاؤ کہ تمہیں خدا پرستی منظور ہے یا نہیں؟) اگر وہ جھک گئے تو (سارا جھگڑا ختم ہو گیا اور) انہوں نے راہ پا لی' اگر روگردانی کریں' تو تمہارے ذمہ جو کچھ ہے' وہ پیام حق پہنچا دینا ہے' اور اللہ کی نظروں سے بندوں کا حال پوشیدہ نہیں!''

اس نے دین کے لیے الاسلام کا لفظ اسی لیے اختیار کیا ہے کہ ''اسلام'' کے معنی کسی بات کے مان لینے اور فرماں برداری کرنے کے ہیں- وہ کہتا ہے' دین کی حقیقت یہی ہے کہ خدا نے جو قانون سعادت انسان کے لیے ٹھہرا دیا ہے' اس کی ٹھیک ٹھیک اطاعت کی جائے- وہ کہتا ہے یہ کچھ انسان ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام کائنات ہستی اسی اصل پر قائم ہے- سب کے بقا و قیام کے لیے خدا نے کوئی نہ کوئی قانون عمل ٹھہرا دیا ہے اور سب اس کی اطاعت کر رہے ہیں- اگر ایک لحہ کے لیے بھی روگردانی کریں تو کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جائے:

﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾ (۳:۸۳)

''پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین ڈھونڈھ نکالیں؟ حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب چار و ناچار اسی کے (ٹھہرائے ہوئے قانون عمل کے) آگے جھکے ہوئے ہیں اور (بالآخر) سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے-''

وہ جب کہتا ہے- ''الاسلام'' کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہیں' تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دین حقیقی کے سوا جو ایک ہی ہے اور تمام رسولوں کی مشترک تعلیم ہے' انسانی ساخت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہیں- سورۂ آل عمران میں جہاں یہ بات بیان کی ہے کہ دین حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤں کی تصدیق اور پیروی کی راہ ہے وہیں متصلاً یہ بھی کہہ دیا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ ﴾ (۳:۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا' تو یاد رکھو' اس کی راہ کبھی قبول نہ کی جائے گی اور وہ آخرت کے دن دیکھے گا کہ تباہ ہونے والوں میں سے ہے-''

اور اسی لیے وہ تمام پیروان دعوت کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ دین میں تفرقہ اور گروہ بندی سے بچیں اور اسی گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائیں جس سے قرآن نے نجات دلائی ہے- وہ کہتا ہے میری دعوت نے تمام انسانوں کو جو مذہب کے نام پر

ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے' خدا پرستی کی راہ میں اس طرح جوڑ دیا' کہ ایک دوسرے کے جان نثار بھائی بن گئے- ایک یہودی جو پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کا نام سنتے ہی نفرت سے بھر جاتا تھا' ایک عیسائی جو ہر یہودی کے خون کا پیاسا تھا' ایک مجوسی جس کے نزدیک تمام غیر مجوسی ناپاک تھے' ایک عرب جو اپنے سوا سب کو انسانی شرف و محاسن سے تہی دست سمجھتا تھا اور ایک صابی جو یقین کرتا تھا کہ دنیا کی قدیم سچائی صرف اسی کے حصے میں آئی ہے' ان سب کو دعوت قرآنی نے ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے اور اب یہ سب ایک دوسرے سے نفرت کرنے کی جگہ' ایک دوسرے کے مذہبی رہنماؤں کی تصدیق کرتے اور سب کی بتلائی ہوئی متفقہ راہ ہدایت پر گامزن ہیں:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ ﴾(۳:۱۰۳)

''اور (دیکھو) سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو' اور جدا جدا نہ ہو- اللہ نے تم پر جو فضل و کرم کیا ہے اسے یاد کرو- تمہارا حال یہ تھا کہ ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے- پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم دگر الفت پیدا کر دی- پھر ایسا ہوا کہ انعام الٰہی سے بھائی بھائی ہو گئے! اور (دیکھو) تمہارا حال یہ تھا گویا آگ سے بھرا ہوا گڑھا ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو لیکن اللہ نے تمہیں بچا لیا- اللہ اسی طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں تم پر واضح کرتا ہے تاکہ ہدایت پاؤ-''

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾(۳:۱۰۵)

''اور (دیکھو) ان لوگوں کی سی چال اختیار نہ کر لینا جو (ایک دین پر قائم رہنے کی جگہ) جدا جدا ہو گئے اور اختلافات میں پڑ گئے باوجودیکہ روشن دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں- (یاد رکھو) یہی لوگ ہیں جن کے لیے (کامیابی و فلاح کی جگہ) بڑا (بھاری) عذاب ہے-''

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾(۶:۱۵۳)

''اور (دیکھو) یہ میری راہ ہے بالکل سیدھی راہ- پس اسی ایک راہ پر چلو' طرح طرح کی راہوں کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی- یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ (نافرمانی سے) بچو-

☆☆☆☆

قرآن اور اس کے مخالفوں میں بنائے نزاع

اب چند لمحوں کے لیے اس نزاع پر غور کرو جو قرآن اور اس کے مخالفوں میں پیدا ہو گئی تھی- یہ مخالف کون تھے؟ پچھلے مذاہب کے پیرو تھے- جن میں سے بعض کے پاس کتاب تھی، بعض کے پاس نہ تھی-

بنائے نزاع کیا تھی؟

کیا یہ تھی کہ قرآن نے ان کے بانیوں اور رہنماؤں کو جھٹلایا تھا یا ان کی مقدس کتابوں سے انکار کیا تھا اور اس لیے وہ اس کی مخالفت میں کمربستہ ہو گئے تھے؟

کیا یہ تھی کہ اس نے دعویٰ کیا تھا، خدا کی سچائی صرف میرے حصہ میں آئی ہے اور تمام پیروان مذاہب کو چاہیے اپنے اپنے نبیوں سے برگشتہ ہو جائیں؟

یا پھر اس نے دین کے نام سے کوئی ایسی بات پیش کر دی تھی جو پیروان مذاہب کے لیے بالکل نئی بات تھی اور اس لیے قدرتی طور پر انہیں ماننے میں تامل تھا؟

قرآن کے صفحے کھلے ہوئے ہیں، اور اس کے نزول کی تاریخ بھی دنیا کے سامنے ہے- یہ دونوں ہمیں بتلاتے ہیں کہ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی- اس نے نہ صرف ان تمام رہنماؤں کی تصدیق کی جن کے نام لیوا اس کے سامنے تھے بلکہ صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا مجھ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر آ چکے ہیں میں سب کی تصدیق کرتا ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے انکار کو بھی خدا کی سچائی کا انکار سمجھتا ہوں- اس نے کسی مذہب کے ماننے والے سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنے مذہب کی دعوت سے انکار کر دے بلکہ جب کبھی مطالبہ کیا تو یہی کیا کہ اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جاؤ کیونکہ تمام مذہبوں کی اصل تعلیم ایک ہی ہے- اس نے نہ تو کوئی نیا اصول پیش کیا اور نہ کوئی نیا عمل بتلایا- اس نے ہمیشہ انہی باتوں پر زور دیا جو دنیا کے تمام مذاہب کی سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی باتیں رہی ہیں- یعنی ایمان اور عمل صالح- اس نے جب کبھی لوگوں کو اپنی طرف بلایا ہے تو یہی کہا ہے اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقت ازسرنو تازہ کر لو- تمہارا ایسا کرنا ہی مجھے قبول کر لینا ہے-

سوال یہ ہے کہ جب قرآن کی دعوت کا یہ حال تھا، تو پھر آخر اس میں اور اس کے مخالفوں میں وجہ نزاع کیا تھی؟ ایک شخص جو کسی کو برا نہیں کہتا- سب کو مانتا اور سب کی تعظیم کرتا ہے اور ہمیشہ انہی باتوں کی تلقین کرتا ہے جو سب کے یہاں مانی ہوئی ہیں، کوئی اس سے لڑے تو کیوں لڑے؟ اور کیوں لوگوں کو اس کا ساتھ دینے سے انکار ہو؟

کہا جاسکتا ہے کہ قریش مکہ کی مخالفت اس بنا پر تھی کہ قرآن نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا اور وہ بت پرستی کے طریقوں سے مالوف و مانوس ہو چکے تھے- بلاشبہ ایک وجہ نزاع یہ بھی ہے لیکن صرف یہی وجہ نزاع نہیں ہو سکتی- سوال یہ ہے کہ یہودیوں نے کیوں مخالفت کی جو بت پرستی سے قطعاً کنارہ کش تھے؟ عیسائی کیوں برسر پیکار ہو گئے جنھوں نے کبھی بت پرستی کی حمایت کا دعویٰ نہیں کیا؟

پیروان مذاہب کی مخالفت اس لیے نہ تھی کہ جھٹلاتا کیوں ہے؟ بلکہ اس لیے کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟

اصل یہ ہے کہ پیروان مذاہب کی مخالفت اس لیے نہ تھی کہ وہ انہیں جھٹلاتا کیوں ہے بلکہ اس لیے تھی کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟ ہر مذہب کا پیرو چاہتا تھا کہ وہ صرف اسی کو سچا کہے' باقی سب کو جھٹلائے - اور چونکہ وہ یکساں طور پر سب کی تصدیق کرتا تھا' اس لیے کوئی بھی اس سے خوش نہیں ہو سکتا تھا - یہودی اس بات سے تو بہت خوش تھے کہ قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا ہے- لیکن وہ صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا - وہ حضرت مسیحؑ کی بھی تصدیق کرتا تھا اور یہیں آ کر اس میں اور یہودیوں میں نزاع شروع ہو جاتی تھی - عیسائیوں کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی پاکی و صداقت کا اعلان کیا جائے؟ لیکن قرآن صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا - وہ یہ بھی کہتا تھا کہ نجات کا دار و مدار اعتقاد و عمل پر ہے نہ کہ کفارہ اور اصطباغ پر اور قانون نجات کی یہ عالمگیر وسعت عیسائی کلیسا کے لیے ناقابل برداشت تھی-

اسی طرح قریش مکہ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دل خوش صدا نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بزرگی کا اعتراف کیا جائے' لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن جس طرح ان دونوں کی بزرگی کا اعتراف کرتا ہے اسی طرح یہودیوں کے پیغمبروں اور عیسائیوں کے داعی کا بھی معترف ہے تو ان کے نسلی اور جماعتی غرور کو ٹھیس لگتی تھی - وہ کہتے تھے' ایسے لوگ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پیرو کیونکر ہو سکتے ہیں' جو ان کی بزرگی اور صداقت کی صفت میں دوسروں کو بھی لا کھڑا کرتے ہیں؟

تین اصول جو قرآن میں اور اس کے مخالفوں میں بنائے نزاع ہوئے:

مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ قرآن کے تین اصول ایسے تھے' جو اس میں اور تمام پیروان مذاہب میں وجہ نزاع ہو گئے:

① وہ مذہبی گروہ بندی کی روح کا مخالف تھا اور دین کی وحدت یعنی ایک ہونے کا اعلان کرتا تھا - اگر پیروان مذاہب یہ مان لیتے تو انہیں تسلیم کر لینا پڑتا کہ دین کی سچائی کسی ایک ہی گروہ کے حصے میں نہیں آئی ہے- سب کو یکساں طور پر ملی ہے لیکن یہی ماننا ان کی گروہ پرستی پر شاق گزرتا تھا-

② قرآن کہتا تھا' نجات اور سعادت کا دار و مدار اعتقاد و عمل پر ہے- نسل' قوم' گروہ بندی اور ظاہری رسم و ریت پر نہیں ہے- اگر یہ اصل وہ تسلیم کر لیتے تو پھر نجات کا دروازہ بلا امتیاز تمام نوع انسانی پر کھل جاتا اور کسی ایک مذہبی حلقہ کی ٹھیکیداری باقی نہ رہتی لیکن اس بات کے لیے ان میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا-

③ وہ کہتا تھا' اصل دین خدا پرستی ہے' اور خدا پرستی یہ ہے کہ ایک خدا کی براہ راست پرستش کی جائے لیکن پیروان مذاہب نے کسی نہ کسی شکل میں شرک و بت پرستی کے طریقے اختیار کر لیے تھے- گو انہیں اس بات سے انکار نہ تھا کہ اصل دین خدا پرستی ہی ہے لیکن یہ بات شاق گزرتی تھی کہ اپنے مالوف و معتاد طریقوں سے دست بردار ہو جائیں-

خلاصۂ بحث

متذکرۂ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

1. نزول قرآن کے وقت دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں' خاندانوں اور قبیلوں کی معاشرتی حد بندیوں کی طرح' مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی - ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا' دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے- جو انسان اس کی مذہبی حد بندی میں داخل ہے' نجات یافتہ ہے' جو داخل نہیں ہے' نجات سے محروم ہے-
2. ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل وحقیقت محض اس کے ظاہری اعمال ورسوم تھے- جونہی ایک انسان انہیں اختیار کر لیتا یقین کیا جاتا کہ نجات وسعادت اسے حاصل ہوگئی- مثلاً عبادت کی شکل' قربانیوں کے رسوم' کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا' کسی خاص وضع وقطع کا اختیار کرنا یا نہ کرنا-
3. چونکہ یہ اعمال ورسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے اور ہر گروہ کے اجتماعی مقتضیات یکساں نہیں ہو سکتے تھے اس لیے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ دوسرا مذہب مذہبی صداقت سے خالی ہے- کیونکہ اس کے اعمال ورسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں-
4. ہر مذہبی گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے- نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اتنے ہی پر قانع نہ رہتا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا کہ دوسروں کے خلاف تعصب ونفرت پھیلائے- اس صورت نے نوع انسانی کو ایک دائمی جنگ وجدال کی حالت میں مبتلا کر دیا تھا- مذہب اور خدا کے نام پر ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اس کا خون بہانا جائز سمجھتا-
5. لیکن قرآن نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا:

(ا- اس نے صرف یہی نہیں بتایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں- اس نے کہا' دین خدا کی عام بخشش ہے' اس لیے ممکن نہیں کہ کسی ایک جماعت ہی کو دیا گیا ہو دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو-

ب- اس نے کہا خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لیے ہے- پس پیروان مذہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے-

ج- اس نے بتایا کہ خدا کا دین اس لیے تھا کہ نوع انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دور ہو- اس لیے نہ تھا کہ تفرقہ ونزاع کی علت بن جائے- پس اس سے بڑھ کر گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دور کرنے کے لیے آئی تھی اسی کو تفرقہ کی بنیاد بنا لیا ہے؟

د- اس نے بتایا کہ ایک چیز دین ہے- ایک شرع ومنہاج ہے- دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا ہے- البتہ شرع ومنہاج میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا- کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام واعمال بھی اس کے لیے اختیار کیے جائیں- پس شرع ومنہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے -تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے- محض شرع ومنہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو-

ہ- اس نے بتایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور ان کے ظواہر ورسوم کو انسانی نجات وسعادت میں کوئی دخل نہیں- یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں- ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے- وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایمان اور عمل صالح کا قانون-

و- اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں- اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا- تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے-

ز- وہ کہتا ہے' خدا کا دین اس لیے نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے بلکہ اس لیے ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان سے محبت کرے اور سب ایک ہی پروردگار کے رشتۂ عبودیت میں بندھ کر ایک ہو جائیں- وہ کہتا ہے: جب سب کا پروردگار ایک ہے جب سب کا مقصود اسی کی بندگی ہے' جب ہر انسان کے لیے وہی ہونا ہے' جیسا کچھ اس کا عمل ہے' تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ ونزاع کیوں ہے؟

❻ مذاہب عالم کا اختلاف صرف اختلاف ہی کی حد تک نہیں رہا ہے' بلکہ باہمی نفرت ومخاصمت کا ذریعہ بن گیا ہے- سوال یہ ہے کہ یہ مخاصمت کیونکر دور ہو؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام پیروان مذاہب اپنے دعوے میں سچے مان لیے جائیں کیونکہ ہر مذہب کا پیرو صرف اسی بات کا مدعی نہیں ہے کہ وہ سچا ہے بلکہ اس کا بھی مدعی ہے کہ دوسرے جھوٹے ہیں- پس اگر ان کے

دعاوی مان لیے جائیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر مذہب بہ یک وقت سچا بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے- یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کو جھوٹا قرار دیا جائے- کیونکہ اگر تمام مذاہب جھوٹے ہیں تو پھر مذہب کی سچائی ہے کہاں؟ پس اگر کوئی صورت رفع نزاع کی ہو سکتی ہے تو وہ وہی ہے جس کی دعوت لے کر قرآن نمودار ہوا ہے- تمام مذاہب سچے ہیں' کیونکہ اصل دین ایک ہی ہے اور سب کو دیا گیا ہے لیکن تمام پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں کیونکہ دین کی حقیقت اور وحدت ضائع کر دی ہے اور اپنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنا لی ہیں- اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آ جائیں اور اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائیں- تو مذاہب کی تمام نزاعات ختم ہو جائیں گی- ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی راہ بھی اصلاً وہی ہے جو اور تمام گروہوں کی راہ ہے- قرآن کہتا ہے' تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ حقیقت ''الدین'' ہے- یعنی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین' اور اسی کو وہ ''الاسلام'' کے نام سے پکارتا ہے-

❼ نوع انسانی کی باہمی یگانگت اور اتحاد کے جتنے رشتے بھی ہو سکتے تھے' سب انسان کے ہاتھوں ٹوٹ چکے- سب کی نسل ایک تھی' مگر ہزاروں نسلیں ہو گئیں- سب کی قومیت ایک تھی' مگر بے شمار قومیتیں بن گئیں- سب کی وطنیت ایک تھی' لیکن سیکڑوں وطنیتوں میں بٹ گئے- سب کا درجہ ایک تھا لیکن امیر و فقیر' شریف و رزیل اور ادنیٰ و اعلیٰ کے بہت سے درجے ٹھہرا لئے گئے- ایسی حالت میں کون سا رشتہ ہے جو ان تمام تفرقوں پر غالب آ سکتا ہے اور تمام انسان ایک ہی صف میں کھڑے ہو جا سکتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے کہ خدا پرستی کا رشتہ- یہی ایک رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر آباد کر سکتا ہے- یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے اور ہم سب کے سر اسی ایک چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں' یک جہتی اور یگانگت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتا ہے' کہ ممکن نہیں' انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اس پر غالب آ سکیں-

صراط مستقیم

اسی بنا پر سورۂ فاتحہ میں جس دعا کی تلقین کی گئی' وہ ''صراط مستقیم'' پر چلنے کی طلبگاری ہے- صراط کے معنی راہ کے ہیں' اور ''مستقیم'' کے معنی سیدھا ہونے کے- پس ''صراط مستقیم'' ایسی راہ ہوئی جو سیدھی ہو- کسی طرح کا پیچ وخم نہ ہو- پھر اس راہ کی پہچان یہ بتلائی کہ ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ ﴾ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر خدا کا انعام ہوا- ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے' نہ ان کی جو گمراہ ہیں-

یہ انعام یافتہ انسان کون ہیں جن کی راہ سیدھی راہ ہوئی؟ قرآن نے جا بجا واضح کیا ہے کہ خدا کے تمام رسول اور راست باز انسان جو دنیا کے مختلف عہدوں اور گوشوں میں گزر چکے ہیں' انعام یافتہ انسان ہیں' اور انہی کی راہ صراط مستقیم ہے-

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (٤ : ٦٩)

''اور جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی' تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے- یہ انعام یافتہ جماعت نبیوں کی ہے' صدیقوں کی ہے' شہدا کی ہے' نیک عمل انسانوں کی ہے اور (جس کے ساتھ ایسے لوگ ہوں تو) کیا ہی اچھی ان کی رفاقت ہے-''

اس آیت میں بالترتیب چار جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور انہیں انعام یافتہ قرار دیا ہے: (۱) انبیا (۲) صدیقین (۳) شہدا (۴) صالحین-

''انبیا'' سے مقصود خدا کی سچائی کے تمام پیغامبر ہیں جو نوع انسانی کی ہدایت کے لیے پیدا ہوئے-

''صدیق'' سے مقصود ایسے انسان ہیں جو کامل معنوں میں سچے ہوں- یعنی سچائی کے سانچے میں کچھ اس طرح ڈھلے ہوئے ہوں کہ سچائی کے خلاف کوئی بات ان کے دماغ میں اتر ہی نہ سکے-

''شہید'' کے معنی گواہ کے ہیں- یعنی ایسے انسان جو اپنے قول وفعل سے حق وصداقت کی شہادت بلند کرنے والے ہوں-

''صالحین'' سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو نیک عملی کی راہ میں استقامت رکھیں اور برائی کی راہوں سے کنارہ

کش ہوں۔

پس معلوم ہوا' انعام یافتہ انسانوں سے مقصود دنیا کے تمام رسول اور داعیان حق ہیں جو قرآن کے نزول سے پہلے دنیا میں پیدا ہو چکے تھے اور تمام راست باز انسان ہیں جو نوع انسانی میں گزر چکے تھے۔ اس میں نہ تو کسی خاص نسل وقوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے' نہ کسی خاص مذہب اور اس کے پیروؤں کی۔ دنیا کے تمام نبی' تمام صدیق' تمام شہدائے حق' تمام صالح انسان' خواہ کسی ملک وقوم میں ہوئے ہوں' قرآن کے نزدیک ''انعام یافتہ'' انسان ہیں اور انہی کی راہ ''صراط مستقیم'' ہے۔

خدا کے ان تمام رسولوں اور نوع انسانی کے راست باز افراد کی راہ کون سی راہ تھی؟ وہی راہ جسے قرآن دین حقیقی کی راہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے' دنیا میں جس قدر بھی سچائی کے داعی آئے سب نے یہی تعلیم دی کہ **اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ!** ''خدا کا ایک ہی دین قائم رکھو' اور اس راہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ'' یہی راہ سچائی کی سیدھی راہ ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا الدین کو صراط مستقیم سے بھی تعبیر کیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے' تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو' اور صراط مستقیم ہی صراط اللہ ہے۔ یعنی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی راہ سعادت۔

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴾ (۴۲: ۵۲-۵۳)

''اور (اے پیغمبرؐ) بلاشبہ تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو' صراط اللہ' یعنی اللہ کی راہ کی طرف۔ وہ اللہ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اسی کا ہے۔ ہاں یاد رکھو (کائنات خلقت کا) تمام کاموں کا مرجع اسی کی ذات ہے۔''

اسی طرح وہ جا بجا کہتا ہے کہ خدا کے تمام رسولوں کی دعوت صراط مستقیم کی دعوت تھی۔ سورۂ نحل میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نسبت ہے:

﴿ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (۱۶: ۱۲۱) ''خدا نے اسے صراط مستقیم دکھا دی۔''

سورۂ زخرف میں حضرت مسیح (علیہ السلام) کی زبانی سنتے ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ (۴۳: ۶۴) ''اللہ میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ پس اسی کی بندگی کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے!''

سورۂ انعام میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے پھر سلسلہ ابراہیمیؑ کے متعدد نبیوں کا جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں۔ اس کے بعد کہا ہے: ﴿ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (۶: ۸۷) ''ان سب کو ہم نے صراط مستقیم دکھا دی۔''

اصل یہ ہے کہ خدا کے عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے صراط مستقیم سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی تھی۔ تم کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی راہیں نکال لو لیکن سیدھی راہ ہمیشہ ایک ہی ہو گی اور اسی پر چل کر ہر مسافر منزل مقصود تک

بحفاظت وامن پہنچ سکے گا- علاوہ بریں' سیدھی راہ ہی ہمیشہ شاہراہ عام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے- تمام مسافر' خواہ کسی گوشے کے رہنے والے ہوں لیکن سب مل جل کر وہی راہ اختیار کریں گے اور کبھی یہ نہ کریں گے کہ الگ الگ ٹولیاں بنا کر ٹیڑھی ترچھی راہوں میں متفرق ہو جائیں- قرآن کہتا ہے: ٹھیک اسی طرح دین کی سیدھی راہ بھی ایک ہی ہے- بہت سی نہیں ہوسکتیں اور وہ اول دن سے موجود ہے- ہر عہد' ہر قوم' ہر ملک اسی پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا ہے- بعد کو پیروان مذاہب نے ایسا کیا کہ بہت سی ٹیڑھی ترچھی راہیں نکال لیں اور ایک راہ پر متفق رہنے کی جگہ' الگ ٹولیاں بنا کر' متفرق ہو گئے- وہ کہتا ہے: اب اگر تم چاہتے ہو کہ منزل مقصود کا سراغ پاؤ تو چاہیے کہ اسی سیدھی راہ پر اکٹھے ہو جاؤ- **فھو طریقاً مستقیماً: سھلًا مسلوکاً' واسعاً' موصولاً الی المقصود-**

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ ﴾ (۶:۱۵۳)

''اور (دیکھو) یہ میری راہ ہے- بالکل سیدھی راہ- پس اسی ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کے راستوں کے پیچھے نہ پڑو- وہ تمہیں خدا کی سیدھی راہ سے ہٹا کر' جدا جدا کر دیں گے- یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ (اس کی نافرمانی سے) بچو!''

چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب ''صراط مستقیم'' کی اس تفسیر پر نظر ڈالی جائے جو خود پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمائی ہے:

((عن ابن مسعودؓ قال خط لنا رسول الله ﷺ خطا بیده ثم قال هذا سبیل الله مستقیماً ثم خط خطوطًا عن یمین ذلك الخط وعن شماله ثم قال وهذه السبل لیس منها سبیل الا علیه شیطان یدعوا علیه ثم قرأ هذه الایة)) (اخرجه النسائی واحمد' والبزار ، وابن المنذر' وابو الشیخ' والحاکم وصححه)

''عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا' یوں سمجھو کہ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے- بالکل سیدھا' اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں' اور فرمایا- یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لیے گئے ہیں' اور ان میں کوئی راستہ نہیں جس کی طرف بلانے کے لیے ایک شیطان موجود نہ ہو- پھر یہ آیت پڑھی: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا ﴾ اِلٰی آخرہ-

اس سے معلوم ہوا' تمام ادھر ادھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے ''سبل متفرقہ'' ہیں جو جمعیت بشری کو متحد کرنے کی جگہ متفرق کر دیتے ہیں' اور درمیان کی ایک ہی سیدھی راہ ''صراط مستقیم'' ہے- یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروان منزل کو ایک ہی شاہراہ پر جمع کر دیتی ہے-

یہ سبل متفرقہ کیا ہے؟ اسی گمراہی کا نتیجہ ہیں' جسے قرآن نے ''تشیع'' اور ''تحزب'' کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے'

اور تشریح اس کی اوپر گزر چکی-

دین حقیقی کی راہ کا سیدھا ہونا' اور "سبل متفرقہ" یعنی خود ساختہ گروہ بندیوں کا پر پیچ وخم ہونا' ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر انسان بغیر کسی عقلی کاوش کے سمجھ سکتا ہے- خدا کا دین اگر انسان کی ہدایت کے لیے ہے' تو ضروری ہے کہ خدا کے تمام قوانین کی طرح یہ بھی صاف اور واضح ہو' اس میں کوئی راز نہ ہو' کوئی پیچیدگی نہ ہو' نا قابل حل معمہ نہ ہو- اعتقاد میں سہل ہو اور عمل میں ہلکا- ہر عقل اسے بوجھ لے- ہر طبیعت اس پر مطمئن ہو جائے- اچھا' اب غور کرو' یہ تعریف کس راہ پر صادق آتی ہے؟ ان مختلف راہوں پر جو پیروان مذاہب نے الگ الگ گروہ بندیاں کر کے نکال لی ہیں' یا اس ایک ہی راہ پر جسے قرآن اصل دین کی راہ بتلاتا ہے؟

ان گروہ بندیوں میں سے کوئی گروہ بندی بھی ایسی نہیں ہے جو اپنے بوجھل عقیدوں' نا قابل فہم عقدوں' اور نا قابل برداشت عملوں کی ایک طول وطویل فہرست نہ ہو- ہم یہاں تفصیلات میں نہیں جائیں گے- ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے تمام پیروان مذاہب کے مزعومہ عقائد واعمال کا کیا حال ہے' اور ان کی نوعیت کیسی ہے؟ مذہب کا عقل کے لیے معمہ اور طبیعت کے لیے بوجھ ہونا' ایک ایسی بات ہے جو عام طور پر مذاہب کا خاصہ تسلیم کر لی گئی ہے- لیکن قرآن جس راہ کو دین حقیقی کی راہ کہتا ہے' اس کا کیا حال ہے؟ اس کی راہ تو اتنی واضح' اتنی سہل' اتنی مختصر ہے' کہ عقائد واعمال کی پوری فہرست صرف دو لفظوں میں ختم کی جا سکتی ہے' ایمان اور عمل صالح- اس کے عقائد میں عقل کے لیے کوئی بوجھ نہیں- اس کے اعمال میں طبیعت کے لیے کوئی سختی نہیں- ہر طرح کے پیچ وخم سے پاک- ہر معنی میں اعتقاد وعمل کی سیدھی سے سیدھی بات- **حنیفیة السمحه' لیلها کنهارها!** اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے!

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ ﴾ (۱۸ : ۱)

"ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی' اور اس میں کسی طرح کی بھی کجی نہیں رکھی-"

بہر حال' قرآن کا پیرو وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے- وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ' کسی خاص نسل' کسی خاص قوم' کسی خاص عہد کی راہ ہے' بلکہ خدا کی عالمگیر سچائی کی راہ' جو ہر جگہ اور ہر عہد میں نمایاں ہوئی ہے اور ہر طرح کی جغرافیائی اور جماعتی حد بندیوں کے امتیازات سے پاک ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ (۴۳ : ۶۴)

"اللہ میرا اور تمہارا' دونوں کا پروردگار ہے' پس اسی کی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے-"

علاوہ بریں بحث ونظر کے بعض دوسرے پہلو بھی ہیں جو اس موقع پر پیش نظر رہنے چاہییں:

اولاً: فلاح وسعادت کی راہ- "سیدھی راہ" سے تعبیر کیا گیا اور "سیدھی راہ" پر چلنا ایک ایسی بات ہے جس کی سمجھ اور طلب بالطبع ہر انسان کے اندر موجود ہے- پھر اس کی پہچان بتلاتے ہوئے کوئی اس طرح کی تعریف نہیں کی جس کے

سمجھنے اور منطبق کرنے میں ذہنی کاوشوں کی ضرورت ہو' بلکہ ایک خاص طرح کے انسانوں کی طرف انگلی اٹھا دی کہ صراط مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے- اس اسلوب بیان نے ہر انسان کے سامنے صراط مستقیم کو ایک محسوس و مشہود صورت میں نمایاں کر دیا- ہر انسان خواہ کسی عہد اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتا ہو لیکن اس بات سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ یہاں دو طرح کے انسان موجود ہیں- ایک وہ ہیں جن کی راہ سعادت و کامیابی کی راہ ہے- ایک وہ ہیں جن کے حصے میں محرومی و شقاوت آئی ہے- پس کامیابی کی راہ کی پہچان اس سے زیادہ بہتر اور مؤثر طریقہ سے بیان نہیں کی جا سکتی کہ وہ کامیاب انسان کی راہ ہے- اگر اس کی پہچان منطقی تعریفوں کی طرح بیان کی جاتی' تو ظاہر ہے' نہ تو ہر انسان بغیر کاوش و فکر کے سمجھ سکتا' نہ قطعی طور پر کسی ایک ہی راہ پر منطبق کی جا سکتی-

ثانیاً: جہاں تک انسانی فلاح و سعادت کا تعلق ہے' صراط مستقیم کی تعبیر ہی ہر لحاظ سے حقیقی اور قدرتی تعبیر ہو سکتی تھی- انسان کے فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو' لیکن صحت و درستگی کی راہ ہمیشہ وہی ہو گی جو سیدھی راہ ہو- جہاں انحراف اور کجی پیدا ہوئی' نقص و فساد ظہور میں آ گیا- یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں سیدھا ہونا اور سیدھی چال چلنا' فلاح و سعادت کے معنوں میں عام طور بولا جاتا ہے- گویا اچھائی کے معنوں میں یہ ایک ایسی تعبیر ہے' جو تمام نوع انسانی کی عالمگیر تعبیر کہی جا سکتی ہے-

حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو برس پہلے دارایوش اول نے جو فرامین کندہ کرائے تھے' ان میں سے بے ستون کا کتبہ آج تک موجود ہے اور اس کا خاتمہ ان جملوں پر ہوتا ہے ''اے انسان! اہورامزد کا (یعنی خدا کا) تیرے لیے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر- سیدھا راستہ نہ چھوڑ- گناہ سے بچتا رہ-''

پس صراط مستقیم پر چلنے کی طلب' زندگی کی تمام راہوں میں درستگی و صحت کی راہ چلنے کی طلب ہوئی- اور اسی لیے سعی و عمل کے ہر گوشے میں' انعام یافتہ گروہ وہی ہو سکتا ہے جس کی راہ صراط مستقیم ہو-

''المغضوب علیہم'' اور ''الضالین'':

پھر ''صراط مستقیم'' کی پہچان صرف اس کے مثبت پہلو ہی سے واضح نہیں کی گئی' بلکہ اس کا ضد و مخالف پہلو بھی واضح کر دیا گیا: ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ﴾ ''ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے- نہ ان کی جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے-

''مغضوب علیہ'' گروہ ''منعم علیہ'' کی بالکل ضد ہے- کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے' اور فطرت کائنات کا قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصے میں انعام آتا ہے- نافرمانوں کے حصے میں غضب- ''گمراہ'' وہ ہیں جو راہ حق نہ پا سکے' اور اس کی جستجو میں بھٹک گئے- پس مغضوب وہ ہوئے جنہوں نے راہ پائی اور اس کی نعمتیں بھی پائیں' لیکن پھر اس سے منحرف ہو گئے' اور نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کر لی- گمراہ وہ ہوئے جو راہ ہی نہ پا سکے- اس لیے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں اور صراط مستقیم کی سعادتوں سے محروم ہیں-

''مغضوب علیہ'' کی محرومی' حصول و معرفت کے بعد انکار کا نتیجہ ہے' اور گمراہ کی محرومی جہل کا نتیجہ- پہلے نے پا کر

روگردانی کی، اس لیے محروم ہوا، دوسرا پا ہی نہ سکا اس لیے محروم ہے۔ محروم دونوں ہوئے، مگر یہ ظاہر ہے کہ پہلے کی محرومی زیادہ مجرمانہ ہے۔ کیونکہ اس نے نعمت حاصل کر کے پھر اس سے روگردانی کی۔ اسی لیے اسے مغضوب کہا گیا اور دوسرے کی حالت صرف گمراہی کے لفظ سے تعبیر کی گئی۔

ہم دیکھتے ہیں، دنیا میں فلاح و سعادت سے محروم آدمی ہمیشہ دو ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ جاحد اور جاہل جاحد وہ ہوتا ہے جو حقیقت پالیتا ہے بایں ہمہ اس سے روگردانی کرتا ہے۔ جاہل وہ ہوتا ہے جو حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے اور اپنے جہل پر قانع ہو جاتا ہے، پس صراط مستقیم پر چلنے کی طلبگاری کے ساتھ، محرومی شقاوت کی ان دونوں صورتوں سے بچنے کی طلب بھی سکھلا دی تاکہ فلاح و سعادت کی راہ کا تصور ہر طرح کامل اور لغزشوں سے محفوظ ہو جائے۔

جہاں تک مذہبی صداقت کا تعلق ہے، دونوں طرح کی محرومیوں کی مثالیں قوموں کی تاریخ میں موجود ہیں۔ کتنی ہی قومیں ہیں جن کے قدم صراط مستقیم پر استوار ہو گئے تھے اور فلاح و سعادت کی تمام نعمتیں ان کے لیے مہیا تھیں۔ بایں ہمہ انہوں نے روگردانی کی اور راہ حق کی معرفت حاصل کر کے پھر اس سے منحرف ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہی قوم جو کل تک دنیا کی انعام یافتہ جماعت تھی، سب سے زیادہ محروم و نامراد جماعت ہو گئی۔ اسی طرح کتنی ہی جماعتیں ہیں، جن کے سامنے فلاح و سعادت کی راہ کھول دی گئی لیکن انہوں نے معرفت کی جگہ جہل، اور روشنی کی جگہ تاریکی پسند کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ راہ حق نہ پا سکے اور نامرادی و محرومی کی وادیوں میں گم ہو گئے۔

احادیث و آثار میں اس کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ ترمذی اور احمد و ابن حبان وغیرہم کی مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: '' المغضوب '' یہودی ہیں اور '' الضالین '' نصاریٰ ہیں۔ یقیناً اس تفسیر کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ مغضوب سے مقصود صرف یہودی، اور گمراہ سے مقصود صرف نصاریٰ ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ مغضوبیت اور گمراہی کی حالت واضح کرنے کے لیے دو جماعتوں کا ذکر بطور مثال کے کر دیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں جماعتوں کی تاریخ میں ہم محرومی کی دونوں حالتوں کا کامل نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہودیوں کی قومی تاریخ مغضوبیت کے لیے اور عیسائیوں کی تاریخ گمراہی کے لیے، عبرت و تذکیر کا بہترین سرمایہ ہے۔

☆☆☆

قرآن کے قصص اور استقرائے تاریخی

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' قرآن نے ہدایت وتذکیر امم کے لیے جن جن اصولوں پر زور دیا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں اصل' پچھلی قوموں کے ایام ووقائع اور ان کے نتائج ہیں- وہ کہتا ہے: کائنات ہستی کے ہر گوشے کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لیے بھی خدا کا قانون سعادت وشقاوت ایک ہی ہے اور ہر عہد اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کے احکام ونتائج رکھتا ہے- اس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور اس کے نتائج ہمیشہ اور ہر حال میں اٹل ہیں- جس طرح سنکھیا کی تاثیر اس لیے بدل نہیں جاسکتی کہ وہ کس عہد اور کس سنہ میں استعمال کی گئی- اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے اعمال کے نتائج بھی اس لیے متغیر نہیں ہوجاسکتے کہ کس ملک میں پیش آئے- اگر ماضی میں ہمیشہ شہد' شہد کا خاصہ رکھتا آیا ہے' اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی رہی ہے' تو مستقبل میں بھی ہمیشہ شہد شہد ہی رہے گا اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی ہوگی- پس جو کچھ ماضی میں پیش آچکا ہے' ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے-

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۝ ﴾ (۳۳:۶۲)

''جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں' ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے- (یعنی اللہ کے قوانین واحکام کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی ردوبدل نہیں پاؤ گے-''

﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا۝ ﴾ (۳۵:۴۳)

''پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس سنت کی جو اگلے لوگوں کے لیے رہ چکی ہے؟ تو یاد رکھو' تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے' اور نہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیے جائیں-''

﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا۝ ﴾ (۳۳:۶۲)

''(اے پیغمبرؐ!) تم سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کے لیے ہماری سنت یہی رہی ہے اور

ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں۔''

چنانچہ وہ ایک طرف تو انعام یافتہ جماعتوں کی کامرانیوں کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ دوسری طرف مغضوب اور گمراہ جماعتوں کی محرومیوں کی سرگزشتیں بار بار سناتا ہے۔ پھر جا بجا ان سے عبرت و بصیرت کے نتائج اخذ کرتا ہے، جن پر اقوام و جماعات کا عروج و زوال موقوف ہے۔ وہ کھول کھول کر بتلاتا ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت و کامرانی ان ان اعمال کا انعام تھے اور مغضوب و گمراہ جماعتوں کی شقاوت و محرومی ان ان بدعملیوں کی پاداش تھی۔ اچھے نتائج کو ''انعام'' کہتا ہے، کیونکہ یہ فطرت الٰہی کی قبولیت ہے۔ برے نتائج کو ''غضب'' کہتا ہے، کیونکہ یہ قانون الٰہی کی پاداش ہے۔ وہ کہتا ہے جن اسباب و علل سے دس مرتبہ ایک خاص طرح کا معلول پیدا ہو چکا ہے، تم کیونکر انکار کر سکتے ہو کہ گیارہویں مرتبہ بھی ویسا ہی معلول پیدا نہ ہوگا؟

﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ﴾ (۳:۱۳۷)

''تم سے پہلے دنیا میں (خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں پس ملکوں کی سیر کرو، اور دیکھو ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے (اللہ کے احکام و قوانین کو) جھٹلایا تھا۔

قرآن کی سورتوں میں ایک بڑی تعداد ایسی سورتوں کی ہے، جو تمام تر اسی مطلب پر مشتمل ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جس قدر بیان بھی پچھلے عہدوں کے وقائع و قصص کا ہے، وہ تمام تر سورۂ فاتحہ کی اسی آیت کی تفصیل ہے۔

☆☆☆

سورۂ فاتحہ کی تعلیمی روح

اچھا اب چند لمحوں کے لیے سورۂ فاتحہ کے مطالب پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالو اور دیکھو' اس کی سات آیتوں کے اندر مذہبی عقائد و تصور کی جو روح مضمر ہے' وہ کس طرح کی ذہنیت پیدا کرتی ہے؟ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے- فرض کرو ایک انسان کے دل و زبان سے شب و روز یہی دعا نکلتی رہتی ہے- اس صورت میں اس کے فکر و اعتقاد کا کیا حال ہوگا؟

وہ خدا کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہے لیکن اس خدا کی حمد میں نہیں جو نسلوں' قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے بلکہ ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ کی حمد میں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے اور اس لیے تمام نوع انسانی کے لیے یکساں طور پر پروردگاری و رحمت رکھتا ہے- پھر وہ اسے اس کی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے' لیکن اس کی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت اور عدالت ہی کی صفتیں اسے یاد آتی ہیں' گویا خدا کی ہستی کی نمود اس کے لیے سرتاسر رحمت و عدالت کی نمود ہے اور جو کچھ بھی اس کی نسبت جانتا ہے' وہ رحمت و عدالت کے سوا کچھ نہیں ہے- پھر وہ اپنا سر نیاز جھکاتا اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے- وہ کہتا ہے' صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے اور صرف تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے- وہ اپنی عبادت اور استعانت' دونوں کو صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور اس طرح دنیا کی ساری قوتوں اور ہر طرح کی انسانی فرمانروائیوں سے بے پروا ہو جاتا ہے- اب کسی چوکھٹ پر اس کا سر جھک نہیں سکتا' اب کسی قوت سے وہ ہراساں نہیں ہو سکتا' اب کسی کے آگے اس کا دست طلب دراز نہیں ہو سکتا!

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے- یہی ایک مدعا ہے جس سے زبان احتیاج آشنا ہوتی ہے- لیکن کون سی سیدھی راہ؟ کسی خاص نسل کی سیدھی راہ؟ کسی خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کسی خاص مذہبی حلقہ کی سیدھی راہ؟ نہیں وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے' خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں- اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے لیکن یہاں بھی کسی خاص نسل و قوم یا کسی خاص مذہبی گروہ کا ذکر نہیں کرتا- بلکہ ان راہوں سے بچنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام محروم اور گمراہ انسانوں کی راہیں رہ چکی ہیں- گویا جس بات کا طلب گار ہے' وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے' وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر برائی ہے- نسل' قوم' ملک' یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ و امتیاز کی کوئی پرچھائیں اس کے دل و دماغ پر نظر نہیں آتی-

غور کرو مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن و عواطف کے لیے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا' وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم از کم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے- ایک یہ کہ اس کی خدا پرستی خدا کی عالمگیر رحمت و جمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی- دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی نسل و قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہیں ہوگا- عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا' اور دعوت قرآنی کی اصلی روح یہی ہے!

آیاتُھَا: 7 | سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۧ﴿۷﴾

ع ۷

ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے جو رحمت والا ہے اور جس کی رحمت تمام مخلوقات کو اپنی بخششوں سے مالا مال کر رہی ہے۔ جو اس دن کا مالک ہے جس دن کاموں کا بدلہ لوگوں کے حصے میں آئے گا۔ (خدایا!) ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تو ہی ہے جس سے (اپنی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں (خدایا) ہم پر (سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے۔ وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہوئی جن پر تو نے انعام کیا۔ ان کی نہیں جو پھٹکارے گئے اور نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے۔

آیاتھا: 286 | سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتھا: 40

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ
وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ
مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ
تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ

الف-لام-میم-یہ الکتاب[1] ہے-(۱) اس میں کوئی شبہ نہیں-متقی انسانوں پر (سعادت کی) راہ کھولنے والی (۲) (متقی انسان وہ ہیں) جو غیب (کی حقیقتوں) پر ایمان رکھتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے اسے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں-(۳) نیز وہ لوگ جو اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں- جو تم پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی ہے اور ان تمام (سچائیوں) پر جو تم سے پہلے (یعنی پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہو چکی ہیں اور (ساتھ ہی) آخرت (کی زندگی) کے لیے بھی ان کے اندر یقین ہے-(۴) تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے (ٹھہرائے ہوئے) راستہ پر ہیں اور یہی ہیں (دنیا اور آخرت میں) کامیابی پانے والے!(۵) (لیکن) وہ لوگ جنہوں نے (ایمان کی جگہ) انکار[2] کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے اور قبول کرنے کی استعداد کھو دی) تو (ان کے لیے ہدایت کی تمام صدائیں بیکار ہیں) تم انہیں (انکار حق کے نتائج سے) خبردار کر دیا نہ کرو وہ ماننے والے نہیں-(۶)

ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا سو (جن لوگوں نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے) وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے-کامیابی کی جگہ ان کے لیے عذاب جانکاہ ہے!(۷)

(ان دو قسم کے آدمیوں کے علاوہ) کچھ لوگ[3] ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے

---

[1] یہ کتاب متقی انسانوں پر فلاح وسعادت کی راہ کھولنے والی ہے اور قبولیت حق کے لحاظ سے انسانوں کی پہلی قسم-

[2] دوسری قسم منکرین حق کی جو قبولیت کی استعداد کے لحاظ سے پہلی قسم کی ضد ہیں-

[3] تیسری قسم ان لوگوں کی جو اگرچہ خدا پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر فی الحقیقت اس سے محروم ہیں!

وقف لازم

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مومن نہیں (۸) وہ (ایمان کا دعویٰ کر کے) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں' حالانکہ وہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہیں اگر چہ (جہل و سرکشی سے) اس کا شعور نہیں رکھتے- (۹) ان کے دلوں میں (انکار کا) روگ ہے- پس اللہ نے (دعوت حق کامیاب کر کے) انہیں اور زیادہ روگی کر دیا اور ان کے لیے عذاب جانکاہ ہوگا- اس لیے کہ اپنی نمائش میں سچے نہیں! (۱۰) جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں خرابی[۱] نہ پھیلاؤ (اور بدعملیوں سے باز آ جاؤ) تو کہتے ہیں (ہمارے کام خرابی کا باعث کیسے ہو سکتے ہیں) ہم تو سنوارنے والے ہیں- (۱۱) یاد رکھو یہی لوگ ہیں جو خرابی پھیلانے والے ہیں اگر چہ (جہل و سرکشی سے اپنی حالت کا) شعور نہیں رکھتے! (۱۲)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی راہ اختیار کرو جس طرح اور لوگوں نے اختیار کی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح (یہ) بے وقوف[۲] آدمی ایمان لے آئے ہیں (یعنی جس طرح ان لوگوں نے بے سروسامانی و مظلومی کی حالت میں دعوت حق کا ساتھ دیا اسی طرح ہم بھی بے وقوف بن کر ساتھ دے دیں؟) یاد رکھو فی الحقیقت یہی لوگ بے وقوف ہیں اگر چہ (جہل و غرور کی سرشاری میں اپنی حالت کا) شعور نہیں رکھتے! (۱۳)

جب یہ لوگ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو (دعوت حق پر) ایمان[۳] لا چکے ہیں تو کہتے ہیں' ہم ایمان لائے- لیکن جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں' ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہمارا اظہار ایمان اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہم تمسخر کرتے تھے (۱۴) (یہ لوگ ایمان کے معاملے میں تمسخر کرتے ہیں- حالانکہ) حقیقت یہ ہے کہ خود انہی کے ساتھ تمسخر ہو رہا ہے کہ اللہ (کے قانون جزا) نے رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اور سرکشی (کے طوفان) میں بہکے چلے جا رہے ہیں! (۱۵) (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی- لیکن نہ تو ان کی تجارت فائدہ مند نکلی نہ ہدایت ہی پر قائم رہے! (۱۶)

---

[۱] وہ مفسد ہیں مگر اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں!
[۲] وہ راست بازی کو بے وقوفی اور نفاق کو دانشمندی سمجھتے ہیں!
[۳] راست بازوں کی تحقیر اور ایمان والوں کا تمسخر ان لوگوں کا شیوہ ہے-

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا
يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ
يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ
يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً

ان[1] لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی (رات کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا - اس) نے (روشنی کے لیے) آگ سلگائی لیکن جب (آگ سلگ گئی اور اس کے شعلوں سے) آس پاس روشن ہو گیا تو قدرت الٰہی سے ایسا ہوا کہ (اچانک شعلے بجھ گئے اور) روشنی جاتی رہی - نتیجہ یہ نکلا کہ روشنی کے بعد اندھیرا چھا گیا اور آنکھیں اندھی ہو کر رہ گئیں کہ کچھ سجھائی نہیں دیتا - (۱۷) بہرے، گونگے، اندھے ہو کر رہ گئے - پس (جن لوگوں کی محرومی و شقاوت کا یہ حال ہے) وہ کبھی اپنی گم گشتگی سے لوٹ نہیں سکتے - (۱۸) یا پھر[2] ان لوگوں کی مثال ایسی سمجھو جیسے آسمان سے پانی کا برسنا کہ اس کے ساتھ کالی گھٹائیں اور بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک ہوتی ہے (فرض کرو دنیا پانی کے لیے بے قرار تھی - اللہ نے اپنی رحمت سے بارش کا سماں باندھ دیا - تو اب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بارش کی برکتوں کی جگہ صرف اس کی ہولناکیاں ہی ان کے حصے میں آئی ہیں) بادل جب زور سے گرجتے ہیں تو موت کا ڈرانہیں دہلا دیتا ہے (اس کی گرج تو روک سکتے نہیں) اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگتے ہیں - حالانکہ (اگر بجلی گرنے والی ہی ہو تو ان کے کان بند کر لینے سے رک نہیں جائے گی) اللہ کی قدرت تو (ہر حال میں) منکروں کو گھیرے ہوئے ہے - (۱۹) (جب) بجلی (زور سے چمکتی ہے تو ان کی خیرگی کا یہ حال ہوتا ہے گویا) قریب ہے کہ بینائی اچک لے - اس کی چمک سے جب فضا روشن ہو جاتی ہے تو دو چار قدم چل لیتے ہیں - جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو (ٹھٹک کر) رک جاتے ہیں - اگر اللہ چاہے تو یہ بالکل بہرے اندھے ہو کر رہ جائیں - اور یقیناً اللہ ہر بات پر قادر ہے - (۲۰) اے افراد نسل انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو (اس پروردگار کی) جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور اس لیے پیدا کیا) تاکہ اس کی نافرمانی سے بچو - (۲۱)

وہ پروردگار عالم، جس نے تمہارے لیے زمین فرش کی طرح بچھا دی، اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کر دیا اور (پھر

[1] تیسری قسم کے لوگوں کی محرومی کی ایک مثال

[2] حق کے ظہور اور محروموں کی محرومی کی دوسری مثال - کائنات خلقت کی ہولناکیاں بھی خیر و برکت کے لیے ہیں، لیکن محروموں کے حصے میں خوف و سراسیمگی کے سوا کچھ نہیں آتا!

[3] توحید الٰہی کی تلقین اور خالقیت اور ربوبیت سے استدلال جس کا یقین انسان کی فطرت میں ہے -

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ

تم دیکھ رہے ہو کہ وہی ہے) جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین شاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کے لیے پیدا ہو جاتے ہیں- پس (جب خالقیت اسی کی خالقیت ہے اور ربوبیت اسی کی ربوبیت تو) ایسا نہ کرو کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک اور ہم پایہ بناؤ - اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے! (۲۲)

اور[1] (دیکھو) اگر تمہیں اس (کلام) کی سچائی میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل کیا ہے- تو (اس کا فیصلہ بہت آسان ہے- اگر یہ محض ایک انسانی دماغ کی بناوٹ ہے' تو تم بھی انسان ہو- زیادہ نہیں) اس کی سی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن (طاقتوں) کو تم نے اپنا حمایتی سمجھ رکھا ہے ان سب کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لو- (۲۳) پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور حقیقت یہ ہے کہ کبھی نہ کر سکو گے' تو اس آگ کے عذاب سے ڈرو جو (لکڑی کی جگہ) انسان اور پتھر کے ایندھن سے سلگتی ہے' اور منکرین حق کے لیے تیار ہے! (۲۴)

(لیکن ہاں) جن لوگوں نے (انکار و سرکشی کی جگہ) ایمان کی راہ اختیار کی' اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے' تو ان کے لیے (آگ کی جگہ ابدی راحت کے) باغوں کی بشارت ہے- (سرسبز و شاداب باغ) جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) جب کبھی ان باغوں کا کوئی پھل ان کے حصے میں آئے گا (یعنی بہشتی زندگی کی کوئی نعمت ان کے حصے میں آئے گی) تو بول اٹھیں گے' یہ تو وہ نعمت ہے جو پہلے ہمیں دی جا چکی ہے (یعنی نیک عملی کا وہ اجر ہے جس کے ملنے کی ہمیں دنیا میں خبر دی جا چکی ہے) اور (یہ اس لیے کہیں گے کہ) باہم دگر ملتی جلتی ہوئی چیزیں ان کے سامنے آئیں گی (یعنی جیسا کچھ ان کا عمل تھا' ٹھیک ویسی ہی بہشتی زندگی کی نعمت بھی ہوگی) علاوہ بریں ان کے لیے نیک اور پارسا بیویاں ہوں گی اور ان کی راحت ہمیشگی کی راحت ہوگی کہ اسے کبھی زوال نہیں! (۲۵)

اللہ[2] (کا کلام جو انسانوں کو ان کی سمجھ کے مطابق مخاطب کرنا چاہتا ہے) اس بات سے نہیں جھجکتا کہ کسی (حقیقت کے سمجھانے کے لیے کسی حقیر سے حقیر کی) مثال سے کام لے- مثلاً مچھر کی' یا اس سے بھی زیادہ کسی حقیر چیز کی پس جو لوگ ایمان رکھتے

---

[1] رسالت اور وحی

[2] سنت الٰہی یہ ہے کہ وحی کا کلام انسانی بول چال کے مطابق ہوتا ہے اور بیان حقائق کے لیے مثالیں ضروری ہیں-

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا

وقف لازم — ع

ہیں' وہ (مثالیں سن کر ان کی دانائی میں غور کرتے ہیں اور) جان لیتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہے ان کے پروردگار کی طرف سے ہے- لیکن جن لوگوں نے انکارِ حق کی راہ اختیار کی ہے تو وہ (جہل اور کج فہمی سے حقیقت نہیں پا سکتے - وہ) کہتے ہیں بھلا ایسی مثال بیان کرنے سے اللہ کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ بس کتنے ہی انسان ہیں جن کے حصے میں اس سے گمراہی آئے گی اور کتنے ہی ہیں' جن پر اس (کی سمجھ بوجھ سے) راہ (سعادت) کھل جائے گی- اور (خدا کا قانون یہ ہے کہ) وہ گمراہ نہیں کرتا مگرانہی لوگوں کو جو (ہدایت کی تمام حدیں توڑ کر) فاسق ہو گئے ہیں- (۲۶)

(فاسق کون ہیں؟ فاسق وہ ہیں) جو احکامِ الٰہی کی اطاعت کا عہد کر کے پھر اسے توڑ ڈالتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کے کاٹنے میں بے باک ہیں اور (اپنی بدعملیوں اور سرکشیوں سے) ملک میں فساد پھیلاتے ہیں سو (جن لوگوں کی شقاوتوں کا یہ حال ہے وہ ہمیشہ گمراہی کی چال ہی چلیں گے- اور فی الحقیقت) یہی لوگ ہیں جن کے لیے سرتاسر نامرادی اور نقصان ہے! (۲۷)

(اے[1] افرادِ نسلِ انسانی!) تم کس طرح اللہ سے (اور اس کی عبادت سے) انکار کر سکتے ہو جبکہ حالت یہ ہے کہ تمہارا وجود نہ تھا' اس نے زندگی بخشی پھر وہی ہے جو زندگی کے بعد موت طاری کرتا ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا' اور بالآخر تم سب کو اسی کے حضور لوٹنا ہے! (۲۸)

(اور[2] دیکھو) یہ اسی (پروردگار) کی کارفرمائی ہے کہ اس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں (تاکہ جس طرح چاہو ان سے کام لو) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان درست کر دیے (جن سے طرح طرح کے فوائد تمہیں حاصل ہوتے ہیں) اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے! (۲۹) اور (اے[3] پیغمبر اس حقیقت پر غور کر) جب ایسا ہوا تھا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا: ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں'' فرشتوں نے عرض کیا ''کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خونریزی کرے گی؟

---

۱ آخرت کی زندگی' اور پہلی پیدائش سے دوسری پیدائش پر استدلال-

۲ زمین کی مخلوقات میں نوعِ انسانی کی برتری اور مخلوقاتِ ارضی کا اس لیے ہونا تاکہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے-

۳ انسان کا زمین میں خدا کا خلیفہ ہونا' نوعِ انسانی کی معنوی تکمیل' آدم علیہ السلام کا ظہور اور قوموں کی ہدایت و ضلالت کی ابتدا-

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہوئے تیری پاکی وقدوسی کا اقرار کرتے ہیں (کہ تیری مشیت برائی سے پاک اور تیرا کام نقصان سے منزہ ہے!'') اللہ نے کہا ''میری نظر جس حقیقت پر ہے، تمہیں اس کی خبر نہیں!'' (۳۰)

(پھر جب ایسا ہوا کہ مشیت الٰہی نے جو کچھ چاہا تھا ظہور میں آ گیا) اور آدم نے (یہاں تک معنوی ترقی کی کہ) تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لیے، تو اللہ نے فرشتوں کے سامنے وہ (تمام حقائق) پیش کر دیے اور فرمایا ''اگر تم (اپنے شبہ میں) درستی پر ہو تو بتلاؤ ان (حقائق) کے نام کیا ہیں؟'' (۳۱) فرشتوں نے عرض کیا ''خدایا ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لیے ہیں- ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے- علم تیرا علم ہے اور حکمت تیری حکمت! (۳۲)'' (جب فرشتوں نے اس طرح اپنے عجز کا اعتراف کر لیا، تو) حکم الٰہی ہوا ''اے آدم، تم (اب) فرشتوں کو ان (حقائق) کے نام بتلا دو'' جب آدم نے بتلا دیے تو اللہ نے فرمایا ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے تمام غیب مجھ پر روشن ہیں؟ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے وہ بھی مجھ سے مخفی نہیں!'' (۳۳)

اور پھر[1] (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا- آدم کے آگے سربسجود ہو جاؤ- وہ جھک گئے، مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی اس نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ منکروں میں سے تھا- (۳۴)

پھر (ایسا ہوا) کہ ہم نے آدم سے کہا ''اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن چین کی زندگی بسر کرو- مگر دیکھو، وہ جو ایک درخت ہے تو کبھی اس کے پاس بھی نہ پھٹکنا- اگر تم اس کے قریب گئے تو (نتیجہ یہ نکلے گا کہ) حد سے تجاوز کر بیٹھو گے، اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں''- (۳۵)

پھر[2] (ایسا ہوا کہ) شیطان کی وسوسہ اندازی نے ان دونوں کے قدم ڈگمگا دیے، اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جیسی کچھ (راحت و سکون کی) زندگی بسر کر رہے تھے اس سے نکلنا پڑا- خدا کا حکم ہوا ''یہاں سے نکل جاؤ- تم میں سے ہر وجود دوسرے کا دشمن ہے-

[1] فرشتوں کا آدم کے سامنے سربسجود ہو جانا مگر ابلیس کا انکار کرنا - آدم علیہ السلام کی بہشتی زندگی اور شجر ممنوع-

[2] آدم علیہ السلام کی لغزش اور اعتراف قصور: قبولیت توبہ اور ایک نئی زندگی کا آغاز!

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٤٠﴾ وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾

ع

اب تمہیں (جنت کی جگہ) زمین میں رہنا ہے اور ایک خاص وقت تک کے لیے (جو علم الٰہی میں مقرر ہو چکا ہے) اس سے فائدہ اٹھانا ہے''(۳۶)

پھر ایسا ہوا کہ آدم نے اپنے پروردگار کی تعلیم سے چند کلمات معلوم کر لیے (جن کے لیے اس کے حضور قبولیت تھی) پس اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی - اور بلا شبہ وہی ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والا ہے اور اس کی درگزر کی کوئی انتہا نہیں! (۳۷)

(آدم کی توبہ قبول ہو گئی اور) ہمارا حکم ہوا' تو اب تم[1] سب یہاں سے نکل چلو (اور جس نئی زندگی کا دروازہ تم پر کھولا جا رہا ہے اسے اختیار کرو) لیکن (یاد رکھو) جب کبھی ایسا ہو گا کہ ہماری جانب سے تم پر راہ (حق) کھولی جائے گی تو (تمہارے لیے دو ہی راہیں ہوں گی) جو کوئی ہدایت کی پیروی کرے گا اس کے لیے کسی طرح کی غمگینی نہیں- (۳۸) جو کوئی انکار کرے گا اور ہماری نشانیاں جھٹلائے گا وہ دوزخی گروہ میں سے ہو گا - ہمیشہ عذاب میں رہنے والا - (۳۹)

اے بنی اسرائیل[2]! میری نعمت یاد کرو' وہ نعمت جس سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا اور دیکھو اپنا عہد پورا کرو (جو ہدایت قبول کرنے اور اس پر کاربند ہونے کا عہد ہے) میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا (جو ہدایت پر کاربند ہونے والوں کے لیے کامرانی و سعادت کا عہد ہے) اور دیکھو میرے سوا کوئی نہیں پس دوسروں سے نہیں صرف مجھی سے ڈرو! (۴۰)

اور اس کلام پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے' اور جو اس کلام کی تصدیق کرتا ہوا نمایاں ہوا ہے جو تمہارے پاس (پہلے سے) موجود ہے اور ایسا نہ کرو کہ اس کے انکار میں (شقاوت کا) پہلا قدم جو اٹھے وہ تمہارا ہو- اور (دیکھو) میرے سوا کوئی نہیں' پس میری نافرمانی سے بچو! (۴۱)

اور ایسا نہ کرو کہ حق کو باطل کے ساتھ ملا کر مشتبہ بنا دو اور حق کو چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو حقیقت حال کیا ہے؟ (۴۲)

---

[1] وحی الٰہی کی ہدایت اور انسان کی سعادت و شقاوت کا قانون-

[2] وحی الٰہی کی ہدایت کا جاری ہونا اور اس سلسلہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کہ کتاب اللہ کے سب سے بڑے حامل وحی سمجھے جاتے تھے-

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ربع ۵

اور نماز قائم کرو (جس کی حقیقت تم نے کھودی ہے) اور زکوٰۃ ادا کرو (جس کا تم میں اخلاص باقی نہیں رہا) اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں تو ان کے ساتھ تم بھی سر نیاز جھکا دو! (۴۳)

تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود اپنی خبر نہیں لیتے کہ تمہارے کاموں کا کیا حال ہے حالانکہ خدا کی کتاب تمہارے پاس ہے اور ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے ہو؟ (افسوس تمہاری عقلوں پر!) کیا اتنی سی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ (۴۴)

اور[1] (دیکھو) صبر اور نماز (کی قوتوں) سے (اپنی اصلاح میں) مدد لو لیکن نماز ایک ایسا عمل ہے جو (انسان کی راحت طلب طبیعت پر) بہت ہی کٹھن گزرتا ہے۔ (۴۵) البتہ جن لوگوں کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں' اور جو سمجھتے ہیں انہیں اپنے پروردگار سے ملنا اور (بالآخر) اس کے حضور لوٹنا ہے تو ان پر یہ عمل کٹھن نہیں ہو سکتا (۴۶)

اے بنی اسرائیل![2] میری نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا اور (خصوصاً) یہ (نعمت) کہ دنیا کی قوموں پر تمہیں فضیلت دی تھی۔ (۴۷) اُس دن کی پکڑ سے ڈرو جبکہ (انسان کی کوئی کوشش بھی اسے برے کاموں کے نتیجوں سے نہیں بچا سکے گی اس دن) نہ تو کوئی انسان دوسرے انسان کے کام آئے گا' نہ کسی کی سفارش سنی جائے گی' نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا' اور نہ کہیں سے کسی طرح کی مدد ملے گی! (۴۸)

اور (اپنی[3] تاریخ حیات کا) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں خاندان فرعون (کی غلامی) سے جنہوں نے تمہیں نہایت سخت عذاب میں ڈال رکھا تھا نجات دی تھی۔ وہ تمہارے لڑکوں کو بے دریغ ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمہاری نسل نابود ہو جائے) اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے (حکمراں قوم کی لونڈیاں بن کر زندگی بسر کریں) اور فی الحقیقت اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے بڑی ہی آزمائش تھی! (۴۹)

---

۱ ''صبر'' اور ''نماز'' دو بڑی روحانی قوتیں ہیں جن سے اصلاح نفس اور انقلاب حال میں مدد لی جا سکتی ہے۔

۲ بنی اسرائیل کے ایام و وقائع کا تذکرہ اور قوموں کی ہدایت و ضلالت کے حقائق۔

۳ مصر کے فرعونوں کی غلامی سے نجات اور کتاب و فرقان کا عطیہ لیکن بنی اسرائیل کا مصری بت پرستی کی طرف مائل ہو جانا اور گوسالہ پرستی شروع کر دینی۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى أَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَإِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ إِنَّكُمْ
ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا إِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا أَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ
الصّٰعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ

اور پھر وہ وقت یاد کرو جب (تم مصر سے نکلے تھے اور فرعون تمہارا تعاقب کر رہا تھا) ہم نے سمندر کا پانی اس طرح الگ الگ کر دیا کہ تم بچ نکلے مگر فرعون کا گروہ غرق ہوگیا' اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے! (۵۰)

اور (پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں والا وعدہ کیا تھا- (پھر جب ایسا ہوا کہ وہ چالیس دن کے لیے تمہیں چھوڑ کر پہاڑ پر چلا گیا تو اس کے جاتے ہی) تم نے ایک بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی' اور تم راہ حق سے ہٹ گئے تھے- (۵۱) (یہ تمہاری بڑی ہی گمراہی تھی) لیکن ہم نے (اپنی رحمت سے) درگزر کی تا کہ اللہ کی بخشائشوں کی قدر کرو- (۵۲)

اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے (چالیس راتوں والا وعدہ پورا کیا تھا' اور) موسیٰ کو الکتاب (یعنی تورات) اور الفرقان (یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) عطا فرمائی تھی' تا کہ تم پر (سعادت و فلاح کی) راہ کھل جائے (۵۳)

اور (پھر وہ وقت) جب موسیٰ (کتاب الٰہی کا عطیہ لے کر پہاڑ سے اترا تھا اور تمہیں ایک بچھڑے کی پوجا میں سرگرم دیکھ کر) پکار اٹھا تھا: اے میری قوم! (افسوس تمہاری حق فراموشی پر!) تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ کر دیا ہے- پس چاہیے کہ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور گوسالہ پرستی کے بدلے اپنی جانوں کو قتل کرو- اسی میں خدا کے نزدیک تمہارے لیے بہتری ہے- چنانچہ تمہاری توبہ قبول کر لی گئی' اور اللہ بڑا ہی رحمت والا' اور رحمت سے درگزر کرنے والا ہے! (۵۴)

اور (پھر[1] وہ واقعہ یاد کرو) جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم کبھی تم پر یقین کرنے والے نہیں جب تک کہ کھلے طور پر اللہ کو (تم سے بات کرتا ہوا) نہ دیکھ لیں- پھر (تمہیں یاد ہے کہ اس گمراہانہ جسارت کا نتیجہ کیا نکلا تھا؟ یہ نکلا تھا کہ) بجلی کے کڑاکے نے (اچانک) آ گھیرا' اور تم نظر اٹھائے تک رہے تھے! (۵۵)

پھر ہم نے تمہیں اس ہلاکت کے بعد (دوبارہ) اٹھا کھڑا کیا تا کہ اپنے آپ کو نعمت الٰہی کا قدر شناس ثابت کرو! (۵۶) اور (پھر جب[2] ایسا ہوا تھا کہ صحرائے سینا کی بے آب و گیاہ سرزمین میں دھوپ کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہو جانے والے

---

[1] بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ ان کے دلوں میں وحی الٰہی پر کامل یقین نہ تھا-

[2] صحرائے سینا کی بے آب و گیاہ سرزمین میں زندگی کی تمام ضروریات کا مہیا ہو جانا لیکن بنی اسرائیل کا کفران نعمت کرنا-

وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ

تھے' تو) ہم نے تمہارے سروں پر ابر کا سایہ پھیلا دیا اور من ☆ اور سلویٰ کی غذا فراہم کر دی (تم سے کہا گیا:) خدا نے تمہاری غذا کے لیے جو اچھی چیزیں مہیا کر دی ہیں انہیں بفراغت کھاؤ' اور کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کرو (لیکن اس پر بھی تم اپنی بدعملیوں سے باز نہ آئے۔ غور کرو) تم نے (اپنی ناشکریوں سے) ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔ (۵۷)

اور پھر[1] (کیا اس وقت کی یاد بھی تمہارے اندر عبرت پیدا نہیں کر سکتی) جب (ایک شہر کی آبادی تمہارے سامنے تھی اور) ہم نے حکم دیا تھا کہ اس آبادی میں (فتح مندانہ) داخل ہو جاؤ اور پھر کھاؤ پیؤ' آرام چین کی زندگی بسر کرو' لیکن جب شہر کے دروازے میں قدم رکھو' تو تمہارے سر اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہوں اور تمہاری زبانوں پر توبہ واستغفار کا کلمہ جاری ہو کہ ''حطة! حطة! (خدایا ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کر دے! اگر تم نے ایسا کیا' تو) اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے گا' اور (اس کا قانون یہی ہے کہ) نیک کردار انسانوں کے اعمال میں برکت دیتا ہے اور ان کے اجر میں فراوانی ہوتی رہتی ہے۔ (۵۸) لیکن پھر ایسا ہوا کہ تم میں سے ان لوگوں نے جن کی راہ ظلم و شرارت کی راہ تھی خدا کی بتلائی ہوئی بات ایک دوسری بات سے بدل ڈالی (اور عجز و عبودیت کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہو گئے) نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و شرارت کرنے والوں پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا اور یہ ان کی نافرمانیوں کی سزا تھی۔ (۵۹) اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو[2]) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تھا اور ہم نے حکم دیا تھا اپنی لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ (تم دیکھو گے کہ پانی تمہارے لیے موجود ہے۔ موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی۔ (اس وقت تم سے کہا گیا تھا) کھاؤ پیو خدا کی بخشائش سے فائدہ اٹھاؤ اور اس سر زمین میں جھگڑا فساد نہ کرو۔ (۶۰) اور پھر (دیکھو[3] تمہاری تاریخ حیات کا وہ واقعہ بھی کس درجہ عبرت انگیز ہے) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا ہم سے

۱ بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ جب انہیں فتح و کامرانی عطا کی گئی تو عبودیت و نیاز کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہو گئے۔

۲ صحرائے سینا میں پانی کے چشموں کا نمایاں ہو جانا لیکن بنی اسرائیل کا پانی کے لیے آپس میں جھگڑا اور فتنہ وفساد پھیلانا۔

۳ محکومی و غلامی سے قوم کا اخلاق پست ہو جاتا ہے اور بلند مقاصد کے لیے جوش و عزم باقی نہیں رہتا۔ بنی اسرائیل فراعنہ مصر کی ⇦

☆ ''من'' درخت کا شیرہ ہے جو گوند کی طرح جم جاتا ہے اور خوش ذائقہ و مقوی ہوتا ہے۔ ''سلویٰ'' ایک پرند ہے۔ یہ دونوں چیزیں کوہ طور کے اطراف و جوانب میں بکثرت ہوتی ہیں۔ ''من'' کا حلوا میں نے خود کھایا ہے جو فلسطین کے یہودی بنایا کرتے ہیں۔ ۱۲

عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ؑ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ

ع ۷

یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی طرح کے کھانے پر قناعت کرلیں، پس اپنے پروردگار سے دعا کرو ہمارے لیے وہ تمام چیزیں پیدا کر دی جائیں جو زمین کی پیداوار ہیں- سبزی، ترکاری، گیہوں، دال، پیاز، لہسن وغیرہ (جو مصر میں ہم کھایا کرتے تھے) موسیٰ نے یہ سن کر کہا (افسوس تمہاری غفلت اور بے حسی پر!) کیا تم چاہتے ہو ایک ادنیٰ سی بات کے لیے (یعنی غذا کی لذت کے لیے) اس (مقصد عظیم) سے دست بردار ہو جاؤ جس میں بڑی ہی خیر و برکت ہے؟ (یعنی قومی آزادی وسعادت سے؟ اچھا اگر تمہاری غفلت و بدبختی کا یہی حال ہے تو) یہاں سے نکلو، شہر کی راہ لو، وہاں یہ تمام چیزیں مل جائیں گی جن کے لیے ترس رہے ہو- بہر حال بنی اسرائیل پر خواری و نامرادی کی مار پڑی اور خدا کے غضب کے سزاوار ہوئے اور یہ اس لیے ہوا کہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کے ناحق قتل میں بے باک تھے، اور (گمراہی و شقاوت کی یہ روح ان میں) اس لیے (پیدا ہوگئی) کہ (اطاعت کی جگہ) سرکشی سما گئی تھی اور تمام حدیں توڑ کر بے لگام ہو گئے تھے! (۶۱) جو لوگ[1] (پیغمبر اسلام پر) ایمان لا چکے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی ہو اور کسی گروہ بندی میں سے ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا- اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی! (۶۲) اور پھر (اپنی تاریخ حیات کا وہ وقت بھی یاد کرو[2]) جب ہم نے تم سے تمہارا عہد لیا تھا اور (یہ وہ وقت تھا کہ تم نیچے کھڑے تھے اور) کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں: (دیکھو) جو کتاب تمہیں دی گئی ہے اس پر

⇦ غلامی سے آزاد ہو گئے تھے- اور قومی عظمت کا مستقبل ان کے سامنے تھا، لیکن وہ ان حقیر راحتوں کے لیے ترستے تھے جو مصر کی غلامانہ زندگی میں میسر تھیں، اور وہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں شاق گذرتی تھیں جو آزادی و عظمت کی راہ میں پیش آتی تھیں!

[1] اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان و عمل سے وابستہ ہے- نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں- یہودی جب ایمان و عمل سے محروم ہو گئے تو نہ تو ان کی نسل ان کے کام آئی نہ یہودیت کی گروہ بندی سودمند ہو سکی- خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں؟ بلکہ صرف یہ دیکھا کہ عمل کا کیا حال ہے؟ اور پھر جب آزمائش عمل میں پورے نہ اترے تو مغضوب و نامراد ہو گئے!

[2] بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ شریعت کے احکام پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے اور ان سے بچنے کے لیے طرح طرح کے شرعی حیلے گھڑ لیے تھے یعنی محض نمائشی طور پر تو ان کی تعمیل کر لیتے لیکن جو کچھ حقیقی مقصد تھا وہ پورا نہ کرتے-

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ

مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھو (اور یہ اس لیے ہے) تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو۔ (۶۳) لیکن پھر تم اپنے عہد سے پھر گئے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارا ساتھ نہ دیتی تو (تمہاری گمراہی کی چال تو ایسی تھی کہ) فوراً ہی تباہی کے حوالے ہو جاتے۔ (۶۴)

اور یقیناً تم ان لوگوں کے حال سے بے خبر نہیں ہو جو تم ہی میں سے تھے اور جنہوں نے ''سبت'' (یعنی تعطیل اور عبادت کے مقدس دن) کے معاملہ میں راست بازی کی حدیں توڑ ڈالی تھیں (یعنی حکم شریعت سے بچنے کے لیے حیلوں اور مکاریوں سے کام لیا تھا) ہم نے کہا ذلیل وخوار بندروں کی طرح ہو جاؤ۔ (انسانوں کے پاس سے ہمیشہ دھتکارے نکالے جاؤ گے) (۶۵) چنانچہ ایسا ہی ہوا' اور ہم نے اس معاملہ کو ان سب کے لیے جن کے سامنے ہوا اور ان کے لیے بھی جو بعد کو پیدا ہوئے تازیانۂ عبرت بنا دیا اور ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں اس میں نصیحت و دانائی رکھ دی۔ (۶۶)

اور پھر[1] (وہ معاملہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کا حکم ہے ایک گائے ذبح کر دو۔ (بجائے اس کے کہ راست بازی کے ساتھ اس پر عمل کرتے' لگے طرح طرح کی کٹ حجتیاں کرنے) کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے تم ہمارے ساتھ تمسخر کر رہے ہو۔ موسیٰ نے کہا نعوذ باللہ اگر میں (احکام الٰہی کی تبلیغ میں تمسخر کروں اور) جاہلوں کا سا شیوہ اختیار کروں۔ (۶۷) (یہ سن کر) وہ بولے (اگر ایسا ہی ہے تو) اپنے پروردگار سے درخواست کرو وہ کھول کر بیان کر دے کس طرح کا جانور ذبح کرنا چاہیے؟ (یعنی ہمیں تفصیلات معلوم ہونی چاہییں) موسیٰ نے کہا۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ ایسی گائے ہو جو نہ تو بالکل بوڑھی' ہو نہ بالکل بچھیا۔ درمیانی عمر کی ہو۔ اور اب (کہ تمہیں تفصیل کے ساتھ حکم مل گیا ہے) چاہیے کہ اس کی تعمیل کرو۔ (۶۸) (لیکن انہوں نے پہلے سوال کا جواب پا کر ایک دوسرا سوال کھڑا کر دیا) کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ یہ بھی بتلا دے کہ جانور کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟ موسیٰ نے کہا۔ حکم الٰہی یہ ہے کہ اس کا رنگ پیلا ہو۔

---

[1] کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی گمراہی۔ یعنی احکام حق کی سیدھی سادھی اطاعت کرنے کی جگہ ردوکد کرنا' طرح طرح کے سوالات گھڑنا' بلاضرورت باریک بینیاں اور دقیقہ سنجیاں کرنی اور شریعت کی سادگی اور آسانی کو سختی اور پیچیدگی سے بدل دینا۔ حکم ذبح کے لیے گنتی باب ۱۹۔۲۰، استثنا ۲۱:۲ دیکھو۔

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ع ۸

خوب گہرا پیلا- ایسا کہ دیکھنے والوں کا جی دیکھ کر خوش ہو جائے- (۶۹) (جب رنگ کی خصوصیت بھی معین ہو چکی تو انہوں نے اور الجھاؤ پیدا کر دیا) کہنے لگے (ان ساری باتوں کے بعد بھی) ہمارے لیے جانور کی پہچان مشکل ہے اپنے پروردگار سے کہو کہ (اور زیادہ کھول کے) بتلا دے کہ جانور کیسا ہونا چاہیے؟ ان شاء اللہ ہم ضرور پتہ لگا لیں گے- (۷۰) اس پر موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے- ایسی گائے ہو جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو نہ کبھی آب پاشی کے لیے کام میں لائی گئی ہو- پوری طرح صحیح سالم' داغ دھبے سے پاک وصاف- (جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا تو پھر[1] عاجز ہو کر بولے- ہاں اب تم نے ٹھیک ٹھیک بات بتلا دی- چنانچہ جانور ذبح کیا گیا- اگرچہ ایسا کرنے پر وہ (دل سے) آمادہ نہ تھے- (۷۱) اور پھر (غور کرو وہ واقعہ) جب تم نے (یعنی تمہاری قوم نے) ایک جان ہلاک کر دی تھی' اور اس کی نسبت آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے اور جو بات تم چھپانی چاہتے تھے خدا اسے آشکارا کر دینے والا تھا- (۷۲) چنانچہ ایسا ہوا کہ ہم نے حکم دیا اس (شخص) پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے بعض (اجزائے جسم) سے ضرب لگاؤ (جب ایسا کیا گیا تو حقیقت کھل گئی اور قاتل کی شخصیت معلوم ہو گئی) اللہ اسی طرح مردوں کو زندگی بخشتا اور تمہیں اپنی (قدرت وحکمت کی) نشانیاں دکھلاتا ہے تاکہ سمجھ بوجھ سے کام لو- (۷۳)

اور پھر تمہارے دل سخت پڑ گئے-[2] ایسے سخت' گویا پتھر کی چٹانیں ہیں! (نہیں) ! بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت کیونکہ پتھروں میں تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور انہی پتھروں میں ایسی چٹانیں بھی ہیں جو شق ہو کر دو ٹکڑے ہو جاتی ہیں اور ان میں سے پانی اپنی راہ نکال لیتا ہے' اور پھر انہی میں وہ چٹانیں بھی ہوئیں جو خوف الٰہی سے (لرز کر) گر پڑتی ہیں (پس افسوس ان دلوں پر' جن کے آگے پتھر کی سختی اور چٹانوں کا جماؤ بھی ماند پڑ جائے) اور (یاد رکھو) خدا (کا قانون) تمہارے کرتوتوں کی طرف سے غافل نہیں ہے- (۷۴)

---

[1] بنی اسرائیل کا قتل نفس میں بے باک ہو جانا جو شریعت الٰہی کے رو سے انسان کا بڑے سے بڑا جرم ہے-

[2] بنی اسرائیل کی قلبی واخلاقی حالت کا انتہائی تنزل حتی کہ اس حالت کا پیدا ہو جانا جب عبرت پذیری اور تنبہ کی استعداد یک قلم معدوم ہو جاتی ہے اور فکر انسان اپنی تباہ شدہ حالت پر قانع ومطمئن ہو جاتا ہے-

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَالُوٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ قَالُوٓا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

النصف

(مسلمانو![1] کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ (کلام حق پر غور کریں گے اور اس کی سچائی پرکھ کر) تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور اس کا مطلب سمجھتا تھا لیکن پھر بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتا تھا (یعنی اس کا مطلب بدل دیتا تھا)۔ (۷۵) اور (دیکھو ان کا حال تو یہ ہے کہ) جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں' تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں لیکن جب اکیلے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں "جو کچھ تمہیں خدا نے (تورات کا) علم دیا ہے وہ ان لوگوں پر کیوں ظاہر کرتے ہو؟ کیا اس لیے کہ وہ تمہارے خلاف تمہارے پروردگار کے حضور اس سے دلیل پکڑیں (یعنی تورات سے تمہارے خلاف دلیل لائیں؟) کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھتے؟" (۷۶) (افسوس ان کے دعوائے ایمان وحق پرستی پر!) کیا یہ نہیں جانتے کہ (معاملہ انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے اور) اللہ کے علم سے کوئی بات چھپی نہیں؟ وہ جو کچھ چھپا رکھتے ہیں اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی اس کے سامنے ہے؟ (۷۷)

اور پھر انہی[2] میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان پڑھ ہیں' اور جہاں تک کتاب الٰہی کا تعلق ہے (خوش اعتقادی کی) آرزوؤں اور ولولوں کے سوا اور کچھ نہیں جانتے' اور محض وہموں گمانوں میں مگن ہیں (۷۸) پس افسوس ان پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں (یعنی اپنی رایوں اور خواہشوں کے مطابق احکام شرع کی کتابیں بناتے ہیں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ کتاب الٰہی کے احکام ہیں) اور یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس کے بدلے میں ایک حقیری سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کرلیں۔ پس افسوس اس پر جو کچھ ان کے ہاتھ لکھتے ہیں' اور افسوس اس پر' جو کچھ وہ اس ذریعہ سے کماتے ہیں! (۷۹) یہ لوگ (یعنی یہودی) کہتے ہیں[3] جہنم کی آگ ہمیں کبھی چھونے والی

[1] بنی اسرائیل کے گذشتہ ایام ووقائع کے ذکر کے بعد ان کے موجود اعمال واقوال پر تبصرہ' ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کی تشریح اور دین الٰہی کے حجج وبراہین۔ سب سے پہلی اور بنیادی گمراہی یہ ہے کہ نہ تو کتاب اللہ کا سچا علم باقی رہا ہے نہ سچا عمل!

[2] ان کے علما حق فروش ہیں' اور عوام کا سرمایۂ دین خوش اعتقادی کی آرزوؤں اور جہالت کے ولولوں کے سوا کچھ نہیں ہے! یہودیوں کے علما کی یہ گمراہی کہ کتاب اللہ کے احکام پر اپنی رایوں اور خواہشوں کو ترجیح دیتے اور پھر اپنے گھڑے ہوئے حکموں اور مسئلوں کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل بتلاتے۔

[3] یہودیوں کی یہ گمراہی کہ سمجھتے تھے' ان کی امت نجات یافتہ امت ہے۔ اس لیے ممکن نہیں کہ کوئی یہودی ہمیشہ کے لیے ⇐

إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا
تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ

ع ۹

نہیں (کیونکہ ہماری امت خدا کے نزدیک نجات پائی ہوئی امت ہے) اگر ہم آگ میں ڈالے بھی جائیں گے تو (اس لیے نہیں کہ ہمیشہ عذاب میں رہیں بلکہ) صرف چند گنے ہوئے دنوں کے لیے (تاکہ گناہ کے میل کچیل سے پاک صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہوں) - اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو یہ بات جو تم کہتے ہو تو (دو حالتوں سے خالی نہیں - یا تو) تم نے خدا سے (غیر مشروط) نجات کا کوئی پٹہ لکھا لیا ہے کہ اب وہ اس کے خلاف جا نہیں سکتا' اور یا پھر تم خدا کے نام پر ایک ایسی بات کہہ رہے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں - (۸۰)

نہیں (آخرت کی نجات کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ ہر حال میں اسی کے لیے ہو - خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کوئی انسان ہو اور کسی گروہ کا ہو' لیکن) جس کسی نے بھی اپنے کاموں سے برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا' تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے - ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا (۸۱) اور جو کوئی بھی ایمان لایا اور اس کے کام بھی اچھے ہوئے تو وہ بہشتی گروہ میں سے ہے - ہمیشہ بہشت میں رہنے والا - (۸۲) اور پھر (وہ وقت) یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (وہ عہد کیا تھا؟ کیا اسرائیلیت کے گھمنڈ اور یہودی گروہ بندی کی نجات یافتگی کا عہد تھا؟ نہیں' ایمان و عمل کا عہد تھا) اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا' ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا' عزیزوں قریبوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا' یتیموں مسکینوں کی خبر گیری کرنا' تمام انسانوں سے اچھا برتاؤ کرنا' نماز قائم کرنی' زکوٰۃ ادا کرنی (ایمان و عمل کی یہی بنیادی سچائیاں ہیں جن کا تم سے عہد لیا گیا تھا) (لیکن تم اس عہد پر قائم نہیں رہے) ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب الٹی چال چلے' اور حقیقت یہ ہے کہ (ہدایت کی طرف سے) تمہارے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں - (۸۳) اور پھر (وہ معاملہ یاد کرو[1]) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے تم

⇐ دوزخ میں نہیں ڈالا جائے - قرآن ان کے اس زعم باطل کا رد کرتا ہے اور کہتا ہے جنت و دوزخ کی تقسیم قوموں کی تقسیم کی بنا پر نہیں ہے کہ کسی خاص قوم کے لیے جنت ہو' اور باقی کے لیے دوزخ' بلکہ اس کا تمام تر دار و مدار ایمان و عمل پر ہے - جس انسان نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ برائی کمائی' اس کے لیے برائی یعنی عذاب ہے اور جس کسی نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ اچھائی کمائی اس کے لیے اچھائی یعنی نجات ہے - خواہ وہ کوئی ہو' اور کسی گروہ بندی کا ہو!

[1] پیروان مذاہب کی گمراہی کی وہ حالت' جبکہ اتباع دین کی روح یک قلم مفقود ہو جاتی ہے' اور دینداری کی نمائش صرف اس ⇐

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

ع ۱۰

سے عہد لیا تھا: آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو (یعنی اپنی جماعت کے افراد کو) جلا وطن کرو گے- تم نے اس کا اقرار کیا تھا- اور تم (اب بھی) یہ بات مانتے ہو- (۸۴) لیکن پھر (دیکھو) تم ہی وہ اقرار کرنے والی جماعت ہو جس کے افراد ایک دوسرے کو بے دریغ قتل کرتے ہیں اور ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف ظلم و معصیت سے جتھا بندی کر کے اسے اس کے وطن سے نکال باہر کرتا ہے (اور تم میں سے کسی کو بھی یہ بات یاد نہیں آتی کہ اس بارے میں خدا کی شریعت کے احکام کیا ہیں؟) لیکن پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تمہارے جلا وطن کیے ہوئے آدمی (دشمنوں کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں اور) قیدی ہو کر تمہارے سامنے آتے ہیں تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو (اور کہتے ہو شریعت کی رو سے ایسا کرنا ضروری ہے) حالانکہ (اگر شریعت کے حکموں کا تمہیں اتنا ہی پاس ہے تو) شریعت کی رو سے تو یہی بات حرام تھی کہ انہیں ان کے گھروں اور بستیوں سے جلا وطن کر دو (پھر یہ گمراہی کی کیسی انتہا ہے کہ قیدیوں کے چھڑانے اور ان کے فدیہ کے لیے مال جمع کرنے میں تو شریعت یاد آ جاتی ہے لیکن اس ظلم و معصیت کے وقت یاد نہیں آتی جس کی وجہ سے وہ دشمنوں کے ہاتھ پڑے اور قید ہوئے؟) کیا یہ اس لیے ہے کہ کتاب الٰہی کا کچھ حصہ تو تم مانتے ہو اور کچھ حصے سے منکر ہو؟ پھر بتلاؤ تم میں سے جن لوگوں کے کاموں کا یہ حال ہے انہیں پاداش عمل میں اس کے سوا کیا مل سکتا ہے کہ دنیا میں ذلت و رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب! یاد رکھو اللہ (کا قانون جزا) تمہارے کاموں کی طرف سے غافل نہیں ہے! (۸۵) یقیناً یہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت (کی زندگی) تاراج کر کے دنیا کی زندگی مول لی ہے- (پس ایسے لوگوں کے لیے علاج کی کوئی امید نہیں) نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی، نہ کہیں سے مدد پا سکیں گے- (۸۶) اور (پھر دیکھو) ہم نے (تمہاری رہنمائی کے لیے پہلے) موسیٰ

⇦ کے لیے کی جاتی ہے تا کہ نفسانی خواہشوں اور کام جوئیوں کے لیے اسے آلۂ کار بنایا جائے- اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے بنیادی اور اصولی احکام پر تو کوئی توجہ نہیں کرتا- لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں پر جو نمائش اور ریاکاری کا ذریعہ ہو سکتی ہیں اور جن کے کرنے میں کچھ چھوڑنا اور کھونا نہیں پڑتا، بہت زور دیا جاتا ہے- حالانکہ اگر ان اصولی باتوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جاتا تو یہ فروعی خلاف ورزیاں ظہور ہی میں نہ آتیں- علمائے یہود اسی گمراہی میں مبتلا تھے-

لے یہ حالت اس بات کا نتیجہ ہے کہ راست بازی اور حق پرستی کی جگہ نفسانی خواہشوں کی پرستش کی جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ غرض ⇦

وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ

کو کتاب دی- پھر موسیٰ کے بعد ہدایت کا سلسلہ پے در پے رسولوں کو بھیج کر جاری رکھا' بالآخر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو سچائی کی روشن نشانیاں دیں' اور روح القدس کی تائید سے ممتاز کیا' (لیکن ان میں سے ہر دعوت کی تم نے مخالفت کی) پھر کیا تمہارا شیوہ ہی یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کا کوئی رسول ایسی دعوت لے کر آئے جو تمہاری نفسانی خواہشوں کے خلاف ہو' تو تم اس کے مقابلے میں سرکشی کر بیٹھو' اور کسی کو جھٹلاؤ' کسی کو قتل کر دو- (۸۷)

اور (یہ لوگ اپنے جماؤ اور بے حسی کی حالت پر فخر کرتے ہیں' اور) کہتے ہیں[1] 'ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں (یعنی اب کسی نئی بات کا اثر ان تک پہنچ ہی نہیں سکتا حالانکہ یہ اعتقاد کی پختگی اور حق کا ثبات نہیں ہے) بلکہ انکار حق کے تعصب کی پھٹکار ہے (کہ کلام حق سننے اور اثر پذیر ہونے کی استعداد ہی کھو دی) اور اسی لیے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ دعوت حق سنیں اور قبول کریں- (۸۸)

چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے ان کے پاس موجود ہے تو باوجودیکہ وہ (تورات کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس کے ظہور کے منتظر تھے' اور) کافروں کے مقابلے میں اس کا نام لے کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے' لیکن جب وہی جانی بوجھی ہوئی بات سامنے آ گئی' تو صاف انکار کر گئے' پس ان لوگوں کے لیے جو (جان بوجھ کر) کفر کی راہ اختیار کریں اللہ کی لعنت ہے' (یعنی ایسوں پر فلاح و سعادت کی راہ کبھی نہیں کھلتی)- (۸۹)

(افسوس ان کی شقاوت پر[2]!) کیا ہی بری قیمت ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کا سودا چکایا! انہوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی سچائی سے انکار کیا' اور صرف اس لیے انکار کیا کہ وہ جس کسی پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کر دیتا ہے (اس میں خود ان کی نسل

⇐ پرستوں نے ہمیشہ داعیان حق و اصلاح کی مخالفت کی ہے- بنی اسرائیل کے تکذیب رسل اور قتل انبیا سے استشہاد' کہ جس طرح ہمیشہ سچائی کے منکر و معاند رہے' اسی طرح اب بھی انکار و عناد میں سرگرم ہیں-

[1] حق کے اثبات اور تقلید کے جمود میں فرق ہے- خیالات کی ایسی پختگی میں کوئی خوبی نہیں کہ ہم دوسروں کی بات سننے ہی سے انکار کر دیں- علمائے یہود ایسے ہی جمود میں مبتلا تھے' اور اسے اعتقاد کی پختگی سمجھ کر فخر کرتے تھے-

[2] قبول حق کی راہ میں جو موانع پیش آتے ہیں' ان میں سب سے بڑا مانع نسلی' جماعتی' یا شخصی حسد ہے-

اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ‌ؕ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡا‌ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ‌ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ

وجماعت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے پہلے ہی ذلیل وخوار ہو چکے تھے' لیکن اس نئے انکار سے اور زیادہ ذلت وخواری کے سزاوار ہوئے) پس اللہ کا غضب بھی ایک کے بعد ایک ان کے حصے میں آیا اور اس کا قانون یہی ہے کہ انکار حق کرنے والوں کے لیے (ہمیشہ) رسوا کرنے والا عذاب ہوتا ہے! (۹۰)

اور جب ان لوگوں[1] سے کہا جاتا ہے جو کچھ خدا نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو صرف وہی بات کہیں گے جو ہم پر اتری ہے (یعنی اس کے سوا جو کچھ ہے اس سے انہیں انکار ہے)۔

حالانکہ وہ خدا کا سچا کلام ہے جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتا ہوا نمودار ہوا ہے۔ اے پیغمبر' تم ان لوگوں سے کہو اچھا اگر واقعی تم (اپنی کتاب پر) ایمان رکھنے والے ہو (اور قرآن کی دعوت سے صرف اس لیے انکار کرتے ہو کہ تورات پر ایمان رکھنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں) تو پھر تم نے پچھلے وقتوں میں خدا کے نبیوں کو کیوں قتل کیا (جو تمہیں تورات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے' اور کیوں ایمان کی جگہ انکار وسرکشی کی راہ اختیار کی؟) (۹۱) اور پھر دیکھو' یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمہارے پاس آیا لیکن جب (چالیس دن کے لیے) تم سے الگ ہو گیا تو تم بچھڑے کے پیچھے پڑ گئے' اور ایسا کرتے ہوئے یقیناً تم حق سے گزر گئے تھے۔ (۹۲) اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (دین الٰہی پر قائم رہنے کا) تم سے عہد لیا تھا اور کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں (تو تم نے اس کے بعد کیا کیا؟ تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ) ''جو کتاب تمہیں دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور اس کے حکموں پر کاربند ہو'' تم نے (زبان سے) کہا سنا اور (دل سے کہا) نہیں مانتے۔ اور پھر ایسا ہوا کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دلوں میں بچھڑے کی پوجا رچ گئی (اے پیغمبر) ان سے کہو (دعوت حق سے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے) تم اپنے جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اگر وہ یہی ایمان ہے تو افسوس اس ایمان پر' کیا ہی

[1] اہل کتاب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ جب انہیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہمارے پاس ہمارا دین موجود ہے۔ ہمیں کسی نئی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس دین کو اپنا دین کہتے ہیں اس پر ان کا عمل کب ہے؟ قرآن کہتا ہے دین سب کے لیے اور سب کا ایک ہی ہے' اور میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ پچھلی سچائیوں کی جگہ کوئی نیا دین پیش کروں بلکہ اس لیے آیا ہوں کہ ان کا سچا اعتقاد اور عمل پیدا کر دوں۔

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

ع ۱۱

بری راہ ہے جس پر تمہارا ایمان تمہیں لے جا رہا ہے! (۹۳)

(یہ لوگ کہتے ہیں[1] آخرت کی نجات صرف اسی کے حصے میں آئی ہے) تم ان سے کہو اگر آخرت کا گھر خدا کے نزدیک صرف تمہارے ہی لیے ہے- اور تم اپنے اس اعتقاد میں سچے ہو تو (تمہیں دنیا کی جگہ آخرت کا طلب گار ہونا چاہیے- پس بے خوف ہو کر) موت کی آرزو کرو (حیات فانی کے پجاری نہ بنو) (۹۴) اے پیغمبر! تم دیکھ لو گے کہ یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جس کا ذخیرہ جمع کر چکے ہیں- کبھی ایسا کرنے والے نہیں اور اللہ ظلم کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے- (۹۵)

اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ تم دیکھو گے' زندگی کی سب سے زیادہ حرص رکھنے والے یہی لوگ ہیں- مشرکوں سے بھی زیادہ (ان مدعیان توحید کے دلوں میں حیات فانی کا عشق ہے) ان میں سے ایک ایک آدمی کا دل یہ حسرت رکھتا ہے کہ کاش ایک ہزار برس تک تو جیے! حالانکہ عمر کی درازی انہیں عذاب آخرت سے نجات نہیں دلا دے گی اور جو کچھ کر رہے ہیں' اللہ کی نظر سے چھپا ہوا نہیں ہے! (۹۶)

(اے پیغمبر[2]) یہ اللہ کا کلام ہے جو جبرائیل نے اس کے حکم سے تمہارے دل میں اتارا ہے اور یہ اس کلام کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہے' جو اس سے پہلے نازل ہو چکا ہے- اس میں انسان کے لیے ہدایت ہے اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (فلاح و کامیابی کی) بشارت (۹۷) (پھر اگر یہ لوگ اللہ کی وحی و نبوت کے سلسلہ کے مخالف ہیں اور جہل و تعصب سے کہتے ہیں ہم جبریلؑ کا اتارا ہوا کلام نہیں مانیں گے اس سے ہماری دشمنی ہے تو) تم کہہ دو جو کوئی اللہ کا' اس کے فرشتوں کا' اس کے رسولوں کا' اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہے' تو یقیناً اللہ بھی منکرین حق کا دوست نہیں ہے! (۹۸) اے پیغمبر[3]! یقین کرو' ہم نے تم پر سچائی کی روشن دلیلیں

---

[1] جن کے دل میں نجات اخروی کا سچا یقین ہے وہ موت سے خائف اور حیات دنیوی کے پجاری نہیں ہو سکتے - بنی اسرائیل کی دنیا پرستی اور حیات دنیوی کی حرص سے ان کے ایمان و یقین سے محرومی پر استشہاد-

[2] جو کوئی سلسلۂ وحی کا مخالف ہے- تو وہ اللہ اور اس کے قوانین ہدایت کا مخالف ہے-

[3] پیغمبر اسلام سے خطاب کہ دعوت حق کا ظہور سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ ہوا ہے' جن سے کوئی راست باز انسان انکار نہیں-

اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَا یَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙۗ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ؕ وَ مَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ

نازل کی ہیں' اور ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر صرف وہی جو راست بازی کے دائرہ سے باہر ہو گیا ہے- (۹۹)

جب کبھی ان لوگوں نے اتباع حق کا کوئی عہد کیا تو کسی نہ کسی گروہ نے ضرور ہی اسے پس پشت ڈال دیا اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے دل ایمان سے خالی ہیں! (۱۰۰)

چنانچہ (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اللہ کا ایک رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آیا جو پہلے سے ان کے پاس موجود تھی (یعنی حضرت مسیح کا ظہور ہوا) تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے کہ کتاب الٰہی رکھتے تھے' کتاب الٰہی اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دی گویا اسے جانتے ہی نہیں! (۱۰۱)

اور پھر[۱] (دیکھو) ان لوگوں نے (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کر کے جادوگری کے) ان (مشرکانہ) عملوں کی پیروی کی جنہیں شیطان سلیمان کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کر کے پڑھا پڑھایا کرتے تھے- حالانکہ سلیمان کبھی کفر کا مرتکب نہیں ہوا- دراصل یہ انہی شیطانوں کا کفر تھا کہ لوگوں کو جادوگری سکھلاتے تھے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی (جیسا کہ ان لوگوں میں مشہور ہے- واقعہ یہ ہے کہ) وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھلاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھلاتے تھے کہ دیکھو ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے' پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ (یعنی جادوگری کی باتوں کا برا ہونا ایک ایسی مانی ہوئی بات ہے' کہ جو لوگ اس کے سکھانے والے تھے وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ بات خدا پرستی کے خلاف ہے) لیکن اس پر بھی لوگ ان سے ایسے ایسے عمل سیکھتے جن کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا چاہتے' حالانکہ وہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے-

---

⇦ کر سکتا اور اگر علمائے یہود باوجود کتاب اللہ کے حامل ہونے کے انکار کر رہے ہیں' تو یہ کفر و جحود کا کوئی نیا مظاہرہ نہیں ہے جس پر تعجب ہو- اس سے پہلے بھی ان کی روش ایسی ہی رہ چکی ہے-

[۱] بنی اسرائیل کے ضعف عقل و ایمان پر اس واقعہ سے استشہاد کہ جادوگروں کے شعبدوں پر جھک پڑے تھے اور کتاب الٰہی کی تعلیم پس پشت ڈال دی تھی- ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ اس بارے میں جو خرافات مشہور ہیں' ان کی کوئی اصلیت نہیں-

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ

ع ۱۲

ہاں، یہ ہوسکتا تھا کہ خدا کے حکم سے کسی کو نقصان پہنچنے والا ہو اور نقصان پہنچ جائے- (بہرحال) یہ لوگ (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کر کے) ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو انہیں سراسر نقصان پہنچانے والی ہیں- اور (پھر کچھ یہ بات بھی نہیں کہ انہیں احکام الٰہی کی خبر نہ ہو) انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جو کوئی (اپنا دین و ایمان بیچ کر) جادوگری کا خریدار ہوتا ہے اس کے لیے آخرت کی برکتوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا- پس افسوس ان کی اس خرید و فروخت پر! کیا ہی بری جنس ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کی نجات بیچ ڈالی! کاش وہ اس حقیقت کی خبر رکھتے- (۱۰۲)

اگر یہ لوگ (خدا کے حکموں پر سچائی کے ساتھ) ایمان لاتے اور نیک عملی کی چال اختیار کرتے، تو ان کے لیے اللہ کے حضور بہتر اجر تھا- کاش وہ سمجھ بوجھ سے کام لیں- (۱۰۳)

مسلمانو![1] (پیغمبر اسلام کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہو، تو ان منکرین حق کی طرح) یہ نہ کہو کہ "رَاعِنَا" (جو مشتبہ اور ذو معنی رکھنے والا لفظ ہے، بلکہ) کہو "اُنْظُرْنَا"...... "ہماری طرف التفات کیجیے!" اور پھر وہ جو کچھ بھی کہیں اسے جی لگا کر سنو اور اس کی اطاعت کرو- باقی رہے یہ منکرین حق تو یاد رکھو انہیں (پاداش عمل میں) دردناک عذاب ملنے والا ہے- (۱۰۴)

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ اور مشرک دونوں نہیں چاہتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر خیر و برکت (یعنی وحی الٰہی) نازل ہو (اور اس لیے وہ طرح طرح کے شک پیدا کر کے تمہیں سچائی کی راہ سے باز رکھنا چاہتے ہیں) لیکن اللہ (کا قانون اس بارے میں انسانی خواہشوں کا پابند نہیں ہوسکتا وہ) جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے اور وہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے- (۱۰۵) ہم اپنے احکام[2] میں سے جو کچھ بدل دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کر دیتے ہیں (پس اگر اب ایک نئی شریعت ظہور میں آئی

---

[1] دعوت قرآنی کے پیرووں سے خطاب کہ بنی اسرائیل کے ایام و وقائع سے عبرت پکڑیں، اور ان ٹھوکروں سے بچیں جو انہیں اس راہ میں لگ چکی ہیں- نیز ان شکوک اور اعتراضات کا جواب جو منکرین حق مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے-

[2] ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لیے ہوا کہ یا تو "نسخ" کی حالت طاری ہوئی- یا "نسیان" کی- "نسخ" یہ ہے کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن موقوف ہوگئی، اور اس کی جگہ دوسری بات آ گئی "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہیں- بعض ⇦

اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝۱۰۷ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝۱۰۸ وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱۰۹ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرانی ہو) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں (۱۰۶) (اگر وہ ایک مرتبہ تمہاری ہدایت کے لیے حسب ضرورت احکام بھیج سکتا ہے تو یقیناً اس کے بعد بھی بار بار ایسا کر سکتا ہے) اور پھر کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کی سلطانی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہارا دوست اور مددگار رہو! (۱۰۷)

پھر کیا تم چاہتے ہو اپنے رسول سے بھی (دین کے بارے میں) ویسے ہی سوالات کرو جیسے اب سے پہلے موسیٰ سے کیے جا چکے ہیں؟ (یعنی جس طرح بنی اسرائیل نے راست بازی کی جگہ کٹ حجتیاں کرنے اور بلاضرورت باریکیاں نکالنے کی چال اختیار کی تھی ویسی ہی تم بھی اختیار کرو؟ سو یاد رکھو) جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پا کر پھر اسے کفر سے بدل دے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اور فلاح و کامیابی کی منزل اس پر گم ہوگئی! (۱۰۸)

یاد رکھو! اہل کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو چاہتے ہیں، تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں' اور اگرچہ ان پر سچائی ظاہر ہو چکی ہے لیکن پھر بھی اس حسد کی وجہ سے جس کی جلن ان کے اندر ہے' پسند نہیں کرتے کہ تم راہ حق میں ثابت قدم رہو۔ پس چاہیے کہ (ان سے لڑنے جھگڑنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو' اور) عفو و درگزر سے کام لو۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے (اور وہ حق کو فتح مند کر کے بتلا دے کہ کون حق پر تھا اور کس کی جگہ باطل پرستی کی جگہ تھی) بلاشبہ وہ ہر بات پر قادر ہے! (۱۰۹)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔[1] یاد رکھو' جو کچھ بھی تم اپنے لیے نیکی کی پونجی پہلے سے اکٹھی کر لو گے' اللہ کے پاس

⇐ حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی' لیکن احوال و ظروف بدل گئے تھے' یا اس کے پیروؤں کی عملی روح معدوم ہو گئی تھی۔ اس لیے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے۔ بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ امتداد وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہو گئی' اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا' پس لامحالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیان شرائع' لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہو گی یا اس کے مانند ہو گی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو۔ کیونکہ اصل تکمیل و ارتقاء ہے' نہ کہ تنزل و تسفل۔ کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت۔ ''تعمق'' یعنی ضرورت سے زیادہ باریکیاں نکالنی اور کاوشیں کرنی اور ایک سیدھے سادھے معاملہ کو پیچیدہ بنا دینا۔

[1] نماز اور زکوٰۃ یعنی قلبی اور مالی عبادت کی سرگرمی' ایک ایسی حالت ہے جس سے جماعت کی معنوی استعداد نشو و نما پاتی ہے اور قوی ہوتی ہے جس جماعت میں یہ سرگرمی موجود ہو وہ نہ تو دین سے برگشتہ ہو سکتی ہے نہ اس کی اجتماعی قوت میں کمزوری آ سکتی ہے۔

مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ قَالُوۡا لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَـنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰىؕ تِلۡكَ اَمَانِيُّهُمۡؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰىۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّهُمۡ يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡۚ

ع ۱۳ / ۱۴

اس کے نتیجے موجود پاؤ گے (یعنی مستقبل میں اس کے نتائج و ثمرات ظاہر ہوں گے) تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ (۱۱۰) اور یہودی کہتے ہیں[1] جنت میں کوئی آدمی داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو۔ اسی طرح عیسائی کہتے ہیں جنت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ عیسائی نہ ہو۔ (یعنی ان میں سے ہر گروہ سمجھتا ہے آخرت کی نجات صرف اسی کے حصے میں آئی ہے اور جب تک ایک انسان اس کی مذہبی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔ (اے پیغمبر) یہ ان لوگوں کی جاہلانہ امنگیں اور آرزوئیں ہیں۔ نہ کہ حقیقت حال۔ تم ان سے کہو اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو تو ثابت کرو تمہارے دعوے کی دلیل کیا ہے۔ (۱۱۱)

ہاں! (بلاشک نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے مگر وہ کسی خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہوسکتی۔ وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے) جس کسی نے بھی اللہ کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہوا تو وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر ضرور پائے گا۔ نہ تو اس کے لیے کسی طرح کا کھٹکا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی۔ (۱۱۲) یہودی کہتے ہیں' عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے' عیسائی کہتے ہیں' یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ اللہ کی کتاب دونوں پڑھتے ہیں (اور اصل دین دونوں کے لیے ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے

---

[1] اہل مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی سچائی جو ایک ہی تھی اور یکساں طور پر سب کو دی گئی تھی مذہبی گروہ بندیوں کے الگ الگ حلقے بنا کر ضائع کر دی۔ اب ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلاتا ہے اور صرف اپنے ہی کو سچائی کا وارث سمجھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نزاع کا فیصلہ کیونکر ہو؟ اگر کوئی ایک گروہ ہی سچا ہے تو کیوں وہی سچا ہو دوسرے سچے نہ ہوں؟ اگر سب سچے ہیں تو پھر کوئی بھی سچا نہیں کیونکہ ہر گروہ دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔ اگر سب جھوٹے ہیں تو پھر خدا کی سچائی گئی کہاں؟

قرآن کہتا ہے خدا کی سچائی سب کے لیے ہے اور سب کو ملی تھی لیکن سب نے سچائی سے انحراف کیا۔ سب اصل کے اعتبار سے سچے ہیں اور سب عمل کے اعتبار سے جھوٹے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اسی مشترک اور عالمگیر سچائی پر سب کو جمع کر دوں اور مذہبی نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ مشترک اور عالمگیر سچائی کیا ہے؟ خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے۔ یہی قانون خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ہے اور اسی کو میں ''الاسلام'' کے نام سے پکارتا ہوں۔

یہودی کہتے تھے' جب تک ایک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا۔ عیسائی کہتے تھے' جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں مل سکتی۔ قرآن کہتا ہے نجات کا دارومدار خدا پرستی اور نیک عملی پر ہے' نہ کسی خاص گروہ بندی پر۔ جو انسان بھی خدا پرست اور نیک عمل ہوگا نجات پائے گا۔ خواہ تمہاری گھڑی ہوئی گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

بھی کہی جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب نے کہ وہ بھی صرف اپنے طریقہ ہی کو سچائی کا طریقہ سمجھتے ہیں) اچھا، قیامت کے دن اللہ ان کے درمیان حاکم ہوگا اور جس بات میں جھگڑ رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دے گا۔ (۱۱۳)

اور غور کرو[1] اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد کو روکے اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم کا یہ حال ہے یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں۔ بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے ڈرانے کی جگہ خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں۔ یاد رکھو، ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے۔ (۱۱۴)

اور دیکھو، پورب ہو یا پچھم ساری دنیا اللہ ہی کے لیے ہے۔ (اس کی عبادت کسی ایک رخ اور مقام ہی پر موقوف نہیں) جہاں کہیں بھی تم اللہ کی طرف رخ کر لو اللہ تمہارے سامنے ہے۔ بلاشبہ اس کی قدرت کی سمائی بڑی ہی سمائی ہے، اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۱۱۵)

اور (عیسائیوں کو دیکھو[2]) انہوں نے کہا خدا نے (نوع انسانی کا گناہ معاف کرنے کے لیے مسیح کو) اپنا بیٹا بنایا حالانکہ خدا کی ذات اس سے پاک ہے (وہ کیوں اس بات کا محتاج ہو کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے؟) زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمان کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ (۱۱۶)

وہ آسمان و زمین کا صناع ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو (نہ تو اسے کسی مددگار کی ضرورت ہوتی ہے نہ

---

[1] مذہبی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ہر گروہ کے لیے اس کی مخصوص عبادت گاہیں ہیں۔ اگر دوسرے گروہ کا کوئی آدمی ان میں خدا کی عبادت کرنی چاہے تو اسے روک دیا جاتا ہے اور ہر گروہ چاہتا ہے دوسرے گروہ کی عبادت گاہیں ڈھا دے اور ویران کر دے حالانکہ سب خدا پرستی کے مدعی ہیں، اور سب کا خدا ایک ہی خدا ہے۔

خدا کسی خاص عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر محدود نہیں ہے کہ صرف وہیں اس کی عبادت کی جا سکے۔ جہاں کہیں بھی اسے اخلاص کے ساتھ یاد کیا جائے وہ قبول کرے گا۔

[2] عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کتاب الٰہی کی تعلیم سے منحرف ہو گئے۔ اور ابنیت مسیح کے اعتقادِ باطل پر اپنی کلیسائی گروہ بندی قائم کر لی۔

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾ وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ

ذریعوں کی) بس وہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور جیسا اس نے حکم دیا تھا ویسا ہی ظہور میں آ جاتا ہے! (۱۱۷)

اور جو لوگ (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب) وہ کہتے ہیں (اگر یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے تو) کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ خدا ہم سے براہ راست بات چیت کرے یا اپنی کوئی (عجیب و غریب) نشانی ہی بھیج دے' تو (دیکھو گمراہی کی) جیسی بات یہ کہہ رہے ہیں' ٹھیک ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں- اس بارے میں پہلوں اور پچھلوں سب کے دل ایک ہی طرح کے ہوئے- (بہرحال اگر یہ لوگ نشانیوں ہی کے طلب گار ہیں تو چاہیے نشانیوں کی پہچان بھی پیدا کریں' ہم نے ان لوگوں کے لیے جو ماننے والے ہیں کتنی ہی نشانیاں نمایاں کر دی ہیں- (۱۱۸)

اے پیغمبر! یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے تمہیں (خلق اللہ کی ہدایت کے لیے) بھیجا ہے اور اس لیے بھیجا ہے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دو' اور (انکار حق کے نتائج سے) متنبہ کر دو (یعنی تمہاری دعوت تمام تر خدا پرستی اور نیک عملی کی دعوت ہے- پھر جو لوگ نشانیاں مانگ رہے ہیں اگر فی الحقیقت ان میں سچائی کی طلب ہے تو غور کریں' تمہاری دعوت سے بڑھ کر اور کون سی نشانی ہو سکتی ہے؟ جو لوگ (اپنی محرومی و شقاوت سے) دوزخی گروہ ہو چکے' تم ان کے لیے خدا کے حضور جوابدہ نہیں ہو گے (تمہارا کام صرف پیام حق پہنچا دینا ہے!) (۱۱۹)

اور[3] (حقیقت یہ ہے کہ اپنی سچائی کی کتنی ہی نشانیاں پیش کرو' لیکن) یہود اور نصاریٰ تم سے خوش ہونے والے نہیں- وہ تو صرف اسی حالت میں خوش ہو سکتے ہیں کہ تم ان کی (بنائی ہوئی) جماعتوں کے پیرو ہو جاؤ (کیونکہ جس بات کو انہوں نے دین

---

[1] مشرکین عرب اور ان کے جاہلانہ و معاندانہ اعتراضات-

جس طرح انسانی سچائی کا مزاج ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے اسی طرح انسانی گمراہی کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا رہتا ہے- یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر زمانہ میں منکرین حق نے ایک ہی طریقہ پر سچائی کو جھٹلایا ہے- اور ایک ہی طرح کی صدائیں بلند کی ہیں-

[2] سچائی کی پہچان رکھنے والوں کے لیے سب سے بڑی نشانی پیغمبر کی تعلیم اور اس کی زندگی ہے اور یہ بات سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ لوگوں کے جاہلانہ خیالات کے مطابق فرمائشی معجزے دکھلائے جائیں-

[3] یہ جتنی ملتیں الگ الگ بنالی گئی ہیں یعنی الگ الگ گروہ بندیاں کر لی گئی ہیں مثلاً یہودیت اور مسیحیت تو یہ سب انسانی گمراہی کی بناوٹیں ہیں ہدایت کی راہ تو بس ہدایت کی راہ ہے- جو کوئی اس پر چلے گا' ہدایت یافتہ ہو گا- خواہ ان بنائی ہوئی ملتوں میں داخل ہو یا نہ ہو...... ⇦

لُعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ

سمجھ رکھا ہے وہ گروہ پرستی کے تعصب کے سوا کچھ نہیں ہے) پس تم ان سے (صاف صاف) کہہ دو کہ خدا کی ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو ہدایت کی اصلی راہ ہے (نہ کہ تمہاری خود ساختہ گروہ بندیاں) اور یاد رکھو اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجودیکہ تمہارے پاس علم و یقین کی روشنی آ چکی ہے تو (یہ ہدایت الٰہی سے منہ موڑنا ہوگا اور پھر) اللہ کی دوستی اور مددگاری سے تم یکسر محروم ہو جاؤ گے۔ (۱۲۰)

اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب الٰہی کی ٹھیک ٹھیک تلاوت کرتے ہیں (یعنی راست بازی و اخلاص کے ساتھ پڑھتے ہیں) تو وہی ہیں جو (قبولیت حق کی استعداد رکھتے ہیں اور اس لیے وہی ہیں جو) اس پر ایمان لائیں گے اور جو کوئی (ان میں سے) انکار کرتا ہے تو (اس کی ہدایت کی کوئی امید نہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے تباہی و نامرادی ہے۔ (۱۲۱)

اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا۔ میں نے تمہیں دنیا کی قوموں میں برگزیدگی عطا فرمائی تھی! (۱۲۲)

اور دیکھو اس دن سے ڈرو جو یقیناً آنے والا ہے (اور جس دن ہر انسان کو اپنے اعمال کے نتیجوں سے دوچار ہونا ہے) اس دن نہ تو کوئی جان دوسری جان کے کام آئے گی (کہ اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کا نام لے کر اپنے آپ کو بخشوا لو) نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا (کہ اپنی بدعملیوں کا فدیہ دے کر جان چھڑا لو) نہ کسی کی سعی و سفارش چل سکے گی (کہ ان کا وسیلہ پکڑ کے کام نکال لو) اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ مجرموں کو کہیں سے مدد ملے! (۱۲۳)

اور (پھر غور کرو وہ واقعہ) جب ابراہیم[1] کو اس کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا تھا اور وہ ان میں پورا اترا تھا۔

⇦ مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ حق پسندی اور حقیقت بینی کی جگہ محض گروہ پرستی کی روح کام کر رہی ہے۔ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے؟ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری گروہ بندی میں داخل ہے یا نہیں؟ جب لوگوں کی ذہنیت ایسی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ دلائل و حقائق کچھ کام نہیں دے سکتے۔ کتنی ہی سچی اور معقول بات کیوں نہ کی جائے۔ ان لوگوں کے لیے بیکار ہوگی!

جب تک تم یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی میں داخل نہ ہو جاؤ یہودی اور عیسائی تم سے تو خوش ہونے والے نہیں اگرچہ تمہارا اعتقاد اور عمل کتنا ہی اچھا اور معقول ہو اور خود ان کی مسلمہ تعلیمات کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش' منصب امامت کا عطیہ' دین الٰہی کی دعوت' معبد کعبہ کی تعمیر اور امت مسلمہ کے ظہور کی دعا یہ ذکر اس محل میں چار بصیرتیں رکھتا ہے:

(۱) یہود' نصاریٰ اور مشرکین عرب تینوں گروہوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت ایک مسلمہ شخصیت تھی۔ اس ⇦

قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ

جب ایسا ہوا تو خدا نے فرمایا اے ابراہیمؑ! میں تجھے انسانوں کے لیے امام بنانے والا ہوں (یعنی دنیا کی آنے والی قومیں تیری دعوت قبول کریں گی اور تیرے نقش قدم پر چلیں گی) ابراہیم نے عرض کیا جو لوگ میری نسل میں سے ہوں گے ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا جو ظلم و معصیت کی راہ اختیار کریں تو ان کا میرے اس عہد میں کوئی حصہ نہیں۔ (۱۲۴)

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (مکہ کے) اس گھر کو (یعنی خانہ کعبہ کو) انسانوں کی گردآوری کا مرکز اور امن و حرمت کا مقام ٹھہرا دیا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ (ہمیشہ کے لیے) نماز کی جگہ بنا لی جائے۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا تھا کہ ہمارے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے اسے طواف کرنے والوں، عبادت کے لیے ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے (ہمیشہ) پاک رکھنا (اور ظلم و معصیت کی گندگیوں سے آلودہ نہ کرنا!) (۱۲۵)

اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے خدا کے حضور دعا مانگی تھی ''اے پروردگار! اس جگہ کو (جو دنیا کی آباد سرزمین سے دور اور سرسبزی و شادابی سے یک قلم محروم ہے) امن و امان کا ایک آباد شہر بنا دے اور اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ یہاں کے بسنے والوں میں جو لوگ تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں ان کے رزق کے لیے ہر طرح کی پیداوار مہیا ہو جائے۔'' اس پر ارشاد الٰہی ہوا تھا کہ (تمہاری دعا قبول کی گئی، یہاں کے باشندوں میں سے) جو کوئی کفر کا شیوہ اختیار کرے گا سو

⇦ لیے ان کی دعوت سے استشہاد تینوں کے لیے ناقابل انکار استشہاد تھا۔

(۲) مذہبی گروہ بندی کے خلاف، تینوں گروہوں کے لیے ایک حجت قاطع ہے یہ ظاہر ہے کہ تینوں گروہ بندیاں اور ان کے عقائد و رسوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد پیدا ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کیا تھا؟ یقیناً وہ ان گروہ بندیوں کا طریقہ نہ تھا۔ پس جو طریقہ ان کا تھا اسی کی دعوت قرآن دیتا ہے!

(۳) یہودیوں کی جماعتی سرگرانی زیادہ تر نسلی غرور کا نتیجہ تھی۔ وہ کہتے تھے، ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اور تورات میں ہے کہ خدا نے اس کی نسل کو برکت دی۔ اس بیان نے واضح کر دیا کہ اول تو نسل کے شرف میں بنی اسحاق کی طرح بنی اسماعیل بھی شریک ہیں پھر وہ جو کچھ بھی ہو خدا کا عہد برکت نیک کرداروں کے لیے تھا نہ کہ بدکرداروں کے لیے۔ جن لوگوں نے ایمان و عمل کی سعادت کھو دی ان کے لیے نسل کا امتیاز کچھ سود مند نہیں ہو سکتا!

(۴) پچھلی امتوں کی محرومیوں کے ذکر کے بعد یہ حقیقت واضح کرنی تھی کہ اب توفیق الٰہی نے پیروان دعوت قرآن کو خدمت حق کے لیے چن لیا ہے اور اقوام عالم کی ہدایت کا سررشتہ ان کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے دعوت قرآن کے ظہور کی معنوی تاریخ بیان کر دی جائے۔ چنانچہ معبد کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر اسی غرض سے کیا گیا ہے کہ آنے والے بیان کے لیے ایک قدرتی تمہید کا کام دے۔

النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۲۹﴾ وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

ع ۱۵ ۸ ۱۵

اسے بھی ہم (سروسامان رزق سے) فائدہ اٹھانے دیں گے- البتہ یہ فائدہ اٹھانا بہت تھوڑا ہوگا- کیونکہ بالآخراسے (پاداش عمل میں) چاروناچار دوزخ میں جانا ہے اور کیا ہی برا اس کا ٹھکانا ہوا- (۱۲۶)

اور (پھر دیکھو وہ کیسا عظیم الشان اور انقلاب انگیز وقت تھا) جب ابراہیم خانہ کعبہ کی نیوڈال رہا تھا اور اسمٰعیل بھی اس کے ساتھ شریک تھا (ان کے ہاتھ پتھر چن رہے تھے اور دل وزبان پر یہ دعا طاری تھی) ''اے پروردگار! ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو! بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے: (۱۲۷)

اے پروردگار' (اپنے فضل وکرم سے) ہمیں ایسی توفیق دے کہ ہم سچے مسلم (یعنی تیرے حکموں کے فرمانبردار ہو جائیں' اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کردے جو تیرے حکموں کی فرمانبردار ہو! خدایا! ہمیں ہماری عبادت کے (سچے) طور طریقے بتلا دے اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر- بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والی ہے اور جس کی رحیمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں! (۱۲۸) اور خدایا (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو جو انہی میں سے ہو- وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے' کتاب اور حکمت کی تعلیم دے' اور (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) ان کے دلوں کو مانجھ دے- اے پروردگار! بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے'' (۱۲۹)

(یہ ہے ابراہیمؑ کا طریقہ[1]) اور ان لوگوں کے سوا جنہوں نے اپنے آپ کو نادانی وجہالت کے حوالے کر دیا ہے کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقے سے منہ پھیر سکتا ہے؟ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں بھی اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا اور آخرت میں بھی اس کی جگہ نیک انسانوں کے زمرے میں ہوگی- (۱۳۰)

جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے اسے حکم دیا تھا کہ ''فرمانبردار ہو جا'' تو وہ پکار اٹھا تھا ''میں اس کے حکموں کا فرمانبردار

[1] دین کی جو راہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کی تھی وہ کیا تھی؟ ان کے بعد ان کی اولاد جس طریقہ پر چلتی رہی وہ کونسا طریقہ تھا؟ خود ''اسرائیل'' یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بستر مرگ پر جس دین کی وصیت کی تھی وہ کون سا دین تھا؟ یقیناً وہ یہودیت اور مسیحیت کی گروہ بندی نہ تھی- وہ صرف خدا پر ایمان لانے اور اس کے قانون سعادت کی فرمانبرداری کرنے کی فطری اور عالمگیر سچائی تھی اور اسی کی دعوت قرآن دیتا ہے-

دین الٰہی کو اسی لیے ''الاسلام'' کے نام سے تعبیر کیا گیا جس کے معنی اطاعت کرنے کے ہیں یعنی ہر طرح کی نسبتوں اور گروہ بندیوں سے الگ ہو کر' صرف اطاعت حق کی طرف انسان کو دعوت دی جائے-

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

ہو گیا جو تمام دنیا کا پروردگار ہے-(۱۳۱)

اور پھر اسی طریقہ کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور (اس کے پوتے) یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی- انہوں نے کہا "اے میرے بیٹو! خدا نے تمہارے لیے اس دین (حقیقی) کی راہ پسند فرمالی ہے' تو دیکھو دنیا سے نہ جانا مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو (یعنی فرمانبردار ہو-")(۱۳۲)

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا "میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟" انہوں نے جواب دیا "اسی خدائے واحد کی جس کی تو نے عبادت کی ہے اور تیرے بزرگوں ابراہیمؑ' اسماعیل اور اسحاقؑ نے کی ہے اور ہم اس کے حکموں کے فرمانبردار ہوئے!"(۱۳۳)

(بہر حال) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی[1] اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا- تمہارے لیے وہ ہو گا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے- تم سے کچھ اس کی پوچھ گچھ نہیں ہو گی کہ ان لوگوں کے اعمال کیسے تھے؟(۱۳۴)

یہودیوں نے کہا' یہودی ہو جاؤ ہدایت پاؤ گے- نصاریٰ نے کہا' نصرانی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے- لیکن تم کہو نہیں (خدا کی عالمگیر سچائی ان گروہ بندیوں میں محدود نہیں ہو جا سکتی) اس کی راہ تو وہی "حنیفی" راہ ہے[2] جو ابراہیم کی راہ تھی یعنی تمام انسانی طریقوں سے منہ موڑنا اور صرف خدا کے سیدھے سادھے فطری طریقہ کا ہو رہنا) اور یقیناً وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا-(۱۳۵)

---

[1] قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی پیش آتا ہے جو اس نے اپنے عمل سے کمایا ہے- نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچا سکتی ہے- نہ ایک کی بد عملی کے لیے دوسرا جواب دہ ہو سکتا ہے-

انسان کے لیے قدامت پرستی کا پھندا بڑا ہی سخت پھندا ہے اس کے پیچ سے وہ نکل نہیں سکتا- وہ ہمیشہ ماضی کے افسانوں میں گم رہے گا اور ہر پرانے طور طریقے کو تقدیس کی نظر سے دیکھے گا- ہندو ہزاروں برس سے مہابھارت اور پرانوں کے افسانوں میں پھنسے ہوئے ہیں- مسلمانوں کے دو فرقے آج تک اس نزاع سے فارغ نہیں ہوئے کہ تیرہ سو برس پہلے سقیفہ میں خلافت کا جو انتخاب ہوا تھا' وہ صحیح تھا یا غلط؟ لیکن قرآن کہتا ہے "تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ" یہ ایک گروہ تھا جو گزر چکا- اب اس کے پیچھے پڑے رہنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا- تم اپنی خبر لو- ان کے اعمال ان کے لیے تھے- تمہارے تمہارے لیے ہیں-

[2] بہر حال ہدایت کی راہ ان گروہ بندیوں کی راہ نہیں ہو سکتی اور نہ وہ کسی ایک قوم اور گروہ ہی کے حصے میں آئی ہے- ہدایت کی ⇐

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَآ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوْا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ‌ ۚ فَسَيَكۡفِيۡکَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِى اللّٰهِ

مسلمانو! تم کہو ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں- قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے- ان تمام تعلیموں پر ایمان لائے ہیں جو ابراہیمؑ کو' اسمٰعیلؑ کو' اسحاقؑ کو' یعقوبؑ کو اور اولاد یعقوبؑ کو دی گئیں- نیز ان کتابوں پر جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھیں- اور (صرف اتنا ہی نہیں بلکہ) ان تمام تعلیموں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کے تمام نبیوں کو ان کے پروردگار سے ملی ہیں- ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے نہ مانیں- باقی سب کو مانیں- یا اسے مانیں- مگر دوسروں سے منکر ہو جائیں- خدا کی سچائی کہیں بھی اور کسی پر بھی آئی ہو) ہم خدا کے فرمانبردار ہیں- (۱۳۶)

پھر اگر یہ لوگ بھی ایمان کی راہ اختیار کر لیں- اسی طرح جس طرح تم نے اختیار کی ہے تو سارے جھگڑے ختم ہو گئے' اور انہوں نے ہدایت پالی- لیکن اگر اس سے روگردانی کریں تو پھر سمجھ لو کہ (ان کے ماننے کی کوئی امید نہیں) ان کی راہ (طلب حق کی جگہ) ہٹ دھرمی کی راہ ہے- پس (ان سے قطع نظر کر لو اور اپنے کام میں سرگرم رہو) وہ وقت دور نہیں جب اللہ کی مدد تمہیں ان مخالفتوں سے بے پروا کر دے گی- وہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے! (۱۳۷)

(ہدایت اور نجات کی راہ کسی رسمی اصطباغ یعنی رنگ دینے کی محتاج نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا شیوہ ہے) یہ اللہ کا رنگ دینا ہے اور بتلاؤ اللہ سے بہتر اور کس کا رنگ دینا ہو سکتا ہے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں! (۱۳۸)

(اے پیغمبر) تم ان لوگوں[۱] سے کہو- ہماری راہ تو خدا پرستی کی راہ ہے- پھر' کیا تم خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ (یعنی

⇐ راہ تو وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی راہ تھی اور وہ خدا کا عالمگیر قانون نجات ہے-

پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ دوسرے کو جھٹلانے کی جگہ سب کی تصدیق کرو- دنیا میں جس قدر بھی رہنمایان مذاہب آئے ہیں خواہ وہ کسی عہد اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتے ہوں سب ایک ہی سچائی کے پیغامبر تھے' اور اس لیے سب کی یکساں طور پر تصدیق کرنی چاہیے- داعیان مذاہب میں سے کسی ایک کا انکار بھی سب کا انکار ہے- جو کوئی ''تفریق بین الرسل'' کرتا ہے یعنی کسی کو مانتا ہے- کسی کو نہیں مانتا- وہ فی الحقیقت خدا کے پورے سلسلۂ ہدایت کا منکر ہے-

قرآن کہتا ہے میری راہ عالمگیر تصدیق کی راہ ہے- اگر تم یہودی ہو اور تورات پر ایمان رکھتے ہو تو میں اس کا مصدق ہوں اور اسی لیے آیا ہوں تاکہ دین حقیقی تازہ کروں- اگر تم مسیحی ہو تو میں انجیل کا منکر کب ہوں؟ میں تو اسی لیے آیا ہوں کہ تم انجیل کے سچے عامل بن جاؤ- اگر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام لیوا ہو' تو میری دعوت سرتاسر ملت ابراہیمی ہی کی دعوت ہے- اگر تم کسی دوسرے رسول یا نئے مذہب کے پیرو ہو تو میں تمہیں اس کا منکر بنانا نہیں چاہتا- اس کی تصدیق میں اور زیادہ پختہ کر دینا چاہتا ہوں-

[۱] جب سب کا پروردگار ایک ہے اور ہر انسان کے لیے اس کا عمل ہے تو پھر خدا اور دین کے نام پر یہ تمام جھگڑے کیوں ہیں؟ ⇐

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

خدا پرستی کے شیوے ہی سے تمہیں اختلاف ہے؟ حالانکہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار وہی ہے- ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں تمہارے لیے تمہارے اعمال- اور ہمارا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرنے والے ہیں! (۱۳۹)

یا پھر تمہارا (یعنی یہود اور نصاریٰ کا) دعویٰ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اسماعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ بھی یہودی اور نصرانی تھے؟ اے پیغمبر! ان سے کہو تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ ہے؟ (اگر اللہ ہے تو اس کی گواہی تو تمہارے خلاف خود تمہاری کتاب میں موجود ہے جسے تم دیدہ و دانستہ چھپا رہے ہو) پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے-

جس کے پاس[1] اللہ کی ایک گواہی موجود ہو اور وہ اسے چھپائے؟ (اور محض اپنی بات کی پچ کے لیے سچائی کا اعلان نہ کرے؟) یاد رکھو جو کچھ بھی تم کر رہے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں ہے! (۱۴۰)

(اور پھر جو کچھ بھی ہو) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی- اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا- تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے- تم سے کچھ اس کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ ان کے اعمال کیسے تھے- (۱۴۱)

جو لوگ[2] عقل و بصیرت سے محروم ہیں وہ کہیں گے مسلمان جس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے کیا بات ہوئی کہ ان کا رخ اس سے پھر گیا؟ (اے پیغمبر) تم کہو پورب ہو یا پچھم سب اللہ ہی کے لیے ہے- (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں) وہ جس کسی کو چاہتا ہے (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے- (۱۴۲)

⇐ کیوں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے پیروؤں کا دشمن ہو؟ کیوں ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے؟

[1] کتمان حق یعنی سچائی کو دیدہ و دانستہ ظاہر نہ کرنا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے-

[2] دعوت ابراہیمی سے وحدت دین کے استشہاد کا بیان ختم ہو گیا- اب یہاں سے اس کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جو پچھلے بیان کا قدرتی نتیجہ ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اقوام عالم کی امامت ملی تھی- انہوں نے مکہ میں عبادت گاہ کعبہ تعمیر کی اور امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا مانگی- مشیت الٰہی میں اس ظہور کے لیے ایک خاص وقت مقرر تھا- جب وہ وقت آ گیا تو پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا اور ان کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہو گئی- اس امت کو ''نیک ترین امت'' ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا اور اقوام عالم کی تعلیم اس کے سپرد کی گئی- ضروری تھا کہ اس کی روحانی ہدایت کا ایک مرکز بھی ہوتا- یہ مرکز قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا- چنانچہ تحویل قبلہ نے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا- یہی حقیقت ''قبلہ'' کے تقرر میں پوشیدہ تھی- چنانچہ ''سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ'' سے یہی بیان شروع ہوتا ⇐

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور (مسلمانو! جس طرح یہ بات ہوئی کہ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ "قبلہ" قرار پایا) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمہیں "نیک ترین امت" ہونے کا درجہ عطا فرمایا تاکہ تم انسانوں کے لیے (سچائی کی) گواہی دینے والے ہو اور تمہارے لیے اللہ کا رسول گواہی دینے والا ہو۔

اور اگر ہم نے اتنے دنوں تک تمہیں اسی قبلہ پر رہنے دیا جس کی طرف تم رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہ اس لیے تھا' تاکہ (وقت پر) معلوم ہو جائے کون لوگ اللہ کے رسول کی پیروی میں سچے ہیں اور کون لوگ (دل کے کچے ہیں جو آزمائش میں پڑ کر) الٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہدایت یافتہ لوگوں کے سوا اور سب کے لیے اس معاملہ میں بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ بہر حال (جو لوگ آزمائش میں پورے اترے ہیں وہ یقین کریں ان کی استقامت کے ثمرات بہت جلد انہیں حاصل ہوں گے) ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا تمہارا ایمان رائگاں جانے دے۔ وہ تو انسانوں کے لیے سرتاسر شفقت و رحمت رکھنے والا ہے۔ (۱۴۳) (اے پیغمبر) ہم دیکھ رہے ہیں کہ (حکم الٰہی کے شوق و طلب میں) تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتا ہے تو یقین کرو ہم عنقریب تمہارا رُخ ایک ایسے ہی قبلہ کی طرف پھرا دینے والے ہیں جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔ (اور اب کہ اس معاملہ کے ظہور کا وقت آ گیا ہے) تو چاہیے کہ تم اپنا رُخ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم اور تمہارے ساتھی ہوں' ضروری ہے کہ (نماز میں) رُخ اسی طرف کو پھر جایا کرے۔

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود اور نصاریٰ) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے (کیونکہ ان کے مقدس نوشتوں میں اس کی پیشین گوئی موجود ہے اور جیسے کچھ ان کے اعمال ہیں اللہ ان سے غافل نہیں ہے! (۱۴۴)

⇐ ہے۔ پیروان دعوت قرآنی مخاطب ہیں اور انہیں بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا وہ بار آور ہو گیا ہے اور "نیک ترین امت" تم ہو۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ

وقف منزل وقف لازم ۱۲۱۷ وقف النبی

اگر تم اہل کتاب[1] کے سامنے دنیا جہان کی ساری دلیلیں بھی پیش کردو جب بھی وہ تمہارے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں - نہ یہ ہوسکتا ہے کہ (علم وبصیرت سے بے بہرہ ہوکر) تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنے لگو اور نہ خود وہی کسی ایک قبلہ پر متفق ہیں- ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا قبلہ ماننے والا نہیں- اور یاد رکھو اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجو یکہ تمہیں اس بارے میں علم حاصل ہو چکا ہے تو یقیناً نافرمانی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے-(۱۴۵)

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنی اہل کتاب کے علما) ان پر حقیقت حال پوشیدہ نہیں ہے- وہ پیغمبر اسلام کو ویسے ہی جان پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں-لیکن اس پر بھی ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو جان بوجھ کر سچائی کو چھپاتا ہے-(۱۴۶)

یقین کرو[2] یہ (تحویل قبلہ کا) معاملہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے (اور جو بات حق ہو تو وہ اپنے قیام و ثبات سے اپنی حقانیت کا اعلان کردے گی) پس دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ!(۱۴۷)

اور (دیکھو[3]) ہر گروہ کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (عبادت کے وقت) رخ پھیر لیتا ہے- (پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے- اصلی چیز جو مقصود ہے وہ تو نیک عملی ہے) پس نیکیوں کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو- تم جہاں کہیں بھی ہو (یعنی جس جگہ اور جس سمت میں بھی خدا کی عبادت کرو) خدا تم

---

[1] یہود اور نصاریٰ کا تحویل قبلہ پر اعتراض کرنا محض گروہ پرستی کے تعصب کا نتیجہ ہے- اگر ان میں حق پرستی ہوتی تو وہ آپس میں کیوں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے اور کیوں ایسا ہوتا کہ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے اور عیسائیوں کو یہودیوں کے قبلہ سے انکار ہوتا؟ پس جب صورت حال ایسی ہے تو متبع حق کو چاہیے ایسے لوگوں کے اتفاق و یک جہتی سے قطع نظر کر لے- کیونکہ جن لوگوں نے اتباع حق سے یک قلم کنارہ کشی کر لی ہے ان کے ساتھ متبع حق کا کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا-

[2] کسی بات کا حق ہونا ہی اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے- کیونکہ حق کے معنی ہی قائم و ثابت رہنے کے ہیں اور جو بات قائم و ثابت رہنے والی ہے اس کے لیے اس کے قیام و ثبات سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے؟

[3] اور پھر جو کچھ بھی ہو تقرر قبلہ کا معاملہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دین کے اصول و مہمات میں سے ہو اور اسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے- ہر گروہ کے لیے کوئی نہ کوئی جہت ہے اور وہ اسی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتا ہے عبادت جس طرف بھی منہ کر کے کی جائے خدا کی عبادت ہے- وہ کسی ایک جہت ہی میں محدود نہیں- اصلی چیز جو سمجھنے اور کرنے کی ہے وہ ''خیرات'' ہے- یعنی نیک عملی-⇦

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِیْ ۗ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

ع ۱۸ / ۵

سب کو پالے گا - یقیناً اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں - (۱۴۸)

اور (اے پیغمبر!)[1] تم کہیں سے بھی نکلو (یعنی سمت اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن (نماز میں) رخ اسی طرف کو پھیر لو جس طرف مسجد حرام واقع ہے - اور یقین کرو یہ معاملہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے اور جانتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے - (۱۴۹) اور (دیکھو) تم کہیں سے بھی نکلو (اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن چاہیے کہ (نماز میں) اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف پھیر لو اور (اے پیروان دعوت قرآنی) تم بھی اپنا رخ اسی طرف کو کر لیا کرو - خواہ کسی جگہ اور کسی سمت میں ہو - اور یہ (جو تقرر قبلہ پر اس قدر زور دیا گیا ہے تو یہ) اس لیے ہے تا کہ تمہارے خلاف لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے (اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ معبد ابراہیمی ہی تمہارا قبلہ ہے) البتہ جو لوگ حق سے گزر چکے ہیں (ان کی مخالفت ہر حال میں جاری رہے گی) تو ان سے نہ ڈرو - مجھ سے ڈرو - اور علاوہ بریں یہ (حکم) اس لیے بھی (دیا گیا) ہے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں - نیز اس لیے کہ (سعی و عمل کی) سیدھی راہ پر تم لگ جاؤ - (۱۵۰) یہ اسی طرح کی بات ہوئی جیسے یہ ہوئی کہ ہم نے تم میں سے ایک شخص کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا - وہ ہماری آیتیں تمہیں سناتا ہے (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) تمہارے دلوں کو صاف کرتا ہے' کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے' اور وہ وہ باتیں سکھلاتا ہے جن سے تم یکسر نا آشنا تھے - (۱۵۱)

پس[2] (اب) میری یاد میں لگے رہو - میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوں گا (یعنی قانون الٰہی یہ ہے کہ اگر تم اللہ سے غافل نہ ہو گے' تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہو گی) اور دیکھو' میری نعمتوں کی قدر کرو - ایسا نہ کرو کہ کفران نعمت میں مبتلا ہو جاؤ! (۱۵۲)

⇦ پس چاہیے کہ اس میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرو - اور اسی کو دینداری و خدا پرستی کا اصلی کام سمجھو -

[1] تقرر قبلہ کا حکم عام اور اس کے مصالح و حکم

[2] کتاب و حکمت کی تعلیم' شخص نبوت کی پیغمبرانہ تربیت' مرکز ہدایت کا قیام' اور "نیک ترین امت" ہونے کا نصب العین' یہی وہ بنیادی عناصر تھے جن کی موعودہ امت کی نشوونما کے لیے ضرورت تھی - جب یہ تمام مراتب ظہور میں آ گئے تو اب ضروری ہوا کہ پیروان دعوت قرآنی کو مخاطب کیا جائے اور سرگرم عمل ہو جانے کی دعوت دی جائے - چنانچہ "فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ" سے یہی مخاطبہ شروع ہوتا ہے -

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

مسلمانو! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو- یقین کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! (۱۵۳) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ مردے ہیں- نہیں وہ تو زندہ ہیں، لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے- (۱۵۴) اور یاد رکھو یہ ضرور ہونا ہے کہ ہم تمہارا امتحان لیں- خطرات کا خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا نقصان، پیداوار کی تباہی، وہ آزمائشیں ہیں جو تمہیں پیش آئیں گی- پھر جو لوگ صبر کرنے والے ہیں انہیں (فتح و کامرانی کی) بشارت دے دو (۱۵۵) یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آن پڑتی ہے تو (بے قرار ہونے کی جگہ ذکر الٰہی سے اپنی روح کو تقویت پہنچاتے ہیں، اور) ان کے زبان حال کی یہ صدا ہوتی ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ! (ہماری زندگی اور موت، رنج و غم، سود و زیاں، جو کچھ بھی ہے سب کچھ اللہ کے لیے ہے، اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے!) (۱۵۶) سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں، جن پر ان کے پروردگار کے الطاف و کرم ہیں، جن پر اس کی رحمت اُترتی ہے، اور یہی ہیں جو اپنے مقصد میں) کامیاب ہیں! (۱۵۷) بلاشبہ[1] صفا اور مروہ (نامی دو پہاڑیاں) اللہ کی (حکمت و رحمت کی) نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے اس گھر کا (یعنی خانہ کعبہ کا) قصد کرے، تو اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان طواف کے پھیرے کر لے- اور جو کوئی خوش دلی کے ساتھ نیکی کا کوئی کام کرتا ہے، تو اللہ ہر عمل کی اس کی منزلت کے مطابق قدر کرنے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے (۱۵۸) جن[2] لوگوں کا یہ شیوہ ہے کہ (دنیا کے خوف یا طمع سے)

⇦ اور پھر چونکہ سرگرم عمل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ راہ عمل کی مشکلیں اور آزمائش پیش آتیں، اس لیے دعوت عمل کے ساتھ ہی صبر و استقامت اور جاں فروشی و قربانی کی بھی دعوت دے دی گئی، اور واضح کر دیا گیا کہ اس راہ میں آزمائشوں سے گزرنا ناگزیر ہے- ساتھ ہی ان اصول و مہمات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جن میں ثابت قدم ہونے کے بعد گمراہی و ناکامی سے قدم محفوظ ہو جا سکتے ہیں-

(۱) صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو- صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہو جائے- نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر و فکر سے روح کو تقویت ملتی رہے-- جس جماعت میں یہ دو قوتیں پیدا ہو جائیں گی، وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتی!

(۲) راہ حق میں موت، موت نہیں ہے- سرتا سر زندگی و ہدایت ہے- پس موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کر لو!

[1] (۳) مرکز قبلہ سے وابستگی اور حج کا قیام

[2] (۴) کتاب اللہ کی تعلیم و تذکیر ایک مقدس جماعتی فرض ہے- جو لوگ دنیا کے خوف یا طمع سے احکام حق چھپاتے ہیں وہ اللہ کی ⇦

يَكْتُمُونَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ

ع ۱۹/۱۱

ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو سچائی کی روشنیوں اور رہنمائیوں میں سے ہم نے نازل کی ہیں باوجودیکہ ہم نے انہیں کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تو یقین کرو ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے (یعنی اس کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں) تمام لعنت کرنے والوں کی لعنتیں بھی ان کے حصے میں آتی ہیں! (۱۵۹)

مگر ہاں (توبہ کا دروازہ ہر گناہ کے بعد کھلا ہوا ہے - پس) جن لوگوں نے اس گناہ سے توبہ کر لی اور اپنی (بگڑی) حالت از سرِ نو سنوار لی اور ساتھ ہی (احکامِ حق کو چھپانے کی جگہ) بیان کرنے کا شیوہ اختیار کر لیا تو ایسے لوگوں کی توبہ ہم قبول کر لیتے ہیں - اور ہم بڑے ہی درگزر کرنے والے اور رحمت سے بخش دینے والے ہیں! (۱۶۰)

(لیکن) جن لوگوں نے راہِ حق سے انکار کیا اور پھر مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو (ظاہر ہے کہ ان کے لیے اصلاحِ حال کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی، انسانوں کی، سب کی لعنت ہوئی - (۱۶۱) ہمیشہ اسی حالت میں رہنے والے - نہ تو کبھی ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ انہیں مہلت ملے گی! (۱۶۲)

اور (دیکھو[1]) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے - کوئی معبود نہیں مگر صرف اسی کی ایک ذات - رحمت والی، اور اپنی رحمت کی بخشش سے تمام کائنات ہستی کو فیضیاب کرنے والی! (۱۶۳)

بلاشبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں اور جہاز میں جو انسان کی کار برآریوں کے لیے سمندر میں چلتا ہے، اور برسات میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے، اور اس (کی آب پاشی) سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کے پھیلاؤ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہواؤں کے (مختلف رخ) پھرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) بندھے ہوئے ہیں ان لوگوں کے

⇦ لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں -

[1] (۵) خدا پرستی میں ثابت قدم رہنے، عقل و بصیرت سے کام لینے، کائنات خلقت میں تدبر و تفکر کرنے اور حقائق ہستی کی معرفت حاصل کرنے کا حکم، اور برہان فضل و رحمت سے استدلال -

السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ

ع ۲۰

لیے جو عقل رکھنے والے ہیں (اللہ کی ہستی و یگانگی اور اس کے قوانین رحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (۱۶۴)

اور (دیکھو) انسانوں[۱] میں سے کچھ انسان ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو اس کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں - وہ انہیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جیسی چاہت اللہ کے لیے ہونی چاہیے - حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں تو سب سے زیادہ محبت اللہ ہی کی ہوتی ہے -

جو بات ان ظالموں کو اس وقت سوجھے گی جب عذاب ان کے سامنے آ جائے گا کاش! اِس وقت سوجھتی - اس دن یہ دیکھیں گے کہ قوت اور ہر طرح کی قوت صرف اللہ ہی کو ہے' اور (اگر اس کے قوانین حق سے سرتابی کی جائے تو) اس کا عذاب بڑا ہی سخت عذاب ہے! (۱۶۵)

اور (دیکھو) جب ایسا[۲] ہوگا کہ وہ (جھوٹے پیشوا) جن کی پیروی کی گئی تھی (بجائے اس کے کہ اپنے پیرووں کے کام آئیں) اپنے پیرووں سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں گے (یعنی کہیں گے ہمیں ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں) کیونکہ عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان باہمی رشتوں وسیلوں کا تمام سلسلہ ٹوٹ جائے گا (کہ نہ تو کوئی کسی کا ساتھ دے گا اور نہ کسی کو کسی کی فکر ہوگی) (۱۶۶) تب وہ لوگ جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی پکار اٹھیں گے - کاش ہمیں ایک دفعہ پھر دنیا میں لوٹنے کی مہلت مل جائے تو ہم ان (جھوٹے پیشواؤں) سے اسی طرح بیزاری ظاہر کر دیں جس طرح یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں! سو دیکھو اس طرح اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کی حقیقت دکھلا دے گا کہ سرتاسر حسرت و پشیمانی کا منظر ہوگا اور وہ آتش عذاب سے چھٹکارا پانے والے نہیں! (۱۶۷) اے افراد نسل انسانی![۳] زمین میں جس قدر حلال اور پاکیزہ چیزیں (تمہاری غذا

---

[۱] اللہ پر ایمان اور اللہ کی محبت دونوں لازم و ملزوم ہیں - پس اگر اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو بھی ویسی ہی چاہت سے ماننے لگے جیسی چاہت سے ماننا صرف اللہ ہی کے لیے ہے تو پھر یہ اللہ کے ساتھ دوسرے کو ہم پلہ بنا دینا ہوا' اور توحید الٰہی کا اعتقاد درہم برہم ہو گیا - مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی محبت رکھنے والا ہو -

[۲] پیروان باطل کی پیروی کرنے کا حسرت انگیز نتیجہ جو ان کے بدقسمت پیرووں کے حصے میں آئے گا -

پچھلی امتوں کی تباہی کا ایک بنیادی سبب پیشوایان باطل کا اتباع ہے - ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس میں مبتلا ہو جاؤ -

[۳] ان اصولی مہمات کی تلقین کے بعد اب یہاں سے ان فروعی احکام کا بیان شروع ہوتا ہے جن کے متعلق طرح طرح کی گمراہیاں

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

کے لیے) مہیا کر دی گئی ہیں شوق سے کھاؤ اور (یہ جو لوگوں نے اپنے وہموں خیالوں سے طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کر رکھی ہیں تو یہ شیطانی وسوسے ہیں۔تم) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو-وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے-(۱۶۸)

وہ تو تمہیں بری اور قبیح باتوں ہی کے لیے حکم دے گا- نیز اس (گمراہی) کے لیے اکسائے گا کہ اللہ کے نام سے جھوٹی باتیں کہو جن کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں-(۱۶۹)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں نہیں ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے دیکھ رہے ہیں-کوئی ان لوگوں سے پوچھے اگر تمہارے بڑے بوڑھے عقل سے کورے اور ہدایت سے محروم رہے ہوں تو تم بھی عقل و ہدایت سے انکار کر دو گے؟(۱۷۰)

اور (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو ان کی مثال ایسی ہے (یعنی انہیں کورانہ تقلید کی جگہ عقل و ہدایت کی دعوت دینا ایسا ہے) جیسے ایک چرواہا چار پایوں کے آگے چیختا چلاتا ہے کہ چار پائے کچھ بھی نہیں سنتے مگر صرف بلانے اور پکارنے کی صدائیں-وہ بہرے' گونگے' اندھے ہو کر رہ گئے-پس کبھی سوچنے سمجھنے والے نہیں-(۱۷۱)

مسلمانو! اگر تم صرف اللہ کی بندگی کرنے والے ہو (اور سمجھتے ہو کہ حلال و حرام میں حکم اسی کا حکم ہے تو) وہ تمام پاکیزہ

لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور دین حق کی بنیادی صداقتوں پر ان کا اثر پڑتا تھا-یہ بیان اگرچہ فروعی احکام کا بیان ہے لیکن اپنی تشریحات و موعظت میں سرتاسر اصولی معارف ہیں:

من جملہ عالمگیر گمراہیوں کے ایک بنیادی گمراہی یہ تھی کہ کھانے پینے کے بارے میں طرح طرح کی بے اصل پابندیاں لگالی گئی تھیں اور دینداری کی سب سے بڑی بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ انسان کھانے پینے میں سب سے زیادہ توہم پرست ہو- ظاہر ہے کہ جس جماعت کی ذہنیت ایسی توہم پرستانہ پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہو وہ کبھی آزادی کے ساتھ ترقی و وسعت کا قدم نہیں اٹھا سکتی-پس سب سے پہلے اس معاملہ کی حقیقت واضح کی گئی اور ان تمام غلطیوں کا ازالہ کر دیا گیا جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں:

(۱) خدا نے انسان کی غذا کے لیے جس قدر اچھی چیزیں زمین میں مہیا کر دی ہیں شوق سے کھانی چاہییں-بے اصل روک ٹوک اور من گھڑت پابندیاں شیطانی وسوسے ہیں-

(۲) ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہے اور کفر کا خاصہ کورانہ تقلید اور بے بصیرتی ہے-اندھی تقلید کرنا' جو کچھ دیکھتے اور سنتے آئے ہیں بے سمجھے بوجھے اسی پر جمے رہنا اور دلیل و برہان کی جگہ اپنے بزرگوں پیشواؤں کا قول و عمل حجت سمجھنا ہدایت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے-

اندھی تقلید کرنے والوں کے سامنے علم' بصیرت کی بات پیش کرنا ایسا ہے جیسے چار پایوں کو مخاطب کرنا-

وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

چیزیں بے کھٹکے کھاؤ جو اللہ نے تمہاری غذا کے لیے مہیا کر دی ہیں اور اس کی نعمتیں کام میں لا کر اس کی بخشایشوں کے شکر گزار رہو! (۱۷۲)

اللہ[1] نے جو چیزیں تم پر حرام کر دی ہیں وہ تو صرف یہ ہیں کہ مردار جانور' حیوانات کا خون' سور کا گوشت' اور وہ (جانور) جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارے جائیں- البتہ اگر ایسی حالت پیش آ جائے کہ ایک آدمی (حلال غذا نہ مل سکنے کی وجہ سے) بہ حالت مجبوری کھا لے اور یہ بات نہ ہو کہ حکم شریعت کی پابندی سے نکل جانا چاہتا ہو یا اتنی مقدار سے زیادہ کھانا چاہتا ہو جتنے کی (زندگی بچانے کے لیے) ضرورت ہے تو اس صورت میں مجبور آدمی کے لیے کوئی گناہ نہ ہوگا- بلاشبہ اللہ (خطاؤں لغزشوں کو) بخش دینے والا اور (ہر حال میں) تمہارے لیے رحمت رکھنے والا ہے- (۱۷۳)

جو لوگ[2] ان حکموں کو جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں چھپاتے ہیں' اور اس (کتمان حق) کے بدلے دنیا کے حقیر فائدے خریدتے ہیں تو یقین کرو یہ وہ لوگ ہیں جو آگ کے شعلوں سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں (کیونکہ یہ کمائی ان کے لیے آتش عذاب کے شعلے بننے والی ہے) قیامت کے دن یہ اللہ کے خطاب سے محروم رہیں گے' وہ انہیں (بخش کر) گناہوں سے پاک نہیں کرے گا- ان کے لیے عذاب دردناک میں مبتلا ہونا ہے! (۱۷۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت بیچ کر گمراہی مول لی اور مغفرت کے بدلے عذاب کا سودا کیا تو (برائی کی راہ میں ان کا حوصلہ کیا ہی عجیب حوصلہ ہے اور) جہنم کی آگ کے لیے ان کی برداشت کیسی سخت برداشت ہے! (۱۷۵)

---

[1] (۳) جن چارپایوں کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے' وہ سب حلال ہیں مگر چار چیزیں-

[2] (۴) اور یہ جو اہل کتاب نے حلال و حرام کے بارے میں طرح طرح کی پابندیاں اپنے پیچھے لگا لی ہیں تو یہ اس لیے ہے کہ کتاب اللہ کا علم و عمل متروک ہو گیا ہے- ان کے علماء حق فروش ہیں کہ دنیا کی طمع سے احکام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں- یا انہیں ظاہر نہیں کرتے- اور عوام اپنے مذہبی پیشواؤں کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں-

کتاب اللہ علم و حقیقت ہے اور اختلاف جہل و ظن سے پیدا ہوتا ہے- پس جب علم حقیقت آ جائے تو اختلاف باقی نہیں رہنا چاہیے- پھر جو لوگ کتاب اللہ کے نزول کے بعد بھی اختلافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور الگ الگ مذہبی فرقہ بنا کر دین کی وحدت کھو دیتے ہیں تو وہ ''شقاق بعید'' میں پڑ جاتے ہیں- یعنی ایسے گہرے اور دور دراز تفرقوں میں جن سے کبھی نہیں نکل سکتے اور جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور زیادہ حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں!

ع ۲۱ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

یہ اس لیے ہوا کہ اللہ نے کتاب (تورات) سچائی کے ساتھ نازل کر دی تھی (اور جب وحی الٰہی کی روشنی آ جائے تو پھر انسانی گمانوں وہموں کے لیے گنجائش باقی نہیں رہتی پھر بھی یہ لوگ اختلافات میں پڑ گئے) اور جن لوگوں نے کتاب اللہ (کے احکام) میں الگ الگ راہیں اختیار کی ہیں تو وہ تفرقہ و مخالفت کی دور دراز راہوں میں کھوئے گئے! (۱۷۶)

نیکی اور بھلائی[۱] (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کی کر لی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر' آخرت کے دن پر' فرشتوں پر' آسمانی کتابوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔

خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

نماز قائم کرتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں۔ جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کر کے رہتے ہیں۔

تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی راہ میں ثابت قدم) ہوتے ہیں۔

تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں! (۱۷۷)

---

[۱] (۵) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کر لی جائے۔ بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے اور اصلی شے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے۔ شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لیے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو۔

نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے دین سے مقصود محض شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں۔ اور انہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لیے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو۔ پس جہاں تک دین کا تعلق ہے ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہیے نہ کہ وسائل کی۔

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

مسلمانو! [1] جو لوگ قتل کر دیے جائیں ان کے لیے تمہیں قصاص (یعنی بدلہ لینے) کا حکم دیا جاتا ہے۔ (لیکن بدلہ لینے میں ہر انسان دوسرے انسان کے برابر ہے) اگر آزاد آدمی نے آزاد آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کی بڑائی یا نسل کے شرف کی وجہ سے دو آدمی قتل کیے جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا) اگر غلام قاتل ہے تو غلام ہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کے آزاد ہونے کی وجہ سے دو غلام قتل کیے جائیں) عورت نے قتل کیا ہے تو عورت ہی قتل کی جائے گی۔ اور پھر اگر ایسا ہو کہ کسی قاتل کو مقتول کے وارث سے کہ (رشتہ انسانی میں) اس کا بھائی ہے معافی مل جائے (اور قتل کی جگہ خوں بہا لینے پر راضی ہو جائے) تو (خوں بہا لے کر چھوڑ دیا جا سکتا ہے) اور (اس صورت میں) مقتول کے وارث کے لیے دستور کے مطابق (خوں بہا کا) مطالبہ ہے اور قاتل کے لیے خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا۔ اور دیکھو یہ (جو قصاص کے معاملہ کو تمام زیادتیوں سے پاک کر کے عدل و مساوات کی اصل پر قائم کر دیا گیا ہے تو یہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے سختیوں کا کم کر دینا اور رحمت کا فیضان ہوا۔ اب اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے گا تو یقین کر و وہ (اللہ کے حضور) عذاب دردناک کا سزاوار ہوگا۔ (۱۷۸)

اور اے ارباب دانش! قصاص کے حکم میں (اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارا کر لی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہے) تمہارے لیے زندگی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ تم برائیوں سے بچو۔ (۱۷۹)

مسلمانو! [2] یہ بات بھی تم پر فرض کر دی گئی ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی محسوس کرے کہ اس کے مرنے کی گھڑی آ گئی

---

[1] قصاص کا حکم اور اس سلسلہ میں ان مفاسد کا ازالہ جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے:

(۱) انسانی مساوات کا اعلان اور نسل و شرف کے تمام امتیازات سے انکار جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور جن کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، وضیع ہو یا شریف، انسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ اس لیے قصاص میں کوئی امتیاز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اگر مقتول کے ورثا خوں بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

(۳) قصاص میں اگرچہ جان کی ہلاکت ہے مگر اس لیے ہے تاکہ زندگی کی حفاظت کی جائے۔ پس جب مقصود اصلی حفظ نفس ہوا، نہ کہ قتل نفس تو ظاہر ہے کہ اسے قتل نفس کا ذریعہ بنانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

[2] مرنے سے پہلے پس ماندوں کے لیے اچھی وصیت کرنے کا حکم، اور اس اصولی حقیقت کی تلقین کہ:

وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ

ع ۲۲

اور وہ اپنے بعد مال و متاع میں سے کچھ چھوڑ جانے والا ہو' تو چاہیے کہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے اچھی وصیت کر جائے- جو متقی انسان ہیں ان کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے- (۱۸۰)

پھر جو کوئی ایسا کرے کہ کسی آدمی کی وصیت سنئے (اور اس کے گواہ اور امین ہونے) کے بعد اس میں ردوبدل کر دے تو اس گناہ کی ذمہ داری اسی کے سر ہوگی جس نے ردّوبدل کیا ہے- (وصیت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اس کی تعمیل ہر حال میں ضروری ہوگی) یقین کرو اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے- (۱۸۱) اور اگر کسی شخص کو وصیت کرنے والے سے بے جا رعایت کرنے یا کسی معصیت کا اندیشہ ہو اور وہ (بروقت مداخلت کر کے یا وارثوں کو سمجھا بجھا کر) ان میں مصالحت کرا دے تو ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں (کیونکہ یہ وصیت میں ردوبدل کرنا نہیں ہوگا بلکہ ایک برائی کی اصلاح کر دینا ہوگا اور) بلاشبہ اللہ (انسانی کمزوریوں کو) بخشنے والا اور (اپنے تمام احکام میں) رحمت رکھنے والا ہے! (۱۸۲) مسلمانو![1] جس طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں روزہ فرض کر دیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کر دیا گیا ہے تاکہ تم میں پرہیزگاری پیدا ہو- (۱۸۳) (یہ روزے کے) چند گنے ہوئے دن ہیں- (کوئی بڑی مدت نہیں) پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لیے اجازت

(۱) انسان موت کے بعد جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ اگرچہ دوسروں کے قبضہ میں جاتا ہے لیکن مرنے سے پہلے اس کے ٹھیک ٹھیک خرچ ہونے اور عزیزوں قریبوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر مرنے والے کی زندگی کے فرائض میں سے ہے اور اس ذمہ داری سے وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا-

(۲) مرنے والے کی وصیت ایک مقدس امانت ہے- جو لوگ اس کے امین ہوں ان کا فرض ہے کہ بے کم و کاست اس کی تعمیل کریں-

(۳) اگر وہ لوگ جن پر وصیت کی تعمیل چھوڑ دی گئی ہے خیانت کریں تو اس کے لیے وہ خود جواب دہ ہوں گے- وصیت کرنے والا اور وصیت سے فائدہ اٹھانے والے جواب دہ نہیں ہو سکتے-

[1] رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم اور اس سلسلہ میں دین حق کے بعض اصولی حقائق کی تعلیم- نیز ان غلطیوں کا ازالہ جو اس بارے میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں:

(۱) روزہ کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس میں پاکی و نیکی ہے- بلکہ تمام تر مقصود نفس انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے- روزہ رکھنے سے تم میں پرہیزگاری کی قوت پیدا ہوگی اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق سیکھ لو گے-

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

ہے کہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر روزے کے دنوں کی گنتی پوری کر لے- اور جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کے لیے روزہ رکھنا نا قابل برداشت ہو (جیسے نہایت بوڑھا آدمی کہ نہ تو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے نہ یہ توقع رکھتا ہے کہ آگے چل کر قضا کر سکے گا) تو اس کے لیے روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے- پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ کرے (یعنی زیادہ مسکینوں کو کھلائے) تو یہ اس کے لیے مزید اجر کا موجب ہوگا- لیکن اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ روزہ رکھنا تمہارے لیے (ہر حال میں) بہتر ہے- (۱۸۴)

یہ رمضان کا مہینہ[۱] ہے جس میں قرآن کا نزول (شروع) ہوا- وہ انسانوں کے لیے رہنما ہے' ہدایت کی روشن صداقتیں رکھتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کر دینے والا ہے- پس جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے- ہاں جو کوئی بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ دوسرے دنوں میں چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی پوری کر لے- اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے-[۲] سختی و تنگی نہیں چاہتا- اور یہ (جو بیماروں اور مسافروں کے لیے روزہ قضا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ) اس لیے ہے کہ (حکمت الٰہی نے روزے کے فوائد کے لیے دنوں کی ایک خاص گنتی ٹھہرا دی ہے تو تم اس کی) گنتی پوری کر لو (اور اس عمل میں ادھورے نہ رہو) اور اس لیے بھی کہ اللہ نے تم پر راہ (سعادت) کھول دی ہے تو اس پر اس کی بڑائی کا اعلان کرو- نیز اس لیے کہ (اس کی نعمت کام میں لا کر) اس کی شکر گزاری میں سرگرم رہو! (۱۸۵)

اور (اے پیغمبر) [۳] جب میرا کوئی بندہ میری نسبت تم سے دریافت کرے (کہ کیونکر مجھ تک پہنچ سکتا ہے؟ تو تم اسے بتلا دو کہ) میں تو اس کے پاس ہوں وہ جب پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور اسے قبول کرتا ہوں- پس (اگر وہ واقعی میری طلب

---

[۱] (۲) روزہ کے لیے رمضان کا مہینہ اس لیے قرار پایا کہ اسی مہینے میں قرآن کا نزول شروع ہوا ہے اور اس کا روزے کے لیے مخصوص ہو جانا نزول قرآن کی یاد آوری و تذکیر ہے-

[۲] (۳) دین حق میں اصل آسانی ہے نہ کہ سختی - پس یہ سمجھنا کہ اس طرح کی عبادتوں میں سختی و تنگی اختیار کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا صحیح نہیں ہو سکتا-

[۳] (۴) اس طرح کی عبادتوں سے مقصود خود تمہارے نفس کی اصلاح و تربیت ہے- یہ بات نہیں کہ جب تک فاقہ کشی کے چلے نہ کھینچے جائیں خدا کو پکارا نہیں جا سکتا (جیسا کہ اہل مذاہب کا خیال تھا) خدا تو ہر حال میں انسان کی پکار سننے والا اور اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہے ایمان و اخلاص کے ساتھ جب کبھی اسے پکارو گے اس کا دروازۂ رحمت تم پر کھل جائے گا-

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ

رکھتے ہیں تو) چاہیے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں- (۱۸۶)

تمہارے لیے[۱] یہ بات جائز کر دی گئی ہے کہ روزہ کے دنوں میں رات کے وقت اپنی بیویوں سے خلوت کرو- تم میں اور ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے (یعنی ان کی زندگی تم سے وابستہ ہے- تمہاری ان سے) اللہ کے علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ تم اپنے اندر ایک بات کا خیال رکھ کر پھر اس کی بجا آوری میں خیانت کر رہے ہو (یعنی اپنے ضمیر کی خیانت کر رہے ہو- کیونکہ اگر چہ اس بات میں برائی نہ تھی مگر تم نے خیال کر لیا تھا کہ برائی ہے) پس اس نے (اپنے فضل و کرم سے تمہیں اس غلطی کے لیے جو اب وہ نہیں ٹھہرایا) تمہاری ندامت قبول کر لی اور تمہاری خطا بخش دی- اور اب (کہ یہ معاملہ صاف کر دیا گیا ہے) تم (بغیر کسی اندیشہ کے) اپنی بیویوں سے خلوت کرو اور جو کچھ تمہارے لیے (ازدواجی زندگی میں) اللہ نے ٹھہرا دیا ہے اس کے خواہش مند ہو- اور (اسی طرح رات کے وقت کھانے پینے کی بھی کوئی روک نہیں) شوق سے کھاؤ پیو- یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے الگ نمایاں ہو جائے (یعنی صبح کی سب سے پہلی نمود شروع ہو جائے) پھر اس وقت سے لے کر رات (شروع ہونے) تک روزے کا وقت پورا کرنا چاہیے- البتہ اگر تم مسجد میں اعتکاف کر رہے ہو تو اس حالت میں نہیں چاہیے کہ اپنی بیویوں

---

[۱] (۵) یہودیوں کے یہاں روزہ کی شرطیں نہایت سخت تھیں- ازاں جملہ یہ کہ اگر شام کو روزہ کھول کر سو جائیں تو پھر بیچ میں اٹھ کر کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے- اسی طرح روزے کے مہینے میں زناشوئی کا علاقہ بھی مطلقاً ممنوع تھا- مسلمانوں کو جب روزے کا حکم ہوا تو انہوں نے خیال کیا ان کے لیے بھی یہ پابندیاں ضروری ہوں گی- اور چونکہ پابندیاں سخت تھیں اس لیے بعض لوگ نبھا نہ سکے اور اپنے فعل کو کمزوری سمجھ کر چھپانے لگے "عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ" میں اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے-

روزے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسمانی خواہشیں بالکل ترک کر دی جائیں بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہے- پس کھانے پینے اور زناشوئی کے معاملہ کی جو کچھ ممانعت ہے صرف دن کے وقت ہے- رات کے وقت کوئی روک نہیں-

(۶) زناشوئی کا تعلق کوئی برائی اور ناپاکی کی بات نہیں ہے جس کا عبادت کے مہینے میں کرنا جائز نہ ہو- وہ مرد اور عورت کا ایک فطری تعلق ہے اور دونوں ایک دوسرے سے اپنے حوائج میں وابستہ ہیں- پس ایک فطری علاقہ عبادت الٰہی کے منافی کیوں ہو؟

(۷) مومن وہ ہے جس کے عمل میں کوئی کھوٹ اور راز نہ ہو- اگر ایک بات بری نہیں ہے مگر تم نے اسے برا سمجھ لیا ہے اور اس لیے چوری چھپے کرنے لگے ہو تو گو تم نے اصلاً برائی نہیں کی مگر تمہارے ضمیر کے لیے برائی ہو گئی ہے اور تمہارے دل کی پاکی پر دھبہ لگ گیا-

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٨٧﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾ وَ قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

ع ۲۳/۷

سے خلوت کرو- (جہاں تک روزے کا تعلق ہے) یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں پس ان سے دور دور رہنا- اللہ اسی طرح اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تا کہ لوگ (نافرمانی سے) بچیں- (۱۸۷)

اور دیکھو[۱] ایسا نہ کرو کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھاؤ اور نہ ایسا کرو کہ مال و دولت کو حاکموں کے دلوں تک پہنچنے کا (یعنی انہیں اپنی طرف مائل کرنے کا) ذریعہ بناؤ' تا کہ دوسروں کے مال کا کوئی حصہ ناحق حاصل کر لو- اور تم جانتے ہو کہ حقیقت حال کیا ہے- (۱۸۸)

اے پیغمبر![۲] لوگ تم سے (مہینوں کی) چاندرات کی بابت دریافت کرتے ہیں- ان لوگوں سے کہہ دو یہ انسان کے لیے وقت کا حساب ہے اور اس سے حج کے مہینے کا تعین ہو جاتا ہے (باقی جس قدر توہمات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور طرح طرح کی رسمیں اختیار کر رکھی ہیں تو ان کی کوئی اصلیت نہیں) اور یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے کہ اپنے گھروں میں (دروازہ چھوڑ کر) پچھواڑے سے داخل ہو (جیسا کہ عرب کی رسم تھی کہ حج کے مہینے کا چاند دیکھ لیتے اور احرام باندھ لینے کے بعد اگر گھروں میں داخل ہونا چاہتے تو دروازے سے داخل نہ ہوتے' پچھواڑے سے راہ نکال کر جاتے) نیکی تو اس کے لیے ہے جس نے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا- پس (ان وہم پرستیوں میں مبتلا نہ ہو) گھروں میں آؤ تو دروازے ہی کی راہ آؤ- (پچھواڑے سے راہ نکالنے کی مصیبت میں کیوں پڑو؟) البتہ اللہ کی نافرمانی سے بچو تا کہ (طلب سعادت میں) کامیاب ہو! (۱۸۹) اور (دیکھو)[۳] جو لوگ تم سے لڑائی لڑ رہے

---

[۱] (۸) اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ مشقت نفس کی عبادتیں کچھ سودمند نہیں ہو سکتیں اگر ایک شخص بندوں کے حقوق سے بے پروا ہے اور مال حرام سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا- نیکی صرف اسی میں نہیں ہے کہ چند دنوں کے لیے تم نے جائز غذا ترک کر دی- نیکی کی راہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے ناجائز غذا ترک کر دو-

[۲] حج کے احکام اور اس سلسلہ میں دین حق کی بعض اصولی ہدایتیں اور اہل عرب اور دیگر اقوام کی گمراہیوں کا ازالہ:

(۱) چاند کے طلوع وغروب سے مہینوں کا حساب لگا لیا جاتا ہے اور حج کے موسم کا تعین اسی حساب سے کیا جاتا ہے- اس کے علاوہ جو وہم پرستانہ خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں خواہ ان کا تعلق کوکب پرستی سے ہو یا نجوم کے عقائد سے' ان کی کوئی اصلیت نہیں-

(۲) مقدس زیارت گاہوں اور تیرتھوں پر جانے کے لیے لوگوں نے طرح طرح کی پابندیاں لگالی ہیں اور اجر و ثواب کے لیے اپنے آپ کو تکلیفوں مشقتوں میں ڈالتے ہیں' لیکن یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں- نیکی کی اصلی راہ یہ ہے کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو-

[۳] اہل مکہ کے ظلم و تعدی سے حج کا دروازہ مسلمانوں پر بند ہو گیا تھا پس حکم دیا گیا کہ جنگ کے بغیر چارہ نہیں- ضروری ہے کہ

وَ لَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اقۡتُلُوۡہُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡہُمۡ وَ اَخۡرِجُوۡہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ اَخۡرَجُوۡکُمۡ وَ الۡفِتۡنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوۡہُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوۡکُمۡ فِیۡہِ ۚ فَاِنۡ قٰتَلُوۡکُمۡ فَاقۡتُلُوۡہُمۡ ؕ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَ قٰتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّ یَکُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّہۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّہۡرِ الۡحَرَامِ وَ الۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ

ہیں چاہیے کہ اللہ کی راہ میں تم بھی ان سے لڑو- (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے- اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں- (۱۹۰)

(اہل مکہ نے تمہارے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے تو تمہاری طرف سے بھی اب اعلان جنگ ہے) جہاں کہیں پاؤ انہیں قتل کرو اور جس جگہ سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم بھی انہیں لڑ کر نکال باہر کرو- اور فتنہ کا قائم رہنا قتل و خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے (باقی رہا حرم کی حدوں کا معاملہ کہ ان کے اندر لڑائی کی جائے یا نہ کی جائے؟ تو اس بارے میں حکم یہ ہے کہ) جب تک وہ خود مسجد حرام کی حدود میں تم سے لڑائی نہ کریں تم بھی اس جگہ ان سے لڑائی نہ کرو- پھر اگر ایسا ہوا کہ انہوں نے لڑائی کی تو تمہارے لیے بھی یہی ہوگا کہ لڑو- منکرین حق (کی ظالمانہ پیش قدمیوں) کا یہی بدلہ ہے- (۱۹۱) لیکن اگر ایسا ہوا کہ وہ لڑائی سے باز آ گئے تو (پھر اللہ کا دروازۂ بخشش بھی بند نہیں ہے) بلاشبہ وہ رحمت سے بخش دینے والا ہے! (۱۹۲)

اور دیکھو[1] ان لوگوں سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی ظلم و فساد) باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ ہی کے لیے ہو جائے- پھر اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ لڑائی سے باز آ جائیں تو (تمہیں بھی ہاتھ روک لینا چاہیے- کیونکہ) لڑائی نہیں لڑنی ہے- مگر انہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں- (۱۹۳)

اگر حرمت کے مہینوں کی رعایت کی جائے' تو تمہاری طرف سے بھی رعایت ہونی چاہیے- اگر نہ کی جائے تو تمہاری طرف سے بھی نہیں ہے- (مہینوں کی) حرمت کے معاملہ میں (جب کہ لڑائی ہو) ادلہ کا بدلہ ہے (یعنی جیسی روش ایک فریق

اس مقام کو ظالموں کے قبضہ و تصرف سے نجات دلائی جائے-

اس بارے میں اصل یہ ہے کہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی لیکن مسلمانوں کے کسی کام میں بھی عدل و راستی کے خلاف کوئی بات نہیں ہونی چاہیے-

(۴) جنگ برائی ہے لیکن فتنے کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت برائی ہے- پس ناگزیر ہوا کہ فتنے کے ازالے کے لیے جنگ کی حالت گوارا کر لی جائے-

قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسے حق نہ سمجھیں- یعنی دین و اعتقاد کی آزادی مفقود ہو گئی تھی- قرآن کہتا ہے کہ یہ برائی جنگ کی برائی سے بھی زیادہ سخت ہے- اس لیے ضروری ہے کہ اس کے انسداد کے لیے جنگ کی برائی گوارا کر لی جائے-

[1] جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ دین و اعتقاد کی آزادی حاصل ہو جائے- یعنی دین کے معاملہ میں جس کا تعلق صرف اللہ سے ہے انسان کے ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے-

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَ اَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ٙ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ

جنگ کی ہوگی، ویسی ہی دوسرے فریق کو بھی اختیار کرنی پڑے گی- یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک فریق تو مہینوں کی حرمت سے بے پرواہو کر حملہ کردے اور دوسرا فریق حرمت کے خیال سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے) پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو چاہیے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ویسا ہی معاملہ تم بھی اس کے ساتھ کرو، البتہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) پرہیزگار ہیں! (۱۹۴)

اور اللہ کی راہ[1] میں مال خرچ کرو- ایسا نہ کرو کہ (جہاد کی اعانت سے غافل ہوکر) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دو، نیکی کرو! یقیناً اللہ کی محبت انہی لوگوں کے لیے ہے جو نیکی کرنے والے ہیں! (۱۹۵)

اور دیکھو[2] حج اور عمرہ کی جب نیت کرلی جائے تو اسے اللہ کے لیے کرنا چاہیے-

اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ تم (اس نیت سے نکلے مگر) راہ میں گھر گئے (لڑائی کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے) تو پھر ایک جانور کی قربانی کرنی چاہیے- جیسا کچھ بھی میسر آجائے-

اور اس وقت تک سر کے بال نہ منڈاؤ (جو اعمال حج سے فارغ ہوکر احرام اتارتے وقت کیا جاتا ہے) جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے-

ہاں اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اسے سر کی کسی تکلیف کی وجہ سے مجبوری ہو تو چاہیے کہ (بال اتارنے کا) فدیہ دے دے اور وہ یہ ہے کہ روزہ رکھے یا صدقہ دے یا جانور کی قربانی کرے-

اور پھر جب ایسا ہو کہ تم امن کی حالت میں ہو اور کوئی شخص چاہے کہ (عمرہ حج سے ملاکر) تمتع کرے (یعنی ایک ہی سفر میں دونوں عملوں کے ثواب سے فائدہ اٹھائے) تو اس کے لیے بھی جانور کی قربانی ہے- جیسی کچھ میسر آجائے-

---

[1] (۵) جو لوگ جہاد کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں- کیونکہ جہاد سے اعراض کا نتیجہ قومی زندگی کی ہلاکت ہے-

[2] (۶) اگر لڑائی کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے راہ میں رک جانا پڑے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ نیز حج اور عمرہ کے تمتع کی صورت (یعنی دونوں کو ملاکر کرنے کی صورت)

الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

ع ۲۴ ۸

اور جس کسی کو قربانی میسر نہ آئے تو اسے چاہیے تین روزے حج کے دنوں میں رکھے سات روزے واپسی پر، یہ دس کی پوری گنتی ہوگئی- البتہ یاد رہے کہ یہ حکم (یعنی عمرہ کے تمتع کا حکم) اس کے لیے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو (باہر سے حج کے لیے آیا ہو) اور دیکھو ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچو اور یقین کر رو وہ (نافرمانوں کو) سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے! (۱۹۶)

حج [1] (کی تیاری) کے مہینے عام طور پر معلوم ہیں- پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تو (وہ حج کی حالت میں ہو گیا اور) حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے' نہ گناہ کی کوئی بات کرنی ہے' اور نہ لڑائی جھگڑا- اور (یاد رکھو) تم نیک عملی کی باتوں میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہتا' پس (حج کرو تو اس کے) سروسامان کی تیاری بھی کرو- اور سب سے بہتر سروسامان (دل کا سروسامان ہے اور وہ) تقویٰ ہے!

اور اے ارباب دانش (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو (کہ خوف الٰہی سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے-) (۱۹۷)

(اور دیکھو) اس میں [2] تمہارے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں اگر (اعمال حج کے ساتھ) تم اپنے پروردگار کے فضل کی بھی تلاش میں رہو (یعنی کاروبار تجارت کا بھی مشغلہ رکھو) پس جب عرفات (نامی مقام) سے انبوہ در انبوہ لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں (ٹھہر کر) اللہ کا ذکر کرو- اور اسی طرح ذکر کرو جس طرح ذکر کرنے کا طریقہ تمہیں بتلا دیا گیا ہے- اگرچہ اس سے

---

[1] (۷) حج کے دنوں میں (اور وہ اس وقت سے شروع ہو جاتے ہیں جب تم نے احرام باندھ لیا) نہ تو عورت کے ساتھ خلوت کرنی چاہیے' نہ گناہ کی کوئی بات' اور نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا- اعمال حق کے لیے سب سے بڑی تیاری یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو!

[2] (۸) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ خدا پرستی اور دین داری کی راہ دنیوی معیشت اور دنیوی فلاح و ترقی کے خلاف نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنی چاہتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں موجود ہوں- حج ایک عبادت ہے- لیکن اس کا عبادت ہونا اس سے مانع نہیں کہ کاروبار دنیوی کا بھی فائدہ اٹھاؤ- مال و دولت اللہ کا فضل ہے- پس چاہیے کہ اللہ کے فضل کی تلاش میں رہو-

(۹) دین اور دنیا کے معاملہ میں دنیا کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ یا تو افراط میں پڑ گئے ہیں' یا تفریط میں' اور راہ اعتدال گم ہو گئی ہے- یعنی یا تو دنیا کا انہماک اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ آخرت سے یک قلم بے پروا ہو جاتے ہیں یا آخرت کے استغراق میں اتنے دور نکل

لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

النصف

پہلے تم بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو راہ حق سے بھٹک گئے ہیں-(۱۹۸)

پھر (یہ بات بھی ضروری ہے کہ) جس جگہ (تک جا کر) لوگ انبوہ در انبوہ لوٹتے ہیں تم (اہل مکہ) بھی وہیں سے لوٹو اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔☆ بلاشبہ اللہ (خطائیں) بخشنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے-(۱۹۹)

پھر جب تم حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو چاہیے کہ جس طرح پہلے اپنے آباواجداد کی بڑائیوں کا ذکر کیا کرتے تھے اب اسی طرح اللہ کا ذکر کیا کرو- بلکہ اس سے بھی زیادہ (کہ تمام اعمال حج سے اصل مقصود یہی ہے)

اور پھر (دیکھو) کچھ لوگ تو ایسے ہیں (جو صرف دنیا ہی کے پجاری ہوتے ہیں اور) جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ خدایا! ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے پس آخرت کی زندگی میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا-(۲۰۰) اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو (دنیا وآخرت دونوں کی فلاح چاہتے ہیں-وہ) کہتے ہیں خدایا! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچالے! (۲۰۱) تو یقین کرو ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں ان کے عمل کے مطابق (دنیا وآخرت کی) فلاح میں حصہ ملنا ہے اور اللہ (کا قانون) اعمال کی جانچ میں سست رفتار نہیں (وہ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق فوراً نتیجہ دے دینے والا ہے)(۲۰۲)

اور (دیکھو) حج کے گنے ہوئے دنوں میں (جو معلوم ہیں اور دسویں ذوالحج سے لے کر تیرھویں تک ہیں) اللہ کی یاد میں مشغول رہو- پھر جو کوئی (واپسی میں) جلدی کرے اور دو ہی دن میں روانہ ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں اور جو کوئی تاخیر کرے تو وہ تاخیر بھی کر سکتا ہے-لیکن یہ (جلدی اور تاخیر کی رخصت) اسی کے لیے ہے جس میں تقویٰ ہو (کیونکہ تمام اعمال سے اصل مقصود تقویٰ ہے- اگر ایک شخص کے ارادے اور عمل میں تقویٰ نہیں تو اس کا کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہوسکتا)

جاتے ہیں کہ ترک دنیا اور رہبانیت کا دم بھرنے لگتے ہیں-لیکن دین حق کی راہ ہر گوشۂ عمل کی طرح یہاں بھی اعتدال کی راہ ہے اور صحیح زندگی اس کی زندگی ہے جو کہتا ہے ''خدایا میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں چاہتا ہوں!''

☆ حج کے اعمال میں سے ایک عمل عرفات جا کر ٹھہرنا اور وہاں سے لوٹنا ہے لیکن باشندگان مکہ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ حدود حرم تک جا کر لوٹ آتے اور کہتے ہم تو اسی مقام کے باشندے ہیں- ہمارے لیے حدود حرم سے باہر جانا ضروری نہیں- یہ کچھ تو اس لیے تھا کہ باشندۂ مکہ ہونے کا غرور باطل تھا-اور زیادہ تر اس لیے کہ دنیوی کاروبار کے انہماک سے اعمال حج کی مشغولیت ان پر شاق گزرتی تھی- چاہتے تھے کہ باہر کے حاجی حج میں مشغول رہیں- ہم موسم سے تجارت کا فائدہ اٹھائیں-

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

پس ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات نہ بھولو کہ تم سب کو (ایک دن مرنا اور پھر) اس کے حضور جمع ہونا ہے! (۲۰۳)

اور (دیکھو) بعض[1] آدمی ایسے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بارے میں ان کی باتیں تمہیں بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں' اور وہ اپنے ضمیر کی پاکی پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں- حالانکہ فی الحقیقت وہ دشمنی اور خصومت میں بڑے ہی سخت ہیں- (۲۰۴)

جب انہیں حکومت مل جاتی ہے تو ان کی تمام سرگرمیاں ملک میں اس لیے ہوتی ہیں تاکہ خرابی پھیلائیں اور انسان کی زراعت اور محنت کے نتیجوں کو اور اس کی نسل کو ہلاک کر دیں- حالانکہ اللہ یہ کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ (زندگی و آبادی کی جگہ) ویرانی و خرابی پھیلائی جائے- (۲۰۵)

اور جب ان لوگوں سے کہا جائے خدا سے ڈرو (اور ظلم و فساد سے باز آؤ) تو ان کا گھمنڈ انہیں (اور زیادہ) گناہ پر اکساتا ہے- پس (جن لوگوں کا حال ایسا ہو تو وہ کبھی ظلم و فساد سے باز آنے والے نہیں) انہیں تو جہنم ہی کفایت کرے گا (اور جس کسی نے جہنم کا ٹھکانا ڈھونڈھا تو اس کا ٹھکانا) کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۲۰۶)

(برخلاف ان کے) کچھ آدمی ایسے بھی ہیں جو (نفس پرستی کی جگہ خدا پرستی کی روح سے معمور ہوتے ہیں اور) اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک بیچ ڈالتے ہیں (یعنی رضائے الٰہی کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں) اور (جو کوئی ایسا کرتا ہے تو یاد رکھے) اللہ بھی اپنے بندوں کے لیے سرتاسر شفقت و مہربانی رکھنے والا ہے! (۲۰۷)

---

[1] (۱۰) دین حق دنیا کا نہیں لیکن دنیا پرستی کے غرور و سرشاری کا مخالف ہے-

یہی دنیا پرستی کا غرور ہے جو انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے بے پروا کر دیتا ہے اور جب اسے طاقت اور حکومت مل جاتی ہے تو غرض و نفس کی پرستش میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو دنیا میں انسان کا ظلم و فساد کر سکتا ہے-

لیکن جو لوگ سچے خدا پرست ہیں وہ دنیا میں کتنے ہی مشغول ہوں مگر ان کے پیش نظر نفس پرستی نہیں ہوتی بلکہ رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے- ایک دنیا پرست اپنے نفس کے لیے دوسروں کو قربان کر دے گا لیکن یہ لوگ رضائے الٰہی کی راہ میں خود اپنے نفس کو قربان کر دیں گے!

ایک شخص کی دنیوی زندگی بظاہر کتنی ہی خوش نما ہو اور وہ اپنی نیک دلی کا کتنا ہی دعویٰ کرے لیکن ان باتوں سے کچھ نہیں بنتا- اصلی کسوٹی یہ ہے کہ دیکھا جائے طاقت و اختیار پا کر اپنے ابنائے جنس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟

حرث و نسل کی تباہی انسانی غرور و طاقت کا بہت بڑا فساد ہے-

دنیوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے اللہ سے ڈرو تو ان کا گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم و معصیت پر آمادہ کر دیتا ہے-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ

ربع ۔ وقف لازم

مسلمانو[1] پوری طرح اور (اعتقاد و عمل کی) ساری باتوں میں مسلم ہو جاؤ - اور دیکھو شیطانی وسوسوں کی پیروی نہ کرو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے - (۲۰۸)

پھر اگر ایسا ہوا ہے کہ تم ڈگمگا گئے باوجودیکہ ہدایت کی روشن دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں تو یاد رکھو اللہ (کے قانون جزا کی پکڑ سے تم بچ نہیں سکتے - وہ) سب پر غالب اور (اپنے کاموں میں) حکمت والا ہے! (۲۰۹)

پھر یہ لوگ کس بات کے انتظار میں ہیں؟ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا ان کے سامنے نمودار ہو جائے (اور اس طرح نمودار ہو جائے کہ) بادل اس پر سایہ کیے ہوں اور فرشتے (صف باندھے کھڑے) ہوں اور جو کچھ ہونا ہے ہو چکے؟ (اگر اسی بات کے منتظر ہیں تو یاد رکھیں یہ بات دنیا میں تو ہونے والی نہیں) اور تمام کاموں کا سر رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے! (۲۱۰)

بنی اسرائیل[2] سے پوچھو ہم نے انہیں (علم و بصیرت کی کتنی روشن نشانیاں دی تھیں؟ اور جو کوئی خدا کی نعمت پا کر پھر اسے (محرومی و شقاوت سے) بدل ڈالے تو یاد رکھو خدا کا (قانون مکافات) بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے - (۲۱۱)

منکرین حق کی نگاہوں میں تو صرف دنیا کی زندگی ہی سمائی ہوئی ہے - وہ ایمان والوں کی (موجودہ بے سروسامانی دیکھ کر) ہنسی اڑاتے ہیں - حالانکہ جو لوگ متقی ہیں قیامت کے دن وہی ان منکروں کے مقابلے میں بلند مرتبہ ہوں گے - اور (پھر

---

[1] (۱۱) دنیا پرستی کی یہ سرشاری قوموں کی گمراہی کا بہت بڑا سبب رہی ہے - خصوصاً فتح و اقبال کے حصول کے بعد - اس لیے پیروان دعوت حق کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا جاتا ہے کہ اس صورت حال سے اپنی حفاظت کریں -

اللہ کی ہدایت ظاہر ہو چکی ہے اور وہ سب کچھ تمہیں بتلایا جا چکا ہے جس کی استقامت حق کے لیے ضرورت تھی - اس پر بھی اگر تم نے ٹھوکر کھائی اور راہ ہدایت پر قائم نہ رہے تو یہ نعمت الٰہی کو محرومی سے بدل دینا ہوگا -

اگر ایک گروہ کے ایمان و یقین کے لیے کلام الٰہی کی ہدایت کافی نہیں تو پھر اس کے بعد یہی رہ گیا ہے کہ خدا اس کے سامنے آ کر اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں تمہارا خدا ہوں - مجھ پر ایمان لاؤ - لیکن نہ ایسا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے -

ایمان کی برکتیں اور سعادتیں حاصل کرنے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ اسلام کے دائرہ میں آ جاؤ بلکہ چاہیے کہ پوری طرح آ جاؤ یعنی اعتقاد و عمل کے ہر گوشہ میں ایمان کی روح تمہارے اندر پیدا ہو جائے اور از سرتا پا پیکر ایمان ہو جاؤ!

[2] (۱۲) بنی اسرائیل کی سرگزشت سے عبرت پکڑو - اللہ نے انہیں ہدایت و سعادت کی راہ دکھلائی لیکن انہوں نے محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کی -

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

یہ منکرین حق نہیں جانتے کہ جو لوگ آج مال و جاہ دنیوی سے تہی دست ہیں کل کو اللہ کے فضل سے مالا مال ہو جا سکتے ہیں- اور) اللہ جسے چاہتا ہے' اپنے رزق بے حساب سے مالا مال کر دیتا ہے- (۲۱۲)

ابتدا[1] میں ایسا تھا کہ لوگ الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے- ایک ہی قوم و جماعت تھے (پھر ایسا ہوا کہ باہم دگر مختلف ہو گئے اور الگ الگ ٹولیاں بن گئیں) پس اللہ نے (ایک کے بعد ایک) نبیوں کو مبعوث کیا- وہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دیتے اور (انکار و بد عملی کے نتائج سے) متنبہ کرتے تھے- نیز ان کے ساتھ کتاب الٰہی نازل کی گئی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے ان میں وہ فیصلہ کر دینے والی ہو (اور تمام لوگوں کو راہ حق پر متحد کر دے) اور یہ جو لوگ باہم دگر مختلف ہوئے تو اس لیے نہیں ہوئے کہ ہدایت سے محروم اور حقیقت سے بے خبر تھے- نہیں وحی الٰہی کے واضح احکام ان کے سامنے تھے مگر پھر بھی محض آپس کی ضد اور مخالفت کرنے لگتے تھے- بالآخر اللہ نے ایمان لانے والوں کو (دین کی) وہ حقیقت دکھا دی جس میں لوگ مختلف ہو گئے تھے (اور ایک دوسرے کو جھٹلا رہے تھے) اور اللہ جسے چاہتا ہے دین کی سیدھی راہ دکھلا دیتا ہے! (۲۱۳)

پھر کیا[2] تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو تمہیں وہ آزمائشیں پیش ہی نہیں آئی ہیں جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آ چکی ہیں- ہر طرح کی سختیاں اور محنتیں انہیں پیش آئیں' شدتوں اور

---

[1] (۱۳) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ ابتدا میں تمام انسان ایک ہی قوم و جماعت تھے اور فطری زندگی کی سادگی پر قانع تھے- پھر ایسا ہوا کہ نسل انسانی کی کثرت و وسعت سے طرح طرح کے تفرقے پیدا ہو گئے اور تفرقے کا نتیجہ ظلم و فساد کی صورت میں ظاہر ہوا- تب وحی الٰہی نمودار ہوئی اور یکے بعد دیگرے خدا کے رسول مبعوث ہوتے رہے- ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا- یعنی خدا پرستی و نیک عملی کی تلقین اور تفرقہ و اختلاف کی جگہ وحدت و اجتماع کا قیام- کتاب اللہ ہمیشہ اس لیے نازل ہوئی' تاکہ دین کے تفرقہ و اختلاف میں فیصلہ کرنے والی ہو' اور لوگوں کو وحدت دین کی اصل پر متحد کر دے-

تفرقہ و اختلاف کی علت باہمی "بغیاً" ہے- یعنی آپس کی ضد اور اتباع حق کی جگہ خود پرستی اور سرکشی-

اس محل میں اس ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ پیروان اسلام کو دعوت استقامت دیتے ہوئے پہلے بنی اسرائیل کے حالات سے استشہاد کیا تھا- اب واضح کیا جاتا ہے کہ صرف بنی اسرائیل ہی پر موقوف نہیں- تمام پچھلی جماعتوں کا یہی حال رہا ہے پس قیام حق کے لیے تعلیم حق کی نہیں (کیونکہ وہ تو اول روز سے ایک ہی رہی ہے' اور ہمیشہ موجود رہی ہے) بلکہ حق پر ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہے-

[2] (۱۴) مومن ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ تم نے ایمان کا اقرار کر لیا اور جنتی ہو گئے بلکہ ضروری ہے کہ ان تمام آزمائشوں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ

ع ۲۶ / ۱۰

ہولنا کیوں سے ان کے دل دہل گئے- یہاں تک کہ اللہ کا رسول اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اٹھے ''اے نصرت الٰہی! تیرا وقت کب آئے گا؟'' (تب اچانک پردۂ غیب چاک ہوا اور خدا کی نصرت یہ کہتی ہوئی نمودار ہوگئی) ''ہاں گھبراؤ نہیں خدا کی نصرت تم سے دور نہیں ہے!(۲۱۴) اے پیغمبر[۱] تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خیرات کے لیے خرچ کریں تو کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو جو کچھ بھی تم اپنے مال میں سے نکال سکتے ہو نکالو، تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں' عزیز و اقربا ہیں' یتیم بچے ہیں' مسکین ہیں' (مصیبت زدہ) مسافر ہیں۔ اور یاد رکھو جو کچھ بھی تم بھلائی کے کاموں میں سے کرتے ہو تو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا (کہ اکارت جائے) وہ سب کچھ جاننے والا ہے!(۲۱۵)

لڑائی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے لیکن بہت ممکن ہے ایک بات کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک بات تمہیں اچھی لگتی ہو اور اسی میں تمہارے لیے برائی ہو۔ اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے!(۲۱۶) اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں جو مہینہ حرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اس میں لڑائی لڑنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو اس میں لڑائی لڑنا بڑی برائی کی بات ہے- مگر (ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ) انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا (یعنی ایمان اور خدا پرستی کی راہ اس پر بند کر دینا) اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں نہ

---

[۱] میں ثابت قدم رہو جو تم سے پہلے حق پرستوں کو پیش آ چکی ہیں اور تمہیں بھی پیش آئیں گی- خیرات کرنے کا حکم' اور اس غلطی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے تھے خیرات صرف غیروں ہی کو دی جا سکتی ہے- اپنوں اور عزیزوں کی مدد کرنا خیرات نہیں ہے- خیرات کے مصارف بتلاتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ ان کا اولیں مصرف تمہارے عزیز و اقربا ہیں- اگر وہ محتاج ہوں!

[۲] دفاع کا حکم یعنی دین کے اعتقاد و عمل کی آزادی کے لیے لڑنے کا حکم:

(۱) جنگ کی حالت کوئی ایسی حالت نہیں ہے جو تمہارے لیے خوشگوار ہو- لیکن اس دنیا میں کتنی ہی خوشگواریاں ہیں جو ناگواریوں سے پیدا ہوتی ہیں- اور کتنی ہی خوشگوار باتیں ہیں جن کا نتیجہ ناگوار ہوتا ہے!

(۲) جنگ برائی ہے- لیکن انسانی طاقت کا ظلم و فساد اس سے بھی بڑھ کر برائی ہے- پس جب ایسی حالت پیش آ جائے کہ ظلم کا ازالہ اور کسی طرح ممکن نہ ہو تو جنگ کے سوا چارہ نہیں-

(۳) دشمنوں کی مخالفت کسی خاص فرد یا جماعت سے نہ تھی بلکہ اس بنا پر تھی کہ لوگ اپنے پچھلے عقائد چھوڑ کر کیوں ایک نیا اعتقاد اختیار کر رہے ہیں؟ یعنی محض اختلاف عقائد کی بنا پر وہ ایک جماعت کو نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے- پس جب تک مسلمان اپنے اعتقاد سے دست بردار نہ ہو جاتے' دشمنوں کی طرف سے قتل و غارت گری کا سلسلہ برابر جاری رہتا اور جب مسلمان اس کے لیے تیار نہ تھے تو پھر اس کے سوا کیا چارۂ کار تھا کہ مردانہ وار لڑیں اور حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے؟

(۴) قرآن نے جنگ کا قدم نہیں اٹھایا اور نہ وہ داعی امن ہو کر اٹھا سکتا تھا' لیکن اس کے خلاف اٹھایا گیا اور اس نے پیٹھ نہیں دکھلائی-

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

جانے دینا' نیز مکہ سے وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا' اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے اور فتنہ (یعنی ظلم وفساد) قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور (یاد رکھو) یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے- یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں- اور دیکھو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے گا اور اسی حالت برگشتگی میں دنیا سے جائے گا تو یاد رکھو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے' ہمیشہ عذاب میں رہنے والا! (۲۱۷) (برخلاف اس کے) جو لوگ ایمان لائے (اور راہ ایمان میں ثابت قدم رہے) اور جن لوگوں نے وطن سے بے وطن ہونے کی سختیاں برداشت کیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی (سچی) امیدواری کرنے والے ہیں' اور جو کوئی اللہ کی رحمت کا سچے طریقے پر امیدوار ہو تو اللہ (بھی) رحمت سے بخش دینے والا ہے! (۲۱۸) اے پیغمبر![1] تم سے لوگ شراب اور جوے کی بابت دریافت کرتے ہیں- ان سے کہہ دو' ان دونوں چیزوں میں نقصان بہت ہے اور انسان کے لیے فائدے بھی ہیں- لیکن ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ اور تم سے پوچھتے ہیں (راہ حق میں خرچ کریں تو) کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو جس قدر (تمہاری ضروریات معیشت سے) فاضل ہو- دیکھو اللہ اس طرح کے احکام دے کر تم پر اپنی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ دنیا

[1] (۵) جنگ کے سلسلہ میں تین سوالات پیدا ہو گئے تھے- ان کے جوابات دیے گئے:

عام طور پر سمجھا جاتا تھا (اور اب تک سمجھا جاتا ہے) کہ شراب سے لڑائی لڑنے میں مدد ملتی ہے اور جوا حصول مال کا ذریعہ ہے- اس غلطی کا ازالہ کر دیا گیا اور یہ اصولی حقیقت بتلا دی گئی کہ صرف اشیا کا نفع ہی نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ اضافی نفع سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں- بلکہ نفع اور نقصان دونوں کو تولنا چاہیے- جس چیز میں نقصان زیادہ ہو اسے ترک کر دینا چاہیے- اگرچہ تھوڑا بہت نفع بھی ہو- اور جس چیز میں نفع زیادہ ہو اسے اختیار کرنا چاہیے اگرچہ نقصان کا بھی احتمال ہو-

دوسرا سوال یہ تھا کہ مصارف جنگ کے لیے اور اسی طرح کی دوسری قومی ضرورتوں کے لیے کس قدر انفاق کیا جائے؟ فرمایا' کوئی خاص قید نہیں ضروریات معیشت سے جو کچھ فاضل ہو کر بچ رہے اسے راہ مقصد میں لگا دو۔

تیسرا سوال یتیم بچوں کی نسبت تھا- حکم دیا گیا کہ جس طریقے میں ان کے لیے اصلاح و درستگی ہو وہی بہتر ہے اور وہی اختیار کرنا چاہیے- اور اگر تم انہیں اپنے گھرانے میں شامل کر لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں کچھ غیر نہیں-

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٠﴾ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ

اور آخرت' (دونوں) کی مصلحتوں میں غور وفکر کرو! (۲۱۹)

اور لوگ تم سے یتیم بچوں کی نسبت پوچھتے ہیں- ان سے کہہ دو جس بات میں ان کے لیے اصلاح ودرستگی ہو وہی بہتر ہے- اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو (یعنی انہیں اپنے گھرانے میں شامل کر لو) تو بہر حال وہ تمہارے بھائی ہیں (کچھ غیر نہیں) اور اللہ جانتا ہے کون اصلاح کرنے والا ہے کون خرابی کرنے والا ہے- (پس اگر تمہاری نیت بخیر ہے' تو تمہیں یتیموں کے مال کی ذمہ داری لینے سے گھبرانا نہیں چاہیے) اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا (یعنی اس بارے میں سخت پابندیاں عائد کر دیتا- کیونکہ یتیموں کے حقوق کا معاملہ بہت ہی اہم ہے) بلاشبہ وہ غلبہ وطاقت کے ساتھ حکمت رکھنے والا ہے- (۲۲۰)

اور دیکھو[1] مشرک عورتوں سے' جب تک ایمان نہ لے آئیں' نکاح نہ کرو- ایک مشرک عورت تمہیں (بظاہر) کتنی ہی پسند آئے' لیکن مومن عورت اس سے کہیں بہتر ہے- اور اسی طرح مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں' مومن عورتیں ان کے نکاح میں نہ دی جائیں- یقیناً خدا کا مومن بندہ ایک مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ بظاہر مشرک مرد تمہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ آئے- یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) تمہیں (دین حق سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں اور اس لیے) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں' اور اللہ اپنے حکم سے (دین حق کی راہ کھول کر) تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے (پس ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ تمہاری سازگاری کیونکر ہو سکتی ہے؟) اللہ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنی آیتیں واضح کر دیتا ہے تاکہ متنبہ ہوں اور نصیحت پکڑیں! (۲۲۱)

اور اے پیغمبر![2] لوگ تم سے عورتوں کے ماہواری ایام کے بارے میں دریافت کرتے ہیں ان سے کہہ دو وہ مضرت (کا وقت) ہے- پس چاہیے کہ ان دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو- اور جب تک وہ (ایام سے فارغ ہو کر) پاک وصاف نہ ہو

---

[1] (۶) دشمنان اسلام سے جنگ کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان سے مناکحت جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ مشرک مرد اور عورت سے مومن مرد اور عورت کا نکاح جائز نہیں' علت بھی واضح کر دی کہ جو لوگ تمہارے دین کی وجہ سے تمہارے دشمن ہو گئے ہیں اور تمہیں راہ حق سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں ان کے ساتھ تمہارا ازدواجی رشتہ کبھی فلاح وسعادت کا موجب نہیں ہو سکتا-

[2] مشرکین سے مناکحت کے بیان نے نکاح وطلاق اور ازدواجی زندگی کی مہمات کی طرف سلسلہ بیان پھیر دیا ہے-

(۱) عورتوں سے ان کے مہینے کے خاص ایام میں علیحدگی کا حکم اور اس حقیقت کا اعلان کہ علیحدگی کا سبب یہ نہیں ہے کہ عورتیں

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

لیں ان سے نزدیکی نہ کرو- اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) جب وہ پاک وصاف ہو لیں اور تم ان کی طرف ملتفت ہو' تو اللہ نے (فطری طور پر) جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے اسی کے مطابق ہونی چاہیے- (اس کے علاوہ کسی دوسری خلاف فطرت بات کا خیال نہ کرو) اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو (برائی سے) پناہ مانگنے والے ہیں اور ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو پاکی و صفائی رکھنے والے ہیں! (۲۲۲) (جہاں تک وظیفہ زوجیت کا تعلق ہے) تمہاری عورتیں تمہارے لیے ایسی ہیں جیسے کاشت کی زمین پس جس طرح بھی چاہو اپنی زمین (فطری طریقہ سے) کاشت کرو اور اپنے لیے مستقبل کا سروسامان کرو (یعنی اولاد کی پیدائش کا سروسامان کرو) اور (اصلی بات یہ ہے کہ ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو' اور یہ بات نہ بھولو کہ (ایک دن تمہیں مرنا اور) اس کے حضور حاضر ہونا ہے' اور ان کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (دین حق کی سہولتوں اور بے جا قید و بند سے پاک ہونے کی) بشارت ہے! (۲۲۳) اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے یا پرہیز گاری کی راہ اختیار کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرا دینے کے خلاف قسمیں کھا کر اللہ کے نام کو نیکی سے بچ نکلنے کا بہانہ بنا لو' (یعنی پہلے تو کسی اچھے کام کے خلاف قسم کھا لو- پھر کہو خدا کی قسم کھا کر ہم کیونکر یہ کام کر سکتے ہیں؟) یاد رکھو اللہ سننے والا جاننے والا ہے- (۲۲۴)

تمہاری قسموں میں جو لغو اور بے معنی قسمیں ہوں' ان پر اللہ پکڑ نہیں کرے گا (اور اس لیے ان کا کوئی اعتبار نہیں) جو کچھ

ناپاک ہو جاتی ہیں اور ملنے جلنے اور چھونے کے قابل نہیں رہتیں' جیسا کہ یہودیوں کا خیال تھا- بلکہ صرف یہ بات ہے کہ ان ایام میں زناشوئی کا تعلق مضر ہے' اور صفائی اور طہارت کے خلاف ہے- (۲) فطرت نے مرد اور عورت کے باہم ملنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے لیے جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے' اسی طرح ہونی چاہیے- اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہونی چاہیے- اللہ کی پسندیدگی ان کے لیے ہے جو ناپاکی کی تمام باتوں سے اپنی نگہداشت کرتے ہیں- (۳) اس معاملہ کی نسبت جو وہم پرستیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی قیدیں اپنے پیچھے لگا رکھی ہیں- مثلاً کسی خاص طریقے کو جائز سمجھتے ہیں کسی کو ناجائز کسی خاص طریقے میں برکت سمجھتے ہیں' کسی میں نحوست تو ان کی کوئی اصلیت نہیں- جس طرح بھی چاہو فطری طریقے سے یہ معاملہ کر سکتے ہو-

☆☆ اس گمراہی کا ازالہ کہ ازدواجی زندگی کی اہمیت سے لوگ بے پروا تھے' اور زبانیں چھوٹ ہو گئی تھیں- طرح طرح کی بے معنی قسمیں کھا لیتے اور پھر سمجھتے کہ رشتہ نکاح ٹوٹ گیا- (۱) کسی جائز اور نیکی کی بات کے خلاف قسم کھا لینی اور خدا کے نام کو ان کے نہ کرنے کے لیے حیلہ بنانا' خدا پرستی کے خلاف ہے- (۲) لغو اور بے معنی قسم کا کوئی اعتبار نہیں- اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جو بات انسان نے سمجھ کر اور دل کے قصد کے ساتھ کی ہو اسی کے لیے وہ جواب دہ ہوگا- (۳) اگر بیوی سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لی جائے جو عرب میں ''ایلا'' کے نام سے مشہور تھی' تو کیا کرنا چاہیے؟

يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ

ع ۲۸ / ۱۲

بھی پکڑ ہوگی' وہ تو اسی بات پر ہوگی جو (سچ مچ کو تم نے سمجھ بوجھ کر کی ہے' اور اس لیے) تمہارے دلوں نے (اپنے عمل سے) کمائی ہے اور اللہ (ہر حال میں) بخشنے والا' تحمل کرنے والا ہے! (۲۲۵)

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں تو ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے- پھر اگر اس عدت کے اندر وہ رجوع کرلیں (یعنی بیوی سے ملاپ کرلیں) تو رحمت سے بخشنے والا ہے- (۲۲۶)

لیکن اگر (ایسا نہ ہوسکے اور) طلاق ہی کی ٹھان لیں' تو (پھر بیوی کے لیے طلاق ہے- البتہ ملاپ کی جگہ جدائی کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ بات نہ بھولو کہ) اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے- (۲۲۷)

اور جن عورتوں کو (ان کے شوہروں نے) طلاق دے دی ہو تو انہیں چاہیے ماہواری ایام کے تین مہینوں تک اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) روکے رکھیں-

اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں' تو ان کے لیے جائز نہیں کہ جو چیز اللہ نے ان کے پیٹ میں پیدا کردی ہو' اسے چھپائیں- (یعنی اگر حمل سے ہوں تو ان کا فرض ہے کہ اسے ظاہر کردیں)-

اور ان کے شوہر (جنہوں نے طلاق دی ہے) اگر عدت کے اس مقررہ زمانے کے اندر اصلاح حال پر آمادہ ہوجائیں تو وہ انہیں اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حق دار ہیں- اور دیکھو' عورتوں کے لیے بھی اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں' جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں- البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے- اور یاد رکھو اللہ زبردست حکمت رکھنے والا ہے! (۲۲۸) طلاق (جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے) دو مرتبہ (کرکے دو مہینوں

☆☆ طلاق کے احکام اور اس میں ازدواجی زندگی کے لیے جن مضرتوں کا اندیشہ تھا یا عورتوں کی حق تلفی ہوسکتی تھی' اس کا انسداد:

(۱) طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کرکے' نکاح کی اہمیت' نسب کے تحفظ اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کردیا گیا-

(۲) یہ اصل واضح کردی گئی کہ اگر طلاق کے بعد شوہر رجوع کرنا چاہے تو وہی زیادہ حق دار ہے- کیونکہ شرعاً مطلوب ملاپ ہے نہ کہ تفرقہ-

(۳) جہاں تک عورتوں کے حقوق کا تعلق ہے دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ "جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں ویسے ہی حقوق عورتوں کے بھی مردوں پر ہیں"

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ

میں دو طلاقیں ہیں)- پھر اس کے بعد شوہر کے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں- یا تو اچھے طریقے پر روک لینا (یعنی رجوع کر لینا) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا- (یعنی تیسرے مہینے تیسری طلاق دے کر جدا ہو جانا) اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو (طلاق دیتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو- ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے (تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے) تو اگر تم دیکھو ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ واقعی) اندیشہ ہے خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے' تو پھر شوہر اور بیوی کے لیے اس میں کچھ گناہ نہ ہو گا' اگر بیوی (اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے) بطور معاوضے کے (اپنے حق میں سے) کچھ دے دے (اور شوہر اسے لے کر علیحدگی پر راضی ہو جائے) یاد رکھو' یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوی حد بندیاں ہیں' پس ان سے قدم باہر نہ نکالو (اور اپنی اپنی حدوں کے اندر رہو) جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں! (۲۲۹) اگر ایسا ہوا کہ ایک شخص نے (دو طلاقوں کے بعد رجوع نہ کیا اور تیسرے مہینے تیسری) طلاق دے دی تو پھر (دونوں میں قطعی جدائی ہو گئی' اور

☆☆ (۴) طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ' تین مجلسوں میں' تین مہینوں میں' اور ایک کے بعد ایک واقع ہوتی ہے- اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتہ نکاح قطع کر دیتی ہے' تیسری مجلس' تیسرے مہینے اور تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہے- اس وقت تک جدائی کے ارادے سے باز آ جانے اور ملاپ کر لینے کا موقع باقی رہتا ہے- پس نکاح کا رشتہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس گھڑی چاہا' بات کی بات میں توڑ کر رکھ دیا- اس کے توڑنے کے لیے مختلف منزلوں سے گزرنے' اچھی طرح سوچنے سمجھنے' یکے بعد دیگرے اصلاح کی مہلت پانے' اور پھر اصلاح حال سے بالکل مایوس ہو کر آخری فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے-

(۵) شوہر کے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے یا دینا کیا ہے طلاق دیتے ہوئے واپس لے لے- (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)

(۶) ہاں اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ شوہر طلاق دینا نہ چاہتا ہو نہ اس کی طرف سے کوئی تصور ہو- لیکن کسی وجہ سے آپس میں بنتی نہ ہو اور اندیشہ پیدا ہو گیا ہو کہ ازدواجی زندگی کے فرائض ادا نہ ہو سکیں گے' تو اس صورت میں اگر عورت کہے' میں اپنا مہر یا اس کا کوئی حصہ چھوڑ دیتی ہوں' اور شوہر اس کے بدلے میں طلاق دے دے تو ایسی معاملت ہو سکتی ہے- اسی کو ''خلع'' کہتے ہیں۔

(۷) نکاح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے گلے پڑ جائیں' اور نہ یہ ہے کہ عورت کو مرد کی خود غرضانہ کام جوئیوں کا آلہ بنا دیا جائے' بلکہ مقصود حقیقی یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوش حال ازدواجی زندگی پیدا ہو جائے- ایسی زندگی جب ہی پیدا ہو سکتی ہے- کہ آپس میں محبت و سازگاری ہو' اور ''حدود اللہ'' یعنی خدا کے ٹھہرائے واجبات و حقوق ادا کیے جائیں پس اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہے' تو نکاح کا مقصود حقیقی فوت ہو گیا اور ضروری ہو گیا کہ دونوں فریقوں کے لیے تبدیلی کا دروازہ کھول دیا جائے- اگر مقصود نکاح کے فوت ہو جانے پر بھی علیحدگی کا دروازہ نہ کھولا جاتا' تو یہ انسان کے آزادانہ حق انتخاب کے خلاف ایک ظالمانہ رکاوٹ ہوتی اور ازدواجی زندگی کی سعادت سے سوسائٹی کو محروم کر دینا ہوتا-

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اب شوہر کے لیے وہ عورت جائز نہ ہوگی جب تک کہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آ جائے۔

پھر اگر ایسا ہوا کہ دوسرا مرد (نکاح کرنے کے بعد خود بخود) طلاق دے دے (اور مرد و عورت از سر نو ملنا چاہیں) تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اس میں ان کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں پر قائم رہ سکیں گے۔

اور (دیکھو)' یہ اللہ کی ٹھہرائی حد بندیاں ہیں' جنہیں وہ ان لوگوں کے لیے جو (مصالح معیشت کا) علم رکھتے ہیں واضح کر دیتا ہے! (۲۳۰)

اور جب ایسا ہو کہ تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی (عدت کی) مدت پوری ہونے کو آئے تو پھر (تمہارے لیے دو ہی راستے ہیں) یا تو (طلاق سے رجوع کر کے) انہیں ٹھیک طریقے پر روک لو' یا (آخری طلاق دے کر) ٹھیک طریقے پر جانے دو۔ ایسا نہ کرو کہ انہیں نقصان پہنچانے کے لیے روکے رکھو' تا کہ ان پر جور و ستم کرو (یعنی نہ تو رجوع کرو۔ نہ جانے دو۔ بیچ میں لٹکائے رکھو) اور یاد رکھو' جو کوئی ایسا کرے گا تو اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کرے گا۔

اور دیکھو' ایسا نہ کرو کہ اللہ کے حکموں کو ہنسی کھیل بنا لو (کہ آج نکاح کیا۔ کل بلا وجہ طلاق دے دی) اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو۔ اس نے کتاب و حکمت میں سے جو کچھ نازل کیا ہے اور اس کے ذریعے تمہیں نصیحت کرتا ہے' اسے نہ بھولو۔ اور اللہ سے ڈرو' اور یاد رکھو کہ اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں! (۲۳۱)

☆☆ (۸) یا تو عورت کو بیوی کی طرح رکھنا چاہیے اور اس کے حقوق ادا کرنے چاہییں یا طلاق دے کر اس کی راہ کھول دینی چاہیے۔ یہ نہیں کرنا چاہیے کہ نہ تو بیویوں کی طرح رکھو' نہ طلاق دے کر اس کی راہ کھولو۔ بیچ میں لٹکائے رکھو (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)۔

(۹) ازدواجی زندگی کا معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے' اور مرد کی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے۔ اس لیے خصوصیت کے ساتھ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ اللہ نے انہیں ''نیک ترین'' امت ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم نے ہدایت و موعظت کے تمام پہلو واضح کر دیے ہیں۔ پس اپنے جماعتی شرف و مقام کی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہوں اور ازدواجی زندگی میں اخلاق و پرہیزگاری کا بہترین نمونہ بنیں۔ ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ جس جماعت کے افراد کی ازدواجی زندگی درست نہیں ہے وہ کبھی ایک فلاح یافتہ جماعت نہیں ہو سکتی۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی اور وہ اپنی (عدت کی) مدت پوری کر چکیں' تو (پھر انہیں اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے) اگر وہ اپنے (ہونے والے) شوہروں سے مناسب طریقے پر نکاح کرنا چاہیں' اور دونوں آپس میں رضامند ہو جائیں' تو اس سے انہیں نہ روکو- تم میں سے ہر اس انسان کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس حکم کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے؟ اسی بات میں تمہارے لیے زیادہ برکت اور زیادہ پاکی ہے اور اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے! (۲۳۲)

اور جو شخص (اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور بیوی کی گود میں بچہ ہو اور وہ) ماں سے بچے کو دودھ پلوانا چاہے' تو اس صورت میں چاہیے پورے دو برس تک ماں بچے کو دودھ پلائے' اور جس کا بچہ ہے' اس پر لازم ہے کہ ماں کے کھانے کپڑے کا مناسب طریقہ پر انتظام کر دے (یہ انتظام ہر شخص کی حالت اور حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے اصل اس بارے میں یہ ہے کہ) کسی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے-

نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے- نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے-

اور اگر باپ کا اس اثنا میں انتقال ہو جائے تو جو اس کا) وارث (ہو اس) پر (عورت کا کھانا کپڑا) اسی طرح ہے (جس طرح باپ کے ذمہ تھا)

پھر اگر (کوئی ایسی صورت پیش آ جائے کہ) ماں باپ آپس کی رضامندی اور صلاح مشورہ سے (قبل از مدت) دودھ

☆☆ (۱۰) جب عورت کو طلاق دے دی گئی' اور اس نے عدت کا زمانہ پورا کر لیا' تو پھر اسے اختیار ہے جس سے چاہے ٹھیک طریقے پر نکاح کرے- نہ تو اسے دوسرے نکاح سے روکنا چاہیے' نہ اس کی پسند کے خلاف اس پر زور ڈالنا چاہیے' اور نہ اس بات پر ناراض ہونا چاہیے- چونکہ اس بارے میں مردوں کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دیا گیا اور فرمایا' اگر تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس حکم کی نافرمانی سے بچو-

☆☆ (۱۱) طلاق کی صورت میں ایک نہایت اہم سوال چھوٹے بچوں کی پرورش کا تھا- ماں باپ کی علیحدگی کے بعد دودھ پیتے بچوں کی پرورش کا انتظام کیا ہو؟ اس بارے میں طرح طرح کی خرابیوں کا اندیشہ تھا- پس ان کا سدباب کر دیا گیا- بڑا محل نقصان پہنچنے کا ماں تھی کہ طلاق کی وجہ سے جدا ہو گئی تھی' اور محبت مادری کی وجہ سے مجبور تھی' کہ بچے کو دودھ پلائے- پس حکم دیا گیا کہ دودھ پلانے تک اس کا خرچ باپ کے ذمے ہے اور دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے- ساتھ ہی اس بارے میں دو بنیادی قاعدے بھی واضح کر دیے "نہ تو ماں کو اس کو بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو" اور "کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ خرچ کا بار نہیں"۔

مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ

چھڑانا چاہیں تو (ایسا کر سکتے ہیں) ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اگر تم چاہو اپنے بچوں کو (ماں کی جگہ) کسی دوسری عورت سے دودھ پلواؤ' تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں' بشرطیکہ (ماؤں کی حق تلفی نہ کرو اور جو کچھ انہیں دینا کیا تھا) دستور کے مطابق ان کے حوالہ کر دو اور دیکھو (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو' اور یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظریں اسے دیکھ رہی ہیں! (۲۳۳)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو انہیں چاہیے چار مہینے دس دن تک (عدت وفات میں) اپنے آپ کو روکے رکھیں- پھر جب وہ یہ مدت پوری کر لیں تو (انہیں اپنے معاملے کا اختیار ہے) وہ جو کچھ جائز طریقے پر اپنے لیے کریں (یعنی اپنے دوسرے نکاح کی تیاری کریں) اس کے لیے تمہارے سر کوئی الزام نہیں (کہ تم نکاح سے مانع آؤ یا زیادہ عرصہ تک سوگ کرنے پر مجبور کرو) اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے! (۲۳۴)

اور جن بیوہ عورتوں سے تم نکاح کرنا چاہو تو تمہارے لیے کوئی گناہ نہیں اگر اشارے کنایے میں اپنا خیال ان تک پہنچا دو- یا اپنے دل میں نکاح کا ارادہ پوشیدہ رکھو- اللہ جانتا ہے کہ (قدرتی طور پر) ان کا خیال تمہیں آئے گا لیکن ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ چوری چھپے نکاح کا وعدہ کر لو- الا یہ کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہی جائے-

اور جب تک ٹھہرائی ہوئی مدت (یعنی عدت) پوری نہ ہو جائے- نکاح کی گرہ نہ کسو (کہ عدت کی حالت میں عورت کے

☆☆ جو عورتیں بیوہ ہو جائیں' ان کی نسبت احکام' اور ان مفاسد کا انسداد جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے:

(۱) وفات کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر کے ان مفاسد کی اصلاح کر دی جو اس بارے میں افراط و تفریط کا موجب تھے- نہ تو عورت فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ اس میں معاملہ نکاح کی بے وقعتی اور مرحوم شوہر کے تذکار و محبت سے تغافل ہے- نیز نسب بھی مشتبہ ہو سکتا ہے- اور نہ یہ ہونا چاہیے کہ زیادہ مدت تک عورت کو شوہر کا سوگ منانے کے لیے مجبور کیا جائے-

(۲) اگر عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اسے نہیں روکنا چاہیے' اور نہ اس بات کا خواہشمند ہونا چاہیے کہ عدت کی مقررہ مدت سے زیادہ شوہر کا سوگ کرے (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)-

(۳) نکاح کے بارے میں عورت سے جو کچھ بھی نامہ و پیام کیا جائے اعلانیہ اور دستور کے مطابق ہونا چاہیے- چوری چھپے نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں طرح طرح کے مفاسد ہو سکتے ہیں-

(۴) جب تک عدت کی مدت پوری نہ ہو جائے' نکاح کا قول و قرار نہیں کرنا چاہیے-

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٣٥﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٣٦﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ

لیے نکاح کی تیاری جائز نہیں) اور یقین کرو جو کچھ تمہارے اندر (اس بارے میں نفس کی پوشیدہ کمزوری) ہے اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے پس اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور (نفس انسانی کی کمزوریوں کے لیے بہت) بردبار ہے! (۲۳۵)

اور اگر (ایسی صورت پیش آ جائے کہ) بغیر اس کے کہ تم نے عورت کو ہاتھ لگایا ہو اور اس کے لیے جو کچھ (مہر) مقرر کرنا تھا، مقرر کیا ہو، طلاق دے دو تو (ایسا بھی کر سکتے ہو) اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں- البتہ ایسی صورت میں (عورت کو رشتہ جوڑنے اور پھر توڑ دینے سے جو نقصان پہنچا ہے اس کے معاوضے میں ضروری ہے کہ) اسے فائدہ پہنچاؤ- ایسا فائدہ جو دستور کے مطابق پہنچایا جائے- مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق دے تنگ دست اپنی حالت کے مطابق- نیک کردار آدمیوں کے لیے ضروری ہے کہ ایسا کریں- (۲۳۶)

اور اگر ایسا ہو کہ تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی ہو اور جو کچھ (مہر) مقرر کرنا تھا مقرر کر چکے ہو، تو اس صورت میں مقررہ مہر کا آدھا دینا چاہیے- اِلا یہ کہ عورت (اپنی خوشی سے) معاف کر دے یا (مرد) جس کے ہاتھ میں نکاح کا رشتہ ہے (پورا مہر دے کر آدھی رقم رکھ لینے کے حق سے) درگزر کرے- اور اگر تم (مرد) درگزر کرو گے تو یہ زیادہ تقوے کی بات ہوگی- دیکھو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنا نہ بھولو اور یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظر سے مخفی نہیں ہے! (۲۳۷)

اور (دیکھو) اپنی نمازوں کی حفاظت میں کوشاں رہو- خصوصاً ایسی نماز کی جو (اپنے ظاہر و باطن میں) بہترین نماز

☆ ☆ اگر نکاح کے بعد شوہر اور بیوی میں کوئی تعلق نہ ہوا ہو، اور شوہر طلاق دے دے تو اس صورت میں مہر کے احکام اور عورتوں کی حق تلفی کی امکانی صورتوں کا تدارک:

(۱) اگر مہر کی رقم متعین نہ ہوئی ہو، تو اس صورت میں چاہیے مرد اپنے مقدور کے مطابق جس قدر دے سکتا ہے، دے دے-

(۲) اگر معین ہو، تو اس صورت میں آدھا مہر عورت کا حق ہوگا، اگر مرد اس سے زیادہ بھلائی کر سکے تو یہ تقوے اور فضیلت کی بات ہوگی-

(۳) اس اصولی حقیقت کی تلقین کہ نکاح کے معاملہ میں مرد کا ہاتھ عورت سے زیادہ قوی ہے- اس لیے چاہیے کہ ہر معاملہ میں عفوو بخشش بھی اس کی طرف سے زیادہ ہو نہ کہ عورت کی طرف سے-

☆ ☆ لیکن انسان جو خواہشوں کا بندہ اور غرض پرستیوں کی مخلوق ہے، کیونکر ایسی اخلاقی طاقت پیدا کر سکتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى

ہو اور اللہ کے حضور کھڑے ہو کہ ادب و نیاز میں ڈوبے ہوئے ہو۔ (۲۳۸)

پھر اگر ایسا ہو کہ تمہیں (دشمن کا) ڈر ہو (اور مقررہ صورت میں نماز نہ پڑھ سکو) تو پیدل ہو یا سوار جس حالت میں بھی ہو اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھ لو۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ (اور خوف و جنگ کی حالت باقی نہ رہے) تو چاہیے کہ اسی طریقے سے اللہ کا ذکر کیا کرو (یعنی نماز پڑھو) جس طرح اس نے تمہیں سکھلایا ہے اور جو تمہیں پہلے معلوم نہ تھا۔ (۲۳۹)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پائیں اور اپنے پیچھے بیوہ عورتیں چھوڑ جائیں اور (مرنے سے پہلے اس طرح کی) وصیت کر جائیں کہ برس دن تک انہیں نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں اور پھر ایسا ہو کہ وہ (اس مدت سے پہلے) گھر چھوڑ دیں (اور دوسرا نکاح کر لیں یا نکاح کی بات چیت کریں) تو جو کچھ وہ جائز طریقہ پر اپنے لئے کریں' اس کے لیے تم پر کوئی گناہ عائد نہ ہوگا (کہ تم انہیں وصیت کی تعمیل کے خیال سے روکو اور سال بھر تک سوگ منانے پر مجبور کرو) یاد رکھو' اللہ سب پر غالب اور (اپنے ہر کام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۲۴۰)

اور (یاد رکھو) جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو تو چاہیے کہ انہیں مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے (یعنی ان کے

اخلاقی آزمائشوں میں پورا اترے؟

اس کی راہ صرف یہ ہے کہ خدا پرستی کی سچی روح پیدا کرے اور خدا پرستی کی سچی روح پیدا کرنے کا ذریعہ خدا کی عبادت ہے پس چاہیے کہ نماز کی محافظت کرو اور نماز میں کھڑے ہو تو اس طرح کھڑے ہو کہ خشوع و خضوع میں ڈوبے ہوئے ہو!

خوف و جنگ کی حالت میں بھی نماز سے غفلت جائز نہیں جس طرح بھی بن پڑے نماز بر وقت ادا کر لینی چاہیے۔

☆☆ اگر شوہر نے وصیت کر دی ہو کہ ایک برس تک عورت اس کے گھر میں رہے اور نان و نفقہ پائے (یعنی ایک سال تک سوگ منائے اور گھر سے نہ نکلے جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا) تو ایسی وصیت اب واجب التعمیل نہیں۔ کیونکہ وفات کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی ہے۔

۱؎ صلوٰۃ وسطیٰ کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کی ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں "وسطیٰ" سے مقصود درمیانی چیز ہے اور اس لئے پانچ وقت کی نمازوں میں سے کسی خاص درمیانی نماز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن مفسروں نے یہ تفسیر اختیار کی ہے وہ بخاری و مسلم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب جنگ احزاب میں عصر کا وقت نکل گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ حتی غابت الشمس"۔ "دشمنوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے باز رکھا یہاں تک سورج ڈوب گیا۔" پس صلوٰۃ وسطیٰ سے مقصود عصر کی نماز ہے۔

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا

ساتھ جس قدر حسن سلوک کیا جا سکتا ہے کیا جائے) متقی انسانوں کے لیے ایسا کرنا لازمی ہے۔(۲۴۱)

اس طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں واضح کر دیتا ہے تا کہ عقل سے کام لو اور سوچو سمجھو۔(۲۴۲)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی سرگزشت پر غور نہیں کیا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اور باوجودیکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے مگر (دلوں کی بے طاقتی کا یہ حالت تھا کہ) موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے۔ اللہ کا حکم ہوا (تم موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہو تو دیکھو) اب تمہارے لیے موت ہی ہے۔ (یعنی ان کی بزدلی کی وجہ سے دشمن ان پر غالب آ گئے) پھر (ایسا ہوا کہ) اللہ نے انہیں زندہ کر دیا (یعنی عزم وثبات کی ایسی روح ان میں پیدا ہوگئی کہ دشمنوں کے مقابلہ پر آمادہ ہوگئے اور فتح مند ہوئے) یقیناً اللہ انسان کے لیے بڑا ہی فضل و بخشش رکھنے والا ہے لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر!) اکثر آدمی ایسے ہیں جو ناشکری کرنے والے ہیں۔(۲۴۳)

اور (دیکھو!) اللہ کی راہ میں (لڑائی پیش آ جائے تو موت سے نہ ڈرو بے خوف ہو کر) لڑو! اور یقین کر دو اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(۲۴۴)

کون ہے جو (انسان کی جگہ خدا سے معاملہ کرتا ہے اور) خدا کو خوش دلی کے ساتھ قرض دیتا ہے تا کہ خدا اس کا قرض دوگنا سہ گنا زیادہ کر کے ادا کر دے؟ (یعنی مال حقیر راہ حق میں خرچ کر کے دین و دنیا کی بے شمار برکتیں اور سعادتیں حاصل کر لے؟) اور (باقی رہا تنگ دستی کا خوف جس کی وجہ سے تمہارا ہاتھ رک جاتا ہے تو یاد رکھو) تنگی اور کشائش دونوں کا رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے اور اسی کے حضور تم سب کو لوٹنا ہے۔(۲۴۵)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے اس واقعہ پر غور نہیں کیا جو موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو پیش آیا تھا؟ بنی اسرائیل

☆☆ نکاح و طلاق کے احکام کا بیان ختم کرتے ہوئے' مطلقہ عورتوں کے لیے احسان و سلوک کا مکرر حکم کیونکہ اس معاملہ میں رشتۂ کار مردوں کے ہاتھ میں تھا اور عورتوں کا پہلو کمزور تھا اس لیے ضروری تھا کہ بار بار حسن سلوک اور عفوو درگزر پر زور دیا جائے۔

☆☆ اب یہاں سے سلسلہ بیان پھر اسی طرف پھرتا ہے جہاں سے نکاح و طلاق کا بیان شروع ہوا تھا یعنی جہاد کے احکام و مصالح کی طرف: جو جماعت موت سے ڈرتی ہے' وہ کبھی زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کر سکتی۔ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی عبرت انگیز سرگزشت جس نے باوجود کثرت تعداد کے جہاد سے اعراض کیا تھا۔

☆☆ راہ جہاد میں مال خرچ کرنا اللہ کو قرض دینا ہے۔

☆☆ طالوت (ساؤل) کی قیادت و فرمانروائی اور بنی اسرائیل فلسطینیوں کے مقابلہ کی سرگزشت اور قوموں کے ضعف و قوت اور فتح

مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ

کے سرداروں نے اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی تھی کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے- ہمارے لیے ایک حکمراں مقرر کر دو- نبی نے کہا (مجھے امید نہیں کہ تم ایسا کر سکو) اگر تمہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو کچھ بعید نہیں تم لڑنے سے انکار کر دو- سرداروں نے کہا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے جا چکے ہیں اور اپنی اولاد سے علیحدہ ہو چکے ہیں' لیکن پھر دیکھو جب ایسا ہوا کہ انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو (ان کی ساری گرم جوشیاں ٹھنڈی پڑ گئیں' اور) ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب نے پیٹھ دکھلا دی- اور اللہ نافرمانوں (کے دلوں کے کھوٹ) سے بے خبر نہیں ہے-(۲۴۶)

اور پھر ایسا ہوا کہ ان کے نبی نے کہا اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو حکمراں مقرر کر دیا ہے (سو اس کی اطاعت کرو اور اس کے ماتحت جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ) انہوں نے کہا ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے ہم پر حکمرانی مل جائے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ حکمراں ہونے کے ہم خود حقدار ہیں- علاوہ بریں یہ بھی ظاہر ہے کہ اُسے مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں'' نبی نے یہ سن کر کہا اللہ نے طالوت ہی کو (حکمرانی کی قابلیتوں کے لحاظ سے) تم پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے اور علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت' دونوں میں اسے وسعت دی ہے- اور (قیادت و حکمرانی تمہارے دے دینے سے کسی کو مل نہیں سکتی) وہ جسے چاہتا ہے اپنی زمین کی حکمرانی بخش دیتا ہے- اور وہ (اپنی قدرت میں) بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے-(۲۴۷)

اور پھر ان کے نبی نے کہا (تم طالوت کے استحقاق حکومت پر اعتراض کرتے تھے تو دیکھو) اس کی (اہلیت) حکومت کی

و ہزیمت کے بعض اہم حقائق:

(۱) جس گروہ میں صبر و استقامت کی سچی روح نہیں ہوتی' اس میں بسا اوقات سعی و عمل کے ولولے پیدا ہو جاتے ہیں' لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے' تو بہت کم نکلتے ہیں جو راہ عمل میں ثابت قدم رہنے والے ہوں-

(۲) حکومت و قیادت کی جس میں قدرتی صلاحیت ہوتی ہے' وہی اس کا اہل ہوتا ہے- اگرچہ مال و دولت اور دنیوی عزت و جاہ سے خالی ہو-

(۳) صلاحیت کے لیے اصلی چیز علم و جسم کی قوت ہے- یعنی دماغی اور جسمانی قابلیت نہ کہ مال و دولت اور نسل و خاندان کا شرف-

(۴) جو شخص بھی سردار مقرر ہو جائے' جماعت کے افراد کا فرض ہے کہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں- اگر ایک جماعت میں اطاعت نہیں ہے' تو وہ کبھی جماعتی زندگی کی کشاکش میں کامیاب نہیں ہو سکتی!

مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُـنُوۡدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ‌ۚ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ‌ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡٓ اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةً ۢ بِيَدِهٖ‌ۚ فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۙ قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا الۡيَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ‌ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ

نشانی یہ ہے کہ (مقدس) تابوت (جو تم کھو چکے ہو اور دشمنوں کے ہاتھ پڑ چکا ہے) تمہارے پاس (واپس) آ جائے گا' اور (حکمت الٰہی سے ایسا ہوگا کہ) فرشتے اسے اٹھا لائیں گے- اس تابوت میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے (فتح کامرانی کی) دلجمعی ہے' اور جو کچھ موسیٰ اور ہارون کے گھرانے (اپنی مقدس یادگاریں) چھوڑ گئے ہیں' ان کا بقیہ ہے- اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقیناً اس واقعے میں تمہارے لئے بڑی ہی نشانی ہے-(۲۴۸)

پھر جب (کچھ عرصہ کے بعد) ایسا ہوا کہ طالوت نے لشکر کے ساتھ کوچ کیا تو اس نے کہا دیکھو (راہ میں ایک ندی پڑے گی) اللہ (اس) ندی کے پانی سے (تمہارے صبر اور اطاعت کی) آزمائش کرنے والا ہے- پس یاد رکھو' جس کسی نے اس ندی کا پانی پیا اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں- وہ میری جماعت سے خارج ہو جائے گا- میرا ساتھی وہی ہوگا جو اس کے پانی کا مزہ تک نہ چکھے- ہاں اگر آدمی (بہت ہی مجبور ہو اور) اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے اور پی لے تو اس کا مضائقہ نہیں-

لیکن (جب لشکر ندی پر پہنچا تو) ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب نے پانی پی لیا (اور صبر و اطاعت کی آزمائش میں پورے نہ اترے)

پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ وہ لوگ جو (حکم الٰہی پر سچا) ایمان رکھتے تھے ندی کے پار اترے تو ان لوگوں نے (جنہوں نے طالوت کے حکم کی نافرمانی کی تھی) کہا'' ہم میں یہ طاقت نہیں کہ آج جالوت سے (جو فلسطینیوں کے لشکر کا ایک دیوہیکل سردار تھا) اور اس کی فوج سے مقابلہ کر سکیں''! لیکن وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ انہیں (ایک دن) اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے پکار اٹھے (تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہراساں ہوئے جاتے ہو؟) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر

☆☆ (۵) طالوت کا پانی پینے سے روک کر لوگوں کے صبر و ثبات اور اطاعت و انقیاد کا امتحان لینا اور ایک قلیل تعداد کے سوا سب کا نا اہل ثابت ہونا- اس راہ میں اصلی چیز صبر اور اطاعت ہے جو لوگ ایک گھڑی کی پیاس ضبط نہیں کر سکتے' وہ میدان جنگ کی محنتیں کیونکر برداشت کریں گے!

☆☆ (۶) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں- فتح و شکست کا دارومدار افراد کی کثرت و قلت پر نہیں بلکہ دلوں کی قوت پر ہے اور اللہ کی مدد انہی لوگوں کا ساتھ دیتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں-

قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ

حکم الٰہی سے غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے!'' (۲۴۹)

اور پھر جب وہ میدان جنگ میں جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا۔ ''خدایا (تو دیکھ رہا ہے کہ ہم کمزور ہیں اور تھوڑے ہیں اور مقابلہ ان سے ہے جو طاقتور ہیں اور بہت ہیں۔ پس) ہم (صبر و ثبات کے پیاسوں) پر صبر (کے جام) انڈیل دے (کہ عزم و ثبات سے سیراب ہو جائیں) اور ہمارے قدم میدان جنگ میں جما دے (کہ کسی حال میں بھی پیچھے نہ ہٹیں) اور پھر (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ منکرین حق کے گروہ پر فتح مند ہو جائیں!'' - (۲۵۰)

چنانچہ (ایسا ہی ہوا) انہوں نے حکم الٰہی سے اپنے دشمنوں کو ہزیمت دی اور داؤدؑ کے ہاتھ سے جالوت مارا گیا۔ پھر اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت سے سرفراز کیا اور (حکمرانی و دانشوری کی باتوں میں سے) جو کچھ سکھلانا تھا سکھلا دیا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعے دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا رہتا تو دنیا خراب ہو جاتی (اور امن و عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا) لیکن اللہ دنیا کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے (اور یہ اس کا فضل ہے کہ کوئی ایک گروہ سدا ایک ہی حالت میں نہیں چھوڑ دیا جاتا بلکہ ہمیشہ منازعت اور مدافعت جاری رہتی ہے) (۲۵۱)

(اے پیغمبر!) یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے تو یقین کرو اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں اور ہمارا سنانا برحق ہے۔

☆☆ (۷) سچی دعا وہ ہے جو سچی استعداد عمل کے ساتھ ہو۔ طالوت کے ساتھیوں نے اپنی دعا میں صرف یہی نہیں کہا کہ ''ہمیں فتح مند کر'' بلکہ فتح مندی کی طلب سے پہلے صبر و ثبات کی طلب گاری کی اور کہا ''ہمیں صبر دے اور ہمارے قدم جما دے۔'' کیونکہ خدا کی نصرت انہی کے حصے میں آتی ہے جن میں صبر و ثبات کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

☆☆ (۸) اگر قوموں اور جماعتوں کی باہمی کش مکش اور مدافعت نہ ہوتی اور ہر جماعت اپنی اپنی حالت میں بغیر منازعت کے چھوڑ دی جاتی تو نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا ظلم و فساد سے بھر جاتی اور حق و عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ پس یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ جب کبھی ایک گروہ ظلم و فساد میں چھوٹ ہو جاتا ہے' تو مزاحمت کے محرکات دوسرے گروہ کو مدافعت کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں' اور ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مقاومت سے دفع ہوتا رہتا ہے!

(۹) پس دفع مظالم کے لئے جنگ ناگزیر ہوئی' خدا نے مختلف عہدوں میں یکے بعد دیگرے اپنے پیغمبر مبعوث کئے اور انہوں نے لوگوں کو تفرقہ و فساد کی جگہ حق پرستی و یگانگت کی تعلیم دی۔ اگر لوگ اس تعلیم پر قائم رہتے اور گروہ بندیاں کر کے الگ الگ نہ ہو جاتے' تو آپس میں جنگ و نزاع نہ کرتے' لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جتھابندی کر لی' اور باہمی جنگ و خونریزی کا ایسا بیج بو دیا جو اب ہمیشہ پھل لاتا رہتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢٥٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

یقیناً تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں ہم نے اپنی پیغمبری کے لیے چن لیا ہے۔(۲۵۲)

یہ ہمارے پیغمبر ہیں' جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے (یعنی اگرچہ پیغمبری کے لحاظ سے سب کا درجہ یکساں ہے لیکن اپنی اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے مختلف درجے رکھتے ہیں) ان میں کچھ تو ایسے تھے جن سے اللہ نے کلام کیا (یعنی ان پر اپنی کتاب نازل کی) بعض ایسے تھے جن کے درجے (ان کے وقتوں اور حالتوں کے مطابق دوسری باتوں میں) بلند کئے گئے اور (تم سے پہلے) مریم کے بیٹے عیسیٰ کو (ہدایت کی) روشن دلیلیں عطا فرمائیں' اور روح القدس (یعنی وحی) کی تائید سے سرفراز کیا۔ اگر اللہ چاہتا تو (اس کی قدرت سے یہ بات باہر نہ تھی کہ) جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد پیدا ہوئے' وہ ہدایت کی روشن دلیلیں پالینے کے بعد پھر (اختلاف و نزاع میں نہ پڑتے اور) آپس میں نہ لڑتے۔ لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کردے۔ ہر طرح کے ارادہ و فعل کی استعداد دے دے۔ پس) پیغمبروں کے بعد لوگ آپس میں مخالف ہو گئے کچھ لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی۔ کچھ لوگوں نے کفر کا شیوہ پسند کیا۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے (یعنی ان سے لڑائی کی قوت سلب کر لیتا) لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (تم اس کے کاموں کی حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے)۔(۲۵۳)

مسلمانو! ہم نے مال و متاع دنیا میں سے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے' اسے (صرف اپنے نفس کے آرام و راحت پر نہیں' بلکہ راہ حق میں بھی) خرچ کرو اور ہاتھ نہ روکو۔ قبل اس کے کہ (زندگی کی عارضی مہلت ختم ہو جائے' اور آنے والا دن سامنے آ جائے۔ اس دن نہ تو (دنیا کی طرح) خرید و فروخت ہو سکے گی (کہ قیمت دے کر نجات خرید لو)' نہ کسی کی یاری کام آئے

اگر خدا چاہتا تو طبیعت بشری ایسی بناتا کہ اس میں خلاف و نزاع کا مادہ ہی نہ ہوتا اور کسی ایک حالت معیشت پر مجبور کر دیا جاتا۔ لیکن اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو مجبور و مضطر نہ بنائے اور ہر راہ میں چلنے کی قدرت دے دے۔ پس کتنے ہی ہیں جو ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں' کتنے ہی ہیں' جو گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

پیغمبر اسلام سے خطاب کہ جنگ کی جو منزل تمہیں پیش آ گئی ہے سنت الٰہی کا مقتضا یہی تھا کہ پیش آئے۔ ظلم و فساد کی مدافعت کے لیے اس منزل سے گزرنا ناگزیر ہے!

☆☆ (۱۰) جب جنگ ناگزیر ہے تو اس سے غفلت نہ کرو اور بڑی تیاری یہ ہے کہ اپنا مال اس راہ میں خرچ کرو۔

(۱۱) آخرت کی نجات کا تمام تر دارومدار ایمان و عمل پر ہے۔ وہاں نہ تو نجات کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے' نہ کسی کی دوستی آشنائی کام دے سکتی ہے' نہ کسی کی سفارش سے کام نکالا جا سکتا ہے۔

وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَ الْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ۫ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

گی (کہ اس کے سہارے گناہ بخشوالو)' نہ ایسا ہی ہوسکے گا کہ کسی کی سعی و سفارش سے کام نکال لیا جائے' (اس دن صرف عمل ہی نجات دلا سکے گا) اور یاد رکھو! جو لوگ (اس حقیقت سے) منکر ہیں' تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنے والے ہیں- (۲۵۴)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ "اَلْحَیُّ" ہے (یعنی زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لیے فنا و زوال نہیں- "اَلْقَیُّوْمُ" ہے (یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے- وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں) اس (کی آنکھ) کے لیے نہ تو اونگھ ہے نہ (دماغ کے لیے) نیند- آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کے حکم سے ہے- کون ہے جو اس کے سامنے' اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کے لیے زبان کھولے؟ جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں- انسان اس کے علم سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کرسکتا- مگر یہ کہ جتنی بات کا علم وہ انسان کو دینا چاہے اور دے دے- اس کا تخت (حکومت) آسمان و زمین کے تمام پھیلاؤ پر چھایا ہوا ہے اور ان کی نگرانی و حفاظت میں اس کے لیے کوئی تھکاوٹ نہیں- اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے- (۲۵۵)

دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیونکہ وہ دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے' اور جبر و تشدد سے اعتقاد پیدا نہیں کیا جاسکتا) بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہوگئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں- جسے چاہیں

☆☆ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ مالک الملک ہے- حیّ و قیّوم ہے اس کی حکومت سے کوئی گوشہ باہر نہیں- اس کے علم کے لیے کوئی شے مخفی اور اوجھل نہیں- وہ غفلت سے منزہ اور نسیان سے پاک ہے جس ہستی کی صفتیں ایسی ہوں اس کے سامنے کسی کی سعی وسفارش کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے' اور اس کے احکام و قوانین کے نفاذ میں کون ہے جو دخل دینے کی جرأت کرسکتا ہے؟

☆☆ اس اصل عظیم کا اعلان کہ دین و اعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر و استکراہ جائز نہیں- دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد دعوت و موعظت سے پیدا ہوسکتا ہے نہ کہ جبر و استکراہ سے:

(۱) احکام جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لیے کیا گیا تا کہ واضح ہو جائے کہ جنگ کی اجازت ظلم و تشدد کے انسداد کے لیے دی گئی ہے- نہ کہ دین کی اشاعت کے لیے- دین کی اشاعت کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ دعوت ہے-

قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ ظلم و تشدد کے ذریعہ دین و اعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے- قرآن نے اس کے خلاف جنگ کا حکم دیا

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ

اختیار کریں) پھر جو کوئی طاغوت سے انکار کرے (یعنی سرکشی و فساد کی قوتوں سے بیزار ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے (فلاح و سعادت کی) مضبوط ٹہنی پکڑ لی - یہ ٹہنی ٹوٹنے والی نہیں (جس کے ہاتھ آ گئی وہ گرنے سے محفوظ ہو گیا) اور یاد رکھو! اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے! (۲۵۶)

اللہ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو ایمان کی راہ اختیار کرتے ہیں - وہ انہیں (ہر طرح کی) تاریکیوں سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے - مگر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو ان کے مددگار سرکش اور مفسد (معبودان باطل) ہیں - وہ انہیں روشنی سے نکالتے اور تاریکیوں میں لے جاتے ہیں - سو یہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہوا - ہمیشہ عذاب جہنم میں رہنے والا - (۲۵۷)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی اور اس لئے حجت کی تھی کہ خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی؟ (یعنی تاج و تخت شاہی نے اس کے اندر ایسا گھمنڈ پیدا کر دیا تھا کہ خدا کے بارے میں حجت کرنے لگا تھا) جب ابراہیمؑ نے کہا' میرا پروردگار تو وہ ہے جو مخلوقات کو جلاتا (زندہ کرتا) ہے اور مارتا ہے' تو اس نے جواب میں کہا جلانے (زندہ کرنے والا) اور مارنے والا تو میں ہوں (جسے چاہوں ہلاک کر دوں' جسے چاہوں بخش دوں)۔ اس پر ابراہیمؑ نے کہا اچھا اگر ایسا ہی ہے تو اللہ سورج کو پورب کی طرف سے (زمین پر) طلوع کرتا ہے تم پچھم سے نکال دکھاؤ - یہ

پس جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم دیا ہے خود اسی بات کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے؟

(۲) سچائی روشنی ہے اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی موجود ہو جائے - اگر روشنی نمایاں ہو گئی تو پھر روشنی کو روشن دکھلانے کے لئے اور کسی بات کی ضرورت نہیں' روشنی جس طرف بھی رخ کرے گی تاریکی خود بخود دور ہو جائے گی!

☆☆ (۳) دعوت کی تاثیر و فتح مندی کی وضاحت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ - وہ ایک ایسے ملک میں جہاں ان کا کوئی ساتھ نہ تھا اور ایک ایسے بادشاہ کے سامنے' جو اپنے عہد کا سب سے بڑا سرکش بادشاہ تھا' تن تنہا دعوت حق کا جذبہ لے کر کھڑے ہو گئے اور فتح مند ہوئے -

(۴) ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ دعوت کی راہ' تلقین و ہدایت کی راہ ہے' جدل و خصومت کی راہ نہیں ہے - داعی حق کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤ میں پھنسا دے یا کسی خاص دلیل پر اڑ کر اس کا ناطقہ بند کر دے' بلکہ وہ چاہتا ہے' کسی نہ کسی طرح اس کے دل میں سچائی اتارے - حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بات جب مخاطب کا دماغ ہضم نہ کر سکا' تو انہوں نے فوراً دوسری بات پیش کر دی جو اس کی دماغی استعداد کے ٹھیک ٹھیک مطابق تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانے پر لگ گیا' اور انکار و سرکشی کا دم خم باقی نہ رہا -

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ

جواب سن کر وہ بادشاہ جس نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا' ہکا بکا ہو کر رہ گیا (اور ابراہیمؑ کے خلاف کچھ نہ کر سکا) اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں پر (کامیابی وفلاح کی) راہ نہیں کھولتا- (۲۵۸) اور پھر اسی طرح اس شخص کی حالت پر بھی غور کرو جو ایک ایسی بستی پر سے گزرا تھا جس کے مکانوں کی چھتیں گر چکی تھیں اور گری ہوئی چھتوں پر در و دیوار کا ڈھیر تھا (یہ حال دیکھ کر) بول اٹھا- ''جس بستی کی ویرانی کا یہ حال ہے کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ اسے موت کے بعد (دوبارہ) زندہ کر دے؟'' (یعنی دوبارہ آباد کر دے)۔

پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے اس شخص پر سو برس تک موت طاری کر دی- پھر اس حالت سے اسے اٹھا دیا اور پوچھا کتنی دیر اس حالت میں رہے؟ عرض کیا- ایک دن تک یا ایک دن کا کچھ حصہ- ارشاد ہوا نہیں' بلکہ سو برس تک' پس اپنے کھانے اور پانی پر نظر ڈالو- ان میں برسوں تک پڑے رہنے کی کوئی علامت نہیں- اور (اپنی سواری کے) گدھے پر بھی نظر ڈالو (کہ وہ کس حالت میں ہے؟) اور (یہ جو کچھ کیا گیا) اس لئے کیا گیا' تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے (حق کی) ایک نشانی ٹھہرائیں (اور تمہارا علم ان کے لئے یقین وبصیرت کا ذریعہ ہو) اور پھر (جسم کی) ہڈیوں پر غور کرو- کس طرح ہم (ان کا ڈھانچہ بنا کر) کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر (کس طرح) اس (ڈھانچے) پر گوشت (کا غلاف) چڑھا دیتے ہیں (کہ ایک مکمل اور متشکل ہستی ظہور میں آ جاتی ہے؟)۔ (۲۵۹)

پس جب اس شخص پر یہ حقیقت کھل گئی تو وہ بول اٹھا- میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں- بلاشبہ اللہ ہر بات پر قادر ہے-

اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیمؑ نے کہا تھا- ''اے پروردگار! مجھے دکھلا دے کس طرح تو مردوں کو زندہ کر دے گا؟'' اللہ نے فرمایا ''کیا تمہیں اس کا یقین نہیں؟ عرض کیا ضرور ہے لیکن یہ اس لیے چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو قرار آ جائے'' (یعنی تیری

☆☆ (۵) بنی اسرائیل کے ایام ووقائع میں سے اس واقعے کی طرف اشارہ جبکہ بیت المقدس بالکل ویران ومنہدم کر دیا گیا تھا' اور یہودیوں کی قومیت اس طرح پامال ہو گئی تھی کہ ہیکل کی دوبارہ تعمیر کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا- اس وقت مشیت الٰہی سے ایسا ہوا کہ وقت کے سب سے بڑے تین شہنشاہوں کے دل بنی اسرائیل کے تین نبیوں کی دعوت سے مسخر ہو گئے اور بغیر اس کے کہ تاج وتخت اور لشکر واسلحہ میں سے کوئی چیز بھی انہیں حاصل ہو خود بخود ان کے مردہ شہر' مردہ ہیکل اور مردہ جماعت کی دوبارہ زندگی کا سامان ہو گیا!

جن بادشاہوں کے قلب انبیائے بنی اسرائیل کی داعیانہ زندگی سے مسخر ہوئے وہ سائرس' دارا اور ارتخشست ہیں اور جن انبیا نے انہیں مسخر کیا وہ دانیال' حجی اور عزیر علیہم السلام ہیں- انہیں تین نبیوں میں سے کسی کو یہ معاملہ پیش آیا ہے- فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر وآبادی ٹھیک سو برس کے بعد ہوئی تھی-

☆☆ (۶) دعوت حق سے مردہ قوموں کا زندہ ہو جانا اور متوحش وگمراہ افراد کا ایک تربیت یافتہ جماعت کی حالت میں بدل جانا

الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ

قدرت پر تو یقین و ایمان ہے' لیکن یہ جو مایوس کن حالت دیکھ کر دل دھڑکنے لگتا ہے' تو یہ بات دور ہو جائے)- اس پر ارشاد الٰہی ہوا' اچھا' یوں کرو کہ پرندوں میں سے چار جانور پکڑ لو اور انہیں اپنے پاس رکھ کر اپنے ساتھ ہلا (سدھا) لو (یعنی اس طرح ان کی تربیت کرو کہ وہ اچھی طرح تم سے مل جائیں پھر ان چاروں میں سے ہر ایک کو (اپنے سے دور) ایک ایک پہاڑ پر بٹھا دو' پھر انہیں بلاؤ- وہ (آواز سنتے ہی) تمہاری طرف اڑتے ہوئے چلے آئیں گے! یاد رکھو اللہ سب پر غالب اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے- (۲۶۰) جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں' ان کی (نیکی اور نیکی کی برکتوں کی) مثال اس بیج کے دانے کی سی ہے جو زمین میں بویا جاتا ہے- (جب بویا گیا تھا تو صرف ایک دانہ تھا- لیکن جب بار آرہوا' تو)

اور اس بارے میں وہ موعظت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح کی گئی تھی- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا جبکہ ان کے ملک میں اور ان کے ملک سے باہر کوئی گروہ بھی ایسا نہ تھا جس میں قبولیت حق کی استعداد دکھائی دیتی ہو- یہ حالت دیکھ کر انہوں نے کہا خدایا تو کیونکر اس موت کو زندگی سے بدل دے گا؟'' اس پر اللہ نے دعوت حق کی انقلاب انگیز حقیقت پرندوں کی مثال سے واضح کر دی- اگر تم ایک پرند کو کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھ کر ایسا تربیت یافتہ بنا لے سکتے ہو کہ تمہاری آواز سنتا' اور تمہارے بلانے پر اڑتا ہوا آ جا سکتا ہے' تو کیا گمراہ اور متوحش انسان دعوت حق کی تعلیم و تربیت سے اس درجہ اثر پذیر نہیں ہو جا سکتے کہ تمہاری صدائیں سنیں اور ان کا جواب دیں؟

چنانچہ ایسا ہی ہوا- اس داعی حق نے انسان کی متوحش اور گمراہ روحوں کی جو تربیت کی تھی اس نے تاریخ عالم کا سب سے زیادہ عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا- قوموں کی قومیں اور نسلوں کی نسلیں' دعوت ابراہیم علیہ السلام پر قدم اٹھاتی رہیں اور باوجودیکہ تین ہزار برس سے زیادہ مدت گزر چکی ہے لیکن آج بھی ہر سال انسانوں کے بے شمار غول' اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے اور معبد ابراہیمی میں جمع ہوتے ہیں-

☆☆ جہاد کا بیان ختم ہو گیا- اب یہاں سے بیان احکام کا سلسلہ ایک دوسرے حکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے-

فائدہ: اس واقعے میں دو باتیں جو غور طلب ہیں- اولاً یہ کہ ''کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی'' میں موت و حیات سے مقصود کیا ہے؟ مجاز ہے جیسا کہ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا'' (۲:۲۵۹) اور اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (۸:۲۴) وغیرہا آیات میں ہے' یا حقیقت ہے؟ مفسروں نے عام طور پر اسے حقیقت پر محمول کیا ہے- وہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال حشر اجساد کے بارے میں تھا- یعنی قیامت کے دن مردے کیونکر زندہ ہو جائیں گے- ثانیاً یہ کہ پرندوں کے معاملہ سے مقصود کیا ہے؟ اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ مقصود یہ تھا کہ پرندوں کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے یا قیمہ قیمہ کر دیا جائے- پھر ان کے چار حصے چار پہاڑوں پر رکھ دیے جائیں- پھر انہیں بلایا جائے- قدرت الٰہی سے زندہ ہو کر دوڑنے لگیں گے- اس تفسیر کی رو سے سوال و جواب میں مطابقت یوں ہے کہ سوال مردوں کے زندہ ہو جانے کی نسبت تھا- جواب میں قدرت الٰہی کا معجزہ دکھلا دیا گیا کہ جس طرح یہ پرند اپنے بلانے والے کی آواز پر زندہ ہو گئے اسی طرح قیامت کے دن حکم الٰہی سے مردے زندہ ہو جائیں گے- لیکن اس تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ پرندوں کو مارنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا مضمون محذوف تسلیم کر لیا جائے- کیونکہ قرآن کے لفاظ میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے' اور ترجمہ یوں کیا جائے' پرندوں میں سے چار جانور او رانہیں اپنے ساتھ سدھا لو (پھر انہیں ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو) پھر ان کا ایک ایک حصہ چار پہاڑوں پر رکھ دو'-

سُنۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ

ایک دانہ سے سات بالیاں پیدا ہوگئیں' اور ہر بالی میں سو دانے نکل آئے- (یعنی خرچ کیا ایک اور بدلے میں ملے سینکڑوں!) اور اللہ جس کسی کے لیے چاہتا ہے' اس سے بھی دوگنا کر دیتا ہے- وہ بڑی ہی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے! (۲۶۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' اور اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ لینے والے کو (اپنے قول و فعل سے کسی طرح کا) دکھ پہنچاتے ہیں' تو ان کے پروردگار کے حضور ان کے عمل کا اجر ہے- نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا ڈر ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی! (۲۶۲)

سیدھے منہ سے ایک اچھا بول اور (رحم و شفقت سے) عفو و درگزر کی کوئی بات اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے ساتھ خدا کے بندوں کے لیے اذیت ہو- اور (دیکھو' یہ بات نہ بھولو کہ) اللہ بے نیاز اور حلیم ہے- (۲۶۳)

مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور لوگوں کو اذیت پہنچا کر برباد نہ کر دو' جس طرح وہ آدمی برباد کر دیتا ہے' جو محض لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے' اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا- سو ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے- جیسے (پتھر کی) ایک چٹان' اس پر مٹی کی تہہ جم گئی' اور اس میں بیج بویا گیا- جب زور سے پانی برسا' تو (ساری مٹی مع بیج کے بہہ گئی) اور ایک صاف اور سخت چٹان کے سوا کچھ باقی نہ رہا (سو یہی حال ان ریاکاروں کا بھی ہے) انہوں نے (اپنے نزدیک

گزشتہ بیانات میں جس قدر احکام دیے گئے ہیں' ان سب کی سچی تعمیل جبھی ہو سکتی ہے جبکہ نیکی کے لیے مال خرچ کرنے کی پوری استعداد پیدا ہو جائے- وصیت' صیام' اکل حلال' حج' جہاد' نکاح' طلاق' یتیموں کی خبر گیری' عورتوں کے ساتھ حسن سلوک یہ تمام امور ایسے ہیں جن پر ٹھیک ٹھیک عمل وہی کر سکتا ہے جو پیسہ کے عشق میں نہ مرتا ہو' اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کا ولولہ رکھتا ہو' اس لیے مندرجہ صدر احکام کے بعد خصوصیت کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے مواعظ بیان کیے گئے- یہ گویا ان سب کے لیے ایک متمم بیان کیا ہے-

☆☆ (۳) دکھاوے کی خیرات بھی اکارت جاتی ہے' اور یہ برائی پچھلی برائی سے بھی سخت ہے- کیونکہ جو شخص نیکی کے لیے نہیں بلکہ نام و نمود کے لیے کرتا ہے اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے' وہ یقیناً خدا پر سچا ایمان نہیں رکھتا-

(۴) جو لوگ دکھاوے کے لیے نیکی کرتے ہیں' ان کی مثال ایسی ہے' جیسے پہاڑ کی ایک چٹان جس پر مٹی کی تہہ جم گئی ہو- ایسی جگہ پر کتنی ہی بارش ہو' لیکن کبھی سرسبز نہ ہوگی- کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے- پانی جب برسے گا تو ڈھل ڈھلا کر صاف چٹان نکل آئے گی! برخلاف اس کے جو لوگ اخلاص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے' جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو- جب بارش ہوگی تو اس کی شادابی دوگنی ہو جائے گی- اگر زور سے پانی نہ برسے' تو ہلکی ہلکی بوندیں بھی اسے شاداب کر دیں- کیونکہ اس میں سرسبزی و شادابی کی استعداد موجود ہے!

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا
ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ
لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۶۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ ع

خیر خیرات کر کے) جو کچھ بھی کمایا تھا وہ (ریا کاری کی وجہ سے) رائیگاں گیا- کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ لگا- اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں پر (فلاح و سعادت) کی راہ نہیں کھولتا جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں-(۲۶۴) (برخلاف اس کے) جو لوگ اپنا مال (نمود و نمائش کے لیے نہیں' بلکہ) اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنے دل کے جماؤ کے ساتھ خرچ کرتے ہیں' تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اونچی زمین پر اگا یا ہوا باغ- اس پر پانی برسا تو دو چند پھل پھول پیدا ہو گئے' اور اگر زور سے پانی نہ برسے' تو ہلکی بوندیں بھی اسے شاداب کر دینے کے لئے کافی ہیں! اور یاد رکھو تم جو کچھ بھی کرتے ہو' اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں-(۲۶۵)

کیا تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ بات پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں کے درختوں اور انگوروں کی بیلوں کا ایک باغ ہو- اس میں نہریں بہہ رہی ہوں- نیز اس میں اور بھی ہر طرح کے پھل پھول پیدا ہوتے ہوں- پھر ایسا ہو کہ جب بڑھاپا آ جائے اور ناتواں اولاد اس آدمی کے چاروں طرف جمع ہوں' تو اچانک ایک جھلستی ہوئی آندھی چلے اور (آن کی آن میں) باغ جل کر ویران ہو جائے؟ اللہ ایسی ہی مثالوں کے پیرایہ میں تم پر (حقیقت کی) نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ غور و فکر سے کام لو!-(۲۶۶)

مسلمانو! جو کچھ تم نے (محنت مزدوری یا تجارت سے) کمائی کی ہو اس میں سے خرچ کرو یا جو کچھ ہم تمہارے لئے زمین

اس تمثیل میں خیرات کو بارش سے اور زمین کو دل سے تشبیہ دی گئی ہے اگر زمین ٹھیک ہے یعنی دل میں اخلاص ہے تو جس قدر بھی عمل خیر کیا جائے گا برکت اور پھل لائے گا- اگر زمین درست نہیں ہے یعنی اخلاص نہیں ہے تو پھر کتنی ہی دکھاوے کی خیرات کی جائے سب رائیگاں جائے گی- اگر دل میں اخلاص ہے تو تھوڑی خیرات بھی برکت و فلاح کا موجب ہو سکتی ہے- جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کر دے سکتی ہے-

(۵) عالم مادی اور عالم معنوی' دونوں کے احکام و قوانین یکساں ہیں' جو بوؤ گے اور جس طرح بوؤ گے' ویسا ہی اور اسی طرح کا پھل بھی پاؤ گے-

(۶) تم میں کون ہے جو یہ بات پسند کرے گا کہ اپنی ساری عمر باغ لگانے میں صرف کر دے اور سمجھے اس کی پیداوار بڑھاپے میں کام آئے گی' لیکن جب بڑھاپا آئے تو دیکھے کہ سارا باغ جل کر ویران ہو گیا ہے؟ یہی حال اس انسان کا ہے' جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے عاقبت میں کام آئیں گی- لیکن جب عاقبت کا دن آئے گا' تو دیکھے گا کہ اس کی ساری محنت رائیگاں گئی اور اس کی کوئی تخم ریزی بھی پھل نہ لا سکی-

(۷) ایسا نہ کرو کہ جو چیز نکمّی اور بیکار ہو' اسے خیرات کے نام سے محتاجوں کو دے دو اور سمجھو کہ اس طرح تم نے ثواب کما لیا- اگر تمہیں کوئی ایسی چیز دے دے تو تم اسے لینا پسند کرو گے؟ پھر اگر اپنے نفس کے لئے نکمّی چیز لینا پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو؟ دوسروں کے ساتھ وہی کرو' جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے!

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا
يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ
وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ

میں پیدا کر دیتے ہیں' اس میں سے نکالو' کوئی صورت ہو لیکن چاہیے کہ خدا کی راہ میں خیرات کرو تو اچھی چیز خیرات کرو- ایسا نہ کرو کہ فصل کی پیداوار میں سے کسی چیز کو ردی اور خراب دیکھ کر خیرات کر دو (کہ بیکار کیوں جائے' خدا کے نام پر نکال دیں) حالانکہ اگر ویسی ہی چیز تمہیں دی جائے' تو تم کبھی اسے (خوشدلی سے) لینے والے نہیں مگر ہاں' (جان بوجھ کر) آنکھیں بند کر لو' تو دوسری بات ہے- یاد رکھو' اللہ کی ذات بے نیاز اور ساری ستائشوں سے ستودہ ہے' (اسے تمہاری کسی چیز کی احتیاج نہیں' مگر تم اپنی سعادت و نجات کے لئے عمل خیر کے محتاج ہو- (۲۶۷)

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے- اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے' لیکن اللہ تمہیں ایسی راہ کی طرف بلاتا ہے' جس میں اس کی مغفرت اور اس کے فضل و کرم کا وعدہ ہے- اور یاد رکھو اللہ وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے- (۲۶۸)

وہ جسے چاہتا ہے' حکمت دے دیتا ہے' اور جس کسی کو حکمت مل گئی تو یقین کرو' اس نے بڑی ہی بھلائی پا لی- اور نصیحت حاصل نہیں کرتے' مگر وہی لوگ جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں! (۲۶۹)

اور دیکھو' خیرات کی قسم میں سے تم جو کچھ بھی خرچ کرو' یا خدا کی نذر ماننے کے طور پر جو کچھ بھی نکالنا چاہو' تو یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کے علم سے وہ پوشیدہ نہیں ہے- اور جو معصیت کرنے والے ہیں تو انہیں (خدا کی پکڑ سے بچانے میں) کوئی مددگار نہیں ملے گا- (۲۷۰)

اگر تم (بغیر اس کے کہ دل میں نام و نمود کی خواہش ہو) کھلے طور پر خیرات کرو' تو یہ بھی اچھی بات ہے اگر پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دے دو تو اس میں تمہارے لئے بڑی ہی بہتری ہے- یہ تمہارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گی۔

☆☆ (۸) انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ دنیا کے ظاہری اور نمائشی فائدوں ہی میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقی نفع و نقصان کو سمجھ سکے اور اچھائی اور برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے' ان باتوں میں سے ہے جسے قرآن حکمت سے تعبیر کرتا ہے اور جسے حکمت مل گئی تو اس نے زندگی کی بہت بڑی برکت پائی!

☆☆ (۹) دکھاوے کی خیرات سے روکا گیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک چوری چھپے خیرات نہ کر سکو' خیرات کرو ہی نہیں' یا خواہ مخواہ پوشیدگی میں تکلف کرو کہ یہ تکلف بجائے خود عمل خیر سے مانع ہو جائے- مطلب یہ ہے کہ دل میں اخلاص ہونا چاہیے' اور اپنی جانب سے کوئی بات دکھاوے اور نمائش کی نہیں کرنی چاہیے-

خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُھُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُھُمْ بِسِيْمٰھُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ۧ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ

اور یاد رکھو[1] تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں' وہ ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے-(۲۷۱)

(اے پیغمبر!) تم پر کچھ اس بات کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ ہدایت قبول ہی کر لیں (تمہارا کام) صرف راہ دکھا دینا ہے' یہ کام اللہ کا ہے کہ جسے چاہے راہ پر لگا دے (پس تم لوگوں سے کہہ دو) جو کچھ بھی تم خیرات کرو گے تو (اس کا فائدہ کچھ مجھے نہیں مل جائے گا' اور نہ کسی دوسرے پر اس کا احسان ہوگا) خود اپنے ہی فائدہ کے لیے کرو گے- اور تمہارا خرچ کرنا اسی غرض کے لیے ہے کہ اللہ کی رضا جوئی کی راہ میں خرچ کرو- اور (پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ) جو کچھ تم خیرات کرو گے تو (خدا کا قانون یہ ہے کہ) اس کا بدلہ پوری طرح تمہیں دے دے گا' تمہاری حق تلفی نہ ہوگی-(۲۷۲)

خیرات[2] تو ان حاجت مندوں کا حق ہے جو (دنیا کے کام دھندوں سے الگ ہو کر) اللہ کی راہ میں گھر کر بیٹھ رہے ہیں (یعنی صرف اسی کام کے ہو رہے ہیں) انہیں یہ طاقت نہیں کہ (معیشت کی ڈھونڈھ میں) نکلیں اور دوڑ دھوپ کریں (پھر باوجود فقر و فاقے کے ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ) ناواقف آدمی دیکھے' تو خیال کرے انہیں کسی طرح کی احتیاج نہیں- تم ان کے چہرے دیکھ کر ان کی حالت جان لے سکتے ہو' لیکن وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال کرنے والے نہیں- اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی نیکی کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے-(۲۷۳)

(غرض کہ) جو لوگ رات کی تاریکی میں اور دن کی روشنی میں' پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں' تو یقیناً ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے- نہ تو ان کے لیے (عذاب کا) ڈر ہوگا' نہ (نامرادی کی) غمگینی!(۲۷۴)

---

[1] (۱۰) خیرات کرنا خدا پرستی کا قدرتی نتیجہ ہے- اس میں نہ تو کسی پر احسان کرنا ہے نہ کسی سے تحسین و تشکر کی توقع رکھنی ہے-

[2] (۱۱) خیرات کا ایک ضروری مصرف ایسا تھا جس کی طرف ظاہر بین نگاہوں کو توجہ نہیں ہو سکتی تھی یعنی ان لوگوں کی مدد کرنا جو دنیا کا کام دھندا چھوڑ کر راہ حق کی خدمت کے لیے وقف ہو گئے ہیں- نہ تو انہیں تجارت کی مقدرت ہے نہ کوئی دوسرا وسیلہ معاش رکھتے ہیں- شب و روز دین و ملت کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں- حالت ان کی حاجت مندوں کی ہے مگر صورت بے نیازوں کی- چونکہ ایسے افراد کی خبر گیری جماعت کا ضروری فرض تھا- اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ دلائی-

(۱۲) لوگ عموماً انہی لوگوں کو خیرات کا مستحق سمجھتے ہیں جو بھیک مانگنے میں چست و چالاک ہوتے ہیں' لیکن ایک خوددار حاجت مند کو کوئی نہیں پوچھتا حالانکہ سب سے زیادہ مستحق ایسے ہی لوگ ہیں-

(۱۳) ضمناً اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس طرح دینے والوں کو چاہیے' ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر دیں' اسی طرح لینے والوں کو چاہیے سوال کر کے اپنی خودداری و عفت تاراج نہ کریں- انکی شان یہ ہونی چاہیے کہ بے نیاز رہیں- لوگوں کا فرض یہ ہونا چاہیے کہ بے مانگے مدد کریں!

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جولوگ[1] (حاجت مندوں کی مدد کرنے کی جگہ الٹا ان سے) سود لیتے اور اس سے اپنا پیٹ پالتے ہیں' وہ (یاد رکھیں ان کے ظلم وستم کا نتیجہ ان کے آگے آنے والا ہے- وہ) کھڑے نہیں ہوسکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا کر دیا ہو- (یعنی مرگی کا روگی ہو) یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے (سود کے ناجائز ہونے سے انکار کیا اور) کہا' خرید و فروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے قرض دے کر سود لینا' حالانکہ خرید و فروخت کو تو خدا نے حلال ٹھہرایا ہے' اور سود کو حرام (دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہوسکتی ہیں؟) سو اب جس کسی کو اس کے پروردگار کی یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ آئندہ سود لینے سے رک گیا' تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے' وہ اس کا ہو چکا' اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے- لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے- ہمیشہ عذاب میں رہنے والا- (۲۷۵) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور (یاد رکھو) تمام ایسے لوگوں کو جو نعمت الٰہی کے ناسپاس اور نافرمان ہیں' اس کی پسندیدگی حاصل نہیں ہوسکتی! (۲۷۶) جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' اور ان کے کام بھی اچھے ہیں' نیز نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' تو بلا شبہ ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے- نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا ڈر ہوسکتا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی! (۲۷۷)

[1] نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشو و نما نہیں پاسکتی تھی اگر اس کا حکم دیتے ہوئے ان باتوں سے بھی روک نہ دیا جاتا جو ٹھیک ٹھیک اس کی ضد ہیں- پس انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ ہی سود کی بھی ممانعت کر دی گئی جو دنیا کی تمام قوموں کی طرح عرب میں بھی رائج تھا- دین حق انسان میں باہمی محبت و ہمدردی پیدا کرنی چاہتا ہے- اسی لیے اس نے خیرات کا حکم دیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی حاجت روائی کرے اور اس کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے- لیکن سود خواری کی ذہنیت بالکل اس کی ضد ہے- سود خوار ایک انسان کو حاجت مند دیکھتا ہے تو اس کی مدد کا جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ چاہتا ہے اس کی احتیاج اور بے بسی سے اپنا کام نکال لے اور اس کی محتاجی کو اپنی دولت مندی کا ذریعہ بنائے- خود غرضی کا یہ جذبہ اگر بے روک بڑھتا رہے' تو پھر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان میں انسانی ہمدردی کی بو باس تک باقی نہیں رہتی- ایک بے رحم اور بے پناہ درندہ بن کر رہ جاتا ہے- قرآن نے اسی حالت کو مرگی کے مرض سے تشبیہ دی ہے' جسے عربی میں شیطان کے مس سے تعبیر کرتے تھے- یعنی زر پرستی کے جوش سے تمام انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں' اور پیسے کے پیچھے پاگل ہو کر رہ جاتا ہے!

علاوہ بریں سود کا طریقہ سرمایہ داری کی راہوں کو کھولتا اور بڑھاتا ہے اور اسلام کا رخ اس کے خلاف ہے- وہ دولت کو پھیلانا چاہتا ہے- چنانچہ "يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ" کہہ کر سود کی ممانعت کی علت ظاہر کر دی- دین حق کا مقصد یہ ہے کہ سود کو مٹائے- خیرات کے جذبہ کو ترقی دے- اگر خیرات کا جذبہ پوری طرح ترقی کر جائے تو سوسائٹی کا کوئی فرد محتاج و مفلس ہو ہی نہیں سکتا!

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو' تو اس سے ڈرو' اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمے باقی رہ گیا ہے' اسے چھوڑ دو۔ (۲۷۸)

اگر تم نے ایسا نہ کیا' تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ (کیونکہ ممانعت کے صاف صاف حکم کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا' اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف جنگ آزما ہو جانا ہے) اور اگر (اس باغیانہ روش سے) توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اپنی اصلی رقم لے لو اور سود چھوڑ دو۔ نہ تو تم کسی پر ظلم کرو نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ (۲۷۹)

اور اگر ایسا ہو کہ ایک مقروض تنگ دست ہے (اور فوراً قرض ادا نہیں کر سکتا) تو چاہیے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لیے بہتری کی بات تو یہ ہے کہ (ایسے تنگ دست بھائی کو) اس کا قرض بطور خیرات بخش دو۔ (۲۸۰)

اور دیکھو! اس دن (کی پرسش) سے ڈرو' جبکہ تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے' اور پھر ایسا ہوگا کہ ہر جان نے (اپنے عمل سے) جو کچھ کمایا ہے اس کا بدلہ پورا پورا اسے مل جائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی ہو۔ (۲۸۱) مسلمانو![1] جب کبھی ایسا ہو کہ تم خاص میعاد کے لیے ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو چاہیے کہ لکھا پڑھی کر لو اور تمہارے درمیان ایک لکھنے والا ہو جو دیانت داری کے ساتھ دستاویز قلم بند کر دے۔ لکھنے والے کو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کہ جس طرح اللہ نے اسے (دیانت داری کے ساتھ لکھنا) بتلا دیا ہے اس کے مطابق لکھ دے۔ اسے لکھ دینا چاہیے۔ لکھا پڑھی اس طرح ہو کہ جس کے ذمہ دینا ہے'

---

[1] چونکہ سود کے ذکر سے لین دین کا معاملہ چھڑ گیا تھا اس لیے اس کے ضروری احکام بھی بیان کر دیے گئے اور اس بارے میں لوگوں کی جہالت اور بدمعاملگی سے جو مفاسد پھیل گئے تھے ان کا ازالہ کر دیا گیا: (۱) لین دین جس قدر ہو لکھا پڑھی کے ساتھ ہو' محض زبانی نہ ہو۔ (۲) ہر طرح کے لین دین کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۳) اگر کوئی فریق نابالغ یا بے سمجھ ہو تو اس کی جانب سے اس کا سرپرست وکالت کرے۔ (۴) کاتب کا فرض ہے کہ دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے۔ (۵) گواہوں کو گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ گواہی کا چھپانا معصیت ہے۔ (۶) اس کا بندوبست کرنا چاہیے کہ کاتب اور گواہ کو اہل غرض نقصان نہ پہنچا سکیں ورنہ نظام شہادت درہم برہم ہو جائے گا۔ (۷) اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد کے بدلے دو عورتیں گواہ ہو جائیں۔ ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی۔

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ

وہ مطلب بولتا جائے (اور کاتب لکھتا جائے) اور چاہیے کہ ایسا کرتے ہوئے اپنے پروردگار کا دل میں خوف رکھے- جو کچھ اس کے ذمے آتا ہے اس میں کسی طرح کی کمی نہ کرے ٹھیک ٹھیک لکھوا دے-

اگر ایسا ہو کہ جس کے ذمے دینا ہے وہ بے عقل ہو یا ناتواں ہو (یعنی لین دین اور معاملہ کی سمجھ نہ رکھتا ہو) یا اس کی استعداد نہ رکھتا ہو کہ خود کہے اور لکھوائے تو اس صورت میں چاہیے اس کی جانب سے اس کا سرپرست دیانت داری کے ساتھ مطلب بولتا جائے-

اور (جو دستاویز لکھی جائے) اس پر اپنے آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ کر لو-

اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد (کے بدلے) دو عورتیں جنہیں تم گواہ کرنا پسند کرو- اگر (گواہی دیتے ہوئے) ایک بھول جائے گی دوسری یاد دلا دے گی-

اور جب گواہ طلب کیے جائیں تو گواہی دینے سے بچنا نہ چاہیں-

اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا جب تک میعاد باقی ہے دستاویز لکھنے میں کاہلی نہ کرو- اللہ کے نزدیک اس میں تمہارے لیے انصاف کی زیادہ مضبوطی ہے شہادت کو اچھی طرح قائم رکھنا ہے اور اس بات کا حتی الامکان بندوبست کر دینا ہے کہ (آئندہ) شک وشبہ میں نہ پڑو-

ہاں اگر ایسا ہو کہ نقد (لین دین) کا کاروبار ہو جسے تم (ہاتھوں ہاتھ) لیا دیا کرتے ہو تو ایسی حالت میں کوئی مضائقہ نہیں اگر لکھا پڑھی نہ کی جائے-

لیکن (تجارتی کاروبار میں بھی) سودا کرتے ہوئے گواہ کر لیا کرو (تاکہ خرید وفروخت کی نوعیت اور شرائط کے بارے میں بعد کو کوئی جھگڑا نہ ہو جائے)-

اور کاتب اور گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے (یعنی اس کا موقعہ نہ دیا جائے کہ اہل غرض ان پر دباؤ ڈالیں اور سچی بات کے اظہار سے مانع ہوں) اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہارے لیے گناہ کی بات ہوگی-

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

ع ۳۹

اور چاہیے کہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو- وہ تمہیں (فلاح و سعادت کے طریقے) سکھلاتا ہے' اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!- (۲۸۲)

اور اگر تم سفر[1] میں ہو اور (ایسی حالت ہو کہ باقاعدہ لکھا پڑھی کرنے کے لیے) کوئی کاتب نہ ملے' تو اس صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز گرو رکھ کر اس کا قبضہ (قرض دینے والے کو) دے دیا جائے- پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کا اعتبار کرے' تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے (یعنی جس کا اعتبار کر کے گرو کی چیز اس کی امانت میں دے دی گئی ہے) وہ (قرض کی رقم لے کر مقروض کی) امانت واپس کر دے اور (اس بارے میں) اپنے پروردگار (کی پوچھ گچھ) سے بے خوف نہ ہو-

اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ گواہی چھپاؤ (اور کسی کے خوف یا طمع سے حقیقت کا اظہار نہ کرو) جو کوئی گواہی چھپائے گا' وہ اپنے دل میں گنہگار رہو گا (اگرچہ بظاہر لوگ اس کے جرم سے واقف نہ ہوں اور اسے بے گناہ سمجھیں) اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی کرتے ہو' اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں! (۲۸۳)

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کے لیے ہے- جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' تم اسے ظاہر کرو' یا پوشیدہ رکھو ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے- وہ تم سے ضرور اس کا حساب لے گا- اور پھر یہ اسی کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے بخش دے' جسے چاہے عذاب دے- وہ ہر بات پر قادر ہے! (۲۸۴)

اللہ کا رسول اس (کلام) پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے' اور جو لوگ (دعوت حق پر) ایمان لائے ہیں وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں- یہ سب اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں- (ان کے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے

---

[1] (۸) رہن' یعنی کوئی چیز گرو رکھ کر قرض لینے اور دینے کا حکم- مرہون چیز مالک کی چیز ہے- قرض دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ اس کی واپسی سے انکار کرے-

[2] سورت کا اختتام اور دین حق کے اعتقاد و عمل کا خلاصہ- سورت کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی تھی اور اختتام بھی اسی پر ہوتا ہے-

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾ ع ۸

رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے مانیں دوسروں کو نہ مانیں - یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کر دیں - ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں داعی حق نے پکارا تو) انہوں نے کہا خدایا! ہم نے تیرا حکم سنا اور ہم نے تیرے آگے اطاعت کا سر جھکا دیا - تیری مغفرت ہمیں نصیب ہو - خدایا! ہم سب کو تیری ہی طرف (بالآخر) لوٹنا ہے! (۲۸۵)

اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا - ہر جان کے لیے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہے - جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی سے ہے اور جس کے لیے اسے جواب دہ ہونا ہے وہ بھی اس کی کمائی ہے (پس ایمان والوں کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا! اگر ہم سے (سعی و عمل میں) بھول چوک ہو جائے تو اس کے لیے نہ پکڑیو اور ہمیں بخش دیجیو! خدایا! ہم پر بندھنوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں! خدایا! ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوائیو جس کے اٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو! خدایا! ہم سے درگزر کر! خدایا ہم پر رحم کر! خدایا! تو ہی ہمارا مالک و آقا ہے - پس ان (ظالموں) کے مقابلے میں جن کا گروہ کفر کا گروہ ہے ہماری مدد فرما! (۲۸۶)

استدراک

(۱) قرآن کی انیس سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا میں حروف مقطعات آئے ہیں - من جملہ ان کے سورۂ بقرہ ہے - ان حروف کو ان سورتوں کا نام یا عنوان سمجھنا چاہیے جن میں ان کے مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے -

(۲) زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں - بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں بعض بے پروا ہوتی ہیں - جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں ۔ اچھے برے نفع و نقصان نشیب و فراز کا خیال رکھتے ہیں - جس بات میں برائی پاتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں جس میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں ۔ برخلاف اس کے جو لوگ بے پروا ہوتے ہیں ان کی طبیعتیں بے لگام اور چھوٹ ہوتی ہیں جو راہ دکھائی دے گی چل پڑیں گے جس کام کا خیال آ جائے گا کر بیٹھیں گے جو غذا سامنے آ جائے گی کھا لیں گے جس بات پر اڑنا چاہیں گے اڑ بیٹھیں گے - اچھائی و برائی نفع و نقصان دلیل اور توجیہ کسی بات کی بھی انہیں پروا نہیں ہوتی -

جس حالت کو ہم نے یہاں "احتیاط" سے تعبیر کیا ہے اسی کو قرآن "تقویٰ" سے تعبیر کرتا ہے - "متقی" یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل

میں بے پروا نہیں ہوتا- ہر بات کو درستی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے- برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے' اور اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے- قرآن کہتا ہے ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے کہا" اَمَا سَلَكْتَ طَرِيْقًا ذَا شَوْكٍ؟" "تم کبھی ایسے راستے میں نہیں چلے جس میں کانٹے ہوں؟" فرمایا ہاں' کہا "فَمَا عَمِلْتَ؟" "اس حالت میں تم نے کیا کیا؟" فرمایا "شَمَّرْتُ وَاجْتَهَدْتُّ" "میں نے کوشش کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں-" کہا "فَذَالِكَ التَّقْوٰى" "یہی تقویٰ کی حقیقت ہے!-"

(۳) انسان کے علم و ادراک کا ذریعہ حواس خمسہ ہیں یعنی دیکھنے' سننے' سونگھنے' چکھنے اور چھونے کی قوتیں۔ جو کچھ ان کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے اس کے لیے محسوس ہے- جو معلوم نہیں کر سکتا غیر محسوس ہے- قرآن نے اس مطلب کے لیے غیب اور شہادت کے الفاظ استعمال کیے ہیں- عالم غیب' یعنی غیر محسوسات۔ عالم شہادت' یعنی محسوسات- فرمایا خدا پرستی کی بنیاد یہ ہے کہ ان کے حقائق پر یقین رکھے جو اگرچہ اس کے لیے غیر محسوس و معلوم ہیں لیکن وجدان ان کی شہادت دیتا ہے' اور وحی نے ان کی خبر دی ہے- مثلاً خدا کی ذات و صفات' ملائکہ کا وجود' وحی و نبوت' مرنے کے بعد کی زندگی' عذاب و ثواب' دنیا کی ابتدائی پیدائش' عالم آخرت کے احوال و واردات۔

سورۂ آل عمران میں مطالب قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں- محکمات اور متشابہات۔ متشابہات سے مقصود وہی بیانات ہیں جن کا تعلق عالم غیب سے ہے- قرآن کہتا ہے جو لوگ علم کے پکے اور سمجھ کے سیدھے ہیں' وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی حقیقت معلوم کرنے کی کاوش میں نہیں پڑتے- کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ امور عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں- لیکن جو لوگ علم و بصیرت سے محروم ہیں- وہ ان میں کاوش کر کے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں-

ہم ان امور پر کیوں یقین رکھیں؟ کیوں انہیں بے چون و چرا تسلیم کر لیں؟

اس لیے کہ بغیر اس کے زندگی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا!

ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ ہماری محسوسات کی سرحد سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیے' لیکن ہمیں علم و ادراک کے ذریعے کوئی یقینی بصیرت نہیں ملتی- اگر اس بارے میں یقین کی کوئی صدا ہے' تو وہ صرف الہامی ہدایت کی صدا ہے- اگر ہم اس سے انکار کر دیں تو پھر ہمارے پاس جہل و تاریکی کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا-

ہم نے اس وقت تک علم و ادراک کے ذریعے اس بارے میں جو کچھ معلوم کیا ہے اس میں کوئی یقینی بصیرت ایسی نہیں ہے جو ان حقائق کے خلاف ہو-

ہم نے یہاں "یقینی بصیرت" کا لفظ اس لیے کہا کہ عالم غیب کے ان حقائق کے خلاف اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے' وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ یا تو عدم علم کا اعتراف ہے' جیسا کہ تمام حکمائے قدیم و جدید نے کیا' یا پھر انکار ہے تو اس کی بنا تمام تر ظنون و تخمینات ہیں- کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے- قرآن کہتا ہے' تم گمان و شک کا حربہ لے کر یقین اور بصیرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے!

اس بارے میں کتنی ہی کاوش کی جائے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا جو قرآن نے کہہ دیا ہے-

---

آیت ۷ کا مطالعہ کرتے ہوئے حسب ذیل نوٹ پر بھی نظر ڈال لی جائے-

قرآن کا جب ظہور ہوا تو قبولیت حق کی استعداد کے لحاظ سے تین طرح کے انسانی گروہ موجود تھے-

(۱) خدا پرست اور طالب حق گروہ- اس میں کچھ لوگ عرب کے موحدین میں سے تھے- کچھ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے

راست باز انسان تھے- اس گروہ نے جونہی صدائے حق سنی پہچان لیا اور قبول کر لیا-

(۲) عام مشرکین عرب جن کے پاس ایمان وخدا پرستی کی کوئی تعلیم موجود نہ تھی- محض رسوم واوہام کے پجاری اور تقلید آباواجداد کی مخلوق تھے- ان میں سے اکثروں کی طبیعتیں گمراہی وفساد کی پختگی سے اس درجہ مسخ ہو گئی تھیں کہ کتنی ہی اچھی بات کہی جائے، ماننے والے نہ تھے- چنانچہ وہ خود کہتے تھے "تمہاری دعوت کے لیے نہ تو ہمارے دلوں میں جگہ ہے نہ کانوں میں سماعت- ہمارے اور تمہارے درمیان مخالفت کی ایک دیوار کھڑی ہو گئی ہے- ہم تمہاری بات سننے والے نہیں!" (۴۱:۳)

(۳) اہل کتاب یعنی الہامی تعلیمات کے پیرو- ان میں سر برآوردہ گروہ یہودیوں اور عیسائیوں کا تھا- یہ دونوں جماعتیں ایمان و خدا پرستی کی مدعی تھیں، اتباع شریعت کا دم بھرتی تھیں، تورات اور انجیل کو کتاب الٰہی مانتی تھیں، اور اپنے سوا سب کو دین کی صداقت سے محروم سمجھتی تھیں، مگر دونوں نے ایمان وخدا پرستی کی حقیقت کھو دی تھی اور اعتقاد وعمل کی تمام سچائیوں سے محروم ہو گئے تھے-

قرآن کہتا ہے پہلا گروہ میری تعلیم سے فیض یاب ہو گا- دوسرا ماننے والا نہیں- تیسرا اگرچہ ایمان کا مدعی ہے، مگر فی الحقیقت ایمان نہیں رکھتا- پھر جا بجا اہل کتاب کو مخاطب کیا ہے اور ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں واضح کی ہیں، جن کی بنا پر، باوجود ادعائے ایمان، ان کے ایمان کی نفی کی گئی-

مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ جو حالت یہود ونصاریٰ کی قرآن نے بیان کی ہے، کیا ویسی ہی حالت خود ان کی بھی نہیں ہو گئی ہے؟ کیا قرآن کا یہ زہرہ گداز اعلان کہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ!" خود ان پر بھی صادق نہیں آ رہا ہے؟

یاد رہے کہ تیسرے گروہ کی یہ حالت نفاق سے تعبیر کی گئی ہے لیکن اس نفاق سے مقصود وہ نفاق نہیں ہے جو مکہ اور مدینے کے بعض منافقوں کا تھا کہ بظاہر مسلمان ہو گئے تھے- دل میں منکر تھے- وہ دوسرا گروہ ہے اور اس کا ذکر آل عمران اور نساء وغیرہا میں آئے گا-

نوٹ آیت ۱۶ تا ۱۹

یہ دونوں تمثیلیں تیسرے گروہ کی نفسیاتی حالت واضح کرتی ہیں- پہلی تمثیل ظاہر ہے- دوسری کا مطلب سمجھ لینا چاہیے- اس میں مرکب تشبیہ ہے- یعنی حالات کے ایک ملے جلے مجموعے کو ایک دوسرے مجموعہ حالات سے تشبیہ دی ہے-

(۱) بارش میں زمین اور زمین کی تمام مخلوقات کے لیے زندگی ہے، لیکن جب برستی ہے تو بادل گرجتے ہیں، بجلی چمکتی ہے، گھٹاؤں سے تاریکی چھا جاتی ہے- مستعد طبیعتیں یہ حالت دیکھ کر گھبراتی نہیں، اور سمجھ جاتی ہیں کہ یہ باران رحمت کی برکتوں کا پیش خیمہ ہیں- وہ کوشش کرتی ہیں کہ وقت کی برکت سے جس قدر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اٹھا لیں- لیکن جو لوگ دل کے کچے اور استعداد سے محروم ہوتے ہیں وہ بارش کی برکتوں کو تو بھول جاتے ہیں، اس کے ظہور کے ہنگاموں سے سہمنے لگتے ہیں-

فرمایا، یہی حال ان محروموں کا ہے- یہ مدعیان ایمان وشریعت (یعنی اہل کتاب) دعوت حق کے منتظر تھے- لیکن جب ظاہر ہوئی اور قدرتی طور پر اس کے ساتھ ابتدائے ظہور کے مصائب ومحن بھی نمودار ہوئے، تو ان کی نظر اس کی برکتوں کی طرف نہیں گئی- مصائب ومحن کی آزمائشوں سے سہم کر رہ گئے- ٹھیک اس طرح، جیسے ایک بدبخت بارش کے موسم میں کاشت کاری کرنے کی جگہ، بادل کی گرج سے ڈرا سہا کسی کونے میں دبکا پڑا ہو!

(۲) فرض کرو- ایک شخص اسی عالم میں جا رہا ہے- جب بجلی کی چمک سے راستہ دکھائی دیتا ہے تو دو ایک قدم چل لیتا ہے- جب غائب ہو جاتی ہے تو ٹھٹک کر رہ جاتا ہے- اس کے پاس نہ تو اس کی کوئی روشنی ہے جو راہ دکھائے - نہ عزم و ہمت ہے جو بڑھائے لے چلے!

فرمایا' یہی حال ان لوگوں کا ہے جو دین حق کی روشنی کھو چکے ہیں' اور جن کے دلوں میں خدا پرستی کی روح باقی نہیں رہی - یہ بات نہیں ہے کہ دوسرے گروہ کی طرح (یعنی مشرکین عرب کی طرح) چلتے نہ ہوں- چلتے ہیں' مگر اس طرح کہ جب کبھی بجلی کوندگئی' دو چار قدم اٹھا دیے- پھر وہی تاریکی ہے اور وہی سراسیمگی!

قرآن نے جا بجا ایمان کو روشنی سے تشبیہ دی ہے- مومن وہ ہے کہ ہمیشہ اس کی روشنی اس کے آگے راہنمائی کے لیے موجود ہو "يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ" (۵۷:۱۲)

نوٹ: آیت ۲۲۸

ساتویں صدی مسیحی میں جب اسلام کا ظہور ہوا تو دنیا اس حقیقت سے یک قلم ناآشنا تھی کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے بھی کچھ حقوق ہو سکتے ہیں- منو کے قانون نے عورت کی ہستی صرف اس شکل میں دیکھی تھی کہ وہ مرد کے لیے پیدائش اولاد کا ذریعہ ہے' اور اس کی نجات اس پر موقوف ہوئی کہ مرد کی خدمت گزاری میں اپنی زندگی فنا کر دے- یہودی قانون عورت کو مرد کی جائداد تصور کرتا تھا اور خاندانی زندگی میں اس کی کوئی مستقل حیثیت نہ تھی- مسیحی کلیسا کا فیصلہ یہ تھا کہ انسان ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت یکساں نہیں ہیں- "انسان صرف مرد ہے اور عورت میں انسانی روح کی جگہ ایک دوسری روح بولتی ہے-" رومی قانون نے بھی' جو یورپ کے تمام قوانین عامہ کا ابتدائی سرچشمہ ہے' عورت کی جگہ مرد سے بدرجہا نیچے دیکھی- خاندانی زندگی میں صرف باپ' بھائی' شوہر اور بیٹے کی حیثیتیں نمایاں ہوتی تھیں۔ ماں' بہن' بیوی اور بیٹی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی-

جب کبھی "انسان" کا لفظ بولا جاتا تھا تو اس کا مخاطب مرد ہی کو سمجھا جاتا تھا- عورت مرد کے سایے میں جگہ پا سکتی تھی مگر اس کے ساتھ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی-

یہودی اور مسیحی تصور نے "پیدائشی گناہ" کے عقیدے کا سارا بوجھ عورت کے سر ڈال دیا تھا- آدم کی لغزش کا باعث حوا ہوئی' اس لیے گناہ کا پہلا بیج عورت کے ہاتھوں پڑا اور وہی مرد کی گمراہی کے لیے شیطان کا آلۂ کار بنی تھی- اب ہمیشہ عورت کی ہستی میں گناہ کی دعوت ابھرتی رہے گی!

دماغی اور معاشرتی زندگی کے دائروں کی طرح مذہبی زندگی کے دائرے میں بھی عورت مرد کی ہمسر نہ ہو سکی- گویا انسانوں کی طرح خدا کا فیصلہ بھی اس کے خلاف گیا تھا!

لیکن قرآن نے صرف عورتوں کے حقوق کا اعتقاد ہی پیدا نہیں کیا بلکہ صاف صاف اعلان کر دیا کہ حقوق کے اعتبار سے دونوں کا درجہ ایک ہے- جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہوئے ٹھیک اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہوئے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (۲۲۸:۲)

"اور حسن سلوک میں بیوی کے حقوق بھی اسی طرح شوہروں پر ہوئے جس طرح شوہروں کے بیویوں پر ہوئے-"

یعنی جس طرح عورتوں کو دینا ہے اسی طرح لینا بھی ہے- یہ نہیں ہو سکتا کہ مرد اپنے حق کا تو عورت سے مطالبہ کرے لیکن عورت کا حق بھلا

دے-اگر عورت مرد کے حقوق کی مقروض ہے تو اسی طرح مرد بھی عورت کے حقوق کا مقروض ہے!

قرآن نے یہ چار لفظ کہہ کر کہ ﴿ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ ﴾ انسان کی معاشرتی زندگی کے سب سے بڑے انقلاب کا اعلان کر دیا تھا-ان چار لفظوں نے عورت کو وہ سب کچھ دے دیا جو اس کا حق تھا مگر جو اسے کبھی نہیں ملا تھا-ان لفظوں نے اسے محرومی و شقاوت کی خاک سے اٹھایا اور عزت و مساوات کے تخت پر بٹھا دیا-پھر اس اسلوب بیان کی جامعیت اور معنویت پر غور کرو-زندگی و معاشرت کی کون سی بات ہے جو ان چار لفظوں میں نہیں آ گئی؟ اور کونسا رخنہ ہے جو بند نہیں کر دیا گیا؟

البتہ آگے چل کر یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ باوجود حقوق کی برابری کے ایک خاص درجہ مرد کے لیے ماننا پڑتا ہے:

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾(۲:۲۲۹)

''البتہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو ایک خاص درجہ ضرور حاصل ہوا-''

اس خاص درجہ سے مقصود کون سا درجہ ہے؟ اس کا جواب سورۂ نساء میں ہمیں مل جاتا ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾

(۴:۳۴)

''مرد عورتوں کے لیے کارفرما ہوئے-اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مرد اپنا مال (جو ان کی محنت سے جمع ہوتا ہے) عورتوں پر خرچ کرتے ہیں-''

یعنی خاندانی زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اگر کوئی فرد اس کا ''قوام'' یعنی ''بندوبست کرنے والا نہ ہو-یہ ''قوام'' ہستی کس کی ہوئی؟ شوہر کی یا بیوی کی؟ قرآن کہتا ہے' خاندانی زندگی کا نظام اس طرح چل رہا ہے کہ ''قوام'' ہستی کی جگہ شوہر کی ہو-بس اتنا ہی امتیاز ہے جو مرد کو عورت کے مقابلہ میں حاصل ہے-بشرطیکہ اس انتظامی ذمہ داری کو جو سر تا سر ایک بوجھ ہے وجہ امتیاز تسلیم کر لیا جائے-

یہ ظاہر ہے کہ اس امتیاز سے مرد کو کوئی پیدائشی امتیاز حاصل نہیں ہو جاتا-محض خاندانی نظام کا ایک خاص ڈھنگ ہے جس نے یہ جگہ اسے دلا دی ہے-فرض کرو متمدن انسانوں کا خاندانی نظام اس طرح چلنے لگتا کہ انتظام معیشت کی باگ مرد کی جگہ عورت کے ہاتھ آ جاتی' تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ امتیاز مرد کو نہ ملتا-عورت کے حصے میں آتا-

جہاں تک معیشتی اور مالیاتی استقلال کا تعلق ہے قرآن نے اس سے صاف انکار کر دیا کہ یہ استقلال صرف مردوں ہی کے حصے میں آیا ہے-اس نے قطعی لفظوں میں اعلان کر دیا کہ مرد کی کمائی مرد کے لیے ہوگی-عورت کی کمائی عورت کے لیے-عورت بیٹی ہو کر باپ سے الگ' بہن ہو کر بھائی سے الگ' بیوی ہو کر شوہر سے الگ مستقلاً اپنی کمائی کا انتظام کر سکتی ہے اور اس کی مالک ہو سکتی ہے-

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ﴾ (۴:۳۲)

''مردوں نے جو کچھ کمائی کی' اس میں ان کا حصہ ہوا-عورتوں نے جو کچھ کمائی کی اس میں ان کا حصہ ہوا-''

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ جہاں تک جنسی درجہ اور حقوق کا تعلق ہے قرآن کے نزدیک دونوں جنسیں برابر ہوئیں-البتہ معیشت کی فراہمی کا کام نظام معاشرت نے مردوں کے سر ڈال دیا ہے اسی کو وہ ایک ''خاص درجہ'' سے تعبیر کرتا ہے-اصلاً یہ ایک طرح کا باہمی تقسیم عمل ہے-مرد کماتا ہے-عورت خرچ کرتی ہے-

قرآن کے تمام مخاطبات عام ہیں- وہ جب کبھی ﴿ یَاَیُّھَا النَّاسُ ﴾ اور ﴿ یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کہتا ہے تو یکساں طور پر دونوں جنسوں کو مخاطب کرتا ہے- اس نے مذہبی اعمال میں امتیاز کی کوئی لکیر ایسی نہیں کھینچی جسے عورت عبور نہ کرسکتی ہو- تمام اعمال وطاعات یکساں طور پر دونوں کے لیے ہیں- ایک نصف دوسرے نصف سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو کمتر ہے' میں بہتر ہوں-

خطابات اور بیانات میں آج کل یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ جب کبھی معاشرت و جمعیت کے اعتبار سے لوگوں کا ذکر کیا جائے تو مرد اور عورت دونوں کو یاد کرلیا جائے- مثلاً کہیں گے "ہر مرد اور عورت کا یہ فرض ہے" یا "قوم ہر مرد اور عورت سے یہ امید رکھتی ہے" ہر ایسا بیان جو اس تصریح سے خالی ہو ناقص بیان سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے یہی اسلوب بیان اختیار کیا تھا: ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ ﴾ (۳۳ : ۳۵)

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ﴾ (۹ : ۷۱)

یورپ میں آج تک عورت اپنے ذاتی نام سے اپنی شخصیت نمایاں نہیں کرسکتی- جب تک شادی نہیں ہوئی مس ٹامسن ہے- جب شادی ہوگئی تو مسز جونس ہوگئی- یعنی خود اس کی شخصیت کوئی مستقل انفرادیت نہیں رکھتی- یا باپ کے سائے میں دکھائی دے گی یا شوہر کے- لیکن مسلمانوں کی معاشرتی تہذیب میں کبھی ایسا نامنصفانہ تخیل پیدا نہیں ہوا- عورت لڑکی ہو یا بیوی وہ ہمیشہ فاطمہ اور عائشہ ہی کی حیثیت سے نمایاں ہوگی- باپ اور شوہر کے سائے میں نہیں چھوڑ دی جائے گی- افسوس ہے کہ اب یورپ کی اندھی تقلید میں لوگ اس درجہ کھوئے گئے ہیں کہ اپنا قدیم طریقہ چھوڑ کر یورپ کا طریق تسمیہ اختیار کرتے جاتے ہیں- چنانچہ ہندوستان اور مصر وغیرہ میں یہ طریقہ عام ہوگیا ہے کہ "مس" اور "مسز" اور "مادا موزیل" اور "مادام" کی ترکیب سے جدید تعلیم یافتہ خواتین کو یاد کیا جائے گا- حالانکہ یورپ کا یہ طریقہ قرون وسطی کی غیر شائستہ ذہنیت کی یادگار ہے اور خود یورپ بھی اب اس کا خواہش مند نہیں کہ اس رسم کی عمر اور دراز کی جائے-

قرآن کے نزول سے پہلے عرب کا بھی وہی حال تھا جو اس بارے میں تمام دنیا کا تھا- لیکن قرآن کی تعلیم نے جو انقلاب حال پیدا کردیا اس کی وضاحت کے لیے صرف ایک واقعہ کی طرف اشارہ کردینا کافی ہوگا- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں پہلی مرتبہ سیاسی خانہ جنگی برپا ہوئی تو ایک گروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیادت میں میدان جنگ کا رخ کیا اور اس وقت کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورت ہوکر ایک سیاسی اور فوجی تحریک کی قائد کیسے ہوسکتی ہیں؟ یورپ آج تک اس مسئلہ کی نزاع سے فارغ نہیں ہوسکا ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی تصویت (یعنی ملکی انتخابات میں ووٹ دینے) کا حق حاصل ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور انگلستان کی سفرے جسٹ (Suffragist) تحریک کا ہنگامہ تو ابھی کل کی بات ہے- لیکن جو مسلمان آج سے تیرہ سو برس پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے تھے ظاہر ہے کہ انہیں عورتوں کے اس حق کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا- جو لوگ مخالف تھے ان کی مخالفت بھی اصل مابہ النزاع معاملہ میں تھی- اس بارے میں نہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورت ہوکر ایک جنگ آزما سیاسی گروہ کی قائد کیونکر ہوسکتی ہیں-

❁ ❁ ❁

ایاتُھا: 200 سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھا: 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ② نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ⑤ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ

الف-لام-میم-(۱) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں-کوئی نہیں مگر اسی کی ایک ذات الحی[۱] (یعنی زندہ کہ اس کے لیے زوال وفنا نہیں) القیوم (کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس سے قائم ہے-وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں) (۲) اسی نے تم پر سچائی کے ساتھ الکتاب نازل کی (یعنی قرآن نازل کیا) اس سے پہلے جس قدر کتابیں نازل ہو چکی ہیں-ان سب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے (ان سے الگ نہیں ہے) اور اسی (حی وقیوم ذات) نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل نازل کی تھی-(۳) نیز اس نے الفرقان (یعنی نیک وبد اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) بھی نازل فرمائی-

جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں (اور حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیتے ہیں) تو (یاد رکھیں) انہیں (پاداش عمل میں) سخت عذاب ملنے والا ہے' اور اللہ سب پر غالب اور (مجرموں کو) سزا دینے والا ہے!:(۴)

بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں-(۵) خواہ زمین میں ہو خواہ آسمان میں-یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ جس طرح چاہتا ہے' ماں کے شکم میں تمہاری صورت (کاڈیل ڈول اور ناک نقشہ) بنا دیتا ہے (اور قبل اس کے کہ دنیا میں قدم رکھو تمہاری حالت

---

[۱] اللہ "الحی" ہے-یعنی زندہ ہے-اس کے لیے فنا وزوال نہیں-"القیوم" ہے-یعنی ہر چیز اس سے قائم ہے-وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں-اس کے حی وقیوم ہونے کا مقتضی یہی تھا کہ انسان کی زندگی وقیام کی تمام احتیاجات مہیا کر دے-احتیاجات دو طرح کی ہیں-جسمانی اور روحانی-اس نے جس طرح پہلی کا انتظام کیا' اسی طرح دوسری کا بھی سروسامان کیا-

روحانی احتیاجات کے لیے انسان کو دو چیزیں دی گئیں-الکتاب اور الفرقان-الکتاب خدا کی وحی ہے جو ہدایت وسعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے-الفرقان جوہر عقل ہے جو اسے سمجھتا اور قبول کرتا ہے-پہلی چیز تعلیم ہے' دوسری تعلیم کی استعداد ہے-پہلی ہدایت کی قوت فاعلہ ہے دوسری منفعلہ-سنت الٰہی اس بارے یہ ہے کہ جو لوگ کفر وسرکشی کے ساتھ الکتاب کا مقابلہ کرتے ہیں اور الفرقان یعنی جوہر عقل وتمیز سے کام نہیں لیتے تو ان کے لیے دنیا میں نامرادی ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب!

جس حی وقیوم کی کارفرمائیوں کا یہ حال ہے کہ انسان کو پیدائش سے پہلے اس کی مناسب وموزوں صورت دے دیتا ہے کیا ضروری نہیں کہ پیدائش کے بعد اس کی روحانی فلاح وسعادت کی بھی صورت آرائی کر دیتا؟-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٧ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

وقف لازم وقف منزل وقف النبی

وضرورت کے مطابق تمہیں ایک موزوں صورت مل جاتی ہے) یقیناً کوئی معبود نہیں ہے، مگر وہی غالب و توانا (کہ اسی کے حکم و طاقت سے سب کچھ ظہور میں آتا ہے) حکمت والا (کہ انسان کی پیدائش سے پہلے شکم مادر میں اس کی صورت آرائی کر دیتا ہے!)(٦)

(اے پیغمبر!) وہی[1] (حی و قیوم ذات) ہے جس نے تم پر الکتاب نازل فرمائی ہے- اس میں ایک قسم تو محکم آیتوں کی ہے، (یعنی ایسی آیتوں کی جو اپنے ایک ہی معنی میں اٹل اور ظاہر ہیں) اور وہ کتاب کی اصل و بنیاد ہیں- دوسری قسم متشابہات کی ہے (یعنی جن کا مطلب کھلا اور قطعی نہیں ہے) تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے (اور سیدھے طریقے پر بات نہیں سمجھ سکتے) وہ (محکم آیتیں چھوڑ کر) ان آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو کتاب اللہ میں متشابہ ہیں- اس غرض سے کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت معلوم کر لیں، حالانکہ ان کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا- (کیونکہ ان کا تعلق اس عالم سے ہے جہاں تک انسان کا علم و حواس نہیں پہنچ سکتا) مگر جو لوگ علم میں پکے ہیں، وہ (متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے وہ) کہتے ہیں "ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے" اور حقیقت یہ ہے کہ (تعلیم حق سے) دانائی حاصل نہیں کرتے مگر وہی جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں!(٧)

(ان ارباب عقل و بصیرت کی صدائے حال ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ) "خدایا! ہمیں سیدھے رستے لگا دینے کے بعد ہمارے

---

[1] اس اصل عظیم کا بیان کہ کتاب اللہ کی تعلیم ہمیشہ دو اصولی قسموں پر مشتمل ہوتی ہے- محکم اور متشابہ- محکم سے مقصود وہ مطالب ہیں جو اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے انسانی عقل کے لیے صاف صاف اور کھلے احکام ہیں- مثلاً توحید و رسالت- اوامر و نواہی- حلال و حرام- متشابہ سے مقصود وہ مطالب ہیں جن کا تعلق ماورائے عقل حقائق سے ہے اور انسان علم و حواس کے ذریعہ ان کا ادراک نہیں کر سکتا- مثلاً خدا کی ہستی، مرنے کے بعد کی زندگی، عالم آخرت کے احوال، عذاب و ثواب کی حقیقت- پس ناگزیر طور پر ان کا بیان ایسے پیرایہ میں کیا جاتا ہے کہ فہم انسانی کے لیے ناقابل برداشت نہ ہو اور اس لیے تشبیہ و مجاز سے خالی نہیں ہوتا- اگر ایک شخص کج فہمی سے کاوش کرنی چاہے تو طرح طرح کے معانی و مباحث کے احتمالات پیدا کر لے سکتا ہے-

پس جو لوگ سمجھ کے سیدھے اور علم میں پکے ہوتے ہیں، وہ محکمات کو اصل سمجھتے ہیں کہ عمل و ہدایت کے لیے کافی ہیں اور متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے کہ ان میں کاوش سود مند عمل نہیں، علم کے رسوخ اور معرفت کے کمال سے یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ متشابہات کی حقیقت کا ادراک عقل انسانی کی پہنچ سے باہر ہے- وہ خلاف عقل نہیں ہیں مگر ماورائے عقل ہیں- انسان ان پر یقین کر سکتا ہے- مگر ان کی حقیقت نہیں پا سکتا- پس وہ کہتے ہیں جو کچھ بھی اللہ کے کلام میں ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس سے آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے!

لیکن جن لوگوں کی سمجھ میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ایمان و یقین کے لیے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں-

رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ؕ وَ اُولٰۤـئِكَ هُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِۙ ﴿۱۰﴾ كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَۙ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدۡ كَانَ لَـكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰى

ع ۹/۹

دلوں کو ڈانوا ڈال نہ کر' اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما! یقیناً تو ہی ہے کہ بخشش میں تجھ سے بڑا کوئی نہیں۔(۸)

''خدایا (عالم آخرت کے معاملات ہماری عقل نارسا میں آئیں یا نہ آئیں لیکن) اس میں کوئی شک نہیں کہ تو ایک دن سب کو اپنے حضور جمع کرنے والا ہے۔ (یہ تیرا وعدہ ہے اور) یقیناً تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہو سکتا''(۹)

جن لوگوں[۱] نے (ایمان وراست بازی کی جگہ) کفر کی راہ اختیار کی ہے تو (وہ یاد رکھیں) انہیں اللہ کی پکڑ سے نہ تو ان کی دولت بچا سکے گی (جس کی کثرت کا انہیں گھمنڈ ہے) نہ آل اولاد (جو دنیا کی مصیبتوں مشکلوں میں ان کے کام آتی رہتی ہے) یہ وہ لوگ ہیں کہ آتش عذاب کا ایندھن بن کر رہیں گے۔(۱۰)

ان لوگوں کا بھی وہی ڈھنگ ہوا جو فرعون کے گروہ کا تھا' اور ان لوگوں کا تھا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں۔ تو اللہ نے بھی پاداش عمل میں انہیں پکڑ لیا اور (یاد رکھو) وہ (جرموں کی سزا دینے میں) بہت ہی سخت سزا دینے والا ہے۔(۱۱)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے' ان سے کہہ دو' وہ وقت دور نہیں جب (آل فرعون کی طرح) تم بھی (غلبہ حق سے) مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہنکائے جاؤ گے۔ اور (جس گروہ کا آخری ٹھکانا جہنم ہو' تو اس کا ٹھکانا) کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔(۱۲)

بلاشبہ[۲] تمہارے لیے ان دو گروہوں میں (کلمہ حق کی فتح مندیوں کی) بڑی ہی نشانی تھی' جو (بدر کے میدان میں) ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے۔ اس وقت ایک گروہ تو (مٹھی بھر بے سروسامان مسلمانوں کا تھا جو) اللہ کی راہ میں

---

۱ جن لوگوں نے الکتاب (یعنی قرآن) کا معاندانہ مقابلہ کیا ہے تو انہوں نے سرکشی وجمود کی وہی روش اختیار کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آل فرعون نے اختیار کی تھی اور وہ وقت دور نہیں' جب ان کے لیے بھی وہی ہوگا جو آل فرعون کے لیے ہوا تھا اور دنیا دیکھ لے گی کہ آخرت کی فتح مندی کس کا ساتھ دیتی ہے؟

۲ جنگ بدر کا نتیجہ اس معاملہ کی ابتدا تھا تاہم فیصلہ کن تھا۔ اگر عبرت پذیری کی استعداد فنا نہ ہو گئی ہوتی تو ان لوگوں کے تنبہ کے لیے کافی تھا!☆

☆ اہل مکہ کے مظالم سے مجبور ہو کر پیغمبر اسلام نے ہجرت کی اور مدینہ آ بسے۔ لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ہجرت کے دوسرے سال ایک لشکر تیار ہوا اور مدینہ پر حملہ آور ہو گیا۔ مسلمان بھی مدینہ سے نکلے اور بدر نامی ایک کنوئیں کے پاس لڑائی ہوئی۔ جنگ بدر سے مقصود یہی لڑائی ہے مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور دشمن ان سے تین گنا زیادہ تھے لیکن نصرت الٰہی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور دشمنوں کو نہایت ذلت بخش شکست ہوئی۔

كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

لڑ رہا تھا- دوسرا منکرین حق کا تھا جنہیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان سے دو چند ہیں (بایں ہمہ منکرین حق کو شکست ہوئی) اور اللہ جس کسی کو چاہتا ہے' اپنی نصرت سے مددگاری پہنچاتا ہے- بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو چشم بینا رکھتے ہیں' اس معاملہ میں بڑی عبرت ہے- (۱۳)

انسان[1] کے لیے مرد و عورت کے رشتہ میں' اولاد میں' چاندی سونے کے ذخیروں میں' چنے ہوئے گھوڑوں میں' مویشی میں اور کھیتی باڑی میں دل کا اٹکاؤ اور خوش نمائی رکھ دی گئی ہے- (اس لیے قدرتی طور پر تمہیں بھی ان چیزوں کی خواہش ہوگی) لیکن یہ جو کچھ ہے دنیوی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے اور بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے- (۱۴)

(اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو- میں تمہیں بتلاؤں- زندگی کے ان فائدوں سے بھی بہتر تمہارے لیے کیا ہے؟ جو لوگ متقی ہیں ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس (نعیم ابدی کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے- پاک بیویاں ان کے ساتھ ہوں گی- اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی- اور (یاد رکھو) اللہ اپنے بندوں کا حال دیکھ رہا ہے- (۱۵)

(یہ متقی انسان وہ ہیں) جو کہتے ہیں "خدایا! ہم تجھ پر ایمان لائے' پس ہمارے گناہ بخش دیجیو اور عذاب جہنم سے ہمیں بچا لیجیو!" (۱۶)

(شدت و مصیبت میں) صبر کرنے والے' (قول و عمل میں) سچے' خشوع و خضوع میں پکے' نیکی کی راہ میں خرچ کرنے والے' اور رات کی آخری گھڑیوں میں (جب تمام دنیا خواب سحر کے مزے لوٹتی ہے) اللہ کے حضور کھڑے ہونے والے اور اس کی مغفرت کے طلب گار- (۱۷)

---

[1] پیروان دعوت حق کو موعظت کہ اپنی دنیوی بے سروسامانی سے دل برداشتہ نہ ہوں- اصلی دولت ایمان و عمل کی دولت ہے- اگر یہ حاصل ہے تو دنیوی سروسامان خود بخود حاصل ہو جائیں گے-

ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ خدا کی حکمت کا یہی ڈھنگ ہوا کہ بیوی بچوں اور دھن دولت میں آدمی کے لیے دل کا لگاؤ ہو- پس یہ زندگی کے فطری علاقے ہیں اور خدا کی مرضی یہی ہے کہ قائم رہیں-

متقی انسانوں کی خصلتیں اور ان کے ایمان و عمل کی سیرت (کریکٹر)-

النصف

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۫ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِؕ وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْاۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ

اللہ نے اس بات کی گواہی آشکارا کر دی کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اسی کی ذات یگانہ عدل کے ساتھ (تمام کارخانہ ہستی میں) تدبیر و انتظام کرنے والی - فرشتے بھی (اپنے اعمال سے) اسی کی شہادت دیتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو علم رکھنے والے ہیں - ہاں کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی ایک - طاقت و غلبہ والا (کہ اسی کی تدبیر سے تمام کارخانہ ہستی قائم ہے -) حکمت والا (کہ اسی نے عدل کی بنیاد پر اس کارخانہ کا ہر گوشہ استوار کر دیا ہے!) (۱۸)

بلاشبہ "الدین" (یعنی دین) اللہ کے نزدیک "الاسلام" ہی ہے اور یہ جو اہل کتاب نے آپس میں اختلاف کیا (اور گروہ بندیاں کر کے الگ الگ دین بنا لیے) تو (یہ اس لیے نہیں ہوا کہ اس دین کے سوا انہیں کسی دوسرے دین کی راہ دکھلائی گئی تھی یا دین کی راہ مختلف ہو سکتی ہے بلکہ اس لیے کہ علم کے پانے کے بعد وہ اس پر قائم نہیں رہے اور پس کی ضد و عناد سے الگ الگ ہو گئے - اور یاد رکھو جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے (اور ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتا ہے) تو اللہ (کا قانون جزا) بھی حساب لینے میں سست رفتار نہیں! (۱۹)

پھر[۲] اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو (اے پیغمبر!) تم کہہ دو میرے اور میرے پیروؤں کا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا ہے (یعنی ہماری راہ خدا پرستی کے سوا اور کچھ نہیں ہے) اور اہل کتاب اور (عرب کے) ان پڑھ لوگوں سے پوچھو تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ جھک جائیں تو (سارا جھگڑا ختم ہو گیا اور) انہوں نے راہ پالی، اگر روگردانی کریں تو پھر (جن لوگوں کو خدا پرستی ہی سے انکار ہو اور محض گروہ بندی کے تعصب کو دین داری سمجھ رہے ہوں ان کے لیے دلیل و موعظت کیا سود مند ہو

[۱] دین الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی اطاعت کی جائے - اللہ کا قانون کیا ہے؟ میزان عدل کا قیام ہے جس پر تمام کائنات عالم چل رہا ہے - اس کی معرفت یوں حاصل ہو سکتی ہے کہ کائنات ہستی کی گواہی پر غور و تدبر کیا جائے - شہادتیں تین ہیں - اللہ کی یعنی اللہ کی وحی کی - ملائکہ کی یعنی مدبرات ارضی و سماوی کی - اولوا العلم کی یعنی اصحاب علم و بصیرت کی -

یہ تینوں شہادتیں اعلان کر رہی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس نے تمام کارخانہ ہستی میزان عدل پر استوار کیا ہے -

انسان کو اول دن سے ایک ہی دین دیا گیا ہے اور وہ یہی الاسلام ہے - تمام رہنمایان عالم نے ہمیشہ اسی کی تعلیم دی اور تفرقہ و اختلاف سے روکا - یہود اور نصاریٰ کا باہمی تفرقہ اور گروہ بندی اس لیے پیدا ہوئی کہ انہوں نے اصل دین سے انحراف کیا اور آپس کی ضد اور تعصب میں پڑ گئے -

[۲] یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سے اتمام حجت کہ اصل دین خدا پرستی ہے - ساری باتیں چھوڑو، یہ بتلاؤ، تمہیں خدا پرستی سے اقرار ہے یا انکار؟ اگر اقرار ہے تو سارا جھگڑا ختم ہو گیا - کیونکہ اسلام کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے - اگر انکار ہے تو پھر جن مدعیان مذہب کو خدا پرستی ہی سے انکار ہو ان سے بحث و نزاع کیا سود مند ہو سکتی ہے؟

الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ

ع ۱۰/۲

سکتی ہے؟) تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ پیام حق پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کے حال سے غافل نہیں - وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے! (۲۰)

جو لوگ[1] اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور اس کے نبیوں کے ناحق قتل میں چھوٹ ہیں - نیز ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں' جو حق وعدالت کا حکم دینے والے ہیں تو (ایسے خوش اعمال لوگوں کے لیے اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ) انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری پہنچا دو! (۲۱)

یہی لوگ ہیں جن کا کیا دھرا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت گیا' اور کوئی نہیں جو ان کا مددگار ہوگا - (۲۲)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی' جنہیں کتاب اللہ کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے (یعنی یہودیوں کے علما کی جو رات دن تورات کی تلاوت کرتے رہتے ہیں) انہیں خدا کی کتاب کی طرف بلایا گیا کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے - اس پر بھی ایک گروہ اس سے صاف روگرداں ہے اور اصل یہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرف سے ان سب کے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں! - (۲۳)

اور ان[2] کی یہ حالت اس لیے ہوئی کہ انہوں نے کہا دوزخ کی آگ ہمیں کبھی نہیں چھوئے گی - اور اگر چھوئے گی بھی تو گنتی کے چند دنوں کے لیے (یعنی ہم نجات یافتہ امت ہیں - اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا تو اس لیے نہیں کہ عذاب میں پڑا رہے' بلکہ اس لیے کہ گناہ کے میل کچیل سے پاک وصاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہو) تو یہ جو وہ خدا پر افترا پردازی کرتے رہے ہیں' اس نے انہیں دین کے بارے میں مبتلائے فریب کر دیا ہے - (۲۴)

لیکن اس وقت ان کا حال کیا ہوگا جب قیامت کے دن' جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں' ہم انہیں اپنے حضور جمع

---

۱ یہودیوں کی قومی گمراہیوں اور بدعملیوں کی طرف اشارہ - جس گروہ کی ذہنیت اس درجہ مسخ ہوگئی ہو کہ حق وعدالت کی دشمن اور ظلم وفساد کی پرستار ہو اس سے قبولیت حق کی کیا امید ہوسکتی ہے -

علمائے یہود کی یہ گمراہی کہ جس کتاب کو کتاب الٰہی مانتے تھے اور اس کے علم وعمل کے مدعی تھے' جب اسی کتاب پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی' تو صاف انکار کر گئے - کیونکہ اس کے احکام پر عمل کرنا ان کی نفسانی خواہشوں اور مطلب براریوں کے خلاف تھا -

۲ یہ صورت حال اس لیے ہے کہ مذہبی گروہ بندی کے غرور نے ان میں یہ زعم فاسد پیدا کر دیا ہے کہ ہم نجات یافتہ امت ہیں - ہمارے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہم جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے حالانکہ خدا کا قانون نجات تو یہ نہیں دیکھے گا کہ کون کس گروہ بندی میں سے ہے اور کس کا نسب کس سے ملتا ہے؟ وہ تو صرف ایمان وعمل دیکھے گا' اور جس کا جیسا عمل ہوگا' ویسا ہی نتیجہ اسے پیش آئے گا -

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

کریں گے' اور ہر جان نے (اپنے عمل سے) جیسا کچھ کمایا ہے' اسی کے مطابق اسے پورا پورا بدلہ ملے گا' اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی؟ (۲۵)

(اے پیغمبر[1] تم اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردو اور) کہو- "خدایا! شاہی و جہاں داری کے مالک! تو جسے چاہے' ملک بخش دے' جس سے چاہے ملک لے لے- جسے چاہے عزت دے دے' جسے چاہے ذلیل کردے! تیرے ہی ہاتھ میں ہر طرح کی بھلائی کا سررشتہ ہے' اور تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں! (۲۶) ہاں' تو ہی ہے کہ رات کو دن میں لے آتا ہے اور دن کو رات میں- جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جان دار سے- اور جسے چاہتا ہے (اپنے خزانہ کرم سے) بے حساب بخش دیتا ہے!" (۲۷)

جو لوگ[2] ایمان والے ہیں' انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر منکرین حق کو اپنا رفیق و مددگار بنائیں اور جس کسی نے ایسا کیا' تو وہ یاد رکھے' اس کا اللہ کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہا- ہاں' اگر کوئی ایسی صورت پیش آ جائے کہ تم ان کے شر سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو اور کرلو' (تو ایسا کرسکتے ہو) اور دیکھو' (انسان کے شر سے ڈرتے ہوئے یہ حقیقت نہ بھولو کہ) خدا بھی تمہیں اپنے (مؤاخذہ) سے ڈرا رہا ہے اور آخرکار (تم سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے! (۲۸)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو تمہارے دلوں کے اندر جو کچھ ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو' ہر حال میں اللہ اسے خوب جانتا ہے اور (اتنا ہی نہیں' بلکہ) آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اس پر روشن ہے اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی چیز باہر

[1] بہرحال اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا ہی میں حق و باطل کا فیصلہ ہوجائے- جسے اٹھنا ہے' وہ اٹھ کھڑا ہو- جسے گرنا ہے وہ گرا دیا جائے!

[2] چونکہ اب فیصلہ کا وقت آ گیا ہے اس لیے پیروان اسلام سے خطاب کہ راہ عمل میں سرگرم ہوجائیں اور کمزوری نہ دکھائیں- اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے شخصی علاقوں کو جماعتی علاقوں پر ترجیح نہ دیں اور دشمنوں کو اپنا مددگار و رفیق نہ بنائیں-

میدان جنگ گرم ہوچکا ہے- دوست اور دشمن کی دو صفیں الگ الگ کھڑی ہوگئی ہیں- پس ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے لیے کوئی ایک صف اختیار کرلے اور جسے اختیار کرلے اسی کا ہو رہے- یہ نہ ہو کہ ایک میں ہو کر دوسرے سے بھی ساز باز رکھے-

قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ

نہیں!-(۲۹) (اور دیکھو اس آنے والے دن کو نہ بھولو) جس دن ہر انسان دیکھے گا کہ جو کچھ اس نے (دنیا میں) نیک عملی کی تھی اس کے سامنے موجود ہے (یعنی اس کا اجر اسے مل رہا ہے) اور جو کچھ برائی کی تھی وہ بھی اس کے سامنے ہے- اس دن وہ آرزو کرے گا کہ اے کاش! اس میں اور اس دن میں ایک بڑی مدت حائل ہو جاتی (کہ یہ دردانگیز نتیجہ اس کے سامنے نہ آتا!) اور دیکھو! خدا تمہیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے (تاکہ اس کی نافرمانی سے بچو) اور وہ اپنے بندوں کے لیے بڑی ہی مہربانی رکھنے والا ہے!(۳۰)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں[1] سے کہہ دو! اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ میری پیروی کرو- اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہاری خطائیں بخش دے گا- وہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے-(۳۱)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو (فلاح و سعادت کی راہ تمہارے لیے ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ) اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو- پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!-(۳۲) بلاشبہ (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ اور عمرانؑ کے گھرانوں کو تمام دنیا میں برگزیدگی عطا فرمائی-(۳۳) یہ ایک نسل تھی جس میں سے بعض، بعض سے پیدا ہوئے تھے اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے!(۳۴)

اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ عمران کی بیوی نے دعا مانگی تھی-''خدایا! میرے شکم میں جو بچہ ہے میں اسے (دنیا کے کام دھندوں اور ماں باپ کی خدمت سے) آزاد کر کے تیرے (مقدس ہیکل کے) لیے نذر کر دیتی ہوں (یعنی نذر مانتی ہوں کہ اسے ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی) سو میری طرف سے یہ نیاز قبول کر لے- بلاشبہ تو (دعائیں) سننے والا اور (نیتوں کا حال) جاننے والا ہے!-(۳۵)

پھر جب ایسا ہوا کہ (لڑکے کی جگہ) لڑکی پیدا ہوئی تو وہ بولی ''خدایا! میرے تو لڑکی ہوئی ہے (اب میں کیا کروں؟'')

[1] جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا دعوے دار ہے- تو اسے چاہیے اللہ کے رسول کی پیروی کرے- اللہ کی محبت کا دعویٰ اور اس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے- خدا کا قانون یہ ہے کہ ہدایت خلق کے لیے اپنے رسولوں کو مبعوث کرتا ہے- جو ان کی پیروی و اطاعت کرتے ہیں کامیاب ہوتے ہیں- جو انکار و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں اس کی نصرت سے محروم رہتے ہیں-

☆☆ چنانچہ اسی قانون کے ماتحت اللہ کے رسول ہمیشہ مبعوث ہوتے رہے اور ہمیشہ ایک ہی طرح کا نتیجہ ظہور میں آیا- پیروی و اطاعت کرنے والوں نے کامیابی پائی اور مقابلہ کرنے والوں نے نامرادی! اللہ کے رسولوں میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت مسیح (علیہما السلام) کی دعوت سے استشہاد اور اس سلسلہ میں حضرت مریم (علیہا السلام) کی پیدائش کا ذکر-

رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰیؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡؕ وَ لَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰیۚ وَ اِنِّیۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَ اِنِّیۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّ اَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّیۡ فِی الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوۡرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّ قَدۡ بَلَغَنِیَ الۡكِبَرُ وَ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ

حالانکہ جو وجود پیدا ہوا تھا' اللہ اسے بہتر جاننے والا تھا (کہ لڑکی ہونے پر بھی بڑی فضیلت رکھنے والا تھا۔ لیکن اس کی ماں نے کہا میں نے لڑکے کے لیے نذر مانی تھی' پیدا ہوئی لڑکی) ''اور لڑکا مثل لڑکی کے نہیں ہے (کہ اگر اس کی جگہ لڑکی پیدا ہوگئی ہو' تو وہ ہیکل کی مجاور ہو سکے۔ خیر' جو کچھ بھی ہو) میں نے اس کا نام مریمؑ رکھا ہے' اور میں اسے اور اس کی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں کہ شیطان رجیم (کی وسوسہ اندازیوں) سے محفوظ رہے!'' (۳۶)

پس ایسا ہوا[1] کہ مریم کو اس کے پروردگار نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کر لیا اور ایسی نشو ونما دی جو بڑی ہی اچھی نشو ونما تھی (یعنی اس کی پرورش بہتر سامانوں اور نیک نگرانیوں میں ہوئی) اور زکریا کو (کہ ہیکل کا مجاور تھا) اس کا نگران حال بنا دیا۔ جب کبھی ایسا ہوتا کہ زکریا اس کے پاس محراب میں (یعنی قربان گاہ میں) جاتا (جہاں وہ سرگرم عبادت رہا کرتی تھی) تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتا۔ اس پر وہ پوچھتا ''اے مریم! یہ چیزیں تجھے کہاں سے مل گئیں؟'' وہ کہتی ''اللہ سے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دے دیتا ہے!'' (۳۷)

اسی جگہ[2] کا یہ معاملہ ہے۔ (یعنی قربان گاہ کا) کہ زکریا نے اپنے پروردگار کے حضور دعا مانگی تھی ''خدایا! تو اپنے خاص فضل سے مجھے پاک نسل عطا فرما (جو مریم کی طرح نیک اور عبادت گزار ہو) بلاشبہ تو ہی ہے کہ دعائیں سننے والا اور التجائیں قبول کرنے والا ہے!'' (۳۸)

پھر ایسا ہوا کہ فرشتوں نے زکریا کو پکارا' اور وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا ''خدا تجھے یحییٰ کی (یعنی ایک لڑکے کی جو پیدا ہوگا اور اس کا نام یحییٰ رکھا جائے) بشارت دیتا ہے' وہ خدا کے حکم سے ایک ہونے والے ظہور کی تصدیق کرنے والا' جماعت کا سردار' پارسا' اور خدا کے صالح بندوں میں سے ایک نبی ہوگا'' (۳۹)

زکریاؑ نے جب یہ سنا تو کہا ''خدایا میرے یہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟'' حکم الٰہی ہوا ''اسی طرح' اللہ جو چاہتا ہے (۴۰) (اس کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں)''

---

[1] حضرت مریم کا بچپنے میں ہیکل کے سپرد ہونا اور حضرت زکریا کی نگرانی میں پرورش پانا اور کم سنی میں زاہدانہ اور خداپرستانہ توکل!

[2] حضرت زکریا (علیہ السلام) کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کہ ظہور مسیح کا مقدمہ تھی۔

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿٤١﴾ وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٢﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ

ع ۱۴

اس پر زکریا نے عرض کیا ''خدایا! اس بارے میں میرے لیے کوئی بات بطور نشانی کے ٹھہرا دے'' ارشاد ہوا ''نشانی یہ ہے کہ تین دن تک بات چیت نہ کر مگر صرف اشارے سے (یعنی روزہ رکھ جیسا کہ اس زمانے میں دستور تھا) اور اپنے پروردگار کا کثرت کے ساتھ ذکر کر اور صبح و شام اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہ''۔ (۴۱)

اور پھر جب[1] ایسا ہوا تھا کہ فرشتوں نے کہا تھا ''اے مریم! اللہ نے تجھے اپنی قبولیت کے لیے چن لیا ہے اور (برائیوں کی آلودگی سے) پاک کر دیا ہے اور تمام دنیا کی عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ اے مریم! اب تو اپنے پروردگار کی اطاعت و نیاز میں سرگرم ہو جا اور رکوع و سجود کرنے والوں کے ساتھ تو بھی رکوع و سجود میں مشغول رہ''۔ (۴۳)

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ تم اس وقت ان لوگوں کے پاس موجود نہ تھے جب (مریم کی ماں مریم کو لے کر ہیکل میں آئی تھی اور ہیکل کے مجاور) اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ (قرعہ ڈال کر فیصلہ کر لیں) کون مریم کا کفیل ہو اور (یقیناً) تم اس وقت بھی موجود نہ تھے جب وہ (مریم کی کفالت کے لیے) آپس میں جھگڑ رہے تھے! (۴۴)

اور[2] (پھر) جب ایسا ہوا کہ فرشتوں نے کہا ''اے مریم! اللہ تجھے اپنے کلام کے ذریعے (ایک لڑکے کی) بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ہوگا اور مریم کا بیٹا کہلا دے گا۔ وہ دنیا و آخرت دونوں میں ارجمند ہوگا اور بچپنے میں اور بڑی عمر میں' یکساں طور پر (وعظ و ہدایت کا) کلام کرے گا۔ نیز اللہ کے حضور پہنچا ہوا اور اس کے بندوں میں سے ایک صالح انسان ہوگا''۔ (۴۶)

مریم (نے یہ بشارت سنی تو متعجب ہو کر) بولی ''خدایا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک

---

[1] حضرت مریم کا بلوغ اور اللہ کی طرف سے برگزیدگی و قبولیت کی بشارت
حضرت مریم کے سوانح حیات کے بعض ایسے جزئی واقعات جن کا علم پیغمبر اسلام کو بغیر وحی الٰہی کے نہیں ہو سکتا تھا۔

[2] حضرت مریم کو حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پیدائش کی بشارت

بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى

نہیں؟'' ارشادِ الٰہی ہوا کہ ''اسی طرح اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے- وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور پھر جیسا کچھ اس نے چاہا تھا ویسا ہی ظہور میں آ جاتا ہے!''-(۴۷)

''اور (اے مریم!) اللہ اس (ہونے والے لڑکے) کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرمائے گا- نیز تورات اور انجیل کا- اور اسے بنی اسرائیل کی طرف بحیثیت رسول کے بھیجے گا-'' (۴۸)

(''اس کی منادی[1] یہ ہوگی کہ) دیکھو! میں تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں- میں تمہارے لیے مٹی سے ایسی چیز بنا دوں جو پرند کی سی صورت رکھتی ہو- پھر اس میں پھونک ماروں اور وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جائے- اور اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کر دوں اور مردوں کو زندہ، اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے جمع کرتے ہو سب تمہیں بتلا دوں اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو تو یقیناً ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی ہی نشانی ہے!-''(۴۹)

''اور دیکھو![2] میں اس لیے آیا ہوں کہ تورات کی جو میرے سامنے موجود ہے' تصدیق کروں' اور بعض چیزیں جو تم پر حرام ہو گئی ہیں' انہیں تمہارے لیے حلال کر دوں (تاکہ شریعت کی سختیوں کی جگہ اس کی آسانیوں کی راہ تم پر کھل جائے) اور دیکھو! میں تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں (جس کی مقدس نوشتوں میں خبر دی جا چکی ہے) تو اللہ سے ڈرو' اور میری اطاعت کرو!''(۵۰)

''دیکھو! اللہ میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے- پس اس کی بندگی کرو' یہی دین کا سیدھا راستہ ہے!'' (چنانچہ اس بشارت کے مطابق مسیح کا ظہور ہوا' اور اس نے بنی اسرائیل کی آبادیوں میں منادی شروع کر دی)۔(۵۱)

پھر جب[3] ایسا ہوا کہ عیسیٰ نے بنی اسرائیل میں (اپنی دعوت کے خلاف) کفر محسوس کیا' تو وہ پکار اٹھا ''کون ہے جو اللہ کی راہ

---

[1] حضرت مسیح (علیہ السلام) کا ظہور اور ان کی منادی

[2] تمام رسولوں کی طرح حضرت مسیح (علیہ السلام) بھی اس لیے نہیں آئے تھے کہ پچھلی تعلیمات کو جھٹلائیں بلکہ اس لیے کہ اس کی تصدیق کریں۔ کیونکہ اصل دین ہر زمانے اور ہر گروہ کے لیے ایک ہی ہے۔

[3] یہودیوں کے سرداروں اور پیشواؤں کا حضرت مسیح کی مخالفت میں سرگرم ہو جانا اور صرف حواریوں کا ایمان لانا جو چند گنے ⇦

اللہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

ع

میں میرا مددگار ہوتا ہے؟" اس پر حواریوں نے (یعنی چند راست باز انسانوں نے جو مسیح پر ایمان لائے تھے) اس کی دعوت قبول کرتے ہوئے جواب دیا "ہم اللہ کے (کلمہ حق کے) مددگار ہیں- ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور (اے داعی حق) تو گواہ رہیو کہ اس کی فرمانبرداری میں ہمارا سر جھک گیا ہے!-" (۵۲)

(نیز انہوں نے کہا) "خدایا جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی- پس ہماری گنتی بھی ان لوگوں میں ہو جو (حق کی) شہادت دینے والے ہیں!" (۵۳)

اور پھر ایسا[1] ہوا کہ یہودیوں نے (مسیح کے خلاف) مکر کیا (یعنی مخفی اور باریک طریقے مخالفت کے کام میں لائے) اور خدا بھی ویسے ہی طریقے کام میں لایا (یعنی مسیح کی حفاظت کے پوشیدہ اسباب و ذرائع پیدا کر دیے) اور یاد رکھو (اللہ جسے بچانا چاہے تو) مخفی طریقوں سے کام لینے والوں میں اس سے بہتر کوئی نہیں! (۵۴)

اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے فرمایا تھا "اے عیسیٰ! میں تیرا وقت پورا کروں گا' تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا' تیرے منکروں (کی تہمتوں) سے تجھے پاک کر دوں گا' اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی ہے انہیں قیامت تک تیرے منکروں پر برتری دوں گا- اور بالآخر سب کو (قیامت کے دن) میری ہی طرف لوٹنا ہے- اس دن ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں!" - (۵۵)

"پھر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو انہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ سخت عذاب دوں گا' اور (عذاب الٰہی سے بچانے میں) کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا- (۵۶)

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کے عمل بھی نیک ہیں تو ان کا اجر انہیں پورا پورا مل جائے گا اور خدا ظلم کرنے والوں کو

⇦ ہوئے بے مقدور اور شکستہ حال اشخاص تھے-

[1] یہودیوں کی حضرت مسیح کے خلاف مخفی اور پر پیچ سازش مگر اللہ کا انہیں ناکام کرنا اور حضرت مسیح کو اپنی حفاظت میں لے لینا-

حضرت مسیح کی نسبت خدا کا وعدہ کہ:

(۱) میں تیرا وقت پورا کروں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا-

(۲) تیرے منکروں نے تیرے خلاف جو افترا پردازیاں کی ہیں ان سے تیری پاکی آشکارا کر دوں گا-

(۳) جو لوگ تیرے ماننے والے ہیں' انہیں تیرے منکروں پر قیامت تک برتر رکھوں گا-

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ

ع ۱۴/۶

دوست نہیں رکھتا''(۵۷)

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں اور حکمت والے تذکرے ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔(۵۸)

اللہ کے نزدیک[1] تو عیسیٰ ایسا ہی ہے جیسے آدم' مٹی سے پیدا کیا' پھر اس کی بناوٹ کے لیے حکم فرمایا کہ ہو جاؤ' اور (جیسا کچھ خدا کا ارادہ تھا اسی کے مطابق) ہو گیا!۔(۵۹)

(اے پیغمبر! مسیح کے انسان ہونے کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے' تو) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے (اور جو بات خدا کی طرف سے حق ہو وہ ثابت اور اٹل حقیقت ہے۔کبھی مٹنے والی نہیں) تو دیکھو! ایسا نہ ہو کہ شک و شبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ!۔(۶۰) پھر جو کوئی تم سے اس بارے میں جھگڑا کرے' حالانکہ علم و یقین تمہارے سامنے آ چکا ہے تو تم اس سے کہو (میرے پاس مسیح کے انسان ہونے کے لیے علم و یقین موجود ہے۔اگر تم بھی اس کی خدائی کے لیے ویسا ہی علم و یقین رکھتے ہو' تو) آؤ (یوں فیصلہ کر لیں کہ) ہم دونوں فریق (میدان میں نکلیں اور) اپنے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں' اور خود بھی شریک ہوں۔پھر عجز و نیاز کے ساتھ خدا کے حضور التجا کریں' (ہم دونوں میں سے جس کا دعویٰ جھوٹا ہو' تو) جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار!۔(۶۱)

(اے پیغمبر!) یہ جو کچھ بیان کیا گیا بلاشبہ بیان حق ہے اور کوئی معبود نہیں ہے' مگر صرف اللہ کی ذات یگانہ' اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والی ہے!۔(۶۲)

پھر اگر یہ لوگ (فیصلہ کا یہ طریقہ) قبول نہ کریں (اور مباہلہ سے گریز کر جائیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتا ہے۔(۶۳)

(اے پیغمبر!) تم[2] (یہود اور نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات

---

[1] عیسائیوں کی اس گمراہی کا ذکر کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا اعتقاد باطل پیدا کر لیا حالانکہ تمام بنی آدم کی طرح وہ بھی ایک انسان تھے اور خدا نے انہیں اپنی رسالت کے لیے چن لیا تھا۔

ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگرچہ مسیحی کلیسا نے صدیوں سے الوہیت مسیح کا اعتقاد قائم کر رکھا ہے اور تمام دنیا میں پھیل گیا ہے لیکن قرآن کی دعوت اس کے برخلاف کامیاب ہو کر رہے گی کیونکہ یہ اعتقاد حقیقت کے خلاف ہے۔

عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت کہ اگر انہیں الوہیت مسیح کے اعتقاد پر یقین ہے تو پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں آئیں' اور دونوں فریق خدا سے دعا مانگیں جو ناحق پر ہو' اس پر خدا کی لعنت ہو! چنانچہ نجران سے عیسائیوں پیشواؤں کی جو جماعت مدینہ آئی تھی پیغمبر اسلام نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی مگر انہیں مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی' اور اطاعت کا اقرار کر کے واپس چلے گئے۔

[2] مباہلہ کی دعوت کے بعد رفع نزاع اور اتمام حجت کی دوسری دعوت:

اگر تمہاری مخالفت محض تعصب و نفسانیت کی وجہ سے نہیں ہے اور دین و حق پرستی کی کچھ بھی طلب باقی ہے' تو آؤ اختلاف و نزاع کی ساری ⇦

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ

کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلم ہیں- یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں- کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں' ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے' گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا ہے- پھر اگر یہ لوگ (اس بات سے) روگردانی کریں تو تم کہہ دو "گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں" -(۶۴)

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو (کہ ان کا طریقہ یہودیت کا طریقہ تھا یا نصرانیت کا طریقہ تھا) حالانکہ تورات اور انجیل (جن کے نام پر یہ گروہ بندیاں کی گئی ہیں) نازل نہیں ہوئی ہیں مگر اس کے بہت بعد (پس ظاہر ہے کہ جس گروہ بندی کا اس وقت وجود ہی نہ تھا' وہ کیونکر اس کا پیرو ہو سکتا ہے؟) کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھ سکتے؟ (۶۵) دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ تم نے ان باتوں میں جھگڑا کیا' جن کے لیے (کچھ نہ کچھ) تمہارے پاس علم موجود تھا (مثلاً بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت کہ تمہارا خیال کتنا ہی غلط ہو' تاہم ان کے لیے مذہبی روایتوں سے سند لانے کی کوشش کرتے تھے) تو اب اس بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو' جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں اور اللہ (سب کچھ) جانتا ہے' تم کچھ نہیں جانتے- (۶۶)

ابراہیم نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی (اور نہ کسی دوسری مذہبی جتھا بندی کا پیرو) بلکہ (اپنے عہد کی تمام گمراہیوں سے) ہٹا ہوا خدا کا فرمانبردار بندہ! اور یقیناً اس کی راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہ تھی- (۶۷)

فی الحقیقت ابراہیم سے نزدیک تر لوگ تو وہ تھے' جو اس کے قدم بقدم چلے- نیز اللہ کا یہ نبی ہے اور وہ لوگ جو اس نبی پر

⇐ باتیں چھوڑ دیں اور توحید و خدا پرستی کی ان بنیادی صداقتوں پر متفق ہو جائیں جو خود تمہارے یہاں بھی مسلم ہیں اگرچہ عملاً فراموش کر دی گئی ہیں' یعنی:
(۱) خدا کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں- (۲) جو کچھ اس کے لیے ہے اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے-
(۳) کوئی انسان دوسرے انسان کو اپنے لیے ایسا مقدس اور معصوم نہ بنالے گویا اسے خدا بنالیا ہے-

توحید و خدا پرستی کا یہی طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا- یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیاں اور ان کے عقائد و رسوم سب بعد کی پیداوار ہیں' اور دین ابراہیمی سے انحراف کا نتیجہ ہیں- اگر یہود و نصاریٰ اس بارے میں حجت کرتے ہیں اور کہتے ہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ یہودیت یا نصرانیت کا طریقہ تھا تو یہ جہل و تعصب کی انتہا ہو گئی- کیونکہ یہ بات تو کسی بحث و دلیل کی محتاج نہیں کہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں ان گروہ بندیوں کا وجود ہی نہ تھا' اور نہ ہو سکتا تھا- یہ گروہ بندیاں حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح (علیہما السلام) کے نام پر کی گئی ہیں اور یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سیکڑوں برس بعد ہوئے ہیں-

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

ع ۷ / ۸ / ۱۵

ایمان لائے ہیں (نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے دین الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیاں کر لی ہیں' اورتوحید کی راہ سے منحرف ہو گئے ہیں) اور یاد رکھو! اللہ انہی کا مددگار ہے' جو (سچا) ایمان رکھنے والے ہیں!-(۶۸)

(اے پیروان دعوت حق) اہل کتاب میں ایک گروہ ہے جو اس بات کا آرزومند ہے کہ کسی طرح تمہیں راہ حق سے بھٹکا دے (اور دین ابراہیمی کی پیروی میں تمہارے قدم استوار نہ رہیں) لیکن یاد رکھو' وہ تمہیں گمراہ کرنے کی سازشیں کر کے تمہیں نہیں خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں- اگرچہ (شدت جہل ونفسانیت سے) اس کا شعور نہیں رکھتے!-(۶۹) (۷۵)

اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ تم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو' حالانکہ اس کی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں! اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا جلا کر مشتبہ کر دیتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اصلیت کیا ہے)-(۷۱)

اور (دیکھو) اہل کتاب[1] میں ایک گروہ ہے جو کہتا ہے (مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے) ایسا کرو کہ صبح ان کی کتاب پر ایمان لے آؤ' شام کو انکار کر دو- اس طرح عجب نہیں وہ (لوگوں کو اسلام سے پھرتے ہوئے دیکھ کر خود بھی) پھر جائیں-(۷۲)

اور (وہ آپس میں کہتے ہیں) ''دیکھو ان لوگوں کے سوا جو تمہارے دین کی پیروی کرنے والے ہوں' اور کسی کی بات نہ مانو (اگرچہ وہ کتنی ہی اچھی بات کیوں نہ کہتا ہو''- اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہہ دو' ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اور وہ کسی خاص گروہ اور نسل کی میراث نہیں ہے کہ اور کسی کا اس میں حصہ نہ ہو- جو انسان بھی اس پر چلے گا' ہدایت یافتہ ہوگا)-(۷۳)

اور وہ کہتے ہیں ''یہ بات بھی نہ مانو کہ جیسا کچھ دین تمہیں دیا گیا ہے' ویسا کسی دوسرے انسان کو ملا ہو' یا یہ کہ تمہارے پروردگار کے حضور تمہارے خلاف کسی کی حجت چل سکتی ہو'' (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو' فضل وبخشش تو اللہ کے ہاتھ ہے- وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل وکرم سے مالا مال کر دیتا ہے- وہ بڑی ہی وسعت رکھنے والا' اور (اہل ونا اہل کو) جاننے

---

[1] اہل کتاب کی مذہبی زندگی کی شقاوتوں کی طرف اشارہ کہ خدا کی آیتوں سے انکار' حق کو باطل سے ملا دینا اور سچائی کو چھپانا ان کا عام شیوہ ہے- اہل کتاب کی بنیادی گمراہی کہ انہوں نے دین وصداقت کو صرف اپنی نسل وگروہ ہی کا ورثہ سمجھ رکھا ہے اور کہتے ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص ہمارے گروہ میں سے نہ ہو' اور پھر دین وصداقت رکھتا ہو' یا کسی فرد اور قوم کو ہم سے بہتر دین وصداقت کی کوئی بات مل سکے- جو کچھ ملنا تھا' ہمیں مل چکا اور خدا کے خزانہ فیضان ورحمت پر مہر لگ گئی!

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا

والا ہے!''-(۷۳)

''وہ جس کسی کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے نزول کے لیے چن لیتا ہے- اس کا فضل بڑا ہی فضل ہے-(۷۴)

اور اہل کتاب[1] میں کچھ آدمی تو ایسے دیانت دار ہیں کہ اگر تم چاندی سونے کا پورا ڈھیر بھی ان کی امانت میں چھوڑ دو' تو وہ تمہارے حوالے کر دیں- لیکن ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر ایک روپے کے لیے بھی ان پر بھروسہ کرو' تو کبھی تمہیں واپس نہ دیں- جب تک (تقاضے کے لیے) ہمیشہ ان کے سر پر کھڑے نہ رہو!

(ان لوگوں میں یہ بدمعاملگی) اس لیے (پیدا ہوگئی) کہ وہ کہتے ہیں' اُمیوں سے معاملہ کرتے ہوئے (ہم جو کچھ بھی کریں) ہمارے لیے کوئی مؤاخذہ نہیں (یعنی مشرکین عرب جو ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں' ان کے ساتھ دیانت داری برتنا ضروری نہیں) لیکن (فی الحقیقت ایسا کہہ کر) وہ اللہ پر تہمت باندھتے ہیں' اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟(۷۵)

ہاں (ان سے مؤاخذہ ہوا اور ضرور ہو- کیونکہ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی اپنا قول و قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے اور (لین دین میں) پرہیز گار رہتا ہے (خواہ کسی مذہب اور گروہ کے ساتھ ہو) تو خدا کی پسندیدگی انہی لوگوں کے لیے ہے جو پرہیز گار رہتے ہیں-(۷۶)

(یاد رکھو) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ (متاع دنیا کی) ایک حقیر قیمت کے لیے اللہ کا عہد (جو ان سے نیک عملی و دیانت داری کے لیے لیا گیا تھا) اور خود اپنی قسمیں (جو یقین دلانے کے لیے کھاتے ہیں) فروخت کر ڈالتے ہیں (اور دیانت داری کی جگہ خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں) تو یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا- نہ تو قیامت کے دن اللہ ان

---

[1] اہل کتاب کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کہ سمجھتے تھے' لین دین میں دیانت داری کے جس قدر بھی دینی احکام ہیں' وہ صرف اسی لیے ہیں کہ اپنے ہم مذہب آدمیوں کے ساتھ بدمعاملگی نہ کی جائے- لیکن اگر ایک آدمی دوسرے مذہب اور گروہ کا ہو' تو اس کے ساتھ سچائی اور دیانت سے پیش آنا کچھ ضروری نہیں- جس طرح بھی ہم کافروں کا مال کھا لیں ہمارے لیے جائز ہے-

لیکن قرآن کہتا ہے- دیانت تو ہر حال میں دیانت ہے' اور خیانت ہر حال میں خیانت ہے- دین و مذہب کے اختلاف سے اچھائی اور برائی کے حقائق معطل نہیں ہو جا سکتے- جو شخص بددیانتی کرتا ہے خواہ کسی اعتقاد اور کسی گروہ کے آدمی کے ساتھ کرے گناہ ہے' اور وہ قیامت کے دن خدا کی بخشش و رحمت سے محروم رہے گا-

يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾

ع ۸ ۹ ۱۶

سے کلام کرے گا' نہ ان پر اس کی نظر التفات پڑے گی' نہ گناہوں کی آلودگی سے پاک کیے جائیں گے- بس ان کے لیے عذاب ہوگا' عذاب دردناک! (۷۷)

اور[1] (دیکھو) اہل کتاب میں (ان کے عالموں اور پیشواؤں کا) ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ پڑھتے ہوئے اس میں الٹ پھیر کرتے ☆ (اور اس کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے) ہیں تاکہ تم خیال کرو' جو کچھ یہ سنا رہے ہیں کتاب اللہ میں سے ہے' حالانکہ وہ قطعاً کتاب اللہ (کے احکام میں) سے نہیں ہوتا' اور وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تمہیں بتایا گیا ہے' یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا- وہ اللہ کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں! (۷۸)

کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اسے (انسان کی ہدایت کے لیے) کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے' خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرو) بلکہ چاہیے کہ ربانی انسان (یعنی خلق اللہ کے مرشد و مربی) بنو- اس لیے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہتے ہو- اور اس لیے بھی کہ اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو- (۷۹) ایک ربانی انسان کبھی تمہیں اس بات کا حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں یا نبیوں کو اپنا پروردگار بنالو- (اور جس طرح اپنے پروردگار کے آگے جھکتے ہو' اسی طرح ان کے آگے بھی جھکو) کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کفر کرنے کا حکم دے' حالانکہ تم مسلم (یعنی خدا کے تابع فرمان) ہو چکے ہو؟ (۸۰)

[1] اصل یہ ہے کہ اہل کتاب کے علماء و مشائخ کی گمراہیوں نے تمام قوم کو روح ہدایت سے محروم کر رکھا ہے ان میں عالموں اور فقیہوں کا ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتا اور اس کی شرح و تفسیر بیان کرتا ہے لیکن ہوائے نفس سے اس کے معانی میں تحریف کر دیتا ہے' عوام سمجھتے ہیں یہ خدا کی کتاب کا بیان ہے حالانکہ وہ خدا کی کتاب کا بیان نہیں ہے' ان کی رایوں کی افترا پردازیاں ہیں-

اہل کتاب کے علماء و مشائخ نے بندگان الٰہی کو اپنا غلام سمجھ رکھا ہے اور ہدایت کی جگہ خدائی کرنے لگے ہیں- عوام سمجھتے ہیں کہ نیک و بد' حلال و حرام اور جنت و دوزخ کا تمام اختیار انہی کے قبضے میں ہے حالانکہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ کے احکام کی جگہ انسان کے گھڑے ہوئے احکام کی اطاعت کرے- اگر اللہ نے اپنے کسی بندے کو کتاب و نبوت عطا فرمائی ہے تو اس لیے عطا فرمائی ہے کہ احکام الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے اس لیے نہیں کہ اپنی بندگی کرائے-

☆ یہ "يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ" کا ترجمہ ہے- عربی میں لَيَّ اللسان بِالْكِتَابِ کے معنی کلام کے الٹ پھیر کرنے اور اس کے معانی میں تحریف کرنے کے ہیں نہ کہ محض زبان مروڑنے کے- چنانچہ سورۂ نساء میں یہی لَیّ لسان تحریف کلام کے معنی میں آیا ہے "مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ" (۴:۴۶)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

اور دیکھو[۱] جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے نبیوں کے بارے میں (بنی اسرائیل سے) عہد لیا تھا کہ ہم ☆ نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی ہے- پھر اگر ایسا ہو کہ کوئی (دوسرا) رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا تمہارے پاس آئے جو تمہارے ساتھ ہے تو ضروری ہے کہ تم اسے مانو اور اس کی تائید کرو (کیونکہ اصل دین ایک ہی ہے اور جتنے بھی خدا کے رسول ہیں سب اسی کی دعوت دینے والے ہیں) ارشاد الٰہی ہوا تھا کہ "کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور اس کا ذمہ لیتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا تھا "بے شک' ہم اقرار کرتے ہیں" اس پر اللہ نے فرمایا تھا "ہاں اس پر گواہ رہو اور دیکھو تمہارے ساتھ خود میں بھی اس پر گواہ ہوں!" (۸۱)

تو اب جو کوئی اس عہد و قرار کے بعد اس سے روگرداں ہو (اور اللہ کے رسول کا انکار کرے) تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں (یعنی دائرۂ حق پرستی سے باہر ہو گئے ہیں) (۸۲)

پھر کیا[۲] یہ لوگ چاہتے ہیں' اللہ کا دین چھوڑ کر کوئی دوسری راہ ڈھونڈ نکالیں؟ حالانکہ آسمان و زمین میں جو کوئی بھی موجود ہے' خوشی سے ہو یا ناخوشی سے' مگر سب اسی کے حکم کے فرماں بردار ہیں- اور بالآخر سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں! (۸۳)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو' (ہماری راہ تو یہ ہوئی کہ) ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں' اور جو کچھ ابراہیم' اسمٰعیل' اسحٰق' یعقوب

[۱] دین حق کی اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ اللہ کے تمام نبی ایک ہی دین کے داعی تھے' اور اس لیے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے- اور جب اللہ کا دین ایک ہی ہے' اور تمام رہنما ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں تو جو کوئی ان میں تفریق کرتا ہے- ایک کو مانتا ہے' دوسرے کو جھٹلاتا ہے' وہ دراصل پورے سلسلہ ہدایت ہی کا منکر ہے-

[۲] اللہ کا دین اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانین فطرت کی اطاعت ہے اور آسمان و زمین میں جس قدر مخلوق ہے' سب قوانین الٰہی کی اطاعت کر رہی ہے- پھر اگر تمہیں اللہ کے قانون فطرت سے انکار ہے تو اللہ کے قانون کے سوا کائنات ہستی میں اور کون سا قانون ہو سکتا ہے؟ کیا تمہیں اس راہ پر چلنے سے انکار ہے جس پر تمام کارخانۂ ہستی چل رہا ہے؟

یہی دین' نوع انسانی کے لیے ہدایت کی عالمگیر راہ ہے- لیکن لوگوں نے اسے چھوڑ کر اپنی الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں اور ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلانے لگا' قرآن اس لیے آیا ہے کہ اس گمراہی سے دنیا کو نجات دلا دے گا وہ کہتا ہے' سچائی کی راہ یہ ہے کہ تمام رہنمایان عالم کی یکساں طور پر تصدیق کرو اور سب کی متفقہ اور مشترکہ تعلیم کو دستور العمل بناؤ!

☆ اس آیت میں "میثاق النبیین" کے دو معنی ہو سکتے ہیں- ایک یہ کہ نبیوں کے بارے میں میثاق' دوسرا یہ کہ میثاق جو نبیوں سے لیا گیا تھا- بعض مفسروں نے پہلا مطلب اختیار کیا ہے اور ان میں شاہ ولی اللہ (رحمہ اللہ) بھی ہیں اور بعضوں نے دوسرا' ہم نے پہلے کو ترجیح دی ہے لیکن جو حضرات چاہیں دوسرا مطلب بھی اختیار کر سکتے ہیں- اس صورت میں اس مقام کا ماحصل یہ ہوگا کہ اللہ نے نبیوں میں سے ہر ایک نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر کوئی دوسرا رسول اس کے عہد میں مبعوث ہو تو اس کا فرض ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس کا ساتھ دے-

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

اور یعقوب کی اولاد پر نازل ہوا اس پر ایمان رکھتے ہیں- نیز جو کچھ موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور خدا کے تمام نبیوں کو خدا کی طرف سے ملا ہے اس سب پر بھی ہمارا ایمان ہے- ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں) ہم خدا کے فرماں بردار ہیں (اس کی سچائی جہاں کہیں بھی اور جس کی زبانی بھی آئی ہو سچائی ہے اور ہم اس کی اطاعت کرنے والے ہیں!) (۸۴)

اور (دیکھو) جو کوئی اسلام کے سوا (جو تمام رہنمایان حق کی تصدیق و پیروی کی راہ ہے) کسی دوسرے دین کا خواہشمند ہو گا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت کے دن اس کی جگہ ان لوگوں میں ہوگی جو تباہ و نامراد ہوں گے! (۸۵)

یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ ایک ایسے گروہ پر (کامیابی کی) راہ کھول دے جس نے ایمان کے بعد کفر کی راہ کھول دی تھی کہ اللہ کا رسول برحق ہے اور (حقیقت کی) روشن دلیلیں اس کے سامنے واضح ہو گئی تھیں؟ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ وہ ظلم کرنے والے گروہ پر (سعادت کی) راہ نہیں کھولتا! (۸۶)

ان لوگوں کو (ان کے ظلم و شرارت کا) جو بدلہ ملنے والا ہے وہ تو یہ ہے کہ ان پر اللہ کی فرشتوں کی انسانوں کی سب کی لعنت برس رہی ہے- (۸۷) اس حالت میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے- نہ تو ان کا عذاب کبھی کم ہوگا نہ کبھی مہلت پائیں گے! (۸۸)

ہاں جن لوگوں نے اس حالت کے بعد بھی توبہ کر لی اور اپنے کو سنوار لیا تو بلاشبہ اللہ رحمت والا اور اپنی رحمت سے) بخش دینے والا ہے!- (۸۹)

---

[1] جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ دین حقیقی کی ہدایت پا کر پھر دیدہ و دانستہ منحرف ہو گئے اور سچائی کی دلیل اور حقیقت کی کوئی نشانی بھی ان کے لیے عبرت و بصیرت کا موجب نہ ہو سکی اور جو آج بھی محض ضد اور شرارت سے دعوت حق کا معاندانہ مقابلہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہی- دنیا میں ذلت و رسوائی کی اور آخرت میں دائمی عذاب کی راہ انہوں نے اپنے لیے پسند کر لی ہے-

جزا قانون مکافات کا لازمی نتیجہ ہے- یعنی برائی ایک ایسی حالت ہے جس کا نتیجہ برا ہے- اچھائی ایک ایسی حالت ہے جس کا نتیجہ اچھا ہے- پس یہ نہ سمجھو کہ آخرت کی سزائیں بھی دنیا کی سزاؤں کی طرح ہیں کہ اگر مجرم چاہے تو مال و دولت خرچ کر کے بچ جائے- نہیں خدا کی عدالت میں گناہ کا کوئی بدلہ اور فدیہ قبول نہیں ہو سکتا- اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے بدلے تم پورا کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دے دو جب بھی اس کی پاداش سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکو گے! ہاں توبہ و انابت کی حالت ایک ایسی حالت ہے جو تمام گناہوں کو محو کر دیتی ہے- بشرطیکہ سچی توبہ ہو! مال و دولت بدعملیوں کے فدیہ میں مقبول نہیں لیکن مال و دولت کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت بڑی نیکی ہے- تم نیکی کی راہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اپنی محبوب چیزیں اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کے لیے تیار نہ ہو جاؤ!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ

(لیکن) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کی اور اپنے کفر (کی سرکشیوں اور شرارتوں) میں بڑھتے ہی گئے تو ایسے لوگوں کی پشیمانی کبھی قبول ہونے والی نہیں (کیونکہ سچی توبہ انہیں نصیب نہیں ہوگی) اور یہی لوگ ہیں جو راہ سے بھٹک گئے!-(۹۰) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے تو (یاد رکھو کفر اور بدعملی کے بدلے کوئی معاوضہ اور فدیہ کام نہیں دے سکتا) اگر ان میں سے کوئی آدمی پورا کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دے دے جب بھی اس کے فدیہ میں قبول نہ ہوگا!-(اور اسے اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے (پاداشِ عمل میں) عذاب دردناک ہے اور کوئی نہ ہوگا جو (اس عذاب سے بچانے میں) ان کا مددگار ہو!-(۹۱)

(یاد رکھو) تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ (مال و دولت میں سے) جو کچھ محبوب رکھتے ہو اسے (راہِ حق میں) خرچ کرو اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے علم سے چھپا نہیں!-(۹۲)

کھانے[1] کی تمام چیزیں (جو عام طور پر کھائی جاتی ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں (اور لوگ انہیں بے تامل کھاتے تھے) ہاں وہ چیزیں جو بنی اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے اوپر حرام ٹھہرا لی تھیں حرام سمجھی گئی تھیں (مگر انہیں خدا نے حرام نہیں کر دیا تھا۔ اے پیغمبر! اگر اس بارے میں یہودی تم سے جھگڑ رہے ہیں تو تم ان سے) کہہ دو اگر تم لوگ اپنے خیال میں سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے کھول کر پڑھو-(۹۳)

پھر جو کوئی اس (اعلان) کے بعد بھی (غلط بیانی سے باز نہ آئے اور) اللہ پر بہتان باندھے تو (یاد رکھو) ایسے ہی لوگ

---

[1] یہودیوں کی طرف سے دو اعتراض خصوصیت کے ساتھ کیے گئے تھے-

(۱) اگر قرآن کی دعوت بھی وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی دعوت تھی تو کیوں قرآن نے بھی ان تمام چیزوں کو حرام نہیں کر دیا جو یہودیوں کے یہاں حرام سمجھی جاتی ہیں؟

(۲) اگر قرآن کی راہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی راہ سے مختلف نہیں ہے- تو کیوں بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا حالانکہ تمام انبیائے بنی اسرائیل بیت المقدس ہی کو قبلہ تسلیم کرتے رہے ہیں؟

یہاں ان دونوں باتوں کا جواب دیا گیا ہے- پہلے شبہ کے جواب میں کہا گیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام اچھی چیزیں بنی اسرائیل کے لیے جائز تھیں اور حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت موسیٰ تک تمام انبیا نے انہیں حلال سمجھا تھا- پھر جب تورات نازل ہوئی تو بعض چیزوں کا استعمال روک دیا گیا- اس لیے نہیں کہ اصلاً حرام تھیں بلکہ اس لیے کہ یہود کی بے لگام طبیعتوں کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ روک ٹوک میں سختی کی جائے- باقی رہیں وہ چیزیں جن کی نسبت تم سمجھتے ہو کہ نزولِ تورات سے پہلے بھی ممنوع تھیں تو ⇐

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا

ہیں جو واقعی مجرم ہیں-(۹۴)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو اللہ نے سچائی ظاہر کر دی' پس (اگر تمہارے دلوں میں کچھ بھی سچائی کا پاس ہے تو چاہیے کہ) ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو- (جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں' اور) جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہا ہے اور یقیناً ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا-(۹۵)

بلاشبہ' پہلا گھر جو انسان کے لیے (خدا پرستی کا معبود و مرکز) بنایا گیا' وہ یہی (عبادت گاہ) ہے جو مکہ میں ہے- برکت والا اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ- اس میں (دین حق کی) روشن نشانیاں ہیں- ازاں جملہ مقام ابراہیم ہے (یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے اور عبادت کرنے کی جگہ جو اس وقت سے لے کر آج تک بغیر کسی شک و شبہ کے مشہور اور معین رہی ہے اور ازاں جملہ یہ بات ہے کہ) جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا' وہ امن و حفاظت میں آ گیا اور (ازاں جملہ یہ کہ) اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے یہ بات ضروری ہوگئی کہ اگر اس تک پہنچنے کی استطاعت پائیں' تو اس گھر کا حج کریں- اس پر بھی جو کوئی (اس حقیقت سے) انکار کرے' (اور اس مقام کی پاکی و فضیلت کا اعتراف نہ کرے) تو یاد رکھو اللہ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے (وہ اپنے کاموں کے لیے کسی فرد اور قوم کا محتاج نہیں!)(۹۷)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو- اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ تم (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو حالانکہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا شاہد حال ہے؟(۹۸)

اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ جو کوئی اللہ پر ایمان لانا چاہتا ہے تم اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو اور اسے ٹیڑھی چال چلانا چاہتے ہو' حالانکہ تم حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہو؟ یاد رکھو' جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے-(۹۹)

مسلمانو![1] اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی باتوں پر کار بند ہو گئے تو یاد رکھو' نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں

⇐ انہیں خدا کی شریعت نے ممنوع نہیں ٹھہرایا تھا خود لوگوں نے اپنی طبیعت سے ترک کر دیا تھا چنانچہ تورات کے اسفار اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں- دوسرے شبہ کے جواب میں کہا گیا ہے کہ خدا کی پہلی عبادت گاہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی وہ بیت المقدس نہیں بلکہ خانہ کعبہ ہے-

[1] اہل کتاب کی محرومیوں کے ذکر کے بعد پیروان دعوت سے خطاب- موعظت اور بعض اصولی مہمات کی تلقین: ⇐

فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ

راہ حق سے پھرا دیں گے اور ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔(۱۰۰)

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کی راہ اختیار کرو جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور اس کا رسول (تعلیم و رہنمائی کے لیے) تم میں موجود ہے؟ اور یاد رکھو جو کوئی مضبوطی کے ساتھ اللہ کا ہو رہا تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی (نہ تو اس کے لیے لغزش کا ڈر ہے نہ گم گشتگی کا اندیشہ!)۔(۱۰۱)

مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ ایسا ڈرنا جو واقعی ڈرنا ہے اور دیکھو دنیا سے نہ جاؤ مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم ہو!۔(۱۰۲)

اور دیکھو! سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تمہارا حال یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے!۔ تمہارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو (ذرا پاؤں پھسلا اور شعلوں میں جا گرے) لیکن اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا۔ (اور زندگی و کامرانی کے میدان میں پہنچا دیا) اللہ اس طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ تم (منزل مقصود کی) راہ پالو!۔(۱۰۳)

اور دیکھو! ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا

⇦ (۱) یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں میں تمہارے لیے درس عبرت ہے۔ ضروری ہے کہ ان کے طور طریقوں سے اپنے دل و دماغ کی حفاظت کرو۔ اگر تم نے ان کی گمراہانہ خواہشوں کی پیروی کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہ ہدایت پا کر پھر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

(۲) ایمان کی برکتوں کے حصول کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ایمان کا اقرار کر لو بلکہ اصلی چیز ایمان کا جماؤ ہے!

(۳) جماعت کے تفرقے سے بچو اور خدا کی رسی مضبوط پکڑ لو۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ اس نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا!

(۴) تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو داعی الی الخیر ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے برائی سے روکے اور قوم کو راہ حق و ہدایت پر قائم رکھے!

(۵) جماعت کے تفرقے کی طرح دین کا اختلاف بھی مہلک ہے۔ اہل کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ دین حق کے علم اور کتاب اللہ کے حصول کے بعد پھر باہمی اختلافات میں پڑ گئے اور دین کی وحدت ضائع کر کے الگ الگ ٹولیاں بنالیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ اور ایک دین پر جمع رہنے کی جگہ الگ الگ فرقے بندیوں میں بٹ جاؤ!

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ

ع ۸

حکم دے برائی سے روکے- اور بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں! (۱۰۴)

اور دیکھو! ان لوگوں کی سی چال نہ چلنا جو (خدا کے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے کی جگہ) الگ الگ ہو گئے' اور باوجودیکہ (کتاب اللہ کی) روشن دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں پھر بھی باہم دگر اختلافات میں پڑ گئے- یقین کرو یہی لوگ ہیں جن کے لیے (کامیابی کی جگہ) عذاب دردناک ہے! (۱۰۵) وہ (آنے والا) دن کہ کتنے ہی چہرے اس دن چمک اٹھیں گے' کتنے ہی چہرے کالے پڑ جائیں گے (یعنی کتنے ہی خوش نصیب ہوں گے جن کے لیے کامیابی کی خوشحالی ہوگی' کتنے ہی بدنصیب ہوں گے جن کے لیے حسرت ونامرادی کی تباہ حالی ہوگی!) سو جن لوگوں کے چہرے (حسرت ونامرادی سے) کالے پڑ جائیں گے' ان سے اس دن کہا جائے گا- تم نے ایمان کے بعد پھر انکار حق کی راہ اختیار کر لی تھی- تو جیسی کچھ تمہاری منکرانہ چال تھی' اب اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو! (۱۰۶) اور جن لوگوں کے چہرے (کامیابی کی خوش حالیوں سے) چمک رہے ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے- ہمیشہ رحمت الٰہی میں رہنے والے! (۱۰۷)

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں فی الحقیقت سنا رہے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تمام دنیا پر ظلم کرنا چاہے- (۱۰۸) اور یاد رکھو' آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے اور ساری باتیں بالآخر اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں! (۱۰۹)

(مسلمانو!) تم[۱] تمام امتوں میں ''بہتر امت'' ہو جو لوگوں (کی ارشاد واصلاح) کے لیے ظہور میں آئی ہے- تم نیکی کا حکم دینے والے' برائی سے روکنے والے اور اللہ پر (سچا) ایمان رکھنے والے ہو- اور اگر اہل کتاب (مخالفت وسرکشی کی جگہ) ایمان لاتے تو یہ ان کے لیے بہتری کی بات ہوتی' (اور ہدایت وارشاد عالم کا کام ان کے ہاتھوں انجام پاتا لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے) ان میں ایسے لوگ بھی

---

[۱] (۶) تم تمام امتوں میں ''بہتر امت'' ہو جو ہدایت اور ارشاد خلق کے لیے وجود میں آئی ہے- بحیثیت ایک جماعت کے تمہارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہو-

ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نصب العین یہ نہیں قرار دیا گیا کہ وہ طاقتور قوم بنیں یا سب سے ''برتر'' گروہ ہوں کیونکہ طاقت اور برتری میں جماعتی گھمنڈ اور قومی حرص وآز کا لگاؤ تھا' اور یہ بات انسانیت کے امن وسلام اور مساوات واخوت کے منافی تھی- پس صرف ''خیر'' اور ''بہتر'' ہونے پر زور دیا گیا جس کی تمام تر روح' اخلاقی اور معنوی محاسن پر مبنی ہے- جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ اچھی اور نیک ہو' وہ کبھی مادی طاقتوں کے غرور اور قومی نخوت وبرتری کے مفاسد سے آلودہ نہیں ہو سکتی- ⇦

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ہیں- جو ایمان رکھنے والے ہیں' لیکن بڑی تعداد انہی لوگوں کی ہے جو دائرۂ ہدایت سے یکسر باہر ہو چکے ہیں!-(۱۱۰) وہ (کتنی ہی تمہاری مخالفت کریں لیکن) اذیت پہنچانے کے سوا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے- اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو یاد رکھو انہیں لڑائی میں پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی- کبھی فتح مند نہ ہوں گے-(۱۱۱) ان لوگوں پر (یعنی یہودیوں پر) ذلت کی مار پڑی جہاں کہیں بھی یہ پائے گئے- ہاں یہ کہ خدا کے عہد سے یا انسانوں کے عہد سے کہیں پناہ مل گئی ہو (تو یہ بھی ذلت ہی کی پناہ ہوئی کہ دوسروں کے رحم پر زندگی بسر کر رہے ہیں) خدا کا غضب ان پر چھا گیا- محتاجی اور بدحالی میں گرفتار ہو گئے- اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور نبیوں کے ناحق قتل میں بے باک تھے- (اور بدعملی و شقاوت کی یہ حالت) اس لیے (پیدا ہوئی) کہ نافرمانی اور سرکشی کرنے لگے تھے اور (اپنی شرارتوں میں) حد سے گزر گئے تھے-(۱۱۲) یہ بات نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب ایک ہی طرح کے ہوں- ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں- وہ راتوں کو اٹھ کر خدا کی آیتیں تلاوت کرتے اور اس کے حضور سربسجود رہتے ہیں-(۱۱۳) وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں' نیکی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' بھلائی کے تمام کاموں میں تیز گام ہیں اور بلاشبہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نیک کردار ہیں!(۱۱۴)

⇦ اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگر یہود و نصاریٰ سے ایمان و ہدایت کی روح مفقود نہ ہو گئی ہوتی تو وہ آج اس نعمت خیر و برکت کے مستحق ہوتے' لیکن ان کی بڑی تعداد استعداد ایمانی سے محروم ہو گئی ہے-

دعوت حق کی مخالفت میں سب سے زیادہ حصہ یہودیوں کا ہے لیکن ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنی بدعملیوں اور سرکشیوں سے مغضوب الٰہی ہو چکے ہیں اور دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں اپنے بل بوتے پر زندگی بسر کر رہے ہوں- جہاں کہیں بھی پناہ ملی ہے ذلت و نامرادی کی پناہ ہے- یعنی یا تو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے یا پھر حکمران قوموں نے محکومیت و اطاعت کے قول و قرار پر زندگی کی مہلت دے دی ہے- چنانچہ پہلی حالت عرب میں تھی- دوسری روم اور ایران میں- پس کوئی وجہ نہیں کہ تم ان کی مخالفت سے پریشان خاطر ہو- وہ وقت دور نہیں جب عرب میں ان کی رہی سہی طاقت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا-

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن قومی محکومیت کی حالت کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اس زمانے میں یہودی رومیوں کے ماتحت امن کی زندگی بسر کر رہے تھے- اور عرب میں بھی ان کی بڑی بڑی بستیاں تھیں' لیکن چونکہ حکومت و فرمانروائی سے محروم ہو چکے تھے اس لیے فرمایا کہ یہ دوسروں کے رحم پر زندگی بسر کرنے والے ہیں!-

۱ اور یہ جو یہود اور نصاریٰ کی بدعملیوں اور محرومیوں پر بار بار زور دیا گیا تو اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ ان میں کوئی آدمی بھی راست باز نہیں- نہیں سب کا حال یکساں نہیں ہو سکتا- بلاشبہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایمان و عمل کی راہ میں استوار ہیں- نیکی کا حکم دیتے ہیں- برائی سے روکتے ہیں اور عبادت الٰہی میں سرگرم رہتے ہیں- لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے- غالب تعداد انہی لوگوں کی ہے جو ایمان و عمل کی روح یک قلم ⇦

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ
اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ
فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ
اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ

سو (یاد رکھو) یہ لوگ[1] نیک کاموں میں سے جو کچھ کرتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اس کی ناقدری کی جائے (اور رائگاں جائے۔ انہیں اپنی نیک عملی کا نیک اجر ضرور ملے گا) اور جو لوگ متقی ہیں (وہ خواہ کسی گروہ اور کسی گوشہ میں ہوں) اللہ ان کے حال سے بے خبر نہیں ہے! (۱۱۵)

(لیکن) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور ایمان و عمل کی راستی سے محروم ہو گئے) تو (وہ کسی حال میں بھی پاداش عمل سے نہیں بچ سکتے) نہ تو مال و دولت کی طاقت انہیں خدا کے عذاب سے بچا سکے گی نہ آل اولاد کی کثرت ہی کچھ کام آئے گی- وہ دوزخی ہیں- ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے! (۱۱۶)- دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس ہوا کا چلنا جس کے ساتھ پالا ہو (فرض کرو) ایک گروہ نے اپنے اوپر ہر طرح کی محنت و مشقت برداشت کر کے ایک کھیت تیار کیا ہو' لیکن پالا پڑے اور پورا کھیت برباد ہو کر رہ جائے- (سو یہی حال ایسے لوگوں کا ہوا) اور یاد رکھو یہ جو کچھ انہیں پیش آیا' تو اس لیے نہیں کہ خدا نے ان پر ظلم کیا ہو- یہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں! (۱۱۷)

مسلمانو![2] ایسا نہ کرو کہ اپنے آدمیوں کے سوا کسی دوسرے کو اپنا ہمراز اور معتمد بناؤ- ان لوگوں کا (یعنی دشمنوں کا) حال یہ ہے کہ تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں کمی کرنے والے نہیں- جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے' وہی انہیں اچھی لگتی ہے- ان کی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ظاہر ہے' لیکن جو کچھ دلوں میں چھپا ہے' وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے- اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو' تو ہم نے (فہم و بصیرت کی) نشانیاں تم پر واضح کر دیں! (۱۱۸)

دیکھو' تمہارا[3] حال تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں (ایک لمحہ کے لیے بھی) دوست نہیں رکھتے- تم اللہ کی کتاب پر ایمان رکھنے والے ہو- جتنی کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں (اس لیے قدرتی طور پر ان کی کتاب

⇐ کھو چکے ہیں- اور یہ ظاہر ہے کہ جب کبھی کسی جماعت کی نسبت رائے قائم کی جائے گی تو اکثریت کی حالت دیکھی جائے گی- نہ کہ خال خال افراد کی-

[1] ہاں! اہل کتاب میں جو لوگ ایمان و عمل کی سچائی رکھتے ہیں ضروری ہے کہ اپنی نیک عملی کا نیک اجر پائیں- خدا کا قانون مکافات کسی خاص گروہ اور نسل ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام نوع انسانی کے لیے ہے- جو انسان بھی راست باز اور نیک کردار ہوگا خدا کے حضور اپنا اجر پائے گا-

[2] (۷) اور چونکہ اہل کتاب بھی قریش مکہ کی طرح تمہاری مخالفت میں کمر بستہ ہو گئے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ تم بھی ان سے چوکنے ہو جاؤ اور انہیں اپنا ہمراز و معتمد نہ بناؤ- ان کی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ٹپک رہی ہے لیکن دلوں میں جو کچھ چھپا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے-

[3] اگر تمہارے اندر صبر اور تقویٰ کی روح پیدا ہو گئی تو پھر ممکن نہیں تمہارے مخالف تم پر فتح مند ہو سکیں یا ان کی مخالفانہ تدبیریں تمہارا کچھ بگاڑ سکیں-

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ

کے لیے بھی تمہارے دل میں عزت ہے' لیکن ان کا حال دوسرا ہے) وہ جب کبھی تم سے ملتے ہیں' تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان والے ہیں' لیکن جب اکیلے میں ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف جوش غضب میں اپنی بوٹیاں نوچنے لگتے ہیں۔ (غور کرو ایسے لوگوں کو اپنا ہمراز بنانا اور قوم کے بھیدوں اور تدبیروں سے آگاہ کر دینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اے پیغمبر! تم ان اعدائے حق سے جو جوش غضب میں اپنی بوٹیاں نوچ رہے ہیں) کہہ دو اتنا ہی نہیں بلکہ جوش غضب میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو (لیکن جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا) اور یاد رکھو' خدا وہ سب کچھ جانتا ہے' جو انسان کے سینوں میں پوشیدہ ہے! (۱۱۹)

اگر تمہارے لیے کوئی بھلائی کی بات ہو جائے' تو انہیں برا لگے۔ برائی ہو جائے تو بڑے ہی خوش ہوں۔ لیکن یاد رکھو اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصائب اور مشکلات میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کی راہ اختیار کی (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے پوری طرح بچتے رہے) تو ان کا مکر و فریب تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے گا' جیسے کچھ بھی ان کے کرتوت ہیں' خدا کی قدرت انہیں گھیرے ہوئے ہے! (۱۲۰)

اور[1] (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (احد کے میدان میں) لڑائی کے لیے مسلمانوں کو جابجا مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے! ۔ (۱۲۱)

پھر جب ایسا ہوا تھا کہ تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا کہ ہمت ہار دیں (اور واپس لوٹ چلیں) حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا۔ جو ایمان رکھنے والے ہیں انہیں تو چاہیے کہ (ہر حال میں) اللہ پر بھروسہ رکھیں! (۱۲۲)

اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بدر کے میدان جنگ میں تمہیں فتح مند کیا تھا حالانکہ تم بڑی ہی گری ہوئی حالت میں تھے (اور تمہاری کامیابی کا کوئی وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا) پس اللہ سے ڈرو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم میں

---

[1] جنگ بدر اور احد کے تجربوں سے استشہاد جن کے نتائج نے ثابت کر دیا تھا کہ صبر اور تقویٰ کے بغیر کبھی نصرت و کامرانی حاصل نہیں ہوسکتی۔ صبر سے مقصود یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کا ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ احتیاط و پرہیزگاری کی روح پیدا ہو۔ جنگ بدر کے موقع پر یہ دونوں تو تیں تم میں موجود تھیں اس لیے تمہاری مٹھی بھر تعداد نے دشمن کی بہت بڑی تعداد کو شکست دے دی۔ لیکن احد کے میدان میں تم نے کمزوری دکھلائی۔ صبر اور تقویٰ کی آزمائش میں پورے نہ اترے نتیجہ یہ نکلا کہ نقصان اٹھایا اور دشمن کو شکست نہ دے سکے۔ اس سلسلہ میں متعدد اصولی مہمات واضح کی گئی ہیں:۔

(۱) جنگ احد کے موقع پر کثرت رائے سے یہ بات قرار پا گئی تھی کہ شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ مسلمان نکلے لیکن منافقوں نے لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو قبیلے بددل ہو گئے۔ اس طرح ابتدا ہی سے صبر اور تقویٰ کی روح کمزور پڑ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو بالآخر پیش آیا۔ ⇦

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اس کی نعمتوں کی قدر پہچاننا پیدا ہو جائے! (۱۲۳)

(اے پیغمبر!) وہ وقت (بھی) یاد کرو جب تم (میدان جنگ میں) ایمان والوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ "کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ (دشمن کے تین ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں) تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے؟" (۱۲۴)

ہاں بلاشبہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور پھر ایسا ہو کہ دشمن اسی دم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار (صرف تین ہزار فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ) پانچ ہزار نشان رکھنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ (۱۲۵)

اور یاد رکھو یہ بات جو کہی گئی تو صرف اس لیے کہ تمہارے لیے (فتح مندی کی) خوش خبری ہو اور تمہارے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں۔ مدد و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس کی طاقت سب پر غالب ہے اور وہ اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے! (۱۲۶) اور نیز اس لیے تاکہ منکرین حق کی طاقت کا ایک حصہ بیکار کر دے یا انہیں اس درجہ ذلیل و خوار کر دے کہ نامراد ہو کر الٹے پاؤں پھر جائیں! (۱۲۷)

(اے پیغمبر!) اس معاملہ میں (یعنی دشمنان حق کے بخشے جانے یا نہ بخشے جانے میں) تمہیں کوئی دخل نہیں (تمہارا کام یہ ہے کہ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دو اور کسی حال میں بھی ان کی طرف سے مایوس نہ ہو) یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ چاہے تو ان سے درگزر کرے اور چاہے تو انہیں عذاب دے کیونکہ یقیناً وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ (۱۲۸)

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عذاب دے (کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو) اور (یاد رکھو) وہ بخشنے والا اور بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے۔ (۱۲۹) مسلمانو! سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو

⇐ (۲) ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ کفر کرنے والوں کی بدعملیاں کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو لیکن ہادی و مصلح کو ان کی ہدایت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور نہ رحمت و بخشش کی طلب کے سوا کوئی اور جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔ بخشنا یا نہ بخشنا خدا کا کام ہے اور اسی پر چھوڑ دینا چاہیے۔

جنگ احد میں خود پیغمبر اسلام پر دشمنوں نے پے در پے حملے کیے اور انہیں ہلاک کر ڈالنا چاہا۔ تاہم خدا نے پسند نہیں کیا کہ دشمنوں کی ہدایت و بخشش کی طلب کے سوا کوئی جذبہ آن کے قلب مطہر میں پیدا ہو (ﷺ)

(۳) اے پیروان دعوت حق! جو ٹھوکر تمہیں جنگ احد میں لگی ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ اس سے عبرت پکڑو تو چاہیے کہ ان آلودگیوں سے پاک ⇐

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫

جو (قرض کی اصلی رقم میں مل کر) دوگنی چوگنی ہو جاتی ہے- اللہ سے ڈرو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ- (۱۳۰) اور دیکھو! اس آگ کے عذاب سے ڈرو جو منکروں کے لیے تیار کی گئی ہے (۱۳۱) اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو تاکہ رحمت الٰہی کے مستحق ہو جاؤ! (۱۳۲) اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف تیز گام ہو جاؤ نیز اس جنت کی طرف جس کے پھیلاؤ کا یہ حال ہے کہ تمام آسمان وزمین کی چوڑائی ایک طرف اور اکیلا اس کا پھیلاؤ ایک طرف اور جو متقی انسانوں کے لیے تیار کی گئی ہے! (۱۳۳) وہ متقی انسان جن کے اوصاف یہ ہیں کہ خوشحالی ہو یا تنگ دستی لیکن ہر حال میں (خدا کے لیے) مال خرچ کرتے ہیں غصہ میں آ کر بے قابو نہیں ہو جاتے اور لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں- (وہ نیک کردار ہیں) اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے! (۱۳۴) نیز وہ لوگ کہ جب کبھی ان سے کوئی سخت برائی کی بات ہو جاتی ہے یا اپنی جانوں کو (آلودۂ معصیت ہو کر) مصیبت میں ڈال دیتے ہیں تو فوراً اللہ کی یاد ان میں جاگ اٹھتی ہے (اور اپنے ضمیر کی ملامت محسوس کرنے لگتے ہیں) پس وہ خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اس پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے، اور خدا کے سوا کون ہے

⇦ وصاف ہو جاؤ جو تمہارے دلوں میں کمزوری کا روگ پیدا کرنے والی ہیں- ازاں جملہ مال ودولت کی حرص ہے جب تک یہ روگ دلوں میں موجود ہے جاں فروشی کی سچی روح پیدا نہیں ہو سکتی-

پیغمبر اسلام (ﷺ) نے ایک خاص گھاٹی پر جو نقشہ جنگ میں بڑی اہمیت رکھتی تھی ایک جماعت متعین کر دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ اس جگہ سے نہ ہلیں- لیکن جب مسلمانوں کے فتح مندانہ مقابلہ نے دشمنوں کے پاؤں اکھاڑ دیے تو یہ جماعت (بجز دس آدمیوں کے) مال غنیمت لوٹنے کی طمع میں بے قابو ہو گئی اور مورچہ چھوڑ کر لوٹ مار شروع کر دی- دشمنوں نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً پلٹ پڑے اور بے خبری میں حملہ کر دیا- یہی حادثہ ہے جس نے مسلمانوں کی فتح شکست سے بدل دی تھی-

چونکہ مورچہ چھوڑنے والوں کی لغزش کا اصلی سبب مال ودولت کی طمع تھی اور مال ودولت کی طمع کا ایک بڑا آلہ سود کا لین دین تھا- اس لیے خصوصیت کے ساتھ یہاں اس کا ذکر کیا گیا- سود در سود کی وجہ سے بڑی بڑی رقمیں قرض داروں کے سر چڑھ گئی تھیں- قدرتی طور پر ان کا چھوڑنا لوگوں پر شاق گذرتا تھا پس حکم الٰہی ہوا کہ تمہارے دلوں کے تزکیہ کے لیے اسی بات میں سب سے بڑی آزمائش ہے- سو سود در سود کی وجہ سے کتنی ہی رقم قرض داروں پر کیوں نہ چڑھ گئی ہو لیکن اسے یک قلم چھوڑ دو-

علاوہ بریں جنگ احد کی شکست کا اصلی سبب یہی تھا کہ نظم وطاعت یعنی ڈسپلن کی روح پوری طرح پیدا نہیں ہوئی تھی- اس لیے ضروری تھا کہ اب کسی ایسی بات پر زور دیا جائے جس کی فوری تعمیل میں اطاعت وفرمانبرداری کی پوری پوری آزمائش ہو جائے- ظاہر ہے کہ یہ آزمائش سود لینے کی ممانعت سے زیادہ اور کسی بات میں نہیں ہو سکتی- سود کی حرمت سے قرض خواہوں کو ایک ایسی بات چھوڑ دینی پڑتی تھی جسے صدیوں سے اپنا جائز حق سمجھتے آئے تھے اور ان کی مال ودولت کی افزائش کا سب سے بڑا ذریعہ تھا- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فرمایا "وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

ضمناً متقی انسانوں کے اوصاف کا ذکر کیا: ⇦

وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

جو گناہوں کا بخشنے والا ہو؟(۱۳۵) بلاشبہ' یہی لوگ ہیں کہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے لیے عفو و بخشش کا اجر ہے' اور (نعیم ابدی کے) باغ ہیں- ایسے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے- اور دیکھو' کیا ہی اچھا بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کے حصہ میں آئے گا!-(۱۳۶)

اور دیکھو! تم سے پہلے بھی دنیا میں (قوموں کے عروج و زوال کے) دستور اور قوانین رہ چکے ہیں' (اور وہ تمہارے لیے معطل نہیں ہو جائیں گے) پس دنیا کی سیر کرو اور دیکھو کہ جو لوگ احکام حق کو جھٹلانے والے تھے ان کا انجام کیا ہوا اور پاداشِ عمل میں کیسے نتائج پیش آئے؟(۱۳۷) یہ لوگوں (کی فہم و بصیرت) کے لیے ایک بیان ہے اور ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں ہدایت اور (موعظت) ہے!(۱۳۸) اور دیکھو نہ تو ہمت ہارو' نہ غمگین ہو' تم ہی سب سے سربلند ہو بشرطیکہ تم سچے مومن ہو!(۱۳۹)

اگر تم نے (احد کی لڑائی میں) زخم کھایا ہے' تو دشمنوں کو بھی تو ویسے ہی زخم (بدر میں) لگ چکے ہیں؟ (پھر تم اس حادثہ پر غمگین اور ملول کیوں ہو؟) دراصل یہ (ہار جیت کے) اوقات ہیں جنہیں ہم انسانوں میں ادھر ادھر پھراتے رہتے ہیں (کبھی ایک گروہ کے حق میں میدان جنگ کا فیصلہ ہوتا ہے کبھی دوسرے کے حق میں- پس یہ کوئی ایسی بات نہیں

⇦ (ا) خوشحالی ہو یا تنگ دستی ہر حال میں خدا کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں- (ب) غصے میں بے قابو نہیں ہو جاتے- (ج) لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں-

(د) اگر گناہ میں پڑ جائیں تو فوراً متنبہ ہوتے اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کا سر جھکا دیتے ہیں!

(۴) اور یاد رکھو یہ جو کچھ تمہیں پیش آ رہا ہے تو صرف تمہارے ہی لیے نہیں ہوا ہے بلکہ ہمیشہ قانون الٰہی کی ایسی ہی کارفرمائیاں رہ چکی ہیں- جو جماعت احکام حق پر عمل کرتی ہے' کامیاب ہوتی ہے' جو اعراض کرتی ہے تباہ و برباد ہو جاتی ہے-

دنیا میں نکلو اور خدا کی زمین کی سیر کرو- اس کے ہر گوشے میں تم دیکھو گے کہ برباد شدہ قوموں کے آثار اجڑی ہوئی آبادی کے کھنڈر اور سربفلک محلوں کی گری ہوئی دیواریں زبان حال سے اپنا افسانہ عبرت سنا رہی ہیں!

(۵) تمہیں جنگ احد میں جو ٹھوکر لگی ہے تو چاہیے کہ اس سے عبرت پکڑو اور آئندہ کے لیے اپنے اعمال کی نگہداشت کرو- یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی کوفت میں ایسے کھو جاؤ کہ آئندہ کے لیے ہمت ہار بیٹھو- یہ جنگ کا میدان ہے کبھی ایک فریق جیتتا ہے' کبھی دوسرے کی باری آتی ہے- بدر میں تمہاری چوٹ ان پر لگی تھی- احد میں ان کی تم پر لگ گئی- لیکن جماعتوں کی کشمکش کی تاریخ میں ایک دو میدانوں کی ہار جیت کیا اہمیت رکھتی ہے؟ اصلی چیز جو سوچنے کی ہے وہ تمہارے دلوں کی ایمانی قوت ہے- اگر تمہارے اندر ایمان کی سچی روح موجود ہے تو پھر دنیا میں رفعت و سربلندی صرف تمہارے ہی لیے ہے!

علاوہ بریں یہ حادثہ اگرچہ بظاہر شکست ہے لیکن یہ باطن چند در چند مصلحتیں اور حکمتیں رکھتا ہے- ازاں جملہ یہ کہ کھرے کھوٹے کی آزمائش ⇦

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ

جس کی وجہ سے تم ہمت ہار بیٹھو) اور علاوہ بریں (یہ حادثہ مصلحتوں سے بھی خالی نہ تھا) یہ اس لیے تھا تا کہ اس بات کی آزمائش ہو جائے کون سچا ایمان رکھنے والا ہے' کون نہیں ہے- اور اس لیے کہ تم میں سے ایک گروہ کو (ایام ووقائع کے نتیجوں اور عبرتوں کا) شاہد حال بنا دے' (وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ احکام حق کی نافرمانی سے کیسے کچھ نتیجے پیش آ سکتے ہیں) اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا- (۱۴۰)

نیز اس حادثہ میں یہ مصلحت بھی تھی کہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں' انہیں (اس حادثہ کے تجربہ وبصیرت کے ذریعے تمام کمزوریوں اور لغزشوں سے) پاک کر دے اور جو منکرین حق ہیں انہیں (اہل ایمان کی مزید قوت واستعداد کے ذریعے) نیست و نابود کر دے! (۱۴۱)

(مسلمانو!) [1] کیا تم سمجھتے ہو (محض ایمان کا دعویٰ کر کے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے (اور ایمان وعمل کی آزمائشوں سے تمہیں گزرنا نہیں پڑے گا؟) حالانکہ ابھی تو وہ موقع پیش ہی نہیں آیا کہ اللہ تمہیں آزمائش میں ڈال کر نمایاں کر دیتا، کون لوگ راہ حق میں پوری پوری کوشش کرنے والے ہیں' اور کتنے ہیں جو مشکلوں اور شدتوں میں ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ (۱۴۲)

اور دیکھو' یہ واقعہ ہے کہ جب تک موت کا سامنا نہیں ہوا تھا تم راہ حق میں مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے' (اور مصر تھے کہ مدینے سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کریں) لیکن پھر ایسا ہوا کہ موت تمہاری آنکھوں کے سامنے آ گئی اور تم کھڑے تک رہے تھے! (۱۴۳)

اور محمد [2] اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں- اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہِ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پائیں (اور بہر حال انہیں ایک دن

⇦ ہوگئی اور جو منافق اور کچے دل کے آدمی اسلامی جمعیت میں ملے ہوئے تھے' ان کے چہرے بے نقاب ہو گئے۔ اور از اں جملہ یہ کہ لوگوں کو جنگ کے نازک اور فیصلہ کن معاملات کا ذاتی تجربہ ہو گیا- تجربہ اور مشاہدہ کے بعد ان کے قدم زیادہ محتاط ہو جائیں گے- سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں وہ اس ٹھوکر کے لگنے سے دور ہو گئیں اور ان کا عزم وایمان زیادہ مضبوط اور بے داغ ہو گیا-

[1] (۶) صرف ایمان کا اقرار کر لینے سے ایمان کی برکتیں اور کامرانیاں حاصل نہیں ہو جائیں گی- شرطِ کامیابی یہ ہے کہ آزمائش عمل میں ثابت قدمی دکھلاؤ!

[2] (۷) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ بنائے کار اصول اور عقائد ہیں نہ کہ شخصیت اور افراد۔ کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کسی اصل اور سچائی کی راہ دکھانے والی ہے- پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے یا درمیان سے ہٹ ⇦

عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ ؕ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَ سَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ مَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ مَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَ کَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَکَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۶﴾

وفات پانا ہے) یا (فرض کرو) ایسا ہو کہ لڑائی میں قتل ہو جائیں' تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (اور ان کے مرنے کے ساتھ ہی تمہاری حق پرستی بھی ختم ہو جائے گی؟) اور جو کوئی راہِ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا، تو وہ (اپنا ہی نقصان کرے گا) خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا- جو لوگ شکر گزار ہیں (یعنی نعمت حق کی قدر سمجھنے والے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ خدا انہیں ان کا اجر عطا فرمائے! (۱۴۴)

اور یاد رکھو' خدا کے حکم کے بغیر کوئی جان مر نہیں سکتی- ہر جان کے لیے ایک خاص وقت ٹھہرا دیا گیا ہے (پھر موت کے ڈر سے کیوں تمہارے قدم پیچھے ہٹیں؟) اور جو کوئی دنیا کے فائدے پر نظر رکھتا ہے ہم اسے دنیا میں سے دیں گے' جو کوئی آخرت کے ثواب پر نظر رکھتا ہے' اسے آخرت کا ثواب ملے گا- ہم (نعمت حق کے) شکر گزاروں کو ان کی نیک عملی کا اجر ضرور دیں گے- (۱۴۵)

اور دیکھو' کتنے ہی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے باخدا لوگوں نے (راہ حق میں) جنگ کی' لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان سختیوں کی وجہ سے جو انہیں خدا کی راہ میں پیش آئی ہوں' بے ہمت ہو گئے ہوں' اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں' یا (ان کی عزت نفس نے یہ بات گوارا کر لی ہو کہ ظالموں کے سامنے) عجز و بے چارگی کا اظہار کریں (بے ہمتی' کمزوری اور حریف کے سامنے اعتراف عجز وہ باتیں ہیں جن سے باخدا آدمی کا دل آشنا نہیں ہو سکتا) اور اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو مشکلوں مصیبتوں میں ثابت قدم رہتے ہیں! (۱۴۶)

⇦ جائے تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑ لیں' یا ادائے فرض میں کیوں کوتاہی کریں! سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے- یہ بات نہیں ہے کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی سچائی ہو گئی ہو-

جنگ احد میں کسی مخالف نے یہ بات پکار دی تھی کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) مارے گئے- یہ سن کر بہت سے مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے- بعضوں نے کہا جب پیغمبر نہ رہے تو اب لڑنے سے کیا فائدہ؟ کچھ لوگ جو منافق تھے انہوں نے علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ جنگ میں مارے جاتے- یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- پیغمبر اسلام خدا کے پیغمبر ہیں اور ظاہر ہے کہ انہیں بھی ایک دن دنیا سے جانا ہے جس طرح تمام پچھلے رسول دنیا سے گذر چکے ہیں، پھر اگر وہ دنیا سے گذر گئے تو تم حق پرستی کی راہ سے پھر جاؤ گے اور تمہاری حق پرستی حق کے لیے نہیں بلکہ محض ایک خاص شخصیت کے لیے تھی؟ فرض کرو جنگ احد والی بات صحیح ہوتی تو پھر کیا ان کی موت کے ساتھ تمہاری خدا پرستی پر بھی موت طاری ہو جاتی؟ اگر تم حق کے لیے لڑ رہے تھے تو جس طرح وہ ان کی زندگی میں حق تھا' اسی طرح ان کے بعد بھی حق ہے اور ہمیشہ حق رہے گا!

(۸) سچا مومن وہ ہے جو شدتوں اور محنتوں میں نہ تو بے ہمت ہو نہ کمزور پڑے اور نہ کسی حال میں بھی ظالموں کے آگے عجز و بے چارگی کا اظہار گوارا کرے- قرآن کہتا ہے وہن' ضعف اور استکانۃ للخصم اس میں نہیں ہو سکتی- "وہن" یہ ہے کہ بے ہمت ہو کر بیٹھ رہے- "ضعف" یہ ہے کہ میدان میں نکلے مگر کمزوری دکھائے- "استکانۃ للخصم" یہ ہے کہ لاچار ہو کر حریف کے آگے گڑگڑانے لگے-

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور (پھر سختیوں اور مصیبتوں کا کتنا ہی ہجوم کیوں نہ ہو لیکن) ان کی زبانوں سے اس کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا کہ "خدایا! ہمارے گناہ بخش دے، ہم سے ہمارے کام میں جو زیادتیاں ہوگئی ہوں، ان سے درگزر فرما، ہمارے قدم راہِ حق میں جما دے اور منکرین حق کے گروہ پر ہمیں فتح مند کر!" (۱۴۷) (جب ان کے ایمان و عمل کا یہ حال تھا) تو خدا نے بھی انہیں دونوں جہان میں اجر عطا فرمایا- دنیا کا بھی ثواب دیا (کہ فتح و کامرانی ان کے حصے میں آئی) اور آخرت کا بھی بہتر ثواب دیا (کہ نعیم ابدی کے مستحق ہوئے) اور اللہ تو انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں- (۱۴۸)

مسلمانو![1] اگر تم ان لوگوں کے کہنے میں آ گئے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (اور جو تمہیں دشمنوں کی کثرت و طاقت سے ڈراتے اور جنگ سے باز رہنے کی نصیحتیں کرتے ہیں) تو یاد رکھو وہ تمہیں راہ حق سے الٹے پاؤں پھرا دیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ (سعادت کی راہ چل کر پھر) تباہی و نامرادی میں جا گرو گے (یہ دشمنان حق تمہارے کارساز و رفیق نہیں ہو سکتے) (۱۴۹) تمہارا کارساز و رفیق تو اللہ ہے، مدد کرنے والوں میں اس سے بہتر مددگار کون ہو سکتا ہے؟ (۱۵۰)

وہ وقت دور نہیں کہ ہم منکرین حق کے دلوں میں تمہاری ہیبت بٹھا دیں گے- یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے خدا کے ساتھ ان ہستیوں کو بھی (خدائی میں) شریک ٹھہرا لیا ہے، جن کے لیے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی- ان لوگوں کا (بالآخر) ٹھکانا دوزخ ہے، اور جو ظالم ہیں تو ان کا ٹھکانا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۱۵۱)

---

[1] (۹) اعدائے حق اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تمہیں ایسی راہ لگانا چاہتے ہیں کہ راہِ حق سے بے دل ہو جاؤ- وہ تمہیں دشمنوں کی کثرت و طاقت کے افسانے سنا کر مرعوب کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر تم راہ حق میں ثابت قدم رہے اور انسانی طاقتوں کی جگہ اللہ کی کارسازی و رفاقت پر بھروسہ رکھا تو وہ وقت دور نہیں جب تمہاری ہیبت سے ان کے دل کانپ اٹھیں گے-

(۱۰) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ جن لوگوں کے سامنے اعتقاد و ہدایت کی کوئی روشن و ثابت حقیقت نہیں ہوتی اور خدا کو چھوڑ کر اعتماد و پرستش کے بہت سے ٹھکانے بنا لیتے ہیں، ان کے اندر عزم و یقین کی وہ روح نہیں ہو سکتی جو اہل حق و ایمان کے لیے مخصوص ہے- وہ جب کبھی کسی ایسی جماعت کے مقابلہ میں نکلیں گے جو ایمان و یقین کی روح سے معمور ہوگی تو خواہ کتنی ہی طاقت و شوکت رکھتے ہوں لیکن کبھی اسے مرعوب نہیں کر سکیں گے-

نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جو جماعت پیدا ہو گئی تھی اس کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا یہی حال تھا- وہ تعداد میں بہت اور سرو سامان میں طاقتور تھے مگر ایمان و یقین کی روح سے محروم تھے- مسلمان تعداد میں تھوڑے اور سرو سامان سے محروم تھے- مگر ایمان و یقین کی روح سے معمور تھے- نتیجہ یہ نکلا کہ قلت کی ہیبت سے کثرت کے دل کانپ اٹھے اور مٹھی بھر انسانوں نے عرب کی پوری آبادی کو شکست دے دی!

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

اور دیکھو! [۱] یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اپنا وعدۂ نصرت سچا کر دکھایا تھا جب کہ تم اس کے حکم سے دشمنوں کو بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے (اور ہر طرح جیت تمہاری ہی تھی) لیکن جب ہم نے تمہیں فتح مندی کا جلوہ دکھا دیا' جو تمہیں اس قدر محبوب ہے' تو تم نے کمزوری دکھلائی اور جنگ کے بارے میں باہم دگر جھگڑنے لگے (ایک گروہ نے کہا اب مورچے پر ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے نے کہا' نہیں ہم تو آخر تک یہیں جمے رہیں گے) اور بالآخر اپنے سردار کے حکم سے کہ اللہ کا رسول تھا) نافرمانی کر بیٹھے۔ تم میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو دنیا کے خواہش مند تھے۔ (یعنی مال غنیمت کے پیچھے پڑ گئے) کچھ ایسے تھے جن کی نظر آخرت پر تھی (یعنی مال غنیمت سے بے پرواہو کر اپنی جگہ جمے رہے اور شہید ہوئے) پھر ہم نے تمہارا رخ دشمنوں کی طرف سے پھرا دیا تا کہ تمہیں (اس حادثے سے) آزمائیں (اور اس طرح تمہاری فتح شکست سے بدل گئی) بہر حال خدا نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور بلاشبہ وہ مومنوں کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے! (۱۵۲)

وہ وقت بھی یاد کرو' جب تم (میدان جنگ سے) بھاگے جا رہے تھے اور (بدحواسی کا یہ حال تھا کہ) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر دیکھتا تک نہ تھا اور اللہ کا رسول' تھا کہ پیچھے سے پکار رہا تھا سو جب تمہارا یہ حال ہوا' تو اللہ نے بھی تمہیں رنج پر رنج دیا۔ تا کہ (اس حادثے سے عبرت پکڑو اور آئندہ) نہ تو اس چیز کے لیے غم کرو جو ہاتھ سے جاتی رہے' نہ اس مصیبت پر غمگین ہو' جو سر پر آپڑے۔ اور یاد رکھو' تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ (۱۵۳)

پھر [۲] (دیکھو) ایسا ہوا کہ اللہ نے (ابتری و پریشانی کے) غم و افسوس کے بعد تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (یعنی یکا یک تمہارے دل اس طرح مطمئن ہو گئے۔ کہ خوف و ہراس کا احساس تک باقی نہ رہا) یہ حالت ایک گروہ پر چھا گئی تھی' لیکن تم

[۱] (۱۱) منافق تمہیں جنگ احد کی شکست یاد دلا کر ڈرا رہے ہیں تا کہ آئندہ دشمنوں کے مقابلہ کی جرأت نہ کرو' لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ احد کے میدان میں جو کچھ پیش آیا' اس کی حقیقت کیا ہے؟ خدا کا وعدۂ نصرت اس موقع پر بھی پورا ہوا تھا اور دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ لیکن جب تم نے عین حالت جنگ میں حکم رسول کی نافرمانی کی اور ایک گروہ مال غنیمت لوٹنے کی طمع میں مورچہ چھوڑ کر تتر بتر ہو گیا تو میدان جنگ کی ہوا پلٹ گئی اور فتح ہوتے ہوتے شکست ہو گئی۔ پس یہ جو کچھ ہوا دشمنوں کی طاقت و کثرت سے نہیں ہوا جس سے منافق تمہیں ڈرا رہے ہیں' بلکہ تمہاری نافرمانی اور بے ہمتی سے ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ دشمنوں کی طاقت و کثرت سے مرعوب ہو۔ بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ اپنے اندر صبر اور تقویٰ کی سچی روح پیدا کرو!

[۲] (۱۲) جب مسلمانوں کی بڑی تعداد مضطرب ہو کر بھاگنے لگی تو پیغمبر اسلام (ﷺ) چند جاں نثاروں کے حلقہ میں کھڑے پکار رہے تھے "الی عباد الله الی عباد الله!" "خدا کے بندو! میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو!" ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف ⇦

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ

میں ایک دوسرا گروہ تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں ہی کی پڑی تھی' اور اللہ کی جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون و اوہام رکھتا تھا- اس گروہ کے لوگ کہتے تھے "جو کچھ ہوا اس میں ہمارے اختیار کی کیا بات تھی" (یعنی ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم کچھ کرتے) اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو' (اس معاملہ ہی پر کیا موقوف ہے) ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں' (لیکن اللہ ہی نے ہر نتیجے کے لیے اس کے اسباب بھی مقرر کر دیے ہیں) اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے- ان کے کہنے کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہمارے لیے (فتح و کامرانی میں سے) کچھ ہوتا' تو میدان جنگ میں نہ مارے جاتے' اے پیغمبر! ان سے کہہ دو 'اگر تم اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے جب بھی جن کے لیے مارا جانا تھا وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ پہنچ کر رہتے!

اور یہ (جنگ احد میں جو کچھ پیش آیا' تو اس میں طرح طرح کی مصلحتیں پوشیدہ تھیں- از اں جملہ یہ کہ) اللہ کو منظور تھا' جو کچھ تمہارے سینوں میں چھپا ہوا ہے' اس کے لیے تمہیں آزمائش میں ڈالے' اور جو کدورتیں تمہارے دلوں میں پیدا ہو گئی تھیں' انہیں پاک و صاف کر دے- اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے! (۱۵۴)

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن لڑائی سے منہ موڑ لیا تھا- جس دن دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے' تو ان

⇦ اشارہ ہے- جو لوگ ایمان و اخلاص میں پکے تھے اور محض صورت حال کے فوری اثر نے انہیں گھبرا دیا تھا' وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی آواز سنتے ہی چونک اٹھے- انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اچانک ایک مدہوشی کی سی حالت طاری ہو گئی اور اس مدہوشی میں سارا خوف و ہراس فراموش ہو گیا- چنانچہ وہ فوراً پلٹے اور نہ صرف دشمنوں کو میدان جنگ سے بھگا ہی دیا بلکہ حمراء الاسد نامی مقام تک جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ان کے تعاقب میں بڑھے چلے گئے! لیکن جو لوگ دل کے کچے یا منافق تھے انہیں اپنی جانوں ہی کی فکر لگی رہی- وہ کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اگر خدا فتح و نصرت دیتا تو ایسی حالت پیش ہی کیوں آتی؟ قرآن کہتا ہے یہ عہد جاہلیت (یعنی عرب کے قبل از اسلام زمانے) کے سے خیالات ہیں اور ان دلوں میں نہیں گزر سکتے جو اسلام کی تعلیم سے روشن ہو چکے ہیں' بلاشبہ فتح و نصرت اللہ ہی کے ہاتھ ہے' لیکن وہ فتح و نصرت انہی کو دیتا ہے جو صبر اور تقویٰ میں پکے ہوتے ہیں-

☆☆ (۱۴) جس طرح جنگ بدر کی فتح مندی سے مسلمانوں کی تربیت مدنظر تھی اسی طرح جنگ احد کی عارضی شکست میں بھی تربیت کا پہلو پوشیدہ تھا- ایک دوڑنے والے کی مشق کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہوتا کہ بے روک دوڑتا چلا جائے بلکہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک دو مرتبہ گر کر گرنے اور سنبھلنے کا سبق بھی سیکھ لے- بدر کی فتح مندی نے استعداد و سعی کی برکتیں دکھلا دی تھیں' ضرورت تھی کہ اب کمزوری و تغافل کے نتائج کا بھی تجربہ ہو جائے- چنانچہ احد کے حادثے نے یہ مقصد پورا کر دیا!

بدر کی فتح اور تائید الٰہی کی بشارتوں نے بہت سے مسلمانوں میں ایک طرح کی بے پروائی اور غفلت پیدا کر دی تھی' وہ سعی و تدبیر کی کاوشوں سے بے نیاز ہو گئے تھے' اور سمجھنے لگے تھے کہ ہم کوشش کریں یا نہ کریں' ہر حال میں ہمارے لیے فتح ہی فتح ہے- ⇦

إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

کی اس لغزش کا باعث صرف یہ تھا کہ بعض کمزوریوں کی وجہ سے جو انہوں نے پیدا کر لی تھیں' شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیے- (یہ بات نہ تھی کہ ان کے ایمان میں فتور آ گیا ہو- بہر حال) یہ واقعہ ہے کہ خدا نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی' وہ یقیناً بخش دینے والا اور (انسان کی کمزوریوں کے لیے) بہت بردبار ہے! (۱۵۵)

مسلمانو! دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور جن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر ان کے بھائی بند سفر میں گئے ہوں یا لڑائی میں مشغول ہو گئے ہوں اور انہیں موت پیش آ جائے' تو کہنے لگتے ہیں "اگر یہ لوگ گھر سے نہ نکلتے اور ہمارے پاس ٹھہرے رہتے تو کاہے کو مرتے یا مارے جاتے؟"

حالانکہ ایک خدا پرست دل میں کبھی ایسے خطرات نہیں گزر سکتے- اور یہ بات جو تمہیں کہی گئی' تو اس لیے کہی گئی) تا کہ اللہ اس بات کو (یعنی تمہارے دلوں کی بے خوفی اور ایمان کی مضبوطی کو) منکرین حق کے دلوں کے لیے داغ حسرت بنا دے (کہ کسی حال میں بھی تمہیں کمزور اور بے ہمت نہ کر سکیں) یاد رکھو اللہ ہی کے ہاتھ موت اور زندگی کا سر رشتہ ہے- اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کی نگاہ سے چھپا نہیں! (۱۵۶)

اور (دیکھو) اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے یا اپنی موت مر گئے تو اللہ کی طرف سے جو رحمت و بخشش تمہارے حصے میں آئے گی یقیناً وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کی پونجی لوگ جمع کیا کرتے ہیں! (۱۵۷)

⇦ اس طرح کی خام خیالیاں ابتدائی فتح مندیوں کے بعد پیدا ہو جایا کرتی ہیں- لیکن یہ ایک خطرناک حالت تھی- اس کا نتیجہ غفلت و غرور تھا' اور ضروری تھا کہ اس کی نشوونما روک دی جائے- پس احد کے تجربے نے مسلمانوں کو بتلا دیا کہ خدا کی تائید و نصرت کا وعدہ برحق ہے لیکن اس کے تمام کاموں کی طرح اس کی تائید و نصرت کے بھی سنن و قوانین ہیں' اور ضروری ہے کہ انہی کے مطابق نتائج بھی ظہور میں آئیں- جو جماعت کمزوری و غفلت میں مبتلا ہو جائے گی' صبر و ثبات میں پوری نہیں اترے گی' اطاعت و نظام میں کچی ہو گی' وہ کبھی خدا کی تائید و نصرت کی مستحق نہیں ہو سکتی!

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پہلے بھی اس مصلحت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ﴾ اور یہاں بھی فرمایا ﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾- یہ اس لیے ہوا تا کہ تمہارے دلوں میں جو کدورتیں پیدا ہو گئی تھیں ان سے تمہیں پاک و صاف کر دیا جائے-

(۱۴) سچا مومن وہ ہے جو موت سے نہیں ڈرتا' اور کبھی اس ڈر سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتا- وہ کہتا ہے' موت سے تو کسی حال میں مفر نہیں- پھر کیوں نہ اس موت کا استقبال کیا جائے جو حق کی راہ میں پیش آئے اور جس کا نتیجہ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہو؟ لیکن جن لوگوں کے دل ایمان سے محروم ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ راہ حق میں لوگوں کو موت پیش آ گئی' تو کہتے ہیں' اگر ان لوگوں نے یہ راہ اختیار نہ کی ہوتی تو کیوں اس نتیجے سے دوچار ہوتے؟ گویا موت صرف جنگ ہی میں آ سکتی ہے- جو آدمی اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں!

وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَى اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ‌ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ‌ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ‌ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنۡ يَّغُلَّ‌ؕ وَمَنۡ يَّغۡلُلۡ يَاۡتِ

اور (یاد رکھو) خواہ تم اپنی موت مرو یا مارے جاؤ' ہر حال میں ہونا یہی ہے کہ اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے! (۱۵۸)

(اے پیغمبر!)[1] یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے- اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے (ان کے دل تمہاری طرف اس طرح نہ کھنچتے جس طرح اب بے اختیار کھنچ رہے ہیں) پس ان لوگوں کا قصور معاف کر دو اور اللہ سے بھی ان کے لیے بخشش طلب کرو- نیز اس طرح کے معاملات میں (یعنی امن و جنگ کے معاملات میں) ان سے مشورہ کر لیا کرو- پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا تو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کرو (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے اس پر کاربند ہو جاؤ) یقیناً اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرنے والے ہیں! (۱۵۹)

مسلمانو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آ سکے' لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ بیٹھے' تو بتلاؤ' کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار ہو سکتا ہے؟ (یقین کرو) صرف اللہ ہی کی ذات ہے- پس جو مومن ہیں' وہ اسی پر بھروسہ رکھیں! (۱۶۰)

اور[2] (دیکھو) خدا کے نبی سے یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ وہ (فرض نبوت ادا کرنے میں) کسی طرح کی خیانت کرے (کیونکہ جو نبی ہوگا' وہ خائن نہیں ہو سکتا) اور جو کوئی خیانت کرتا ہے' تو جو کچھ اس نے خیانت کی ہے (اسے دنیا میں

---

[1] (۱۵) اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام (ﷺ) سے خطاب موعظت اور منصب امامت کی بعض اصولی مہمات:

(۱) یہ اللہ کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تمہارے دل میں نرمی اور مزاج میں سرتا سر شفقت ہے- اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کے دل تمہاری طرف بے اختیار نہ کھنچتے جس طرح اب کھنچ رہے ہیں-

(ب) جنگ احد میں ایک گروہ کی لغزش بڑی ہی سخت لغزش تھی' تاہم تمہاری شفقت کا مقتضا یہی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لو-

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ صلح و جنگ کا کوئی معاملہ بغیر مشورے کے انجام نہ پائے-

(د) اس بارے میں دستور العمل یہ ہے کہ پہلے جماعت سے مشورہ کرو- پھر مشورے کے بعد کوئی ایک بات ٹھان لو- اور جب ایک بات ٹھان لی تو اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ- شوریٰ اپنے محل اور وقت میں ضروری ہے' عزم اپنے محل اور وقت میں- جب تک مشورہ نہیں کیا ہے فیصلہ و عزم کا سوال نہیں اٹھتا' لیکن جب مشورے کے بعد عزم کر لیا گیا تو وہ عزم ہے اور کوئی رائے اور کوئی نکتہ چینی' کوئی مخالفت اسے متزلزل نہیں کر سکتی!

امام کے لیے ضروری ہے کہ جماعت سے مشورہ کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ صاحب عزم ہو!

[2] (۱۶) مسلمانوں کی جماعت سے خطاب کہ جب پیغمبر اسلام کا طریق کار یہ ہے کہ ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کر لیا کریں تو تمہارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ان کے تمام احکام و عزائم کی بے چون و چرا اطاعت کرو- وہ اللہ کے نبی ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا نبی خلق اللہ کی امامت و پیشوائی کے فرائض میں کسی طرح کی خیانت کرے-

⇦

بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

النصف

لوگوں کی نظروں سے کتنا ہی چھپائے لیکن) قیامت کے دن نہیں چھپا سکے گا- وہ اس کے ساتھ آئے گی- پھر ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق پورا پورا بدلہ ملنا ہے- یہ نہ ہوگا کہ کسی کے ساتھ بھی ناانصافی کی جائے-(۱۶۱)

کیا ایسا آدمی جس نے اللہ کی خوشنودیوں کی راہ اختیار کی ہے (اور جو کام کرتا ہے اللہ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے) اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس نے (اپنی بدعملیوں سے) اللہ کا غضب بٹورا' اور جس کا ٹھکانا جہنم جیسا برا ٹھکانا ہوا؟ (۱۶۲) (نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا) اللہ کے نزدیک لوگوں کے (الگ الگ) مرتبے ہیں' اور جیسے کچھ ان کے اعمال ہیں' وہ انہیں دیکھ رہا ہے! (۱۶۳)

بلاشبہ' یہ اللہ کا مومنوں پر بڑا ہی احسان تھا کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیج دیا جو انہی میں سے ہے- وہ اللہ کی آیتیں سناتا ہے' ہر طرح کی برائیوں سے انہیں پاک کرتا ہے' اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے (اس نے ہدایت کی راہ ان پر کھول دی) حالانکہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے! (۱۶۴)

جب (جنگِ احد میں) تم پر مصیبت پڑی اور یہ مصیبت ایسی تھی کہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (بدر میں) دشمنوں پر پڑ چکی ہے' تو تم بول اٹھے "یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آ پڑی" اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو (ہاں مصیبت تو ضرور آ پڑی مگر) خود تمہارے ہی ہاتھوں آئی (اگر تم کمزوری نہ دکھاتے اور احکامِ حق کی اطاعت کرتے تو کبھی یہ مصیبت پیش نہ آتی) یاد رکھو اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ہے! (۱۶۵)

⇐ اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ دنیا میں سچے انسان کی زندگی جھوٹے انسان سے اپنی ہر بات میں اس درجہ مختلف ہوتی ہے' کہ ممکن نہیں' کسی طرح کا دھوکا ہو سکے- ایک بدکار آدمی بناوٹ سے اپنے آپ کو کتنا ہی نیک ظاہر کرے' لیکن بناوٹ پھر بناوٹ ہے- کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کر بیٹھے گا کہ اصلیت آشکارا ہو جائے گی- تلاوت آیات' تزکیۂ قلوب اور تعلیم کتاب و حکمت جس وجودِ گرامی کے اعمال ہیں' کیونکر ممکن ہے کہ ادائے فرض امامت میں کسی طرح کی خیانت کا اس سے ارتکاب ہو؟

ل (۱۷) جنگِ احد کا معاملہ منافقوں کے لیے جو مخلص مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے زندگی بسر کر رہے تھے' ایک فیصلہ کن آزمائش تھی- اس موقع پر ان کا نفاق پوری طرح کھل گیا- جنگ کے ابتدائی مشورے سے لے کر جنگ کے بعد تک' کوئی موقع ایسا نہیں آیا کہ فتنہ پردازی سے باز رہے ہوں- جب کثرتِ رائے سے یہ بات قرار پائی کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے' تو لوگوں کو بہکانے لگے کہ باہر نکل کے لڑنا موت کے منہ میں جانا ہے- جب ان سے کہا گیا کہ اچھا' شہر کی مدافعت کرو تو لگے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے- کہتے تھے ہمیں امید نہیں کہ لڑائی کی نوبت آئے- اگر امید ہوتی تو ضرور تیاری کرتے- پھر جب لوگوں کی کمزوری اور نافرمانی سے فتح ہوتے ہوتے شکست ہوگئی تو انہیں فتنہ و شرارت ⇐

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ

اور (دیکھو) دو گروہوں کے مقابلے کے دن تمہیں جو کچھ پیش آیا (یعنی جنگِ احد میں جو کچھ پیش آیا) تو اللہ ہی کے حکم سے پیش آیا (کیونکہ اس نے فتح و شکست کا قانون ایسا ہی ٹھہرا دیا ہے) اور اس لیے پیش آیا' تا کہ ظاہر ہو جائے ایمان رکھنے والے کون ہیں' نفاق والے کون ہیں (۱۶۶) (چنانچہ منافقوں کا نفاق اس موقع پر پوری طرح کھل گیا) جب ان سے کہا گیا کہ آؤ (وقت کا فرض انجام دیں) یا تو اللہ کی راہ میں (باہر نکل کے) جنگ کرو' یا (شہر میں رہ کر) دشمنوں کا حملہ روکو- تو کہنے لگے "اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی ضرور ہوگی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے' یقین کرو جس وقت انہوں نے یہ بات کہی' تو وہ کفر سے زیادہ نزدیک تھے بمقابلہ ایمان کے! یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو فی الحقیقت ان کے دلوں میں نہیں ہے- اور جو کچھ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں خدا اس سے بے خبر نہیں! (۱۶۷)

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود تو (جنگ کے وقت) اپنے گھروں میں بیٹھ رہے' لیکن اب اپنے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں "اگر ہماری بات پر چلے ہوتے تو کبھی نہ مارے جاتے" اے پیغمبر! تم کہہ دو' اچھا' اگر تم واقعی (اپنے اس خیال میں) سچے ہو تو جب موت تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو' تو اسے نکال باہر کرنا (اور اپنی چترائی اور پیش بینی سے ہمیشہ زندہ رہنا)! (۱۶۸)

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں' ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مر گئے- نہیں وہ زندہ ہیں-

---

⇦ کا نیا موقع ہاتھ آ گیا- کبھی کہتے' یہ سب کچھ اسی لیے ہوا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی- کبھی کہتے روز روز کی لڑائیوں سے کیا فائدہ؟ نجات اسی میں ہے کہ دشمنوں کو راضی کر لیا جائے- مقصود یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی اور ہراس پیدا کر دیں اور ان کی کوئی بات بھی ٹھیک طور پر بن نہ سکے-

احد کے میدان سے جاتے ہوئے دشمن کہہ گئے تھے کہ آئندہ سال پھر آئیں گے اور آخری فیصلہ کر کے جائیں گے- دوسرے سال جب وہ وقت آیا تو مسلمان تیار ہو کر باہر نکلے' لیکن دشمنوں کا کوئی پتہ نہ تھا- انہیں مکہ سے نکلنے کی جرأت ہی نہ ہوئی- مسلمان چند دن انتظار کر کے خوش دل اور کامیاب واپس آ گئے- لیکن اس موقع پر بھی منافقوں نے (دشمنوں سے مل کر ہر طرح کی شرارتیں کیں- دشمن چاہتے تھے کہ ڈر جانے کی ذلت ان کے حصے میں نہ آئے- مسلمانوں کے حصے میں آئے اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ مسلمان جنگ کے لیے آمادہ نہ ہوں- چنانچہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے مخبر بھیجے گئے' اور بہت سی جھوٹی افواہیں مشہور کر دی گئیں- منافق انہیں پھیلاتے اور مسلمانوں کو سرگرمی سے باز رکھنا چاہتے- یہاں ان تمام باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور منافقوں کو آخری مہلت دی گئی ہے کہ اپنی منافقانہ روش سے باز آ جائیں ورنہ وقت آ گیا ہے کہ اللہ ان کے چہروں پر سے نفاق کا پردہ اٹھا دے گا-

ان آیات میں منافقوں کی جو نفسیاتی حالت دکھائی گئی ہے' وہ کوئی مخصوص صورتِ حال نہیں ہے- اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ جماعت کے کمزور اور مذبذب افراد ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیدا کر دیا کرتے ہیں-

عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۙ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَـكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ

اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں! (۱۶۹)

اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے' اس سے خوش حال ہیں' اور جو لوگ ان کے پیچھے (دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے ملے نہیں' ان کے لیے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا کھٹکا ہوگا - نہ کسی طرح کی غمگینی!

وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے عطیوں سے مسرور ہیں - نیز اس بات سے کہ انہوں نے دیکھ لیا' اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی اکارت نہیں کرتا! (۱۷۱)

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے) باوجودیکہ (ایک برس پہلے جنگ احد کا) زخم کھا چکے تھے' سو یاد رکھو' ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں یقیناً ان کے لیے اللہ کے حضور) بہت بڑا اجر ہے! (۱۷۲)

یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض آدمی کہتے تھے ''تم سے جنگ کرنے کے لیے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ اکٹھا کر لیا ہے - پس چاہیے کہ ان سے ڈرتے رہو (اور مقابلے کے لیے باہر نہ نکلو) لیکن (بجائے اس کے کہ یہ بات سن کر وہ ڈر جاتے) ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا - وہ (بے خوف و خطر ہو کر) بول اٹھے ''ہمارے لیے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے - اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا اس کا کارساز ہے!'' (۱۷۳)

پھر (ایسا ہوا کہ یہ لوگ بے خوف ہو کر نکلے اور) اللہ کی نعمت اور فضل سے شاد کام واپس آ گئے - کوئی گزند انہیں نہ چھو سکا وہ اللہ کی خوشنودیوں کی راہ میں گامزن ہوئے - (یہ اللہ کا فضل تھا) اور اللہ بڑا فضل رکھنے والا ہے! (۱۷۴)

(اور یہ جو دشمنوں کا بھیجا ہوا ایک مخبر تمہیں بہکانا چاہتا تھا' تو) یہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا ہے - اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو' اللہ سے ڈرو - (۱۷۵)

(اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ میں دوڑ رہے ہیں' ان کی یہ حالت دیکھ کر تم آزردہ خاطر نہ ہونا - یقین رکھو' وہ خدا (کے

(۱۸) حکمت الٰہی نے دنیا کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں نیکی اور بدی' حق اور باطل' عدالت اور ظلم دونوں کو مہلت ملتی ہے۔ ⇦

يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰي يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا

کاموں) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (البتہ اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں) خدا چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت (کی بخششوں اور نعمتوں) میں کوئی حصہ نہ رکھے (کیونکہ اس کا قانون سعادت وشقاوت ایسا ہی ہے) اور بالآخر ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے! (۱۷۶)

جن لوگوں نے ایمان (کی پونجی) دے کر کفر کا سودا چکایا ہے تو وہ خدا (کے کاموں) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ان کے لیے (پاداش عمل میں) دردناک عذاب تیار ہے! (۱۷۷)

اور یہ جو ہم ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (زندگی اور سروسامانِ زندگی کی مہلت دے کر) ڈھیل دے رہے ہیں، تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ڈھیل ان کے حق میں بہتری ہے۔نہیں، ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں کہ (اگر بدعملیوں سے باز آنے والے نہیں تو) اپنے گناہ میں اور زیادہ (جواب دہ) ہو جائیں، اور بالآخر ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے! (۱۷۸)

ایسا نہیں ہو سکتا[1] کہ اللہ ایمان والوں کو اسی حالت میں چھوڑ رکھے جس حالت میں تم آج کل اپنے آپ کو پاتے ہو، (کہ منافق اور مومن دونوں ملے جلے زندگی بسر کر رہے ہیں) وہ ضرور ایسا کرے گا کہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے (اور منافق مومنوں سے الگ پہچان لیے جائیں)۔

اور خدا کے کاموں کا یہ ڈھنگ بھی نہیں کہ وہ (اس بارے میں) تمہیں غیب کی خبریں دے دے (یعنی جن لوگوں کے دلوں میں نفاق پوشیدہ ہے، ان کے نام ظاہر کر دے) لیکن ہاں، وہ اپنے رسولوں میں سے جس کسی کو چاہتا ہے، اس بات کے لیے چن لیتا ہے (اور انہیں جو کچھ بتلانا ہوتا ہے، بتلا دیتا ہے۔سو اس بارے میں بھی وہ جو کچھ چاہے گا، اپنے رسول کو بتلا دے گا) پس (اے گروہ منافقین! اب تمہارے لیے اصلاح حال کی آخری مہلت ہے) چاہیے کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر (سچے دل سے) ایمان لے آؤ۔اگر تم (اب بھی) ایمان لے آئے اور برائیوں سے بچے۔تو یقین کرو تمہارے

⇐ اور خدا کا قانون رحمت یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہلت اور ڈھیل دے۔پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔یہ بات دیکھنی چاہیے کہ آخری کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے؟ عمل حق کے لیے بالآخر بقا ہے اور عمل باطل کے لیے بالآخر نیست ونابود ہو جانا۔

[1] (۱۹) منافقوں کو بہت مہلت دی جا چکی ہے! اب وقت آ گیا ہے کہ اللہ سچے مومنوں میں اور ان میں امتیاز کر دے۔باقی رہی یہ بات کہ اللہ اپنے کلام میں کیوں نام بنام منافقوں کا ذکر نہیں کر دیتا تو یہ اس کی سنت کے خلاف ہے۔اس کی سنت اس بارے میں یہی ہے کہ جو شخص اپنے فساد سے باز نہیں آئے گا، خود اس کا فساد ہی اس کی بروقت تشہیر کر دے گا!

بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

ربع · وقف لازم

لیے اجر عظیم ہے! (۱۷۹) جن لوگوں[1] کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مقدور دیا ہے اور وہ مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں' تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ایسا کرنا ان کے لیے کوئی بھلائی کی بات ہے۔ نہیں وہ تو ان کے لیے بڑی ہی برائی ہے۔ قریب ہے کہ قیامت کے دن یہ مال و متاع جس کو بٹورنے کے لیے وہ بخل کر رہے ہیں' ان کے گلوں میں (عذاب کا) طوق بنا کر پہنا دیا جائے! اور (یاد رکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی میراث ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کے علم سے مخفی نہیں! (۱۸۰) بلاشبہ[2] اللہ نے ان لوگوں کا کہنا سن لیا ہے جنہوں نے یہ بات کہی کہ ''اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں'' (کہ بار بار اس کے نام پر ہم سے مال طلب کیا جاتا ہے؟) سو قریب ہے کہ جو بات انہوں نے کہی ہے' ہم ان کے لیے لکھ دیں۔ (یعنی یہ انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت کی ہنسی اڑاتے ہیں' اور خدا کو محتاج کہتے ہیں تو عنقریب اس کی پاداش میں یہ خود محتاج اور تباہ حال ہو جائیں) اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (کہ ان کے نامہ اعمال کی سب سے بڑی شقاوت ہے) اور (اس وقت جب اس شقاوت کا نتیجہ پیش آئے گا تو) ہم کہیں گے اب (پاداش عمل میں) عذاب جہنم کا مزہ چکھو! (۱۸۱) تم جو کچھ اپنے ہاتھوں اپنے لیے مہیا کر چکے ہو یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اللہ کے لیے تو یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو! (۱۸۲)

---

[1] (۲۰) منافقوں پر جنہوں نے مصلحت وقت دیکھ کر دعوت اسلام کا ساتھ دیا تھا' راہ حق میں مال و دولت کا خرچ کرنا بہت شاق گذرتا تھا۔ وہ خود بھی بخل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتے تھے۔ یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

[2] سلسلہ بیان کا وہ حصہ جو جنگ احد کے ذکر سے شروع ہوا تھا یہاں ختم ہوتا ہے اور وہی بیان پھر چھڑ جاتا ہے جو اس ذکر سے پہلے تھا۔ یعنی اہل کتاب سے مخاطبہ اور دعوت حق کی فتح مندی کا اعلان۔ چونکہ احد کے بیان میں منافقوں کا ذکر چھڑ گیا تھا اور منافقوں کا گروہ زیادہ تر یہودیوں کا گروہ تھا' اس لیے سلسلہ بیان خود بخود اہل کتاب کی طرف مڑ گیا ہے۔

ہر دعوت کے ابتدائی عہد کی طرح اسلام کا ابتدائی عہد بھی تنگی و سختی کا عہد تھا' اور خدمت حق کے لیے مال کی ضرورت برابر پیش آتی رہتی تھی۔ منافقوں پر یہ بات شاق گزرتی جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ وہ کہتے' یہ جو بار بار خدا کے نام پر مال طلب کیا جا رہا ہے' تو کیا خدا محتاج ہو گیا ہے' اور ہمارے پاس ذخیرے بھرے پڑے ہیں کہ برابر لٹاتے ہی رہیں؟

خدا نے ان کا یہ قول یہاں نقل کیا ہے اور چونکہ منافقوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو یہودیت چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے' اور یہودیت ان کے دلوں میں بسی ہوئی تھی' اس لیے ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو یہودی گمراہی کی سب سے بڑی شقاوت رہ چکی ہے۔ یعنی ﴿ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ خدا کے نبیوں سے ان کا سرکشی کرنا اور ان کے قتل میں بے باک ہو جانا۔

مدینہ کے علمائے یہود جب دعوت اسلام کے خلاف تمام دلیلوں میں ہار چکے تو آخر ڈھونڈ ڈھانڈ کر یہ بات نکالی کہ ہمیں تورات میں سوختنی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم اسی نبی کو سچا مانیں گے جو سوختنی قربانی کے عمل کے ساتھ آیا ہو۔ سوختنی ⇐

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

جو لوگ کہتے ہیں "اللہ ہم سے عہد لے چکا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا لیتی ہو" تو تم ان سے کہہ دو (اگر تمہارے رد و قبول کی کسوٹی یہی ہے تو بتلاؤ) مجھ سے پہلے اللہ کے کتنے ہی رسول سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور اس بات کے ساتھ آئے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو (یعنی سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ) پھر اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو کیوں تم (نے انہیں قبول نہیں کیا اور کیوں ایمان لانے کی جگہ) انہیں قتل کرتے رہے! (۱۸۳)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ اگر آج تمہیں جھٹلا رہے ہیں، تو (یہ کوئی ایسی بات نہیں جو تمہارے ہی ساتھ ہوئی ہو) تم سے پہلے کتنے ہی رسول ہیں جو (اسی طرح) جھٹلائے گئے۔ باوجودیکہ (سچائی کی) روشن دلیلیں، (حکمت و موعظت کے) صحیفے، اور (شریعت کی) روشن کتاب ان کے ساتھ تھی۔ (۱۸۴) (مسلمانو! یاد رکھو) ہر جان کے لیے (بالآخر) موت کا مزہ چکھنا ہے، اور جو کچھ تمہارے اعمال کا بدلہ ملنا ہے وہ قیامت ہی کے دن پورا پورا ملے گا اس دن جو شخص آتش دوزخ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل ہو گیا، تو کامیابی اسی کی کامیابی ہوئی اور دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (خواہشوں اور ولولوں کی کام جوئیوں کا) کارخانہ فریب ہے! (۱۸۵)

(یاد رکھو) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ۔ یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے تمہیں دکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں۔ لیکن اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصیبتوں میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ

⇦ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ یہودی جانوروں کی قربانی کر کے ان کا گوشت آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تورات کی تیسری کتاب احبار کی پہلی فصل میں اس کا طریقہ بہ تفصیل بیان کیا گیا ہے۔ قرآن ان کا یہ اعتراض نقل کر کے کہتا ہے، اگر تمہاری قبولیت کا دار و مدار اسی بات پر ہے، تو بتلاؤ تم نے ان نبیوں کو کیوں قتل کیا جو بقول تمہارے، سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ آئے تھے؟

ا پیروانِ دعوتِ حق سے خطاب کہ تم نے قیامِ حق کی خدمتِ عظیم اپنے سر لی ہے تو ضروری ہے کہ اس راہ کی تمام آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑے۔ اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں تمہاری مخالفت میں کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ وہ طرح طرح کی اذیتیں تمہیں پہنچائیں گے اور تمہیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ تمہاری کامیابی کے لیے اصلی چیز صبر اور تقویٰ ہے۔ اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ دیا، تو یقین کرو بالآخر فتح مندی تمہارے لیے ہے!

اللہ نے اہل کتاب کو اپنی کتاب کا حامل بنایا تھا اور ان سے عہد لیا تھا کہ اس کے احکام کی تعلیم و تلقین اپنا فرض سمجھیں گے، لیکن وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے اور عہد الٰہی فراموش کر دیا۔ بایں ہمہ انہیں اب تک اہل کتاب ہونے کا گھمنڈ ہے۔ وہ چاہتے ہیں دنیا اس بات کے لیے انہیں سراہے، جو نہ تو انہوں نے کی ہے اور نہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ضمناً پیروانِ دعوتِ قرآن کو موعظت کہ اہل کتاب کی محرومی و شقاوت کا بڑا سبب یہی گمراہی ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی میں مبتلا ہو جاؤ۔

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ٝ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا

ع ۱۹ / ۱۰

کا شیوہ اختیار کیا (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچے رہے) تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں یہ بڑے ہی عزم وہمت کی بات ہوگی۔(۱۸۶)
اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے' ان سے خدا نے اس بات کا عہد لیا تھا کہ (جو کچھ اس کتاب میں ہے) اسے لوگوں پر واضح کرتے رہنا' اور ایسا نہ کرنا کہ (بتلانے اور اعلان کرنے کی جگہ) چھپانے لگو' لیکن انہوں نے (یہ عہد یوں پورا کیا کہ) کتاب اللہ پیٹھ پیچھے ڈال دی' اور اسے تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالا (یعنی دنیا کے حقیر فائدوں کے لیے حق فروشی کرنے لگے) پس کیا ہی برا وہ دام ہے جو (حق فروشی کے بدلے) حاصل کیا گیا! (۱۸۷)
(اے پیغمبر!) جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہو رہے ہیں' اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کے لیے سراہے جائیں جو انہوں نے کبھی نہیں کیے' تو تم ہرگز ایسا نہ سمجھنا کہ وہ (آنے والے) عذاب سے بچے رہیں گے۔ نہیں یقیناً ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے! (۱۸۸) اور (دیکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے' اور اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی بات باہر نہیں! (۱۸۹) بلاشبہ آسمان اور زمین کی خلقت میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں' اربابِ دانش کے لیے (معرفت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (۱۹۰) وہ اربابِ دانش' جو کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں' لیٹے ہوئے ہوں (لیکن ہر حال میں اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے)

ل آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کے زیر فرمان ہے۔ پس اگر وہ تمہیں کامرانی و سربلندی عطا فرمانا چاہے تو تمہاری راہ کون روک سکتا ہے؟ لیکن شرطِ کامیابی یہ ہے کہ راہِ حق میں استوار رہو۔ حق کی معرفت و استقامت کا سرچشمہ' اللہ کا ذکر اور کائنات خلقت میں تفکر ہے۔
ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے تمہارا دل خالی نہ رہے۔
فکر سے مقصود یہ ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت اور کائنات فطرت کے حوادث و مظاہر میں غور و فکر کرتے رہو۔
ذکر سے تمہارے دل کی غفلت دور ہوگی۔
فکر سے تم پر حقیقت کی معرفت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔
جن لوگوں کے دل غفلت سے پاک ہوتے ہیں اور کائنات خلقت میں تفکر کرتے ہیں' ان پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ تمام کارخانہ ہستی اور اس کا عجیب و غریب نظام بغیر کسی اعلیٰ مقصد اور نتیجہ کے نہیں ہو سکتا' اور ضروری ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہو اور جو کچھ اس زندگی میں کیا جاتا ہے اس کے نتائج اس زندگی میں پیش آئیں۔ ⇦

وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسۡتَجَابَ لَہُمۡ رَبُّہُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ اُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ قٰتَلُوۡا وَ قُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ

جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں۔(اس ذکر وفکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔وہ پکار اٹھتے ہیں:) خدایا! یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلاشبہ بیکار وعبث نہیں پیدا کیا ہے (ضروری ہے کہ یہ کارخانۂ ہستی جو اس حکمت وخوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے' کوئی نہ کوئی مقصد وغایت رکھتا ہو) یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک بیکار کام تجھ سے صادر ہو! خدایا! ہمیں عذاب آتش سے (جو دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچالیجیو! (۱۹۱)

خدایا! جس (بدبخت) کے لیے ایسا ہو کہ تو اسے دوزخ میں ڈالے' تو بلاشبہ تو نے اسے بڑی ہی خواری میں ڈالا' اور (جس دن ایسا ہوگا' تو اس دن) ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا! (۱۹۲)

خدایا! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی' جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ''لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ'' تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ایمان لے آئے۔ پس خدایا! ہمارے گناہ بخش دے' ہماری برائیاں مٹادے اور (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو! (۱۹۳)

خدایا! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے' اور (اپنے لطف وکرم سے) ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں ذلت وخواری نصیب نہ ہو! بلاشبہ تو ہی ہے کہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا! (۱۹۴)

(جب ارباب دانش کے فکر وعمل کی صدائیں یہ تھیں) تو ان کے پروردگار نے بھی ان کی دعائیں قبول کرلیں۔(خدا نے فرمایا) بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا' مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو (اور عمل کے نتائج کا قانون سب کے لیے یکساں ہے) پس (دیکھو) جن لوگوں نے (راہ حق میں) ہجرت کی' اپنے گھروں سے نکالے گئے' میری راہ میں ستائے گئے' اور پھر (راہ حق میں) لڑے اور قتل ہوئے تو (ان کے یہ اعمال حق کبھی رائگاں جانے والے نہیں)۔

⇦ جب یہ حقیقت ان پر کھلتی ہے تو ان کی روح خدا پرستی کے جوش سے معمور ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھکا دیتے ہیں اور اس سے بخشش ورحمت کے طلبگار رہتے ہیں!

اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا عمل نیک ضائع نہیں کرتا۔ عمل حق ایک ایسی حقیقت ہے جو ضائع ہو ہی نہیں سکتی۔ پس جو لوگ حق پرستی کی راہ میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں' وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال حق کے ثمرات کبھی ضائع ہونے والے نہیں۔

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

الثلثة

یقینی ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کر دوں' اور انہیں (نعیم ابدی کے) باغوں میں پہنچا دوں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال کا ثواب ہوگا' اور اللہ ہی ہے جس کے پاس (جزاوعمل میں) بہتر ثواب ہے! (۱۹۵)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کا (عیش و کامرانی کے ساتھ) ملکوں میں سیر و گردش کرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے (۱۹۶) یہ جو کچھ ہے' محض تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے (جو ان کے حصے میں آیا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور (جن کا ٹھکانا جہنم ہو' تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۱۹۷)

لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے (اور راست بازی کی راہ اختیار کی) تو ان کے لیے (بہشتی زندگی کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ہمیشہ (نعیم و سرور کی) اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے مہمانی ہوگی' اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے' سو وہ نیک کرداروں کے لیے اچھائی اور خوبی ہی ہے! (۱۹۸)

اور یقیناً اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں' اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے' سب کے لیے ان کے دل میں یقین ہے۔ نیز ان کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ وہ ایسا نہیں کرتے کہ خدا کی آیتیں تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالیں (تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں)۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ یقیناً اللہ (کا قانون مکافات) اعمال کے حساب میں سست رفتار نہیں! (۱۹۹)

لے سورت کی ابتدا اس بیان سے ہوئی تھی کہ خدا انسان کی روحانی سعادت کے لیے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اسے قبول کرتے ہیں سعادت و کامرانی پاتے ہیں' جو شرارت و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں نامراد رہتے ہیں۔ اسی سلسلۂ ہدایت کے ماتحت الکتاب یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ع ۲۰ / ۱۱

مسلمانو! (اگر کامیابی حاصل کرنی چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ) صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو تا کہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو! (۲۰۰)

اب سورت کا اختتام بھی اسی بیان پر ہو رہا ہے- یہ گویا سورت کے تمام بیانات کا ماحصل ہے کہ:

(۱) دعوت قرآن کے مخالف کتنی ہی سعی و تدبیر کریں' اور بظاہر عارضی طور پر کتنے ہی خوشحال نظر آئیں' لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوت قرآن کامیاب ہو-

(۲) اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوت حق کا مقابلہ کر رہی ہیں ان سب کے لیے بالآخر نامرادی و تباہی ہے- البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کریں گے تو ان کے لیے کوئی کھٹکا نہیں، وہ اپنی راست بازی و نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے' اور خدا کا قانون' محاسبہ اعمال میں سست رفتار نہیں-

(۳) پیروان دعوت قرآن کے لیے دستور العمل یہ ہے کہ صبر کریں' راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں' اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں- اگر انہوں نے ایسا کیا تو کامیابی انہی کے لیے ہے-

❋ ❋ ❋

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ① وَ اٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو- وہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا☆ (یعنی باپ سے پیدا کیا) اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا (یعنی جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوتا ہے' لڑکی بھی پیدا ہوتی ہے) پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی (اور اس طرح تن تنہا ایک مورث اعلیٰ کی نسل نے خاندانوں' قبیلوں اور بستیوں کی شکل اختیار کر لی' اور رشتوں قرابتوں کا بہت بڑا دائرہ ظہور میں آ گیا) پس دیکھو اللہ سے ڈرو جس کے نام پر باہم دگر (مہر الفت کا) سوال کرتے ہو- نیز قرابت داری کے معاملہ میں بے پروانہ ہو جاؤ- یقین رکھو کہ اللہ تم پر (تمہارے اعمال کا) نگران حال ہے! (۱) اور (دیکھو) یتیموں کا مال (دیانت داری کے ساتھ) ان کے حوالے کر دو- ایسا نہ کرو کہ (ان کی) اچھی چیز کو (اپنی ناکارہ چیز سے) بدل ڈالو-

۱۔ حکمتِ الٰہی کی یہ بڑی ہی کارفرمائی ہے کہ اس نے انسان کی پیدائش اور معیشت کا نظام کچھ اس طرح کا بنا دیا' کہ پہلے ایک فرد واحد سے وہ پیدا ہوتا ہے- پھر اس کی نسل سے بے شمار افراد پیدا ہوتے ہیں' پھر ہر فرد کی نسل سے الگ الگ سلسلے قائم ہو جاتے ہیں- پھر یہ سلسلے پھیلتے ہیں اور رفتہ رفتہ خاندانوں' قبیلوں' گروہوں اور بستیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں- اس صورت حال نے افراد کے باہمی اجتماع واتحاد کے لیے صلہ رحمی یعنی نسلی قرابت کا رشتہ پیدا کر دیا ہے اور سوسائٹی کا نظام اسی پر قائم ہے- اگر اس رشتے کے مؤثرات نہ ہوتے تو انسان کی زندگی میں انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا نہ ہوتی-

یہ رشتہ باہمی الفت ومساعدت کے جذبات پیدا کرتا اور ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ملائے رکھتا ہے- پس نظام معاشرت کی درستی کے لیے ضروری ہے کہ صلہ رحمی کے حقوق کی حفاظت کی جائے- صلہ رحمی کے حقوق خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہیں- جو شخص ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے وہ احکام الٰہی سے سرتابی کرتا اور ظلم ومعصیت کا مرتکب ہوتا ہے-

اس سلسلے میں سب سے زیادہ حفاظت کے مستحق یتیم بچے تھے لہٰذا سب سے پہلے ان کے حقوق کا ذکر کیا گیا-

(۱) جو لوگ یتیموں کے نگران ومحافظ ہوں انہیں چاہیے ان کا مال الگ رکھیں۔ اپنے مال کے ساتھ ملا کر نقصان نہ پہنچائیں- ⇦

☆ اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کی ہے- دوسری یہ ہے کہ " نفس واحدہ" سے مقصود حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ﴿ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ سے حوا- ہم نے تفسیر میں مندرجہ متن کو اس لیے ترجیح دی کہ آگے چل کر نکیر کے ساتھ فرمایا ہے ﴿ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِیْراً وَّنِسَآءً ﴾ حالانکہ اگر مقصود حضرت آدم ہوتے تو ہونا چاہیے تھا ﴿ وَبَثَّ مِنْهُمَا جَمِیْعُ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ ﴾-

بِالطَّيِّبِ ۠ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ④ وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤

اوران کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا جلا کر خورد برد کرلو- یقیناً ایسا کرنا بڑی ہی گناہ کی بات ہے (۲) اور (دیکھو) اگر (تم نکاح کرنا چاہو اور) تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکو گے تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو (یعنی دوسری عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں نکاح کرلو- ایک وقت میں) دو دو' تین تین' چار چار تک کر سکتے ہو- (بشرطیکہ ان میں انصاف کرسکو- یعنی سب کے حقوق ادا کرسکو اور سب کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک کرسکو) اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر چاہیے کہ ایک بیوی سے زیادہ نہ کرو-

یا پھر جو عورتیں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) تمہارے ہاتھ آ گئی ہیں (انہیں بیوی بنا کر رکھو) بے انصافی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا زیادہ قرین صواب ہے- (بمقابلہ اس کے کہ یتیم لڑکیوں کے حقوق کے لیے اللہ کے حضور جواب دہ ہو)- (۳)

اور (دیکھو) عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کر دیا کرو (اگر چہ وہ یتیم اور لاوارث ہوں کہ یہ ان کا حق ہے اور جب تک ادا نہیں کرو گے ان کا حق تمہارے ذمے باقی رہے گا) ہاں اگر ایسا ہو کہ وہ اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو (اس میں کوئی حرج نہیں) تم اسے بے کھٹکے اپنے کام میں لا سکتے ہو- (۴)

اور (دیکھو) مال ومتاع کو خدا نے تمہارے لیے قیام (معیشت) کا ذریعہ بنایا ہے- پس ایسا نہ کرو کہ کم عقل آدمیوں کے حوالے کردو (یعنی کم عمر اور نادان لڑکوں کے حوالے کردو- اگر وہ کم سن ہیں تو) ایسا کرنا چاہیے کہ ان کے مال میں سے ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیا جائے اور نیکی اور بھلائی کی بات انہیں سمجھا دی جائے- (۵)

⇦ (۲) ایسا نہ کرو کہ یتیم لڑکی تمہاری حفاظت میں ہو اس کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے اس سے نکاح کرلو اور پھر اسے نقصان پہنچاؤ- سرپرست اور محافظ کو چاہیے کہ اس بارے میں بے لاگ رہے-

(۳) ضمناً نکاح کا حکم کہ اگر ایک مرد استطاعت رکھتا ہو اور چاہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھے' تو چار تک رکھ سکتا ہے- لیکن شرط یہ ہے کہ انصاف کرے یعنی سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے- اگر اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کر سکے گا تو پھر ایک سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے-

(۴) مال قیام زندگی کا ذریعہ ہے- پس جب تک یتیم بچے عاقل وبالغ نہ ہو جائیں اور اپنے مفاد کی حفاظت نہ کرسکیں مال ومتاع ان کے قبضہ میں نہ دو-

(۵) اس ڈر سے کہ اولاد بڑی ہو کر قابض ہو جائے گی یا یتیم بالغ ہو کر مطالبہ کریں گے' مال ودولت کو فضول خرچی میں اڑا دینا بہت بڑی معصیت ہے- مال ودولت ہر حال میں ایک امانت ہے' اور تمہارا فرض ہے کہ دیانت داری سے اس کی حفاظت کرو-

(۶) سرپرست ومحافظ اگر خوش حال ہوں تو اپنے خرچ کا بار یتیم کی امانت پر نہ ڈالیں- اگر محتاج ہوں تو بقدر احتیاج لے سکتے ہیں-

(۷) حقدار کو اس کا حق دو تو اس پر لوگوں کو گواہ کرلو-

تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۶﴾ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۪ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر انہیں آزماتے رہو (کہ ان کی سمجھ بوجھ کا کیا حال ہے؟) یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں- پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو-

اور اس خیال سے کہ بڑے ہو کر مطالبہ کریں گے' فضول خرچی کر کے جلد جلد ان کا مال کھا پی نہ ڈالو-

(یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو مقدور والا ہو اسے چاہیے (ان کے مال پر اپنے خرچ کا بار ڈالنے سے) پرہیز کرے- جو حاجت مند ہو وہ اس میں سے لے سکتا ہے مگر ٹھیک طریقہ پر (یعنی بقدر احتیاج)۔

پھر جب ایسا ہو کہ ان کا مال ان کے حوالے کر دو تو چاہیے کہ اس پر لوگوں کو گواہ کر لو- اور (یہ نہ بھولو کہ) محاسبہ کرنے کے لیے اللہ کا محاسبہ بس کرتا ہے! (۶)

ماں باپ[1] اور رشتے داروں کے ترکے میں' تھوڑا ہو یا بہت' لڑکوں کا حصہ ہے' اور اسی طرح ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں لڑکیوں کا بھی حصہ ہے (حق دار ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں) اور یہ حصہ (خدا کا) ٹھہرایا ہوا حصہ ہے- (۷)

اور (دیکھو) جب ایسا ہو کہ ترکہ تقسیم کرنے کے وقت (دور کے) رشتے دار اور (خاندان کے) یتیم اور مسکین افراد بھی حاضر ہو جائیں تو چاہیے کہ میت کے مال میں سے انہیں بھی (حسب مقدور) تھوڑا بہت دے دو اور (اگر اس بارے میں ردوکد ہو تو) انہیں اچھے طریقے پر بات کہہ کر سمجھا دو (کیونکہ وہ حاجت مند ہیں اور حاجت مندوں کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آنا چاہیے)۔ (۸)

اور لوگوں کو (اس بات سے) ڈرنا چاہیے کہ (کسی حقدار کے حق میں ناانصافی کی جائے) اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جاتے' تو انہیں ان کی طرف سے کیسا کچھ اندیشہ ہوتا؟ (ایسا ہی دوسروں کے لیے بھی سمجھیں) پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں

---

[1] (۸) اسلام سے پہلے عام طور پر یہ عقیدہ پھیلا ہوتا تھا کہ مال و جائداد کی وراثت میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں- اس گمراہی کا ازالہ کیا گیا اور یہ اصول قائم کر دیا گیا کہ حق دار ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں-

(۹) ورثہ تقسیم کرو' تو جو لوگ دور کے رشتہ دار ہوں یا خاندان کے یتیم اور مسکین افراد انہیں فراموش نہ کرو- تقسیم میں ان کا حق نہ سہی' لیکن پھر بھی حسب توفیق کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے-

(۱۰) جو لوگ یتیموں کے مال میں خیانت کرتے ہیں' ان کے لیے عذاب آخرت کی سخت وعید ہے-

وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ⑨ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ⑩ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪ وَلَكُمْ نِصْفُ

اور ایسی بات کہیں جو درست اور مضبوط ہو-(۹)

جو لوگ یتیموں کا مال ناانصافی سے خورد برد کر لیتے ہیں تو (وہ یاد رکھیں) یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور قریب ہے کہ دوزخ میں جھونکے جائیں-(۱۰)

تمہاری[1] اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہو (یعنی لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہونا چاہیے)

پھر اگر ایسا ہو کہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ترکے میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا- اور اگر اکیلی ہو تو اسے آدھا ملے گا-

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا- لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ میت کے اولاد ہو- اگر اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لیے تہائی (باقی باپ کا)۔

اگر (ماں باپ کے علاوہ) میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں بھی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا-

لیکن یاد رہے میت نے جو کچھ وصیت کر دی ہو یا جو کچھ اس پر قرض رہ گیا ہو اس کی تعمیل اور ادائیگی کے بعد یہ حصے تقسیم ہوں گے-

(دیکھو) تمہارے باپ دادا بھی ہیں اور تمہاری اولاد بھی ہے- (یعنی رشتہ کے لحاظ سے اوپر کا بھی رشتہ ہے اور نیچے کا بھی) تم نہیں جانتے نفع رسانی کے لحاظ سے کونسا رشتہ تم سے نزدیک ہے (اور کس کا حق زیادہ ہونا چاہیے کس کا کم- اللہ کی حکمت ہی اس کا فیصلہ کر سکتی تھی- پس) اللہ نے حصے ٹھہرا دیے ہیں اور وہ (اپنے بندوں کی مصلحت کا) جاننے والا اور (اپنے احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے-(۱۱)

تمہاری بیویاں جو کچھ ترکے میں چھوڑ جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان سے اولاد نہ ہو تو تمہارا (یعنی شوہر کا) حصہ

---

[1] ترکے کی تقسیم اور حق داروں کے حصوں کا بیان-

اصل اس بارے میں یہ ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملنا چاہیے- یعنی لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہو-

میت نے جو کچھ وصیت کی ہو پہلے اس کی تعمیل کرنی چاہیے اور جو کچھ اس پر قرض رہ گیا ہو اسے ادا کر دینا چاہیے- اس کے بعد جو کچھ بچے اسے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے- البتہ ضروری ہے کہ وصیت ٹھیک طور پر کی گئی ہو- اس غرض سے نہ کی گئی ہو کہ حق داروں کو ان کے حق سے محروم کر دیا جائے-

مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

آدھا ہے- اگر اولاد ہو تو چوتھائی - مگر یہ تقسیم اس کے بعد ہوگی کہ جو کچھ وہ وصیت کر گئی ہوں اس کی تعمیل ہو جائے اور جو کچھ ان پر قرض ہو' ادا کر دیا جائے-

اور جو کچھ ترکہ تم چھوڑ جاؤ (یعنی شوہر چھوڑ جائے) تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تم سے اولاد نہ ہو تو بیویوں کا حصہ چوتھائی ہو گا- اگر اولاد ہو تو آٹھواں- جو کچھ تم وصیت کر جاؤ اس کی تعمیل اور جو کچھ تم پر قرض رہ گیا ہو اس کی ادائیگی کے بعد-

اور اگر[ل] ایسا ہو کہ کوئی مرد یا عورت ترکہ چھوڑ جائے اور وہ کلالہ ہو (یعنی نہ تو اس کا باپ ہو نہ بیٹا) اور (دوسری ماں سے) اس کے بھائی یا بہن ہو' تو اس کا حکم یہ ہے کہ بھائی بہن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہوگا-

اور اگر (بھائی بہن) ایک سے زیادہ ہوں' تو پھر ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے- لیکن اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو میت نے کر دی ہو- نیز اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت کے ذمے رہ گیا ہو- بشرطیکہ (وصیت اور قرض سے) مقصود (حق داروں کو) نقصان پہنچانا نہ ہو-

یہ (ترکے کی تقسیم کے بارے میں) اللہ کی طرف سے حکم ہے اور (یقین رکھو) اللہ (بندوں کے مصالح) جاننے والا اور (ان کی کمزوریوں کے لیے اپنے احکام وقوانین میں) بہت بردبار ہے! (۱۲)

(یاد رکھو) یہ اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) حد بندیاں ہیں پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا' تو اللہ اسے (ابدی راحتوں کے) ایسے باغوں میں داخل کر دے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ (سرور وراحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے جو انہیں حاصل ہوگی! (۱۳)

ل کلالہ کی میراث کا حکم-

کلالہ سے مقصود ایسا مرد یا ایسی عورت ہے جس کے نہ تو باپ ہو کہ اوپر کا رشتہ ہے- نہ بیٹا ہو کہ نیچے کا رشتہ ہے-

ایسی میت کے وارثوں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں-

(۱) سگے بھائی بہن ہوں- (۲) علاتی بہن بھائی ہوں یعنی باپ ایک لیکن مائیں مختلف ہوں-

(۳) اخیانی بھائی بہن ہوں یعنی ماں ایک ہو- باپ مختلف ہوں-

یہاں تیسری صورت کا حکم بیان کیا گیا ہے- پہلی اور دوسری صورت کا حکم سورت کی آخری آیات میں ہے-

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ

لیکن جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے باہر نکل گیا تو (یاد رہے) وہ (جنت کی ابدی راحتوں کی جگہ) آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا! (۱۴)

اور تمہاری[1] عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی کی مرتکب ہوں تو چاہیے کہ اپنے آدمیوں میں سے چار آدمیوں کی اس پر گواہی لو۔ اگر چار گواہ گواہی دے دیں تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کی عمر پوری کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی دوسری راہ پیدا کر دے۔ (۱۵) اور جو دو شخص تم میں سے بدچلنی کے مرتکب ہوں تو چاہیے کہ ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ (یعنی پٹواؤ جس سے انہیں اذیت پہنچے) پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو انہیں چھوڑ دو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحمت رکھنے والا ہے! (۱۶)

البتہ[2] یاد رہے کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی لوگوں کے لیے ہے جو برائی کی کوئی بات نادانی و بےخبری میں کر بیٹھتے ہیں اور پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں (اور ان کا ضمیر اپنے کیے پر پشیمانی محسوس کرتا ہے) تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ بھی (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آتا ہے اور وہ یقیناً سب کچھ جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۷)

لیکن ان لوگوں کی توبہ، توبہ نہیں ہے جو (ساری عمر تو) برائیاں کرتے رہے، لیکن جب ان میں سے کسی کے آگے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا "اب میں توبہ کرتا ہوں" (ظاہر ہے کہ ایسی توبہ، سچی توبہ نہ ہوئی) اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے

[1] بدچلن عورتوں اور مردوں کی تعزیر کا حکم ☆

[2] ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ سچی توبہ انہی لوگوں کی توبہ ہے جو گناہ پر مصر نہ ہوں اور جن کا ضمیر گناہ کے بعد پشیمانی محسوس کرتا ہو۔

☆ مفسروں کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ان آیات میں جس برائی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود زنا ہے اور جس سزا کا حکم دیا گیا ہے وہ اوائل اسلام میں دی جاتی تھی۔ بعد کو جب سورۂ نور نازل ہوئی تو زنا کی حد مقرر ہوگئی اور یہ سزا باقی نہیں رہی۔ لیکن ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ان آیات میں اور سورۂ نور میں ایک ہی جرم کی سزائیں نہیں بیان کی گئی ہیں بلکہ دو مختلف جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں جس بدچلنی کا ذکر کیا ہے اس سے مقصود وہ بدچلنی ہے جو دو عورتیں اور دو مرد آپس میں کریں اور سورۂ نور میں زنا کا ذکر ہے۔ پس دونوں احکام اپنی اپنی جگہ باقی ہیں۔

اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾ وَ كَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰی بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا

جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں- ان تمام لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے- (جو انہیں پاداش عمل میں پیش آئے گا!) (۱۸)

مسلمانو! [۱] تمہارے لیے یہ بات جائز نہیں کہ عورتوں کو (میت کی) میراث سمجھ کر ان پر زبردستی قبضہ کر لو- اور نہ ایسا کرنا چاہیے کہ جو کچھ (مال و متاع) انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ لے نکلنے کے لیے ان پر سختی کرو اور انہیں روک رکھو- اِلا یہ کہ وہ علانیہ بدچلنی کی مرتکب ہوئی ہوں-

اور (دیکھو) عورتوں کے ساتھ معاشرت کرنے میں نیکی اور انصاف ملحوظ رکھو- پھر اگر ایسا ہو کہ تمہیں (کسی وجہ سے) وہ ناپسند ہوں (تو بے ضبط اور بے قابو نہ ہو جاؤ) عجب نہیں ایک بات تم ناپسند کرتے ہو اور اسی میں اللہ نے تمہارے لیے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو! (۱۹) اور اگر تم (حسن معاشرت کے ساتھ نباہ نہ کر سکو اور) ارادہ کر لو کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری کر لو گے' اور پہلی بیوی کو تم نے (چاندی سونے کا) ایک ڈھیر بھی (مہر میں) دے دیا ہو' تو بھی نہیں چاہیے کہ (اسے علیحدہ کرتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو- کیا تم چاہتے ہو اپنا دیا ہوا مال بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لے لو؟ (۲۰)

اور پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اسے واپس لو حالانکہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شوہر اور بیوی کا ملنا مل چکے ہو' اور تمہاری بیویاں تم سے نکاح کے وقت (اپنے حقوق کے لیے) پکا قول و قرار کرا چکی ہیں؟ (۲۱)

اور [۲] (دیکھو) ان عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لا چکے ہوں (جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا) اس (حکم کے نازل ہونے) سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا-

---

۱ عرب جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ جو ناانصافیاں کی جاتی تھیں ان میں سے ایک ناانصافی یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مرجاتا تو جس طرح اس کا مال و متاع اس کے وارثوں کے قبضہ میں چلا جاتا' اسی طرح اس کی بیویوں پر بھی وہ قابض و متصرف ہو جاتے- نیز مختلف طریقوں سے عورتوں کو مجبور کیا جاتا کہ اپنا مہر چھوڑ دیں' یا جو کچھ مال و متاع ان کے قبضہ میں ہے' مردوں کے قبضے میں چلا آئے- یہاں اس طرح کی تمام ناانصافیوں سے روک دیا گیا- عورتوں کے ساتھ تمہاری معاشرت نیکی و انصاف پر مبنی ہونی چاہیے' ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ محض ہوائے نفس کے ہاتھ اپنی باگ دے دو اور اگر کسی وجہ سے بیوی پسند نہ آئے تو فوراً اسے چھوڑ کر دوسری کر لو- اس طرح کی بے ضبط اور بے قابو طبیعتیں کبھی معاشرتی سعادت حاصل نہیں کر سکتیں- اگر کسی وجہ سے تمہیں بیوی پسند نہیں تو صبر و برداشت سے کام لو- بہت ممکن ہے کہ ایک بات تمہیں اچھی نہ لگے اور اسی میں تمہارے لیے بہتری و سعادت ہو!

۲ جن رشتوں میں باہم نکاح جائز نہیں ان کا بیان-

قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

(آئندہ کے لیے یاد رکھو کہ) یہ بڑی ہی بے حیائی کی بات تھی' مکروہ و مردود شیوہ تھا اور برا دستور- (۲۲)

(دیکھو) تم پر (نکاح کے لیے ان رشتوں کی عورتیں) حرام ٹھہرا دی گئی ہیں:

تمہاری مائیں-

تمہاری بیٹیاں-

تمہاری بہنیں-

تمہاری پھوپھیاں-

تمہاری خالائیں-

تمہاری بھتیجیاں-

تمہاری بھانجیاں-

تمہاری دودھ پلانے والی مائیں- (کیونکہ جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا وہ تمہاری ماں ہی کے برابر ہوگئیں)

تمہاری رضاعی بہنیں (یعنی دودھ پینے کے رشتہ کی بہنیں)۔

تمہاری بیویوں کی مائیں-

تمہاری بیویوں کی (پچھلی) اولاد جو تمہاری گودوں میں (پرورش پاتی) ہیں (یعنی اگرچہ تمہاری نسل سے نہیں ہیں لیکن جب ان کی ماؤں سے تم نے نکاح کرلیا تو اس کی سابقہ اولاد بھی تمہاری ہی اولاد جیسی ہوگی) البتہ یہ ضروری ہے کہ (عقد نکاح کے بعد) زناشوئی کا تعلق بھی ہوگیا ہو- اگر ایسا نہ ہوا ہو تو پھر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں کوئی پکڑ نہیں-

تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (یعنی تمہاری بہوئیں)۔

نیز یہ بات بھی حرام کردی گئی کہ (ایک وقت میں) دو بہنوں کو جمع کرو-☆

(اس حکم کے نزول سے) پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا- اللہ بخش دینے والا اور (اپنے بندوں کے لیے) رحمت رکھنے والا ہے! (۲۳)

☆ احادیث سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بھی جائز نہیں ۱۲۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ

اور (دیکھو) وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں - ہاں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) جو عورتیں تمہارے قبضے میں آ گئی ہوں (تو ظاہر ہے کہ ان کے سابقہ نکاحوں کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا) یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے (قانون) ٹھہرا دیا گیا ہے-

ان عورتوں کے علاوہ (جن کا ذکر اوپر گزر چکا) تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں (تم ان سے نکاح کر سکتے ہو) بشرطیکہ (ازدواجی زندگی کے) قید و بند میں رہنے کے لیے نہ کہ نفس پرستی کے لیے اپنا مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرو-

پھر جن عورتوں سے تم نے (ازدواجی زندگی کا) فائدہ اٹھایا ہے تو چاہیے کہ جو مہر اُن کا مقرر ہوا تھا وہ ان کے حوالے کر دو- اور مہر مقرر کرنے کے بعد اگر آپس کی رضامندی سے کوئی بات ٹھہر جائے (یعنی اس میں کمی بیشی بیوی منظور کر لے - یا اس کا کوئی حصہ یا سب کچھ اپنی خوشی سے معاف کر دے) تو ایسا کیا جا سکتا ہے - اس میں تم پر کوئی پکڑ نہ ہوگی - (یاد رکھو) اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۲۴)

اور تم میں[1] جو کوئی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ (خاندانی) مسلمان بیبیوں سے نکاح کرے تو ان عورتوں سے نکاح کر لے سکتا ہے جو (لڑائی کے قیدیوں میں سے) تمہارے قبضے میں آئی ہیں اور مومن ہیں اور (اس بات میں کوئی ذلت اور عیب نہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو لڑائی میں قید ہو کر آئی تھی اور لونڈی بنا لی گئی تھی - اصلی چیز ایمان ہے اور) اللہ تمہارے ایمانوں کا حال بہتر جاننے والا ہے - (ہو سکتا ہے کہ ایک مومن لونڈی ایمان کے لحاظ سے بہتر درجہ رکھتی ہو اور ایک شریف زادی

---

[1] اسیران جنگ میں سے جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آ جائیں انھیں اس لیے حقیر و ذلیل نہ سمجھو کہ وہ دوسری قوم کی عورتیں ہیں یا لڑائی میں قید ہو کر آئی ہیں - انسان ہونے کے لحاظ سے ہر آدمی دوسرے آدمی کا ہم جنس ہے اور انسانی برادری کا رشتہ سارے رشتوں سے زیادہ قابل لحاظ ہے - ان میں سے جو عورتیں مسلمان ہو گئی ہوں تم ان سے نکاح کر سکتے ہو-

نزول قرآن سے پہلے غلامی کی رسم تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی - ہر طاقتور قوم کمزور قوم کے افراد کو غلام بنا لیتی اور ان کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کرتی - قرآن نے اس بارے میں جو اصلاحات کیں انہیں دو قسموں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

اولاً یہ کہ غلامی صرف اسیران جنگ میں محدود کر دی - وہ بھی اس طرح کہ کم سے کم امکان اس کا باقی رکھا - سورۂ محمد کی آیت ﴿ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ﴾ (۴۷:۴) کے ذریعے اعلان کر دیا کہ اگر مصالح جنگ کے خلاف نہ ہو تو چاہیے کہ اسیران جنگ کو فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے-

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ

ایمانی خصائل سے محروم ہو) اور تم سب ایک دوسرے کی ہم جنس ہو (یعنی انسان ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہی طرح کے انسان ہیں) پس ایسی عورتوں کو ان کے سرپرستوں کی اجازت سے (بلا تامل) اپنے نکاح میں لاؤ' اور دستور کے مطابق ان کا مہران کے حوالے کردو- البتہ یاد رہے کہ وہ (ازدواجی زندگی کے) قید و بند میں رہنے والی ہوں- بدکار عورتیں نہ ہوں- اور نہ ایسی ہوں کہ چوری چھپے بدچلنی کرتی رہتی ہوں- پھر اگر ایسا ہو کہ قید نکاح میں آنے کے بعد (ان میں سے کوئی عورت) بدچلنی کی مرتکب ہو تو اس کے لیے اس سزا سے آدھی سزا ہوگی جو (آزاد) بیویوں کے لیے ہے- یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں اندیشہ ہو کہ (نکاح نہ کر لینے سے) نقصان اور برائی میں پڑ جائیں گے اور اگر تم صبر کرو (اور بہتر وقت و حالت کا انتظار کر سکو) تو یہ تمہارے لیے کہیں بہتر ہے اور اللہ (انسانی کمزوریوں کو) بخشنے والا اور (اپنے تمام احکام میں) رحمت رکھنے والا ہے! (۲۵)

اللہ چاہتا ہے' تم پر ان (کامیاب) لوگوں کی راہ کھول دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' اور انہی کے طریقہ پر تمہیں بھی چلائے- نیز تم پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے- اور اللہ (تمہاری مصلحتوں کا) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۲۶)

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر (اپنی رحمت کے ساتھ) لوٹ آئے (اور تم ان برائیوں سے تائب ہو جاؤ جن میں مبتلا تھے) لیکن جو لوگ (احکام حق کی جگہ) نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں تو وہ چاہتے ہیں تم راہ اعتدال سے

⇦ ثانیاً غلاموں کے حقوق کی رعایت پر اس قدر زور دیا اور ان کے لیے ایسے احکام و قوانین نافذ کیے کہ غلامی غلامی نہیں رہی بلکہ سوسائٹی کا ایک مساویانہ عنصر بن گئی!

چنانچہ یہاں اسی بات پر زور دیا گیا ہے- لونڈیوں سے نکاح کرنے میں کوئی عیب کی بات نہیں- انسان ہونے کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں- اور فضیلت کا معیار ایمان و عمل ہے-

لے یہ تمام احکام جو تمہارے لیے ٹھہرا دیے ہیں تو ان سے مقصود یہ ہے کہ

(۱) فلاح و سعادت کی جس راہ پر تم سے پہلے نیک انسان چل چکے ہیں وہ تم پر بھی کھل جائے-

(۲) احکام معاشرت میں سختیاں اور جکڑ بندیاں نہ ہوں- سہولتیں اور آسانیاں ہوں-

(۳) جن معاشرتی برائیوں میں تم مبتلا تھے ان سے آئندہ تائب ہو جاؤ-

(۴) افراط و تفریط سے بچو اور نفس پرستی میں بے لگام نہ ہو جاؤ-

اس کے بعد فرمایا کہ معاشرتی زندگی کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی اگر خاندان کے تمام افراد دیانت دار اور راست باز نہ ہوں- پس آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہ کھاؤ-

⇦

اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْہِ نَارًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْہَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ

ہٹ کر بہت دور جا پڑو۔ (۲۷)

اللہ چاہتا ہے (بے جا سختیوں اور رکاوٹوں کی جگہ) تمہارے لیے نرمی اور آسانی ہو اور (واقعہ یہ ہے کہ) انسان (طبیعت کا) کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (۲۸)

مسلمانو! ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق ناروا نہ کھاؤ۔ ہاں اس صورت میں کھا سکتے ہو کہ آپس کی رضا مندی سے ملا جلا کاروبار ہو (اور اپنے حصے کے مطابق ہر شخص اپنا حق لے لے) اور (دیکھو) اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ تمہارے لیے رحمت رکھنے والا ہے! (۲۹)

اور (یاد رکھو) جو کوئی ظلم اور شرارت سے ایسا کرے گا تو قریب ہے کہ ہم اسے آتش دوزخ میں ڈال دیں۔ اور اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ (۳۰)

(دیکھو) جن بڑی بڑی برائیوں سے تمہیں روک دیا گیا ہے اگر تم ان سے بچتے رہو گے تو (ہمارے فضل و رحمت کا قانون یہ ہے کہ) ہم تمہاری لغزشوں اور غلطیوں کے اثرات تم پر سے محو کر دیں گے اور تمہیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیں گے جو عزت اور خوبی کا مقام ہوگا! ۔ (۳۱)

اور (دیکھو) [1] خدا نے تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے مقابلہ میں جو کچھ دے رکھا ہے' اس کی تمنا نہ کرو (کہ کاش ہمیں بھی یہ ملا ہوتا!) مردوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کے مطابق (ثمرات و نتائج میں) ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے' اس کے مطابق (ثمرات و نتائج میں) ان کا حصہ ہے (دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض' اعمال اور ان کے نتائج رکھتے ہیں) اور چاہیے کہ ہر حال میں) اللہ سے اس کی بخشائش کے طلب گار رہو، یقیناً

⇐ ہاں اگر ملی جلی تجارت ہو تو باہمی رضا مندی سے ہر آدمی اپنا حصہ لے سکتا ہے (۲۹)

اگر انسان بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرے' تو رحمت الٰہی کا قانون یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور کمزوریاں اس کی پاکی و سعادت میں مخل نہیں ہوں گی اور وہ شرف و کرامت کا مقام حاصل کر لے گا۔ (۳۱)

[1] نزول قرآن سے پہلے دنیا کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ وجود انسانی کا کامل ظہور صرف مردوں ہی کی جنس میں ہوا ہے۔ عورتوں کی ہستی کوئی مستقل ہستی نہیں رکھتی۔ وہ صرف اس لیے بنائی گئی ہیں کہ مردوں کی کام جوئیوں کا ذریعہ ہوں اور ان کی چاکری و پرستاری میں فنا ہو جائیں۔

قرآن تاریخ عالم کی سب سے زیادہ پرانی آواز ہے جو اس اعتقاد کے خلاف بلند ہوئی۔ وہ کہتا ہے خدا نے نوع انسانی کو مرد اور عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا ہے اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی' اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے اعمال رکھتی ہیں۔ کارخانہ معیشت کے لیے جس طرح ایک جنس کی ضرورت تھی' ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت تھی۔ انسان کی معاشرتی زندگی کے لیے یہ دو مساوی ⇐

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے-(۳۲)

اور (دیکھو) جو کچھ تر کہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں' تو ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے حقدار ٹھہرا دیے ہیں نیز جن (عورتوں سے) تمہارا عہد و پیمان (نکاح) بندھ چکا ہو (ان کا بھی ہم نے حصہ ٹھہرا دیا ہے) پس چاہیے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہو وہ اس کے حوالے کر دو (اور یاد رکھو) اللہ حاضر و ناظر ہے۔اس سے کوئی چیز چھپی نہیں!(۳۳)

مرد عورتوں کی زندگی کے بندوبست کرنے والے ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (خاص خاص باتوں میں) فضیلت دی ہے۔ نیز اس لیے کہ مرد اپنا مال (جو ان کی محنت سے جمع ہوتا ہے' عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں پس جو عورتیں نیک ہیں' ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ اطاعت شعار ہوتی ہیں' (اور اللہ کی حفاظت سے جو انہیں حاصل ہو جاتی ہے) پوشیدگی اور غیبت میں بھی (شوہروں کے حقوق و مفاد کی) حفاظت کرتی ہیں-

اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (یہ نہیں کرنا چاہیے کہ فوراً دل برداشتہ ہو کر قطع تعلق کر لو بلکہ) چاہیے انہیں (پہلے نرمی و محبت سے) سمجھاؤ پھر خواب گاہ میں ان سے الگ رہنے لگو اور (اس پر بھی نہ مانیں تو) انہیں (بغیر نقصان

⇦ عنصر ہیں جو اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک مکمل زندگی پیدا کر دیں-

البتہ اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے' اور ایسی ہی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے۔مرد عورتوں کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہیں- اس لیے سربراہی و کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر انہی کے لیے ہو گیا ہے-(۳۴)

عورتیں اس خیال سے دلگیر نہ ہوں کہ وہ مرد نہ ہوئیں اور مردوں کے کام ان کے حصے میں نہ آئے- وہ یقین کریں ان کے لیے بھی عمل و فضیلت کی ساری راہیں کھلی ہوئی ہیں!(۳۲)

اس کے بعد فرمایا کہ نیک عورتیں وہ ہیں جو اطاعت شعار ہوتی ہیں اور ظاہر و باطن ہر حال میں شوہروں کے مفاد کی حفاظت کرتی ہیں-

ایک عورت شوہر کے حقوق کی رعایت نہ کرے' اور اطاعت شعاری کے دائرہ سے باہر ہو جائے' تو شوہر کو چاہیے اسے سمجھائے اور نرمی و سختی سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے-

اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اندیشہ ہو شوہر اور بیوی میں تفرقہ پڑ جائے گا' تو پھر چاہیے کہ خاندان کی پنچایت بٹھائی جائے- پنچایت کی صورت یہ ہو کہ ایک آدمی مرد کے گھرانے سے لیا جائے ایک عورت کے۔ دونوں مل کر اصلاح حال کی کوشش کریں-

اگر سرکشی عورت کی جانب سے ہو تو مرد کو اختیار دیا گیا تھا کہ نرمی و سختی کر کے سمجھائے بجھائے- لیکن اگر قصور مرد کا ہو' اور وہ خواہ مخواہ الزام عورت کے سر ڈال رہا ہو تو اس کا کیا علاج؟ اس کا علاج پنچایت کا حکم دے کر کر دیا گیا- اگر قصور مرد کا ہو گا تو عورت کو پورا موقع مل جائے گا کہ اپنے گھرانے کے آدمی کے ذریعہ حقیقت حال ظاہر کر دے- اس حکم میں معاشرت کے اکثر احکام کی طرح خطاب مسلمانوں سے ہے- یعنی جماعت سے ہے- یہ جماعت کا فرض ہے کہ باہمی نااتفاقی کی صورت میں اصلاح حال کی کوشش کرے-

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿35﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَـنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُــوْرَۨا ﴿36﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ

پہنچائے بطور تنبیہ کے) مار بھی سکتے ہو- پھر اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو (سختی سے درگزر کرو اور) ایسا نہ کرو کہ الزام دینے کے لیے راہیں ڈھونڈھنے لگو- (یاد رکھو) اللہ سب کے اوپر اور سب سے زیادہ بڑائی رکھنے والا موجود ہے! (۳۴)

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ میاں بیوی میں تفرقہ پڑ جائے گا تو چاہیے کہ پنچ (ثالث) شوہر کے کنبے میں سے مقرر کرو ایک بیوی کے کنبے میں سے (اور دونوں اصلاح حال کی کوشش کریں) اگر دونوں پنچ (دل سے) چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ ضرور میاں بیوی میں باہم موافقت پیدا کر دے گا (اور ان کی کوشش رائگاں نہ جائے گی) بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے! (۳۵)

اور[1] (دیکھو) اللہ کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور چاہیے کہ ماں باپ کے ساتھ قرابت داروں کے ساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قرابت والے پڑوسی ہوں خواہ اجنبی ہوں نیز پاس کے بیٹھنے اٹھنے والوں کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں یا (لونڈی غلام ہونے کی وجہ سے) تمہارے قبضے میں ہوں احسان اور سلوک کے ساتھ پیش آؤ-

اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے اور ڈینگیں مارنے والے ہیں (۳۶) جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے (خرچ کرنے کی جگہ) چھپا کر رکھتے ہیں- (یاد رکھو) ان لوگوں کے لیے جو (ہماری نعمتوں کی) ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے- (۳۷) اور (ان لوگوں کو بھی خدا دوست نہیں رکھتا) جو محض لوگوں کے دکھانے کو (نام و نمود کے لیے) مال خرچ کرتے ہیں-

[1] عموم شفقت و احسان اور ادائے حقوق و فرائض کا حکم-

ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو- قرابت داروں کے حقوق سے غافل نہ ہو- یتیموں مسکینوں مسافروں اور پڑوسیوں کی خبر گیری کرتے رہو- پڑوسی خواہ قرابت دار ہو خواہ اجنبی ہو ہر حال میں اچھے سلوک کا مستحق ہے- اسی طرح جو لوگ تمہارے پاس بیٹھنے اٹھنے والے ہوں نیز لونڈی غلام جو تمہارے قبضے میں ہوں ان سب کے بھی تم پر حقوق ہیں اور ضروری ہے کہ سب کے ساتھ محبت و احسان کا سلوک کرو-

بخل نہ کرو- خدا نے جو کچھ رزق و دولت عطا فرمائی ہے اس کے بندوں کی خدمت میں خرچ کرو- جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کا ہاتھ انفاق فی سبیل اللہ سے کبھی نہیں رک سکتا- البتہ جو کچھ خرچ کرو اللہ کے لیے کرو- نام و نمود کے لیے نہ کرو- جو شخص نام و نمود کے لیے خرچ کرتا ہے وہ اللہ پر اور آخرت پر سچا ایمان نہیں رکھتا-

بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

وہ فی الحقیقت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے (کیونکہ اگر اللہ پر سچا ایمان رکھتے' تو کبھی ایسا نہ کرتے کہ اسے چھوڑ کر انسانوں کے سامنے نمائش کرنی چاہتے) اور (دیکھو) جس کسی کا ساتھی شیطان ہوا تو کیا ہی برا یہ ساتھی ہے! (۳۸)

ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا اگر یہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے اور جو کچھ خدا نے انہیں دے رکھا ہے' اسے (خدا کی خوشنودی کے لیے) خرچ کرتے؟ اور اللہ تو ان کی حالت کی پوری خبر رکھتا تھا- (۳۹)

(یاد رکھو) اللہ (جزائے عمل میں) ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا (کہ عمل کے بدلے میں کسی طرح کی کمی ہو جائے' یا کوئی بدلے سے محروم رہ جائے- اس کا قانون تو یہ ہے کہ) اگر ذرہ برابر بھی کسی نے نیکی کی ہے' تو وہ اسے دوگنا کر دے گا اور پھر اپنے پاس سے ایسا بدلہ بھی عطا فرمائے گا جو بہت بڑا بدلہ ہوگا! (۴۰)

اور پھر (اے پیغمبر!) کیا حال ہوگا اس دن (یعنی قیامت کے دن) جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ طلب کریں گے (یعنی اس کے پیغمبر کو طلب کریں گے جو اپنی امت کے اعمال واحوال پر گواہ ہوگا) اور ہم تجھے بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے طلب کریں گے؟ (۴۱)

سو اس دن ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور رسول کے حکموں سے نافرمان ہو گئے ہیں وہ (حسرت وندامت سے) تمنا کریں گے- کاش (وہ دھنس جائیں اور) زمین ان کے اوپر برابر ہو جائے! اور اس دن وہ اللہ سے (اپنی) کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے! (۴۲)

مسلمانو[1]! ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو- نماز کے لیے ضروری ہے کہ تم ایسی حالت میں ہو کہ جو کچھ زبان سے کہو (ٹھیک طور پر) اسے سمجھو-

اور اسی طرح جس کسی کو نہانے کی حاجت ہو تو وہ بھی جب تک نہا نہ لے' نماز کا قصد نہ کرے- ہاں راہ چلتا

---

[1] معاشرتی زندگی کے جو حقوق وفرائض بیان کیے گئے ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ ان کی اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو' تو چاہیے کہ خدا کے ذکر وعبادت سے اپنی ایمانی قوت مضبوط کرتے رہو- جو جماعت نماز کی حقیقت سے محروم ہوگی' یعنی عبادت کے خشوع وخضوع کا اس میں ذوق نہ ہوگا' وہ کبھی عملی زندگی کی اخلاقی مشکلوں پر قابو نہیں پا سکتی-

اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے باشندے صدیوں سے شراب نوشی کے عادی ہو رہے تھے- مشکل تھا کہ بیک دفعہ باز آ جاتے ⇦

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىِٕكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي

مسافر ہو (تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی آدمی جائے ضرور سے فارغ ہو کر آئے یا ایسا ہو کہ تم نے عورت کو چھوا ہو (یعنی زناشوئی کی بات ہوئی ہو) اور (وضو اور غسل کے لیے) پانی نہ ملے تو اس صورت میں چاہیے پاک زمین سے کام لو- (طریقہ اس کا یہ ہے کہ زمین پر ہاتھ مار کر) چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لو- بلاشبہ اللہ درگزر کرنے والا اور بخش دینے والا ہے! (۴۳)

کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنہیں کتاب اللہ (کے علم میں) سے ایک حصہ دیا گیا تھا؟ کس طرح وہ (ہدایت دے کر) گمراہی خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں تم بھی راہ سے بہک جاؤ؟ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہے - (تمہارے لیے) اللہ کی دوستی اور اس کی مددگاری کافی ہے! (۴۴)

(اے پیغمبر!) یہودیوں میں کچھ ایسے ہیں (جن کا شیوہ ہے) کہ لفظوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیا کرتے ہیں اور (جب تم سے ملتے ہیں تو) اس خیال سے کہ دین حق کے خلاف طعن و تشنیع کریں زبان مروڑ مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں (چنانچہ) کہتے ہیں "سمعنا وعصینا" اور "سمع غیر مسمع" اور "راعنا" ☆ اگر یہ لوگ (راست بازی سے محروم نہ ہوتے

⇦ اس لیے بتدریج ممانعت کے احکام نازل ہوتے رہے- بالآخر قطعی طور پر اس کا استعمال حرام کر دیا گیا- یہاں نماز کے وقت شراب نوشی سے بچنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ابتدائی عہد کا ہے- اس وقت تک شراب کی حرمت کا آخری اعلان نہیں ہوا تھا-

تیمم کا حکم- اگر پانی میسر نہ آئے یا بیماری مانع ہو تو وضو اور غسل کی جگہ تیمم کر لو لیکن کسی حال میں بھی نماز ترک نہ کرو-

نماز کے ذکر کے بعد سلسلۂ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے- اور پیروان دعوت حق پر یہ حقیقت واضح کی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہاری فلاح و سعادت کے لیے احکام شریعت نازل کر دیے ہیں اسی طرح تم سے پہلے یہود و نصاریٰ کے لیے بھی احکام نازل کر دیے تھے- لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ وہ راہ ہدایت سے منحرف ہو گئے- پس چاہیے کہ ان کی حالت سے عبرت پکڑو اور اخلاص و صداقت کے ساتھ احکام الٰہی پر کاربند ہو-

یہود مدینہ کی یہ شقاوت کہ جب پیغمبر اسلام اور مسلمانوں سے ملتے تو ذو معنی اور مشتبہ الفاظ کہہ کر دل کا بخار نکالتے - (۴۶)

ضمناً مدینہ کے یہودیوں کو انذار کہ اگر دین حق کی مقاومت سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ دعوت حق کی فتح مندی ان کی ذلت و خواری کا آخری فیصلہ کر دے گی- دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ اعلان حرف بہ حرف پورا ہوا (۴۷)

سورۂ آل عمران میں یہود اور نصاریٰ کی سب سے بڑی گمراہی یہ بتلائی تھی کہ انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو ایسا مقدس اور بااختیار سمجھ رکھا ہے گویا وہ خدا کی خدائی میں شریک ہیں (۶۴-۷۹) خدا کی خدائی میں شریک سمجھنے سے مقصود وہ اعتقاد ہے جو یہودیوں میں اپنے فقیہوں کی نسبت اور عیسائیوں میں پوپ اور پادریوں کی نسبت پیدا ہو گیا تھا یا جو کچھ وہ اپنے راہبوں اور فقیروں کی نسبت اعتقاد رکھتے تھے- اس گمراہی کا نتیجہ یہ تھا کہ ہدایت کا سررشتہ کتاب الٰہی کی جگہ چند انسانوں کے ہاتھ آ گیا تھا- وہ لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتے تھے اپنی نفسانی غرضوں کے لیے استعمال کرتے تھے- لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا تھا- توہم پرستی و جہالت میں غرق ہو گئے تھے اور انسان کی عقلی ترقی و روشنی کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں- ⇦

☆ "سمعنا و اطعنا" کے معنی ہیں ہم نے حکم سنا اور ہم نے اطاعت کی- یہودی از راہ شرارت اسے اس طرح ادا کرتے کہ "اطعنا" "عصینا" ہو جاتا- ⇦

الدِّيْنِ ط وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ لا وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ط وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

اوران شرارت آمیز لفظوں کی جگہ) "سمعنا واطعنا" اور "اسمع" اور "نظرنا" کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا اور درستی کی بات تھی- لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی- پس ایک چھوٹے گروہ کے سوا اور سب ایمان سے محروم ہیں! (۴۶)

اے وہ لوگو کہ تمہیں کتاب دی گئی تھی جو کتاب ہم نے (پیغمبر اسلام پر) نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے جو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہے' اس پر ایمان لاؤ (اور انکار حق کے شیوہ سے باز آ جاؤ) اس وقت سے پہلے ایمان لے آؤ' جب ایسا ہو کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے پیٹھ پیچھے الٹا دیں' (یعنی انہیں ذلیل وخوار کر دیں) یا ایسا ہو کہ جس طرح سبت والوں ☆ پر ہماری پھٹکار پڑی تھی' اسی طرح ان پر بھی پھٹکار پڑے- اور (یاد رکھو) خدا نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے (یعنی جو قانون ٹھہرا دیا ہے) وہ ضرور ہو کر رہے گا! (۴۷)

اللہ یہ بات کبھی بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک ٹھہرایا جائے (جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرالیا ہے) ہاں اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں وہ چاہے تو بخش دے اور (دیکھو) جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یقیناً وہ بہت بڑا گناہ کرتا ہوا (خدا پر) افترا پردازی کرتا ہے- (۴۸)

⇦ قرآن نے اس گمراہی کو شرک قرار دیا ہے- وہ یہودیوں سے کہتا ہے کہ سارے گناہ بخش دیے جا سکتے ہیں مگر اس کے لیے بخشائش نہیں کیونکہ یہ گمراہی شریعت الٰہی کے تمام مقاصد درہم برہم کر دیتی ہے اور انسان کی ہدایت کا مرکز اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے (۴۸)

یہودیوں کی سب سے بڑی گمراہی' مذہبی گروہ بندی کا گھمنڈ ہے- وہ ایمان و عمل کی روح سے محروم ہو چکے ہیں' لیکن پھر بھی اپنے اہل کتاب اور بنی اسرائیل ہونے پر نازاں ہیں- وہ کہتے ہیں ہم خدا کی چہیتی قوم ہیں اور آخرت کی نجات ہمارے لیے لکھ دی گئی ہے- جب بھی کوئی جماعت دین کے سچے علم و عمل سے محروم ہو جاتی ہے تو ایسے ہی غرور باطل میں مبتلا ہو جاتی ہے- (۴۹)

⇦ یعنی ہم نے حکم سنا اور خلاف ورزی کی- "اسمع" کے معنی ہیں ہماری بات سنیے- اور دہ اس کے ساتھ "غیر مسمع" بھی بڑھا دیتے جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ خدا تمہیں بری بات نہ سنوائے- دوسرے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بہرے ہو جاؤ- اسی طرح "راعنا" بولتے جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہماری طرف التفات کیجیے- دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے چرواہے عربی میں کہتے ہیں "راعی الحمار الحمر" اذا رعیٰ معها-

☆ سبت والوں سے مقصود یہودیوں کی وہ جماعت ہے جنہیں سبت کے دن کے احترام کا حکم دیا گیا تھا اور اس دن شکار کھیلنے سے روک دیے گئے تھے' لیکن انہوں نے حیلے بہانے نکال کر اس حکم کی نافرمانی کی اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے- سورۂ بقرہ کی آیت ۶۵ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور تفصیل سورۂ اعراف میں ملتی ہے- (۷: ۱۶۳)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنی پاکی کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں؟ (یعنی اپنے اہل کتاب ہونے کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں آخرت کی نجات تو صرف ہمارے ہی لیے ہے) حالانکہ (اپنے منہ پاک بننے سے کوئی پاک نہیں ہو جاتا) یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے (برائیوں سے) پاک وصاف کر دے اور (اس کا قانون تو یہ ہے کہ جزائے عمل میں) رائی برابر بھی کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ (۴۹)

دیکھو یہ لوگ کس طرح اللہ پر صریح بہتان باندھ رہے ہیں؟ (اس کا قانون تو یہ ہے کہ پاکی ونجات کا دارومدار ایمان وعمل پر ہے اور یہ کہتے ہیں، یہودیت کی گروہ بندی پر ہے) ان کی آشکارا گناہ گاری کے لیے یہی ایک بات بس کرتی ہے! (۵۰)

(اے پیغمبر!) کیا تم ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں کتاب اللہ (کے علم میں) سے ایک حصہ دیا گیا تھا؟ (کس طرح) وہ بتوں کے اور شریر قوتوں کے معتقد ہو گئے ہیں، اور کافروں کی نسبت (یعنی مشرکین عرب کی نسبت) کہتے ہیں "مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ سیدھے رستے پر ہیں۔" (۵۱)

یقین کرو یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار پڑی اور جس کسی پر اس کی پھٹکار پڑی تو ممکن نہیں تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ! (۵۲)

پھر (یہ لوگ جو پیروان حق کی دشمنی میں اس قدر کھوئے گئے ہیں تو) کیا یہ بات ہے کہ ان کے قبضے میں پادشاہت کا کوئی حصہ آ گیا ہے اور اس لیے نہیں چاہتے کہ لوگوں کو رائی برابر بھی (اس میں سے) کچھ مل جائے؟ (۵۳)

یا پھر خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کا انہیں حسد ہے (اور نہیں چاہتے کہ جس نعمت سے خود محروم ہو چکے ہیں وہ دوسروں کے حصے میں آئے؟) اگر یہی بات ہے تو (انہیں اس بات سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے کہ) ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی تھی اور ساتھ ہی بڑی بھاری سلطنت بھی عطا فرمائی تھی۔ (۵۴) پھر ان میں سے کوئی تو ایسا

۱ جب ایک جماعت میں اتباع حق کی جگہ جتھابندی اور گروہ پرستی کی روح پیدا ہو جاتی ہے، تو پھر حق و باطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ وہ چاہتی ہے جس طرح بھی بنے، اپنی بات بنائی جائے اور مخالف گروہ کو زک دے دی جائے۔ اگر ایسا کرنے میں اسے خود اپنے اصولوں اور عقیدوں کے خلاف بھی جانا پڑے، تو بلا تامل چلی جاتی ہے۔

یہی حال مدینے کے یہودیوں کا تھا۔ وہ ہمیشہ بت پرستی کے مخالف رہے اور بت پرستوں کی تحقیر و تذلیل کرتے رہے۔ لیکن اب مسلمانوں کی ضد میں آ کر بت پرستوں کی تعریف کرتے اور کہتے، ان مسلمانوں سے تو مشرکوں ہی کا طور طریقہ زیادہ قرین صواب ہے!

مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

ع

ہوا جس نے اس بات پر یقین کیا- کوئی ایسا ہوا جس نے روگردانی کی، اور (جس نے روگردانی کی تو اس کے لیے) دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ بس کرتی ہے!-(۵۵) (یاد رکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا (یعنی انہیں جھٹلایا اور سرکشی وشرارت سے مقابلہ کیا) تو قریب ہے کہ (قیامت کے دن) ہم انہیں آتش دوزخ میں جھونک دیں- جب کبھی ایسا ہوگا ان کی کھال (آگ کی گرمی سے) پک جائے گی (یعنی جل جائے گی) تو ہم پچھلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے- تاکہ عذاب کا مزہ (اچھی طرح) چکھ لیں- بلاشبہ اللہ سب پر غالب ہے اور جو کچھ کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے!(۵۶)

اور جو لوگ (ہماری آیتوں پر) ایمان لائے اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے تو ہم انہیں (راحت وسرور کے) ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے ان کی سرسبزی وشادابی کبھی ختم ہونے والی نہیں) وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے- ان کی رفاقت کے لیے نیک وپارسا بیویاں ہوں گی- نیز ہم انہیں (اپنی رحمت کے) بڑے اچھے سایے میں جگہ دیں گے!-(۵۷) (مسلمانو)[1] خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو جس کی امانت ہو وہ اس کے حوالے کر دیا کرو (ایسا نہ کرو کہ کسی حق دار اور اہل کے حق سے انکار کرو) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ کرو- کیا ہی اچھی بات ہے جس کی خدا تمہیں نصیحت کرتا ہے! بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!(۵۸)

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو- اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں حکم اور اختیار رکھتے ہوں- پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (یعنی اختلاف ونزاع پیدا ہو جائے) تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی

[1] اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر کے بعد مسلمانوں سے خطاب اور قیام عدل، ادائے امانت اور رفع نزاع کے اصول ومہمات:

(۱) اجتماعی زندگی کے نظم وفلاح کے لیے اصل اصول یہ ہے کہ جو جس بات کا حق دار ہو اس کے حق کا اعتراف کرو اور جو چیز جسے ملنی چاہیے وہ اس کے حوالے کر دو- وارث کا حق ہو یتیم کا مال ہو قرض دار کا قرض ہو امانت رکھنے والے کی امانت ہو اہلیت رکھنے والے کے لیے منصب اور عہدہ ہو کوئی چیز ہو اور کوئی صورت ہو لیکن جو جس کا حق ہے اور جو جس کا اہل ہے وہ اسے ملنا چاہیے-

(۲) جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو کسی حالت اور کسی صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ فیصلہ انصاف کے خلاف کیا جائے-

(۳) مسلمانوں کے لیے اصل دین یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کریں اللہ کے رسول کی اطاعت کریں اور جو لوگ ان میں سے صاحب حکم ⇦

وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَیْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ یَحْلِفُوْنَ ۖۗ بِاللّٰهِ اِنْ

ع ۸/۹ ۵

طرف رجوع کرو (اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اسے تسلیم کرلو) اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو' (تو تمہارے لیے راہِ عمل یہی ہے) اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے۔ (۵۹)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی؟ (یعنی منافقوں کی حالت پر) ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن (عمل کا حال یہ ہے کہ) چاہتے ہیں اپنے جھگڑے قضیے ایک سرکش اور شریر (انسان) کے آگے لے جائیں' حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس سے انکار کریں (اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی پیروی کریں) اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے' انہیں اس طرح گمراہ کر دے کہ سیدھی راہ سے بہت دور جا پڑیں۔ (۶۰)

اور[1] (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے نازل کیا ہے اور رسولؐ کی طرف (جس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے) بلایا جاتا ہے تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے روگردانی کرتے ہیں' اور ان کے قدم ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ (۶۱) پھر اگر ایسا ہو کہ ان کے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ پڑے' تو اس وقت ان لوگوں کا کیا حال ہو گا؟ اس وقت یہ تمہارے پاس آ کر خدا کے نام کی قسمیں کھائیں اور کہیں (ہمیں آپ کا فیصلہ ماننے سے کبھی انکار نہیں)

⇐ وا اختیار ہوں ان کی اطاعت کریں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی طرف رجوع کریں' اور جو فیصلہ ملے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ اس حکم سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے تمام مذہبی اختلافات کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع ہونا چاہیے نہ کہ انسانوں کے اقوال و آرا کی طرف۔ اگر مسلمان نے اس حکم قرآنی پر عمل کیا ہوتا تو مذہبی اختلافات و تفرقہ سے محفوظ رہتے' اور ان کی ایک جماعت بہت سی جماعتوں اور مذہبوں میں متفرق نہ ہو جاتی۔ تشریح اس مقام کی آئندہ سورتوں میں آئے گی۔

[1] منافق زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے لیکن عمل کا حال یہ تھا کہ اپنے جھگڑے قضیے چکانے کے لیے مخالفین اسلام کے سامنے لے جاتے تھے' اور اللہ اور اس کے رسول کے فیصلوں پر مخالفین اسلام کے فیصلوں کو ترجیح دیتے تھے۔ پھر جب کبھی ایسا ہوتا' کہ ان کی یہ دورنگی پکڑی جاتی' تو پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹی قسمیں کھاتے' اور کہتے ہم تو آپ ہی کے حکم پر چلنے والے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ کسی نہ کسی طرح معاملہ سلجھ جائے اور مخالفین اسلام کی بھی دل جوئی ہو جائے' ان لوگوں کے پاس چلے گئے تھے۔

یہاں ان لوگوں کی اسی منافقانہ روش کا ذکر کیا گیا ہے اور صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رسول کے حکم اور فیصلے پر یقین نہیں ⇐

اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ

ہم نے جو کچھ کیا تھا' تو اس سے مقصود صرف بھلائی تھی اور یہ کہ (آپس میں) میل ملاپ رہے۔(۶۲)

(اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ پس چاہیے کہ ان کے پیچھے نہ پڑو اور (ان کی ایمان فراموشیوں پر) انہیں پند و نصیحت کرتے رہو۔ تم انہیں (پند و نصیحت کی) ایسی باتیں کہو کہ ان کے دلوں میں اتر جائیں۔(۶۳)

اور (اے پیغمبر! ان لوگوں کو جو تمہاری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہی کے ساتھ ہوئی ہو۔) ہم نے جس کسی کو بھی منصب رسالت دے کر دنیا میں کھڑا کیا تو اسی لیے کیا' کہ ہمارے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور جب ان لوگوں نے (تمہاری نافرمانی کر کے) اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا تھا' تو اگر اسی وقت تمہارے پاس حاضر ہو جاتے اور خدا سے (اپنی نافرمانی کی) معافی مانگتے۔ نیز خدا کا رسول بھی ان کی بخشش کے لیے دعا کرتا' تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے!(۶۴)

پس (دیکھو) تمہارا پروردگار اس بات پر گواہ ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے' جب تک ایسا نہ کریں کہ اپنے تمام جھگڑوں قضیوں میں تمہیں حاکم بنائیں اور پھر (صرف اتنا ہی نہیں' بلکہ) ان کے دلوں کی بھی حالت ایسی ہو جائے کہ جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس کے خلاف اپنے اندر کسی طرح کی کھٹک محسوس نہ کریں' اور وہ جو کسی بات کو پوری پوری طرح مان لینا ہوتا ہے' تو ٹھیک اسی طرح مان لیں۔(۶۵)

اور (دیکھو) اگر ہم انہیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو (یعنی لڑائی میں لڑتے لڑتے جان دے دو) یا حکم دیتے کہ اپنے گھروں سے (ہجرت کر کے) نکل کھڑے ہو' تو (ان کا کیا حال ہوتا؟ یہ ہوتا کہ) چند آدمیوں کے سوا کوئی بھی اس کی تعمیل نہ کرتا۔ حالانکہ جس بات کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے اگر اس پر عمل کرتے تو ان کے لیے بہتری بھی تھی' اور (راہ حق میں) پوری طرح جمے بھی رہتے۔(۶۶) اور (اگر یہ راہ حق میں پوری طرح جمے رہتے' تو) اس صورت میں ضروری تھا کہ (اس کے نتائج بھی ان کے حصے میں

⇐ رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہیں ہو سکتا۔ یقین کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ حکم مان لیا جائے بلکہ ﴿ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ﴾ ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ حکم رسول کے خلاف دل میں کوئی تنگی اور خلش بھی محسوس نہ ہو!

لَّدُنَّآ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَیۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿۶۸﴾ وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیۡمًا ﴿۷۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ فَانۡفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انۡفِرُوۡا جَمِیۡعًا ﴿۷۱﴾ وَ اِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِیۡدًا ﴿۷۲﴾ وَ لَئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَیۡنَكُمۡ وَ بَیۡنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیۡتَنِیۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ﴿۷۳﴾

ع ۹

آتے) ہم اپنی جانب سے انہیں ایسا اجر عطا فرماتے جو بہت بڑا اجر ہوتا-(۶۷) اور ایسی راہ لگا دیتے جو (کامیابی وسعادت کی) سیدھی راہ ہوتی!(۶۸) اور جس[1] کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی' تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر خدا نے انعام کیا ہے' اور وہ نبی ہیں' صدیق ہیں' شہید ہیں اور (تمام) نیک اور راست باز انسان ہیں- اور (جس کسی کے ساتھی ایسے لوگ ہوں' تو) ایسے ساتھی کیا ہی اچھے ساتھی ہیں-(۶۹) یہ بخشش وکرم اللہ کی طرف سے ہے- اور (انسان کا حال جاننے کے لیے) اللہ کا علم کفایت کرتا ہے!(۷۰) مسلمانو! اپنی حفاظت اور تیاری میں لگے رہو- پھر (جب وقت آ جائے تو دشمنوں کے) مقابلے میں نکلو- الگ الگ گروہوں میں ہو کر یا اکٹھے ہو کر (جیسی کچھ مصلحت ہو)۔(۷۱) اور (دیکھو) تم میں کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے کہ (اگر جنگ کی پکار ہو جائے' تو) وہ ضرور قدم پیچھے ہٹائے' اگر (لڑائی میں) تم پر کوئی مصیبت آ پڑے' تو (خوش ہو اور) کہے ''خدا نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا''(۷۲) اور اگر تم پر خدا کا فضل وکرم ہو' تو (رشک وحسد سے جل مرے اور) بے اختیار بول اٹھے' گویا تم میں اور اس میں محبت کا کوئی رشتہ تھا ہی نہیں کہ ''اے کاش میں ان لوگوں کے ساتھ ہوتا کہ بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتا!''(۷۳)

---

[1] انعام یافتہ گروہ چار ہیں: انبیا' صدیقین' شہدا' صالحین-

انبیا سے مقصود خدا کی سچائی کے وہ تمام پیغام بر ہیں جو مختلف عہدوں اور مختلف قوموں میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے نوع انسانی کو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ دکھائی-

صدیق اسے کہتے ہیں جس میں سچائی کی روح غالب ہو- یعنی ایسا انسان جو سچائی سے فطری مناسبت رکھتا ہو اور اسے دیکھتے ہی پہچان لیتا اور قبول کر لیتا ہے- شہید کے معنی ہیں گواہی دینے والا' یعنی ایسا انسان جو اپنے قول وعمل سے سچائی کا اعلان کرنے والا ہو' اور دنیا میں اس کے لیے شہادت وحجت قائم کر دے- صالحین سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو اپنے اعتقاد وعمل میں نیک اور راست باز ہوں-

سورۂ فاتحہ میں ﴿ صراط الذین انعمت علیهم ﴾ سے مقصود انہی گروہوں کی راہ ہے-

اس کے بعد منافقوں کی ان نافرمانیوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے جو جنگ کے معاملہ سے تعلق رکھتی ہیں۔(۷۱)

ہر جماعت میں کچھ لوگ ایمان ویقین سے محروم اور عزم وہمت سے تہی دست ہوتے ہیں- وہ جب دیکھتے ہیں کہ عزم وہمت کا کوئی قدم اٹھایا جا رہا ہے تو اپنی کمزوری سے خود بھی باز رہتے ہیں اور چاہتے ہیں دوسروں کو بھی باز رکھیں- پھر جب جماعت قدم اٹھا دیتی ہے تو الگ تھلگ رہ کر غیروں کی طرح تماشا دیکھتے ہیں- اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا تو خوش ہوتے ہیں' اور کہتے ہیں اچھا ہوا ہم ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے- اگر کامیابی ہوتی ہے تو رشک وحسد سے جل مرتے ہیں- اور کہنے لگتے ہیں کاش ہم نے بھی ساتھ دیا ہوتا تو آج کامیابی میں ہمارا حصہ ہوتا- گویا ان کی شخصیت جماعت کی ہستی سے بالکل الگ ہے- نہ تو اس کا نقصان ان کا نقصان ہے' نہ اس کی کامیابی ان کی کامیابی۔ ⇦

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

سو (دیکھو) جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر چکے ہیں' انہیں چاہیے (ایسے لوگوں کی چال نہ چلیں اور) اللہ کی راہ میں جنگ کریں- اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے تو خواہ قتل ہو جائے' خواہ غالب آئے' (ہر حال میں) ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے- (۷۴) اور (مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے؟ حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد ہیں' کتنی ہی عورتیں ہیں' کتنے ہی بچے ہیں' جو (ظالموں کے ظلم سے عاجز آ کر) فریاد کر رہے ہیں "خدایا! ہمیں اس بستی سے جہاں کے باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے' نجات دلا! (یعنی مکہ سے نجات دلا) اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے اور کسی کو ہماری مددگاری کے لیے کھڑا کر دے!"- (۷۵)

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں' تو ان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے (کیونکہ وہ نفسانی خواہشوں کے لیے نہیں لڑتے حق و انصاف کی حمایت میں لڑتے ہیں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں (یعنی شر و فساد کی شیطانی طاقتوں کی راہ میں لڑتے ہیں) سو (اگر تم ایمان رکھتے ہو' تو چاہیے کہ) شیطان کے حمایتیوں سے لڑو- (اور ان کی طاقت و کثرت کی کچھ پروا نہ کرو) شیطان کا مکر (دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی دے' لیکن حق کے مقابلہ میں) کبھی جمنے والا نہیں!- (۷۶) (اے پیغمبر!)[1] کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ (جنگ و خونریزی سے) ہاتھ روک لو' اور نماز قائم کرو' اور زکوٰۃ ادا کرو (کہ تمہارے لیے امن اور سعادت کی راہ یہی ہے) پھر جب ایسا ہوا کہ (اب خود اسلام کی طرف سے) ان پر لڑنا فرض کر دیا گیا

⇦ اسلام کے ابتدائی عہد میں بھی ایسے لوگ موجود تھے- قرآن ان کے اعمال بیان کرتا اور انہیں مومن کی جگہ منافق قرار دیتا ہے (۷۳)

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ قرآن نے جنگ کا حکم اس لیے نہیں دیا ہے کہ مسلمان دوسروں پر چڑھ دوڑیں بلکہ اس لیے کہ مظلوموں اور بیکسوں کی حمایت کریں اور انہیں ظالموں کے پنجے سے نجات دلائیں- (۷۵)

اسی لیے وہ بار بار کہتا ہے "اللہ کی راہ میں لڑو" یعنی اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے عدل و انصاف کے قیام کے لیے لڑو-

[1] "جنگ و خونریزی سے ہاتھ روک لو" یعنی لوگ قتل و خونریزی کے عادی تھے- اسلام نے اس سے روکا اور اعمال حسنہ کی تلقین کی- اب جب حق و عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا' تو منافق اور وہ لوگ جو ایمان میں کچے ہیں' جنگ سے جی چرانے لگے اور آرزوئیں کرنے لگے کہ کاش یہ حکم نہ دیا جاتا- مگر قرآن کہتا ہے ان کی حالت پر غور کرو- انہیں ظلم و فساد کی راہ میں تو جنگ کرنے سے انکار نہ تھا بلکہ اس کے شائق تھے- اب حق و عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے جی چرا رہے ہیں' اور انسانوں کے خوف سے ایسے ⇦

عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً‌ ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ‌ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ‌ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ‌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿۷۷﴾ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ‌ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ‌ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَۤاءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ

تو یکا یک ایک گروہ انسانوں کے ڈر سے لگا اس طرح ڈرنے' جیسے کوئی خدا سے ڈر رہا ہو' بلکہ اس سے بھی زیادہ! وہ کہتے ہیں خدایا! تو نے ہم پر جنگ کرنا کیوں فرض کر دیا؟ کیوں نہ ہمیں تھوڑے دنوں کی اور مہلت دے دی! (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہہ دو (جس دنیا کی محبت میں تم موت سے بھاگ رہے ہو' اس) دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی تھوڑا ہے' اور جو کوئی (انسانوں کی جگہ) اللہ سے ڈرا تو اس کے لیے آخرت ہی (کا سرمایہ) بہت ہوا- وہاں رائی برابر بھی کسی کی حق تلفی ہونے والی نہیں! (۷۷)

تم کہیں بھی ہو موت تمہارا ٹھکانا پا کر رہے گی- اگر تم اونچے اور مضبوط قلعوں کے اندر (چھپے) ہو جب بھی اس کی پکڑ سے بچنے والے نہیں!- اور (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو کوئی بھلائی کی بات پیش آتی ہے تو کہتے ہیں' یہ خدا کی طرف سے (ہماری کوششوں کا بدلہ) ہے لیکن جب کبھی کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے' تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے (یعنی پیغمبر اسلام کی وجہ سے پیش آیا ہے) تم کہہ دو: جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی کی طرف سے ہے (کہ اس نے ہر حالت اور نتیجے کے لیے قانون ٹھہرا دیے ہیں' اور جو کچھ پیش آتا ہے' وہ ان کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے) پھر (افسوس ان کی حالت پر!) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ہو' سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے!- (۷۸)

(اصل حقیقت تو یہ ہے کہ) جو کچھ بھلائی تمہیں پیش آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' اور جو کچھ نقصان

⇦ کانپ رہے ہیں جیسے کوئی خدا کے ڈر سے کانپ رہا ہو' بلکہ اس سے بھی زیادہ!

مسلمانوں کی جماعت کو جب کبھی کوئی نقصان پیش آ جاتا' تو منافق اور یہودی کہتے' یہ سب کچھ پیغمبر اسلام کی وجہ سے ہوا- قرآن کہتا ہے ''کہہ دو جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے'' یعنی خدا نے ہر حالت اور نتیجہ کے لیے احکام و قوانین مقرر کر دیے ہیں، جو کچھ بھی پیش آتا ہے' ان حالات کا لازمی نتیجہ ہے- پس یہ بڑی ہی جہالت اور عناد کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو- (۷۸)

آگے چل کر فرمایا' جو کچھ برائی پیش آتی ہے وہ خود تمہاری ہی بدعملی کا نتیجہ ہے- اس کا الزام دوسرے کے سر نہ ڈالو- پیغمبر اسلام تو اللہ کے رسول ہیں اور رسول کا کام یہی ہے کہ پیغام پہنچا دے- ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے- اگر تم ان کے احکام کی اطاعت نہ کرو اور اس کا برا نتیجہ پیش آئے تو اس کی ذمہ داری تم پر ہے' نہ کہ پیغمبر اسلام پر- (۷۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جماعت کی ریاست و پیشوائی کا منصب رکھتا ہے اسے کیسی کیسی دشواریوں میں سے گزرنا پڑتا ہے؟ وہ جب عزم و عمل کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہو جاتا ہے جو یقین کا کچا اور ہمت کا کمزور ہوتا ہے- وہ اطاعت کی جگہ مخالفت کی روش اختیار کرتا ہے- پھر جب اس صورت حال کی وجہ سے کوئی ناکامی پیش آ جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ اپنی بدعملیوں پر نادم ہوں' سارا الزام رئیس جماعت کے سر ڈال دیتے ہیں' اور مخالفت کا ایک نیا بہانہ ان کے ہاتھ آ جاتا ہے- اسی لیے آگے چل کر کہا'' اللہ پر بھروسہ رکھو اللہ کی کارسازی تمہارے لیے کافی ہے!'' (۸۱)

⇦

فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ﴿۸۰﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾

اٹھاتے ہو وہ خود تمہاری طرف سے ہوتا ہے (یعنی خود تمہاری بدعملیوں کا نتیجہ ہوتا ہے) اور (اے پیغمبر!) تمہیں لوگوں کے پاس اپنا پیامبر بنا کر بھیجا ہے (اور پیغام لے جانے والے کا کام یہی ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ تم لوگوں کی نافرمانیوں اور بدعملیوں کے لیے ذمہ دار نہیں ہو سکتے) اور (تمہارے پیامبر ہونے کے لیے) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے! (۷۹) جس کسی[1] نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے فی الحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جس کسی نے روگردانی کی تو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان پر کوئی پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ ان کے اعمال کے لیے تم جواب دہ ہو اور جبراً ان سے اپنی اطاعت کراؤ) (۸۰) اور (دیکھو یہ لوگ تمہارے سامنے تو تمہاری باتیں مان لیتے ہیں اور) کہتے ہیں آپ کا حکم ہمارے سر آنکھوں پر! لیکن جب تمہارے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو راتوں کو اپنی مجلسیں جماتے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور راتوں کی (ان) مجلسوں میں وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ (کے علم سے چھپا نہیں وہ ان کے نامہ اعمال میں) لکھ رہا ہے!۔ پس (جب ان لوگوں کا حال یہ ہے تو) چاہیے کہ ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ کارسازی کے لیے اللہ کی کارسازی بس کرتی ہے! (۸۱) پھر کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور و فکر نہیں کرتے؟ (اور خدا کی دی ہوئی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے؟) اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے۔ (حالانکہ وہ اپنی ساری باتوں میں اول سے لے کر آخر تک کامل طور پر ہم آہنگ اور یکساں ہے)۔ (۸۲)

⇦ یعنی صاحب عزم کو چاہیے ان باتوں سے دل گرفتہ نہ ہو اللہ پر بھروسہ رکھے اور اپنے کام میں سرگرم رہے۔ اس کا عزم و ثبات بالآخر تمام دشواریوں پر غالب آ جائے گا۔

[1] اللہ کے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور اللہ کا رسول اس لیے آتا ہے کہ پیغام حق پہنچا دے۔ اس لیے نہیں کہ لوگوں کے اعمال کا پاسبان ہو اور انہیں جبراً اپنے طریقہ پر چلائے۔

جب تمہاری نافرمانیوں کا یہ حال ہے کہ منہ سے تو اطاعت کا اقرار کر لیتے ہو لیکن راتوں کو مجلس جما کر مخالفانہ مشورے کرتے ہو تو پھر تمہیں کیا حق ہے کہ نتائج کے لیے اللہ کے رسول کو ذمہ دار ٹھہراؤ؟ (۸۱)

[2] آیت (۸۲) سے معلوم ہوا کہ:

(۱) قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور و فکر کرے، پس یہ سمجھنا کہ وہ صرف اماموں اور مجتہدوں ہی کے سمجھنے کی چیز ہے صحیح نہیں۔ (۲) غور و فکر وہی کر سکتا ہے جو مطالب سمجھے۔ (۳) اور جو اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتا ہو اور دلائل و وجوہ سے نتائج نکال سکے۔ پس مقلد اعمیٰ (یعنی اندھی تقلید کرنے والا) قرآن میں غور و فکر کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ (۴) جو شخص قرآن میں تدبر کرتا ہے اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

⇦

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

النصف

اور جب ان لوگوں کے پاس امن کی یا خوف کی کوئی خبر پہنچ جاتی ہے' تو یہ (فوراً) اسے لوگوں میں پھیلانے لگتے ہیں- اگر یہ اسے (لوگوں میں پھیلانے کی جگہ) اللہ کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو ان میں حکم و اختیار والے ہیں پیش کرتے تو جو (علم و نظر والے) بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں' وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے (اور عوام میں تشویش نہ پھیلتی) اور (دیکھو) اگر اللہ کا تم پر فضل نہ ہوتا' اور اس کی رحمت نہ ہوتی' تو (تمہاری کمزوریوں کا یہ حال تھا کہ) معدودے چند آدمیوں کے سوا سب کے سب شیطان کے پیچھے لگ لیے ہوتے-(۸۳)

پس (اے پیغمبر! تم اس بات کی بالکل پروا نہ کرو کہ یہ لوگ تمہارا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں) تم اللہ کی راہ میں جنگ کرو' کہ تم پر تمہاری ذات کے سوا اور کسی کی ذمہ داری نہیں' اور مومنوں کو بھی جنگ کی ترغیب دو- عجب نہیں کہ بہت جلد اللہ منکرین حق کا زور اور تشدد روک دے' اور اللہ کا زور سب سے زیادہ قوی' اور سزا دینے میں وہ سب سے زیادہ سخت ہے-

(۸۴) جو انسان دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کے کام میں ملتا اور مددگار رہتا ہے' تو اسے اس کام (کے اجر و نتائج) میں حصہ ملے گا' اور جو کوئی برائی میں دوسرے کے ساتھ ملتا اور مددگار رہتا ہے' تو اس کے لیے اس برائی میں حصہ ہوگا- اور اللہ ہر چیز کا محافظ اور نگران ہے (وہ ہر حالت اور ہر عمل کے مطابق بدلہ دیتا ہے)-

(۸۵) اور (مسلمانو!) جب کبھی تمہیں دعا دے کر سلام کیا جائے' تو چاہیے کہ جو کچھ سلام و دعا میں کہا گیا ہے اس سے زیادہ اچھی بات جواب میں کہو- یا (کم از کم) جو کچھ کہا گیا ہے اسی کو لوٹا دو- بلاشبہ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے (تمہاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کے محاسبہ سے چھوٹ نہیں سکتی)-(۸۶)

⇦ آیت (۸۳) سے معلوم ہوا کہ جب کبھی کوئی بات سننے میں آئے' خواہ امن کی ہو' خواہ خوف کی' تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ بے سمجھے بوجھے پھیلانا شروع کر دیں' بلکہ چاہیے کہ جو لوگ ''اولوالامر'' یعنی صاحب حکم و اختیار ہوں' ان کے سامنے پیش کی جائے-

آیت (۸۶) میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم ہے' اور حسن اخلاق و معاشرت کی اس اصل پر زور دیا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص تمہیں سلام کرے' تو چاہیے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ بہتر طور پر اس کا جواب دو- اور اگر بہتر طور پر نہ دو تو کم از کم اسی کی بات اس پر لوٹا دو- یہ حکم یہاں اس مناسبت سے آیا ہے کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی' منافق ہو یا ایمان دار' لیکن جو کوئی بھی تم پر سلامتی بھیجے تمہیں بھی اس کا ویسا ہی جواب دینا چاہیے- اس کے دل کا حال خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے-

ع اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا

(یاد رکھو) اللہ ہی کی ایک ذات ہے- کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی- وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن (اپنے حضور) اکٹھا کرے گا- اس میں کوئی شبہ نہیں' (یہ خود اللہ کا کہنا ہے) اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں کون سچا ہو سکتا ہے؟ (۸۷)

(مسلمانو) [۱] تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو فریق بن گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان بدعملیوں کی وجہ سے جو انہوں نے کمائی ہیں انہیں الٹا دیا ہے (یعنی وہ راہ حق سے پھر چکے ہیں) کیا تم چاہتے ہو ایسے لوگوں کو راہ دکھا دو جن پر خدا نے راہ گم کر دی! (یعنی جن پر خدا کے قانون سعادت وشقاوت کے بموجب ہدایت کی راہ بند ہو گئی ہے!) اور (یاد رکھو) جس کسی پر اللہ راہ گم کر دے (یعنی جس کسی پر اس کے قانون کا فیصلہ لگ جائے کہ اس کے لیے راہ پانا نہیں) تو پھر تم اس کے لیے کوئی راہ نہیں نکال سکتے! (۸۸)

ان منافقوں کی دلی تمنا تو یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے کفر کی راہ اختیار کر لی ہے تم بھی کر لو اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ- پس (دیکھو) جب تک یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں (اور دشمنوں کا ساتھ چھوڑ کر تمہارے پاس نہ آ جائیں) تمہیں چاہیے ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ-

پھر اگر یہ ہجرت کرنا قبول نہ کریں' تو (جو کوئی جنگ کی حالت میں دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے یقیناً اس کا شمار بھی دشمنوں ہی

---

[۱] مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگوں نے مصلحتاً اسلام کا دم بھرنا شروع کر دیا تھا لیکن دل میں قطعاً مخالف تھے- جب جنگ چھڑی تو مسلمانوں میں دو رائیں ہو گئیں- کچھ لوگ کہتے ہیں وہ ہم میں سے ہیں' کچھ کہتے دشمنوں میں سے ہیں- یہاں قرآن نے واضح کیا ہے کہ وہ قطعاً منافق ہیں- ان کی نسبت بحث و اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں- اگر وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں' اور دشمنوں کے حلقہ میں نہ رہیں تو تم انہیں اپنا ساتھی سمجھ سکتے ہو لیکن اگر اس سے انکار کریں تو پھر ظاہر ہے کہ جو کوئی دشمنوں کے ساتھ ہو گا وہ دشمنوں ہی میں سے سمجھا جائے گا اور جس طرح جنگ میں تمام دشمنوں سے لڑنا ہے ان سے بھی لڑنا ہے-

یاد رہے کہ اس سے پہلے جن منافقوں کا ذکر تھا وہ مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے' اور یہاں جن منافقوں کا ذکر ہے وہ مکہ کا ایک خاص گروہ تھا-

چونکہ یہ لوگ بھی دشمنوں میں سے تھے' اور جنگ کی حالت قائم ہو گئی تھی' اس لیے فرمایا کہ ان سے دوستی و یگانگت کے تعلقات رکھنا جائز نہیں- اس کے بعد بتلایا کہ دو طرح کے آدمی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:

(۱) جو لوگ دشمنوں کا ساتھ چھوڑ کر کسی ایسے گروہ کے پاس چلے جائیں جس کے ساتھ تمہارا عہد و پیمان صلح ہو-

(۲) یا ایسے لوگ جو ناطرف دار ہو جائیں- نہ تم سے لڑیں نہ تمہاری طرف سے اپنی قوم کے ساتھ لڑیں-

تو اس طرح کے لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا حکم نہیں اور نہ ان سے میل ملاپ رکھنا منع ہے- اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جو کوئی تمہارے خلاف جنگ و جدال پر مصر نہ ہو اور صلح و مسالمت کا ہاتھ بڑھائے' تو تمہارے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ اس پر ہتھیار اٹھاؤ- تمہیں جنگ کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ تمہیں جنگ کا خواہش مند ہونا چاہیے بلکہ اس لیے کہ تمہارے برخلاف جنگ کے ⇦

تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

ع ۱۴ / ۹

میں ہو گا پس) انہیں گرفتار کرو جہاں کہیں پاؤ' قتل کرو' اور نہ تو کسی کو اپنا دوست بناؤ نہ کسی کو اپنا مددگار- (۸۹)

مگر ہاں جو لوگ (دشمنوں سے الگ ہو کر) کسی ایسی قوم سے جا ملیں کہ تم میں اور اس میں عہد و پیمان ہو چکا ہے' یا ایسے لوگ ہوں کہ لڑائی سے دل برداشتہ ہو کر تمہارے پاس چلے آئیں۔ نہ تم سے لڑیں نہ (تمہاری طرف سے) اپنی قوم کے ساتھ لڑیں (تو ایسے لوگ اس حکم میں داخل نہیں۔ ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہ اٹھے) اگر خدا چاہتا تو ان لوگوں کو بھی تم پر مسلط کر دیتا کہ تم سے لڑے بغیر نہ رہتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے اور جنگ نہیں کرتے نیز صلح کا پیغام بھیج رہے ہیں' تو پھر خدا نے تمہارے لیے کوئی راہ نہیں رکھی کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو- (۹۰)

ان کے علاوہ کچھ لوگ تمہیں ایسے بھی ملیں گے جو (لڑائی کے خواہشمند نہیں ہیں) تمہاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں' اور اپنی قوم کی طرف سے بھی- لیکن جب کبھی فتنہ و فساد کی طرف لوٹا دیے جائیں تو اوندھے منہ اس میں گر پڑیں (اور اپنی جگہ قائم نہ رہ سکیں) سو اگر ایسے لوگ کنارہ کش نہ ہو جائیں' اور تمہاری طرف پیام صلح نہ بھیجیں' اور نہ لڑائی سے ہاتھ روکیں' تو انہیں بھی گرفتار کرو' اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے برخلاف ہم نے تمہیں کھلی حجت (جنگ) دے دی ہے- (۹۱)

اور[1] (دیکھو) کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے' مگر یہ کہ غلطی سے (اور شبہ میں) اس کے ہاتھ سے کوئی قتل ہو جائے-

---

⇦ خواہش مندوں نے جتھابندی کر لی ہے- پس اگر کوئی فرد یا گروہ جنگ کا خواہش مند نہیں رہتا' تو پھر تمہارے لیے مقابلہ کی علت بھی باقی نہیں رہتی- کیونکہ اصل امن و صلح ہے نہ کہ جنگ و قتل-

[1] اور یہ جو ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا' تو صرف اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ مقابلہ کریں- ورنہ اگر جنگ کی حالت نہ ہو' تو قتل نفس ایک بہت بڑا گناہ ہے' اور ایک مسلمان کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو یا معاہد کو دیدہ و دانستہ قتل کر ڈالے- معاہد سے مقصود وہ تمام غیر مسلم ہیں جن سے مسلمانوں کی جنگ نہ ہو' امن و صلح ہو۔ اس کے بعد بتلایا ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے اور شبہ میں کسی مسلمان یا معاہد کو قتل کر دے تو اس کا حکم کیا ہے؟

یاد رہے کہ قرآن نے دو حالتوں کے سوا اور کسی حال میں بھی قتل نفس کو جائز نہیں رکھا ہے- یا تو لڑائی کی حالت ہو' یا قانون ⇦

وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ؗ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ

اور جس کسی نے ایک مسلمان کو غلطی سے (اور شبہ میں) قتل کر دیا ہو تو چاہیے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خوں بہا دے۔ اگر مقتول کے وارث خون بہا معاف کر دیں تو کر دے سکتے ہیں۔

اور اگر مقتول اس قوم میں سے ہو جو تمہاری دشمن ہے (یعنی تم سے لڑ رہی ہے) اگر مومن ہو (اور کسی نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی دشمنوں میں سے ہے اسے قتل کر دیا ہو) تو چاہیے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے۔ (خوں بہا کا دلانا ضروری نہ ہوگا کیونکہ اس کے وارثوں اور ساتھیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہے)۔

اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے (یعنی معاہد ہو) تو چاہیے کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو خوں بہا بھی دے، اور ایک مسلمان غلام آزاد بھی کرے۔

اور جو کوئی غلام نہ پائے (یعنی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ غلام کو مال کے بدلے حاصل کرے اور آزاد کرائے تو اسے چاہیے لگاتار دو مہینے روزے رکھے۔ اس لیے کہ اللہ کی طرف سے یہ (اس کے گناہ کی) توبہ ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۹۲)

اور جو مسلمان[1] کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے، تو (یاد رکھو) اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اس کی پھٹکار پڑی، اور اس کے لیے خدا نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے! (۹۳)

مسلمانو! جب ایسا ہو کہ تم اللہ کی راہ میں (جنگ کے لیے) باہر جاؤ، تو چاہیے کہ (جن لوگوں سے مقابلہ ہو، ان کا حال) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (کہ وہ دشمنوں میں سے ہیں یا دوستوں میں سے ہیں) جو کوئی تمہیں سلام کرے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے) تو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو (ہم تم سے ضرور لڑیں گے) کیا تم دنیا کے سروسامان زندگی کے طلب گار ہو (کہ چاہتے ہو) جو کوئی بھی ملے اس سے لڑ کر مال غنیمت لوٹ لیں؟ اگر یہی بات ہے تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سی (جائز) غنیمتیں موجود ہیں (تم ظلم و معصیت کی راہ کیوں اختیار کرو؟) تمہاری حالت بھی تو پہلے ایسی ہی تھی (اور بجز کلمہ اسلام کے اسلام کا اور کوئی ثبوت نہیں رکھتے تھے) پھر اللہ نے تم پر احسان کیا (کہ تمام باتیں اسلامی زندگی کی حاصل ہو گئیں)

⇐ کی رو سے کسی مجرم کو سزا دی جائے، مثلاً قاتل کو قتل کے بدلے قتل کیا جائے۔

[1] جو کوئی جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دے، تو اس کی سزا جہنم کا دائمی عذاب ہے اور اللہ کا غضب اور اس کی پھٹکار!

اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ فَتَبَیَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۹۴﴾ لَا یَسۡتَوِی الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الۡمُجٰہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ فَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجٰہِدِیۡنَ بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ دَرَجَۃً ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنٰی ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجٰہِدِیۡنَ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿ۙ۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنۡہُ وَ مَغۡفِرَۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿٪۹۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا کُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُہَاجِرُوۡا فِیۡہَا ؕ فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿ۙ۹۷﴾

ع ۱۴/۵

پس ضروری ہے کہ (لڑنے سے پہلے) لوگوں کا حال تحقیق کر لیا کرو- تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے! (۹۴)

مسلمانوں[1] میں سے جو لوگ معذور نہیں ہیں اور بیٹھے رہے ہیں (یعنی جہاد میں شریک نہیں ہوئے ہیں) وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں- اللہ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر باعتبار درجے کے فضیلت دی ہے اور (یوں تو) خدا کا وعدۂ نیک سب کے لیے ہے (کسی کا بھی عمل نیک ضائع نہیں ہو سکتا لیکن درجے کے اعتبار سے سب برابر نہیں) اور (اسی لیے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کو ان کے بڑے اجر میں بھی اللہ نے فضیلت عطا فرمائی- (۹۵) یہ اس کی طرف سے (ٹھہرائے ہوئے) درجے ہیں' اس کی بخشش اور رحمت ہے' اور وہ (بڑا ہی) بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے! (۹۶)

جو لوگ[2] (دشمنوں کے ساتھ رہ کر) اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہے ہیں' ان کی روح قبض کرنے کے بعد فرشتے ان سے پوچھیں گے "تم کس حال میں تھے؟" (یعنی دین کے اعتبار سے تمہارا حال کیا تھا؟) وہ جواب میں کہیں گے "ہم کیا کرتے؟ ہم ملک میں دبے ہوئے اور بے بس تھے" (یعنی بے بسی کی وجہ سے اپنے اعتقاد و عمل کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے) اس پر فرشتے کہیں گے (اگر تم اپنے ملک میں بے بس ہو رہے تھے' تو) "کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ کسی دوسری جگہ ہجرت کر کے چلے جاتے؟" غرض کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہوا' اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہو تو) کیا ہی بری جگہ ہے! (۹۷)

---

[1] اللہ کے حضور تمام نیک انسانوں کے لیے اجر ہے' لیکن تمام نیکیاں یکساں نہیں ہیں- جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں ان کے درجے کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو مجاہد نہیں ہیں-

[2] جب دشمنان حق کے ظلم و ستم سے عاجز آ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو قدرتی طور پر ملک عرب دو قسموں میں بٹ گیا- دار الہجرت اور دار الحرب- دار الہجرت مدینہ تھا جہاں مسلمان ہجرت کر کے جمع ہو گئے تھے- دار الحرب ملک کا وہ حصہ تھا' جو دشمنوں کے قبضے میں تھا اور اس کا صدر مقام مکہ تھا-

دار الحرب میں جو مسلمان باقی رہ گئے تھے' وہ اعتقاد و عمل کی آزادی سے محروم تھے- انہیں ہمیشہ دشمنوں کا ظلم و ستم سہنا پڑتا تھا- اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں- اگر باوجود استطاعت کے نہیں کریں گے تو اپنی کوتاہی عمل کے لیے جواب دہ ہوں گے- یہاں اسی معاملہ کا ذکر کیا گیا ہے- فرمایا' جو لوگ استطاعت نہ رکھتے ہوں' وہ تو مجبور ہیں' لیکن جو کوئی ہجرت کی استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی دشمنوں کی آبادی نہ چھوڑے' اور اپنی محرومی و ذلت کی حالت پر قانع ہو جائے' تو وہ سخت معصیت کا مرتکب ہو گا' اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے- ⇦

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ

مگر (ہاں) جو مرد، عورتیں، بچے ایسے مجبور اور بے بس ہوں کہ کوئی چارہ کار نہ رکھتے ہوں، اور (ہجرت کی) کوئی راہ نہ پاتے ہوں، (۹۸) تو امید ہے، اللہ (ان کی معذوری دیکھتے ہوئے) انہیں معاف کر دے، اور وہ معاف کر دینے والا، بخش دینے والا ہے! (۹۹) اور (دیکھو) جو کوئی اللہ کی راہ میں (اپنا گھر بار چھوڑ کر) ہجرت کرے گا، تو اسے خدا کی زمین میں بہت سی اقامت گاہیں ملیں گی، اور (ہر طرح کی) کشائش پائے گا (کہ معیشت کی نئی نئی راہیں اس کے سامنے کھل جائیں گی) اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے، اور پھر (راہ ہی میں) موت آ جائے، تو اس کا اجر اللہ کے حضور ثابت ہو گیا (وہ اپنی نیت کے مطابق اپنی کوشش کا اجر ضرور پائے گا) اور اللہ تو (ہر حال میں) بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے! (۱۰۰) اور اگر[1] (جنگ کے لیے) تم سفر میں نکلو اور تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر نماز (کی تعداد) میں سے کچھ کم کر دو۔ بلاشبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں (وہ جب موقع پائیں گے تم پر حملہ کر دیں گے) (۱۰۱) اور (اے پیغمبر!) جب تم مسلمانوں میں موجود ہو (اور جنگ ہو رہی ہو) اور تم ان کے لیے نماز قائم کرو، تو چاہیے کہ (فوج کا) ایک حصہ (مقتدی ہو کر) تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار لیے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکے، تو پیچھے ہٹ جائے، اور دوسرا حصہ جو نماز میں شریک نہ تھا، تمہارے ساتھ شریک ہو جائے۔ اور چاہیے کہ پوری طرح ہشیاری رکھے اور

⇦ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کریں گے، انہیں نئی نئی اقامت گاہیں اور معیشت کے نئے نئے سامان ملیں گے۔

[1] سفر کی حالت میں قصر کرنے، اور جنگ کی حالت میں خاص طریقہ پر نماز ادا کرنے کا حکم جسے ''صلوٰۃ خوف'' کہتے ہیں۔ نیز اس بات کا حکم کہ نماز اوقات کی تقسیم اور پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ نماز کے قصر کا حکم جنگ ہی کی وجہ سے دیا گیا تھا، لیکن پھر ہر طرح کے سفر کے لیے عام ہو گیا۔ سنت اور تعامل سے معلوم ہو چکا ہے کہ قصر سے مقصود چار کی جگہ دو رکعت پڑھنا ہے۔ اگر نماز چار رکعت سے کم کی ہے تو اس میں قصر نہیں۔ اگر جنگ کی حالت میں قصر نماز بھی باطمینان نہیں پڑھ سکتے یا جنگ جاری ہے اور نماز کا وقت آ گیا، تو پھر اس طریقہ سے ادا کرو جس کی ترکیب بتلا دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز مسلمانوں کے لیے ایک ایسا عمل ہے، جس سے کسی حال میں بھی غفلت جائز نہیں۔ حتی کہ عین جنگ کی حالت میں بھی۔ اگر حالت ایسی ہو کہ کسی طرح بھی نماز نہ ادا کی جا سکے تو پھر قضا کر لی جائے، جیسا کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) نے غزوۂ خندق میں کیا تھا (صحیحین)۔ آخر میں فرمایا ''کتاباً موقوتاً'' (یعنی نماز بقید وقت فرض کی گئی ہے۔)

وَ اَسۡلِحَتَهُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ وَ اَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَةً ‌ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ كَانَ بِكُمۡ اَذًى مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ‌ ۚ وَ خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ‌ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ‌ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿۱۰۳﴾ وَ لَا تَهِنُوۡا فِى ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ‌ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ يَاۡلَمُوۡنَ كَمَا تَاۡلَمُوۡنَ‌ ۚ وَ تَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرۡجُوۡنَ‌ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۰۴﴾

ع ۱۵ ۱۲

اپنے ہتھیار لیے رہے- (یادرکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے' ان کی دلی تمنا ہے کہ تم اپنے ہتھیار اور سامانِ جنگ سے ذرا بھی غفلت کرو تو ایکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں- اور اگر تمہیں برسات کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو' یا تم بیمار ہو' تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہتھیار اتار کر رکھ دو- لیکن اپنے بچاؤ کی طرف سے غافل نہ ہو جانا چاہیے (یقین رکھو) اللہ نے منکرین حق کے لیے (نامرادی کا) رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے (وہ تم پر فتح مند نہیں ہو سکتے)-(۱۰۲)

پھر جب تم نماز (خوف) پوری کر چکو تو چاہیے کہ کھڑے' بیٹھے' لیٹے' ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو (کہ اس کی یاد صرف نماز کی حالت ہی پر موقوف نہیں- ہر حالت میں تمہارے اندر بسی ہونی چاہیے)

پھر جب ایسا ہو کہ تم (دشمن کی طرف سے) مطمئن ہو جاؤ' تو (معمول کے مطابق) نماز قائم رکھو- بلاشبہ نماز مسلمانوں پر وقت کی قید کے ساتھ فرض کر دی گئی ہے-(۱۰۳)

اور[1] (دیکھو) دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو- اگر تمہیں (جنگ میں) دکھ پہنچتا ہے' تو جس طرح تم دکھی ہوتے ہو' وہ بھی (تمہارے ہاتھوں) دکھی ہوتے ہیں' اور (تمہیں ان پر یہ فوقیت ہے کہ) اللہ سے (کامیابی اور اجر کی) ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو' جو انہیں میسر نہیں- (کیونکہ تم اللہ کی راہ میں حق و انصاف کے لیے لڑ رہے ہو- وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے ظلم و فساد کی راہ میں لڑ رہے ہیں) اور (یاد رکھو) اللہ (تمام حال) جاننے والا' اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!-(۱۰۴)

---

[1] مقاصد کی راہ میں تکلیفیں اور محنتیں مومن کو بھی پیش آتی ہیں' اور کافر کو بھی- لیکن مومن کے لیے ان کا جھیلنا سہل ہوتا ہے- کیونکہ وہ اپنے سامنے ایسی امیدیں رکھتا ہے جو کافر کو میسر نہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ میں جو کچھ جھیل رہا ہوں حق کی راہ میں ہے' اور میرے لیے دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر افسوس اس مومن پر جو مقاصد حق کی راہ میں اتنا بھی نہ کر سکے جتنا ایک کافر ظلم و فساد کی راہ میں کرتا ہے!

اس کے بعد آیت (۱۰۵) سے سلسلہ بیان پھر اسی طرف کو لوٹ گیا ہے جہاں سے جنگ کا ذکر چھڑ گیا تھا- یعنی رسول کی اطاعت' منافقوں کی نافرمانی' مقدمات قضایا کا انفصال اور عدل و امانت کا قیام-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے ایک مسلمان نے (جو دل میں منافق تھا اور جس کا نام اطعمہ یا بشیر تھا) چوری کر کے چوری کا مال ایک یہودی کے ہاں گرو رکھ دیا تھا- یہودی اپنے آپ کو بے قصور بتلاتا تھا- اطعمہ کے گھرانے کے لوگ اطعمہ کی حمایت کرتے تھے اور کہتے تھے' ⇦

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ جَٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَمَن يُجَٰدِلُ ٱللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا

(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر الکتاب سچائی کے ساتھ نازل کر دی ہے تاکہ جیسا کچھ خدا نے بتلا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ اور خیانت کرنے والوں کی طرف داری میں نہ جھگڑو (یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کی وکالت میں فریق ثانی سے جھگڑو) (۱۰۵) اور اللہ سے مغفرت مانگو (کہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے) بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے!۔ (۱۰۶)

اور جو لوگ اپنے اندر خیانت رکھتے ہیں تم ان کی طرف سے نہ جھگڑو۔ خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت اور معصیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ (۱۰۷) (اس طرح کے لوگ) انسانوں سے (اپنی خیانت) چھپاتے ہیں لیکن خدا سے نہیں چھپاتے حالانکہ یہ وہ راتوں کو مجلس بٹھا کر ایسی ایسی باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں تو اس وقت وہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے احاطہ حکم سے باہر نہیں۔ (۱۰۸)

دیکھو☆ تم لوگ وہ ہو کہ تم نے دنیا کی زندگانی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا لیکن (بتلاؤ) قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا؟ یا کون ہے جو (اس دن) ان کا وکیل بنے؟ (۱۰۹)

اور جو شخص کوئی برائی کی بات کر بیٹھتا ہے یا اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیتا ہے اور پھر (اس سے توبہ کرتا ہوا)

⇦ یہودی کافر اور خبیث ہے اس کی بات نہیں ماننی چاہیے۔ ان لوگوں کی حمایت کا باعث یہ تھا کہ اطعمہ نے راتوں رات سازش کر کے ان سب کو اپنی حمایت پر ابھار لیا تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت (ﷺ) نے یہودی کو بری کر دیا (ترمذی حاکم ابن سعد ابن جریر وغیرہم)

بہر حال ان آیات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) مسلمان قاضی کو چاہیے ہر حال میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔ اس خیال سے کہ ایک فریق مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہے مسلمان کی طرفداری نہیں کرنی چاہیے (۱۰۵)۔ (۲) ہمیشہ خدا سے مدد مانگتا رہے کیونکہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ طبیعت کے میلان سے کوئی لغزش ہو جائے (۱۰۶)۔ (۳) قاضی کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے کسی فریق کی وکالت کی بو آئے (۱۰۷)

(۴) مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا اپنے خاندان وقبیلہ میں سے ہونے کی وجہ سے کسی مجرم کی حمایت کریں اور سازش کر کے جتھابندی کر لیں۔ دنیا کی نگاہیں نہ دیکھتی ہوں لیکن خدا تو دیکھ رہا ہے کہ کون مجرم ہے کون نہیں ہے؟ (۱۰۸)

(۵) جو برائی کرتا ہے اس کی برائی اس پر ہے۔ پس یہ خیال نہ کرو کہ یہ شخص ہمارا ہم مذہب یا رشتہ دار ہے۔ اس کا جرم ثابت ہو گیا تو ہم پر بھی دھبہ لگ جائے گا (۱۱۱) (۶) خود قصد کرنا اور اسے دوسرے کے سر تھوپ دینا ایک معصیت کے بعد دوسری معصیت کا ارتکاب کرنا ہے۔ تم دنیا کی عدالت کو دھوکا دے دو لیکن خدا کو کیونکر دھوکا دے سکتے ہو! (۱۱۲)

☆ اس آیت میں خطاب اس گروہ سے ہے جو اطعمہ کی حمایت میں جتھابندی کر کے فریق ثانی سے جھگڑتا تھا اور اطعمہ کو الزام سے بچانا چاہتا تھا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنو ابیراق تھے۔

اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ

ع ۱۷ | النصف

اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے' (تو اس کے لیے بخشش کا دروازہ کھلا ہوا ہے) وہ اللہ کو بخشنے والا' رحمت رکھنے والا پائے گا! (۱۱۰)

اور جو کوئی (بدعملی کرکے) برائی کماتا ہے' تو وہ اپنی جان ہی کے لیے کماتا ہے (اس کا جو کچھ بھی وبال ہوگا اسی کو پیش آئے گا) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (اپنے احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۱۱۱)

اور جس کسی سے (بے جانے بوجھے) کوئی خطا سرزد ہو جائے۔ یا (جان بوجھ کر) کسی گناہ کا مرتکب ہو' اور پھر (اپنے بچاؤ کے لیے) اسے کسی بے گناہ کے سرتھوپ دے تو (یاد رکھو) اس نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (بھی) اپنی گردن پر لا دلیا۔ (۱۱۲)

(اور اے پیغمبر!) اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا' اور اس کی رحمت (کارفرما) نہ ہوتی تو واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک جماعت نے تو پورا ارادہ کر لیا تھا' کہ (اصل مجرم کی حمایت میں جتھابندی کرکے) تمہیں غلط راستہ پر ڈال دیں (اور تم بے گناہ آدمی کو مجرم سمجھ لو) یہ لوگ غلط راستہ پر نہیں ڈال رہے ہیں' مگر خود اپنی ہی جانوں کو (کہ حق کی حمایت کرنے کی جگہ جھوٹے کی حمایت کر رہے ہیں) یہ (اپنی چالاکیوں سے) تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے' کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کر دی ہے' اور جو باتیں معلوم نہ تھیں وہ تمہیں سکھلا دی ہیں' اور تم پر اس کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔ (۱۱۳)

ان لوگوں کے پوشیدہ مشوروں میں سے اکثر مشورے بھلائی کے لیے نہیں ہوتے۔ ہاں جو کوئی خیرات کے لیے یا کسی نیک کام کے لیے حکم دے' یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرا دینا چاہے (اور اس میں پوشیدگی ملحوظ رکھے تو البتہ یہ نیکی کی بات ہے) اور جو کوئی خدا کی خوشنودی کی طلب میں اس طرح کے کام کرتا ہے' تو ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ (۱۱۴)

اور[1] جس شخص پر الہدیٰ (یعنی ہدایت کی حقیقی راہ) کھل جائے اور اس پر بھی وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو ہم اسے اسی طرف کو لے جائیں گے جس (طرف) کو (جانا) اس نے پسند کر لیا ہے اور

[1] احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ مندرجہ صدر میں جب آنحضرت (ﷺ) نے یہودیوں کو بری کر دیا اور طعمہ کے خلاف فیصلہ فرمایا تو وہ مسلمانوں سے الگ ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا (ترمذی' حاکم' ابن سعد)

جس شخص پر "الہدیٰ" یعنی دین حق کی راہ واضح ہو جائے' اور پھر وہ دیدہ و دانستہ اس سے پھر جائے' تو اس نے خود اپنی پسند سے سعادت کی راہ چھوڑ کر شقاوت کی راہ پسند کر لی' اور جیسی کچھ راہ اس نے پسند کی' ضروری ہے کہ ویسا ہی نتیجہ بھی اسے پیش آئے۔

⇦

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ إِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾

اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے- اور (جس کے پہنچنے کی جگہ دوزخ ہوئی تو) یہ پہنچنے کی کیا ہی بری جگہ ہے! (۱۱۵) اللہ یہ بات بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے- اس کے سوا جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہے بخش دے اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ بھٹک کر سیدھے راستے سے بہت دور جا پڑا- (۱۱۶) (یہ مشرک خدا کے ساتھ کن کو شریک ٹھہراتے ہیں؟ اور کن کو پکارتے ہیں؟) یہ نہیں پکارتے' مگر دیبیوں کو، اور یہ نہیں پکارتے ہیں مگر شیطان مردود کو جس پر اللہ لعنت کر چکا ہے! - (۱۱۷)

اور شیطان نے کہا میں تیرے بندوں سے (گمراہی کا) ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا' (۱۱۸) اور ضرور انہیں بہکاؤں گا اور ضرور ایسا کروں گا کہ (حقیقت اور عمل کی جگہ جھوٹی) آرزوؤں میں انہیں مشغول رکھوں' اور ضرور انہیں (مشرکانہ خرافات کا) حکم دوں گا' پس وہ جانوروں کے کان ضرور ہی چیریں گے (اور انہیں بتوں کے نام پر چھوڑ دیں گے) اور میں البتہ انہیں حکم دوں گا- پس وہ (میری ہدایت کے مطابق) خدا کی خلقت میں ضرور ردوبدل کر دیا کریں ☆ گے (سو یہ مشرک اسی شیطان کی وسوسہ اندازیوں پر چلتے ہیں) اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق و مددگار بناتا ہے تو یقیناً وہ تباہی میں پڑ گیا- ایسی تباہی میں جو کھلی تباہی ہے- (۱۱۹) شیطان ان سے وعدہ کرتا اور آرزوؤں میں ڈالتا ہے اور شیطان ان سے جو کچھ وعدے کرتا ہے' وہ فریب کے سوا کچھ نہیں ہے- (۱۲۰)

⇦ چنانچہ فرمایا "ہم اسے اسی طرف لے جائیں گے جس طرف کو جانا اس نے پسند کر لیا ہے" یعنی ہم نے انسان کی سعادت و شقاوت کے لیے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ جو جیسی راہ پسند کرتا ہے' ویسا ہی نتیجہ اسے پیش آتا ہے' اور اسی نتیجہ پر وہ پہنچا دیا جاتا ہے- جس نے جنت کی راہ اختیار کی اسے جنت میں داخل کیا جائے گا- جس نے دوزخ پسند کی اس کے لیے دوزخ ہو گی!

اس کے بعد فرمایا جو کوئی ہدایت سے برگشتہ ہو کر مشرکوں کی راہ اختیار کرتا ہے' تو وہ یاد رکھے' اللہ تمام گناہ (بغیر توبہ کے بھی) بخش دے سکتا ہے لیکن شرک کے لیے بخشائش نہیں- اس کے بعد مشرکین عرب کے بعض عقائد و اعمال کا ذکر کیا ہے جو ان کی کوری و سفاہت کی واضح دلیل ہیں- پھر فرمایا شیطان کی سب سے بڑی وسوسہ اندازی یہ ہے کہ طرح طرح کے وعدوں میں رکھتا اور آرزوؤں اور امیدوں میں ڈالتا ہے- وعدوں میں رکھنے اور آرزوؤں میں ڈالنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان حقیقت و عمل کی جگہ محض باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں کا بندہ ہو جاتا ہے- وہ نجات و سعادت کے لیے سعی و عمل کی راہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اپنی جھوٹی امیدوں اور مغرورانہ آرزوؤں ہی میں مگن رہنے لگتا ہے-

☆ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی خلقت کو بدلنا قرآن کے نزدیک بڑی ہی معصیت کی بات ہے- مثلاً مردوں کو خوجہ بنانے کی رسم جو پہلے رومیوں نے شروع کی تھی اور پھر تمام دنیا میں پھیل گئی تھی- اس آیت کی رو سے شیطانی فعل تھا-

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا ﴿١٢٦﴾

ع ۱۸ ۱۵

یہی لوگ ہیں جن کا (بالآخر) ٹھکانا دوزخ ہوا' اور یہ اس سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے! (۱۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام انجام دیے' تو ہم انہیں (راحت اور سرور ابدی کے ایسے) باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے- یہ اللہ کا وعدہ حق ہے- اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں سچا اور کون ہوسکتا ہے؟ (۱۲۲)

(مسلمانو! [1] نجات و سعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر (موقوف) ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر- (وہ تو ایمان و عمل پر موقوف ہے) جو کوئی برائی کرے گا' (خواہ کوئی ہو) ضروری ہے کہ اس کا بدلہ پائے' اور پھر اللہ کے سوا نہ تو اسے کوئی دوست ملے نہ مددگار- (۱۲۳) اور جو کوئی اچھے کام کرے گا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ (خدا پر) ایمان بھی رکھتا ہوگا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور رائی برابر بھی ان کے ساتھ (جزاء عمل میں) بے انصافی ہونے والی نہیں- (۱۲۴)

اور پھر (بتلاؤ) اس آدمی سے بہتر دین رکھنے والا کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہے' اور اس نے ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی ہے جو (تمام انسانی گروہ بندیوں سے الگ ہوکر) صرف خدا ہی کے لیے ہو رہا تھا' اور (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست مخلص بنا لیا تھا- (۱۲۵) اور (یاد رکھو) جو کچھ آسمانوں میں ہے- اور جو کچھ زمین میں ہے' سب اللہ ہی کے لیے ہے- (اس کے سوا کوئی نہیں) اور وہ (اپنے علم و قدرت سے) ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے! (۱۲۶)

---

[1] پچھلی آیات میں انسانی گمراہی کی یہ حالت بتلائی تھی کہ عمل و حقیقت کی جگہ باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں میں مگن ہو جاتا ہے- یہاں بتلایا کہ اسی گمراہی میں یہودی اور عیسائی مبتلا ہو گئے- عمل و حقیقت کی جگہ صرف آرزوئیں اور امیدیں ہی ان کا سرمایہ دین ہیں- یہودی کہتے ہیں ہم خدا کی خاص امت ہیں- ہم پر آتش دوزخ حرام ہے- عیسائی کہتے ہیں! ہم کفارۂ مسیح پر ایمان رکھتے ہیں- اس لیے ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے- قرآن مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ کہیں تم بھی اس گمراہی میں مبتلا نہ ہو جانا- وہ کہتا ہے نہ تو تمہاری آرزوؤں سے کچھ بننے والا ہے' نہ اہل کتاب کی- خدا کا قانون تو یہ ہے کہ جس کسی کا عمل برا ہوگا' وہ اس کی سزا ضرور پائے گا' خواہ تم ہو' خواہ یہودی ہوں' خواہ عیسائی ہوں' خواہ کوئی ہو-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں بحث چھڑ گئی- یہودیوں نے کہا ہمارا دین سب سے بہتر ہے کہ نجات صرف ہمارے ہی لیے ہے- مسلمانوں نے کہا' ہمارا دین سب سے بہتر ہے کیونکہ سب کے بعد آیا اور تم سب کی نجات اسی پر موقوف ہے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر)

اس سے معلوم ہوا کہ محض اپنے طریقہ کی بڑائی کرنے اور ڈینگیں مارنے سے کچھ نہیں ہوتا- اصلی شے ایمان و عمل ہے-

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

اور[1] (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں (یعنی حکم دریافت کرتے ہیں) تم کہہ دو' اللہ تمھیں ان کے بارے میں حکم دیتا ہے (جواب بیان کیا جائے گا) نیز وہ تمھیں یتیم عورتوں کی نسبت بھی حکم دیتا ہے جو تمھیں قرآن میں سنایا جا رہا ہے (اور پہلے نازل ہو چکا ہے کہ ان کے ساتھ ناانصافی نہ کرو) وہ یتیم عورتیں (جو تمھاری سرپرستی میں ہوتی ہیں اور (جنھیں تم ان کا حق جو (وراثت میں) ان کے لیے ٹھہرایا جا چکا ہے نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ (ان کے مال پر قبضہ کر لینے کے لیے خود) ان سے نکاح کر لو- نیز جو کچھ بے بس (یتیم لڑکوں) کی نسبت قرآن میں سنایا جا رہا ہے (اور پہلے نازل ہو چکا ہے) تو اس بارے میں بھی خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ (ان کے) حقوق تلف نہ کرو-

اور وہ حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے معاملہ میں (خواہ لڑکیاں ہوں خواہ لڑکے ہوں' اور تمھاری سرپرستی میں ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں) حق و انصاف کے ساتھ قائم رہو' اور (یاد رکھو) تم بھلائی کی باتوں میں سے جو کچھ کرتے ہو خدا اس کا علم رکھنے والا ہے- (۱۲۷)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے سرکشی یا کنارہ کشی کا اندیشہ ہو تو شوہر اور بیوی پر کچھ گناہ نہ ہوگا' اگر (مصالحت کی کوئی بات آپس میں ٹھہرا کر) صلح کر لیں- (نا اتفاقی سے) صلح (ہر حال میں) بہتر ہے- اور (یاد رکھو انسان کی طبیعت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ) مال کا لالچ سبھی میں ہوتا ہے' (عورت چاہتی ہے اسے زیادہ سے زیادہ ملے- مرد چاہتا ہے کم سے کم خرچ کرے- پس

---

[1] سلسلۂ بیان پھر قرابت داروں کے حقوق کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتدا ہوئی تھی- روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت کی ابتدا میں یتیموں اور عورتوں کے بارے میں جو احکام نازل ہوئے تھے' ان کی نسبت بعض لوگوں نے مزید سوالات کیے- اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (ابن جریر)

(۱) عرب جاہلیت میں دستور تھا اگر یتیم لڑکی خوبصورت اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس کے مال پر قبضہ کر لینے کے لیے خود نکاح کر لیتا- اگر خوبصورت نہ ہوتی تو دوسرے سے نکاح کرا دیتا مگر اس شرط پر کہ اس کے مال کا ایک حصہ اسے مل جائے یا اس کا مہر خود لے لے- یا پھر یتیم لڑکیوں کا نکاح ہی نہ ہونے دیتے تاکہ شوہر کے یہاں جا کر اپنے مال کا مطالبہ نہ کر سکیں-

قرآن نے اس ظلم صریح سے سورت کی ابتدا میں بھی روکا تھا' یہاں بھی مزید تاکید کی- پیرایۂ بیان سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جس بات سے روکا گیا ہے وہ یتیم لڑکیوں کی حق تلفی ہے- اگر سرپرست کی نیت بخیر ہو تو اس کے لیے خود نکاح کر لینا ویسے ممنوع نہیں-

(۲) پہلے بار بار اس بات سے روکا گیا تھا کہ بیوی کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے زبردستی نہ کرو- یہاں بتلایا کہ اگر ایک عورت شوہر کو اپنے سے پھرا ہوئے دیکھے اور اسے خوش کرنے کے لیے اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے' اور میاں بیوی اس پر میل ملاپ کر لیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں- یہ جبراً مال لینا نہیں ہوا- باہمی رضامندی سے مصالحت کر لینا ہے-

(۳) ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی صورت میں عدل کی جو شرط لگائی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمھاری طبیعت کا قدرتی میلان بھی سب کے ساتھ یکساں رہے- کیونکہ ایسا کرنا تمھاری طاقت سے باہر ہے' مقصود یہ ہے کہ جتنی باتیں تمھارے اختیار میں ہیں ان میں سب کے ⇐

الشُّحَّ ۖ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾

ایسا نہ کرو کہ مال کی وجہ سے آپس میں مصالحت نہ ہو) اور اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) اچھا سلوک کرو اور (سخت گیری سے) بچو تو تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس کی خبر رکھنے والا ہے- (۱۲۸)

اور تم اپنی طرف سے کتنے ہی خواہش مند ہو' لیکن یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ (ایک سے زیادہ) عورتوں میں (کامل طور پر) عدل کر سکو (کیونکہ دل کا قدرتی کھنچاؤ تمہارے بس کا نہیں- کسی کی طرف زیادہ کھنچے گا کسی طرف کم) پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک ہی کی طرف جھک پڑو' اور دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا ''معلقہ'' ہے (یعنی ایسی عورت ہے کہ نہ تو بیوہ اور طلاق دی ہوئی ہے کہ اپنا دوسرا انتظام کرے- نہ شوہر ہی اس کا حق ادا کرتا ہے کہ شوہر والی عورت کی طرح ہو- بیچ میں پڑی لٹک رہی ہے) اور (دیکھو) اگر تم (عورتوں کے معاملہ میں) درستی پر رہو' اور (بے انصافی سے) بچو' تو اللہ بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے- (۱۲۹)

اور اگر (میاں بی بی میں اصلاح کی کوئی صورت بن نہ پڑے' اور ایک دوسرے سے) جدا ہو جائیں' تو اللہ اپنے (فضل کی) کشائش سے دونوں کو بے نیاز کر دے گا (یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے کوئی دوسرا انتظام پیدا ہو جائے گا جو عجب نہیں' پہلے سے بہتر ہو) اور اللہ بڑی وسعت والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۳۰)

اور (مسلمانو! یاد رکھو) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کے لیے ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) ہم نے یقیناً ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی' اور (اسی طرح) خود تم کو بھی' یہ حکم دیا کہ اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو (اور احکام حق کی پیروی کرو) اور اگر (اس کا حکم) نہ مانو گے سو (اس سے اس کی خدائی کا تو کچھ نقصان ہونے والا نہیں- تم خود ہی نقصان اٹھاؤ گے) آسمانوں میں اور زمین جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے- وہ بے نیاز ہے' ساری ستائشوں سے ستودہ! (۱۳۱)

⇐ ساتھ یکساں سلوک کرو اور کسی ایک ہی کی طرف جھک نہ پڑو- مثلاً سب کو ایک طرح کا مکان دو، ایک طرح کا لباس پہناؤ' ایک ہی طرح کھانے پینے کا انتظام کرو' ایک ہی طرح پر رہو سہو اور شب باش ہو- اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان باتوں میں عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک سے زیادہ بیوی نہ کرو-

لے بیان احکام کے بعد پھر تذکیر و موعظت کے پہلو پر زور دیا گیا کہ اصل شے احکام حق کی تعمیل اور استقامت و اخلاص ہے- تم سے پہلے کتنی ہی امتیں بد عملی و نافرمانی کی وجہ سے مٹ گئیں- اگر خدا چاہے' تو تمہیں بھی کامرانی و اقبال کے میدان سے ہٹا دے' اور تمہاری جگہ دوسروں کو دے دے- پس نافرمانی و بد عملی سے بچو اور راہ حق میں مستقیم ہو جاؤ-

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ

اور (بے شک) اللہ ہی کے لیے ہے' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے- اور (جو کوئی اس کی فرماں برداری کرے تو) کارسازی کے لیے اس کا کارساز ہونا کفایت کرتا ہے! (۱۳۲) لوگو! اگر وہ چاہے تو تمہیں (اقبال و سعادت کے میدان سے) ہٹا دے' اور (تمہاری جگہ) دوسروں کو لے آئے- وہ بلاشبہ ایسا کرنے پر قادر ہے- (۱۳۳)

جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت' دونوں کا ثواب موجود ہے (اور وہ دونوں کی بخشش رکھتا ہے) وہ (سب کچھ) سننے والا اور دیکھنے والا ہے- (۱۳۴)

مسلمانو![1] ایسے ہو جاؤ کہ انصاف پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے (سچی) گواہی دینے والے ہو- اگر تمہیں خود اپنے خلاف' یا اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے جب بھی نہ جھجکو- اگر کوئی مال دار ہے' یا محتاج ہے' تو اللہ (تم سے) زیادہ ان پر مہربانی رکھنے والا ہے (تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مال دار کی دولت کے لالچ میں یا محتاج کی محتاجی پر ترس کھا کر سچی بات کہنے سے جھجکو)-

پس (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ ہوائے نفس کی پیروی تمہیں انصاف سے باز رکھے- اور اگر تم (گواہی دیتے ہوئے) بات کو گھما پھرا کر کہو گے (یعنی صاف صاف کہنا نہ چاہو گے) یا گواہی دینے سے پہلو تہی کرو گے' تو (یاد رکھو) تم جو کچھ کرتے ہو' اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے! - (۱۳۵)

مسلمانو![2] اللہ پر ایمان لاؤ' اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ' اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی

---

[1] مسلمانوں کو چاہیے کہ "قوامون بالقسط" ہوں یعنی حق و انصاف پر اس مضبوطی سے قائم رہنے والے' کہ کوئی بات بھی انہیں ان کی جگہ سے نہ ہلا سکے! اور چاہیے کہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہوں- دنیا کی کوئی چیز انہیں سچ کہنے سے نہ روک سکے- اگر کسی معاملہ میں سچائی ان (کی ذات کے خلاف ہو' یا ان کے ماں باپ اور عزیز و اقربا) کے خلاف ہو' جب بھی انہیں سچی ہی بات کہنی چاہیے- وہ صرف سچائی ہی کے لیے دل و زبان رکھتے ہیں-

سچی گواہی دینے میں نہ تو کوئی کسی کی دولت کا پاس کرے نہ کسی کی محتاجی کا! اگر کسی معاملہ میں گواہی دے سکتے ہو تو اس سے پہلو تہی نہ کرو- اور جب گواہی دو تو صاف صاف بات کہو- گھما پھرا کر نہ کہو کہ حقیقت مشتبہ ہو جائے-

[2] ایمانی خصائل و اعمال پر زور دینے کے بعد یہ حقیقت واضح کی کہ یہ خصائل و اعمال جبھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ کامل اور سچی خدا پرستی دلوں میں رچ جائے- کامل اور سچی خدا پرستی یہ ہے کہ خدا پر ایمان لاؤ' اور خدا کی سچائی پر ایمان لاؤ- یہ سچائی پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے' ⇦

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَۨا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِھَا وَيُسْتَهْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰي

ہے- نیز کتابوں پر جو اس سے پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) نازل کی تھیں- اور (دیکھو) جس کسی نے اللہ سے انکار کیا' اور اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہ رکھا' تو وہ بھٹک کر سیدھے راستے سے بہت دور جا پڑا- (۱۳۶) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایمان لائے' پھر کفر میں پڑ گئے' پھر ایمان لائے' پھر کفر میں پڑ گئے' اور پھر برابر کفر میں بڑھتے ہی گئے (تو فی الحقیقت ان کا ایمان لانا ایمان لانا' نہ تھا) اللہ انہیں بخشنے والا نہیں اور ہرگز ایسا نہ ہوگا کہ (کامیابی کی) انہیں کوئی راہ دکھائے- (۱۳۷)

(اے پیغمبر!) تم منافقوں کو یہ خوش خبری سنا دو کہ بلاشبہ ان کے لیے عذاب دردناک ہے! (۱۳۸) (وہ منافق) جو مسلمانوں کو چھوڑ کر منکرین حق کو اپنا رفیق اور مددگار بناتے ہیں (اور مسلمانوں کی دوستی پر مسلمانوں کے دشمنوں کی دوستی کو ترجیح دیتے ہیں) تو کیا وہ چاہتے ہیں ان کے پاس عزت ڈھونڈھیں؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھیں) عزت جتنی بھی ہے سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے (یعنی اسی کے اختیار میں ہے' جسے چاہے دے دے' دشمنان حق کے ہاتھ میں نہیں ہے' اگرچہ وہ اس وقت عارضی طور پر دنیوی عزت اور شوکت رکھتے ہیں اور پیروان حق بے سروسامان اور کمزور ہیں)- (۱۳۹)

اور[1] (دیکھو) اللہ اپنی کتاب میں تمہارے لیے یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جب تم دیکھو اور سنو خدا کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے (یعنی انہیں سرکشی اور شرارت سے جھٹلایا جا رہا ہے) اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو (تم اس مجلس سے اٹھ جاؤ اور) جب

⇐ اور پیغمبر اسلام سے پہلے تمام رسولوں پر بھی نازل ہو چکی ہے-

اس کے بعد ایمان کی تفصیل بیان کی کہ خدا پر' خدا کے فرشتوں پر' خدا کی کتابوں پر' خدا کے رسولوں پر' اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنا' کامل اور سچا ایمان ہے-

اس کے بعد منافقوں کی حالت بیان کی ہے کہ اگرچہ انہوں نے بظاہر ایمان کی راہ اختیار کر لی تھی مگر فی الحقیقت ایمان سے محروم تھے چنانچہ بار بار آئے' اور بار بار الٹے پاؤں پھر گئے- سو ایسا ایمان' ایمان نہیں ہے- ایسے لوگوں کے لیے نہ تو خدا کی مغفرت ہوگی' نہ ایسوں پر سعادت و کامیابی کی راہ کھلے گی-

[1] آیت (۱۴۰) سے (۱۴۳) تک منافقوں کے اعمال و خصائل بتلائے ہیں:

(۱) چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے' اس لیے مسلمانوں کی کامیابی پر بھروسہ نہیں رکھتے- وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کے دشمنوں کو اپنا دوست بناتے ہیں تاکہ جب مسلمانوں کے دشمن فتح مند ہوں تو وہ عزت و کامرانی حاصل کریں-

(۲) وہ الگ تھلگ رہ کر واقعات کی رفتار دیکھتے رہتے ہیں- اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے' تو فتح کے فائدوں میں حصے دار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بھی تمہارے ساتھ تھے- اگر دشمنوں کا پلہ بھاری رہتا ہے تو ان سے جا ملتے ہیں اور کہتے ہیں اگر لڑائی میں ہم ⇐

يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾

ع ۱۷

تک (اس طرح کی باتیں چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں لوگ نہ لگ جائیں' ان کے پاس نہ بیٹھو- اگر بیٹھا کرو گے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے- (یاد رکھو) خدا منافقوں کو (جو ایسی باتوں میں شریک ہوتے ہیں) اور منکرین حق کو (جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں) سب کو جہنم میں اکٹھا کر دینے والا ہے! (۱۴۰) ان (منافقوں) کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تمہاری حالت دیکھتے رہتے اور (مآل کار کے) منتظر رہتے ہیں- اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے تو (اپنے کو تمہارا ساتھی ظاہر کرتے ہیں' اور) کہتے ہیں ''کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' اگر منکرین حق کے لیے فتح مندی ہوتی ہے تو (ان کی طرف دوڑے جاتے ہیں اور اپنا احسان جتانے کے لیے) کہتے ہیں ''کیا ہم نے ایسا نہیں کیا کہ (جنگ میں) بالکل غالب آ گئے تھے پھر بھی تمہیں مسلمانوں سے بچا لیا'' تو (یقین کرو) اللہ قیامت کے دن تم میں (کہ سچے مسلمان ہو) اور ان میں (کہ نفاق میں ڈوبے ہوئے ہیں) فیصلہ کر دے گا' اور یقین کرو (یہ منافق کتنا ہی دشمنوں کا ساتھ دیں مگر خدا کبھی ایسا کرنے والا نہیں کہ کافر ایمان رکھنے والوں کے خلاف کوئی راہ پا لیں- (۱۴۱)

منافق (اپنی اس دورنگی چال سے) خدا کو دھوکا دے رہے ہیں (یعنی خدا کے رسول کو اور مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں) اور (واقعہ یہ ہے کہ) خدا انہیں دھوکا دینے میں ہرا رہا ہے اور مغلوب کر رہا ہے (کہ مہلت پر مہلت دے رہا ہے اور اس عارضی مہلت کو وہ جہل و غرور سے اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں!)-

اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' تو کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں (جیسے کوئی مارے باندھے کھڑا ہو جائے) محض لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں- اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے (یعنی تلاوت نہیں کرتے) مگر برائے نام- (۱۴۲)

⇦ دل سے تمہارے ساتھ نہ ہوتے اور تمہیں نہ بچاتے تو مسلمانوں نے تمہارا خاتمہ ہی کر دیا تھا-

(۳) وہ نماز کے لیے کھڑے ہوں گے تو کاہلی کے ساتھ، گویا مارے باندھے کھڑے ہو گئے ہیں- دکھاوے کے لیے تھوڑی بہت قراءت جلد جلد کر لیں گے اور نماز پٹک کر الگ ہو جائیں گے- خشوع و خضوع اور دل کا لگاؤ ان کی نماز میں نہ ہوگا-

(۴) ان کی ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں گویا ایک قدم کفر میں ہے' ایک ایمان میں- دونوں کے درمیان متردّد کھڑے ہیں- نہ پوری طرح کفر ہی کا ساتھ دے سکتے ہیں' نہ پوری طرح ایمان کا!

آیت (۱۴۳) میں فرمایا ''خدا انہیں دھوکا دینے میں ہرا رہا ہے اور مغلوب کر رہا ہے'' خدا کے ہرانے اور مغلوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے دنیا میں اچھوں کی طرح بروں کو بھی مہلت عمل دے رکھی ہے- مگر یہ مہلت اس لیے نہیں ہے کہ خدا کا قانون ان کی طرف سے غافل ہے' بلکہ اس لیے ہے کہ ہر عمل کا نتیجہ اپنے مقررہ وقت ہی پر ظاہر ہوا کرتا ہے لیکن شریر آدمی اس مہلت سے نڈر ہو جاتا ہے- وہ سمجھتا ہے میں جو کچھ بھی کیے جاؤں میرے لیے کچھ ہونے والا نہیں- حالانکہ اس کے لیے سب کچھ ہونے والا ہے مگر اپنے مقررہ وقت پر-

مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ ‌ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ؕ اَ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ‌ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَاعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰهِ وَاَخۡلَصُوۡا دِيۡنَهُمۡ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ؕ وَسَوۡفَ يُـؤۡتِ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيۡمًا ﴿۱۴۷﴾

کفر اور ایمان کے درمیان متردد کھڑے ہیں کہ ادھر رہیں یا ادھر- نہ تو اِن کی طرف ہیں، نہ اُن کی طرف (یعنی نہ تو مسلمانوں کی طرف ہیں، نہ مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف) اور حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ ہی راہ گم کر دے (یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قانون ہدایت وضلالت کے بموجب راہ سعادت گم ہو جائے) تو پھر ممکن نہیں تم اس کے لیے کوئی راہ نکال سکو!- (۱۴۳)

مسلمانو![1] ایسا نہ کرو کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو (جو تمھارے خلاف لڑ رہے ہیں اور تمھاری بربادی پر تلے ہوئے ہیں) اپنا رفیق ومددگار بناؤ- کیا تم چاہتے ہو خدا کا صریح الزام اپنے اوپر لے لو؟ (۱۴۴)

بلاشبہ منافقوں کے لیے یہی ہونا ہے کہ دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ڈالے جائیں اور (اس دن) کسی کو بھی تم ان کا رفیق ومددگار نہ پاؤ (پھر کیا تم چاہتے ہو ان کی سی روش تم بھی اختیار کرو؟) (۱۴۵)

ہاں، (ان میں سے) جن لوگوں نے توبہ کر لی، اپنی (عملی) حالت سنوار لی، اللہ (کے حکم) پر مضبوطی کے ساتھ جم گئے، اور اپنے دین میں صرف اسی کے لیے ہو گئے تو (بلاشبہ) ایسے لوگ (منافقوں میں سے نہیں سمجھے جائیں گے) مومنوں کی صف میں ہوں گے اور قریب ہے کہ اللہ مومنوں کو (ان کا) اجر عطا فرمائے، ایسا اجر، جو بہت ہی بڑا اجر ہوگا! (۱۴۶)

(لوگو!) اگر تم شکر کرو (یعنی خدا کی نعمتوں کی قدر کرو اور انھیں ٹھیک ٹھیک کام میں لاؤ) اور خدا پر ایمان رکھو تو خدا کو تمھیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے؟ (یعنی وہ کیوں تمھیں عذاب دے؟) خدا تو (انسانی اعمال کا) قدر شناس اور (ان کی حالت کا) علم رکھنے والا ہے- (۱۴۷)

---

[1] فرمایا، منافقوں کی سی چال اختیار نہ کرو جو اپنی قوم کو چھوڑ کر قوم کے دشمنوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں، اور قوم کی مصلحتوں پر اپنی منافقانہ غرضوں کو ترجیح دیتے ہیں-

اس کے بعد آیت (۱۴۷) میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا کہ عذاب وثواب اس لیے نہیں ہے کہ خدا خوش ہو کر انعام دینے لگتا ہے، اور جوش انتقام میں آ کر عذاب میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ بت پرست اپنے دیوتاؤں کی نسبت خیال کرتے تھے، اور یہودی اور عیسائی تصور میں بھی اس کی آمیزش ہو گئی تھی، بلکہ وہ انسانی عمل کا قدرتی خاصہ ونتیجہ ہے اور خدا کی حکمت نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کے ہر عمل کا بھی ایک خاصہ اور بدلہ ہو-

آیت (۱۴۸) میں فرمایا اگر کسی انسان میں کوئی برائی ہو تو اسے مشہور کرنا اور پکارتے پھرنا، جائز نہیں- ہاں اگر کوئی مظلوم ہو، تو وہ ظالم کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہے- یہاں یہ حکم اس لیے بیان کیا گیا کہ منافقوں کی نسبت مسلمانوں کو تنبیہ کرنی تھی- ان لوگوں کی برائیاں روز بروز آشکارا ہو رہی ہیں لیکن تمھیں نہیں چاہیے کہ کسی خاص آدمی کے پیچھے پڑ جاؤ اور اسے منافق مشہور کرتے پھرو-

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّہِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْہِمْ اُجُوْرَہُمْ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾ یَسْـَٔلُکَ اَہْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْہِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

خدا کو پسند نہیں کہ تم (کسی کی) برائی پکارتے پھرو- ہاں یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو (اور وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کرے) اور (یاد رکھو) خدا سننے والا جاننے والا ہے (اس سے کسی کی کوئی بات پوشیدہ نہیں) (۱۴۸) تم بھلائی کی کوئی بات ظاہر طور پر کرو یا چھپا کر کرو یا کسی کی برائی سے درگزر رو (ہر حال میں تمہارے لیے نیکی واحسان کا اجر ہے' اور دیکھو) اللہ بھی (ہر طرح کی) قدرت رکھتا ہوا (برائیوں سے) درگزر کرنے والا ہے! (۱۴۹) جو لوگ[1] اللہ اور اس کے رسول سے برگشتہ ہیں' اور چاہتے ہیں' اللہ میں اور اس کے رسولوں میں (تصدیق کے لحاظ سے) تفرقہ کریں اور کہتے ہیں ہم ان میں سے بعض کو مانتے ہیں' بعض کو نہیں مانتے اور اس طرح چاہتے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان کوئی (تیسری) راہ اختیار کر لیں، (۱۵۰) تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (ان کا بعض رسالتوں پر ایمان رکھنے کا دعویٰ انہیں مومن نہیں بنا دے سکتا) اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے- (۱۵۱) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' اور ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا (یعنی کسی ایک سے بھی انکار نہیں کیا) تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ (سچے مومن ہیں' اور) عنقریب ہم انہیں ان کے اجر عطا فرمائیں گے' اور اللہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے! (۱۵۲) (اے پیغمبر!) اہل کتاب (یعنی یہودی) تم سے درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب ان پر نازل کرا دو

[1] جو لوگ "تفریق بین الرسل" کرتے ہیں یعنی خدا کے کسی پیغمبر کو مانتے ہیں کسی کو نہیں مانتے تو وہ چاہتے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان کوئی تیسری راہ ڈھونڈھ نکالیں- حالانکہ ایسی راہ کوئی نہیں- اگر مانتے ہو تو سب کو مانو- انکار کرتے ہو تو کسی ایک کا انکار بھی سب کا انکار ہوا- کیونکہ خدا کی سچائی ایک ہی ہے اور سب اسی سچائی کے پیغامبر تھے- لوگوں نے دین کے بارے میں سب سے بڑی گمراہی یہی کی کہ اس حقیقت کو بھول گئے اور ایک دوسرے کو جھٹلانے لگا!

بیان کا رخ اب یہودیوں کی طرف پھر رہا ہے- کیونکہ مدینہ کے منافقوں میں زیادہ تر یہودی ہی تھے- یہودی کہتے تھے' اگر پیغمبر اسلام سچے ہیں تو کیوں ان پر آسمان سے ایک کتاب اس طرح نازل نہیں ہو جاتی کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ فرمایا اس سے بھی بڑی فرمائش یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں کہ خود خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں- پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ جو طالب حق ہے وہ کبھی ایسی فرمائش نہیں کرے گا- بلکہ یہ بات دیکھے گا کہ جو تعلیم دی جا رہی ہے' وہ کیسی ہے اور جو تعلیم دینے والا ہے' اس کا حال کیا ہے-

اس کے بعد یہودیوں کی ان تاریخی شقاوتوں کی طرف اشارات کیے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کے مقابلہ میں انکار و شرارت کرنے والے برابر شرارت کرتے ہی رہے- اگر فرمائشی معجزے دکھلا بھی دیے جائیں جب بھی جو ماننے والے نہیں' وہ کبھی نہیں مانیں گے-

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى

(تا کہ انہیں تصدیق ہو جائے کہ تم خدا کے نبی ہو) تو (یہ فرمائش انہوں نے تم ہی سے نہیں کی ہے) یہ اس سے بھی بڑی بات کا سوال موسیٰ سے کر چکے ہیں انہوں نے (یعنی ان کے بزرگوں اور ہم مشربوں نے سینا کے میدان میں) کہا تھا ''ہمیں خدا آشکارا طور دکھلا دو'' (یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں خدا تم سے کلام کر رہا ہے) تو ان کی شرارت کی وجہ سے بجلی (کی ہولناکی) نے انہیں پکڑ لیا تھا (اور اس پر بھی وہ نافرمانی و شرارت سے باز نہیں آئے تھے) پھر باوجودیکہ (دین حق کی روشن دلیلیں ان پر واضح ہو چکی تھیں، وہ پوجا کے لیے) بچھڑے کو لے بیٹھے' (اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئے) ہم نے اس سے بھی درگزر کی تھی اور موسیٰ کو (قیام حق و شریعت میں) ظاہر و واضح اقتدار دے دیا تھا-☆ (۱۵۳)

اور پھر (دیکھو احکام حق پر) عہد لینے کے☆ لیے ہم نے ان کے سروں پر (کوہ) طور بلند کر دیا تھا' (اور انہوں نے اتباع حق کا قول و قرار کیا تھا) اس کے بعد ہم نے انہیں حکم دیا کہ شہر کے دروازے☆ میں (خدا کے آگے) جھکے ہوئے داخل ہو (اور فتح و کامیابی کے بعد ظلم و شرارت نہ کرو) اور ہم نے حکم دیا کہ سبت کے دن (کا احترام کرو) اور اس دن (حکم شریعت سے) تجاوز نہ کر جاؤ☆ ہم نے ان سے ان تمام باتوں پر پکا عہد و میثاق لے لیا تھا- (۱۵۴)

پس ان کے عہد (اطاعت) توڑنے کی وجہ سے' اور اللہ کی آیتیں جھٹلانے کی وجہ سے' اور اس وجہ سے کہ خدا کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے' نیز (اس شقاوت کی وجہ سے کہ) انہوں نے کہا ''ہمارے دلوں پر (تہ در تہ) غلاف چڑھے ہوئے ہیں'' ☆ (ان میں قبولیت حق کی استعداد باقی ہی نہیں رہی- ان کے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے، یہی وجہ ہے کہ معدودے چند آدمیوں کے سوا سب کے سب ایمان سے محروم ہیں- (۱۵۵)

ل یہودیوں کی یہ شقاوت کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت جھٹلائی اور حضرت مریم علیہا السلام پر (حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی نسبت) بہتان باندھا- نیز یہ شقاوت کہ وہ کہتے ہیں ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا- حالانکہ نہ تو وہ ہلاک کر سکے نہ ⇐

☆ سورۂ بقرہ میں ان واقعات کی تفصیل گزر چکی ہے- آیت (۴۸) تا (۵۳) ☆ سورۂ بقرہ ۶۳ ☆ سورۂ بقرہ: ۵۷ ☆ سورۂ بقرہ: ۶۵

☆ سورۂ بقرہ: ۸۲- یعنی یہودی اپنی گمراہی کے جماؤ کو استقامت و ثبات حق سمجھتے تھے اور کہتے تھے ہمارے دلوں میں تہ در تہ غلاف چڑھے ہوئے ہیں- ان تک کسی نئی بات کا اثر پہنچ ہی نہیں سکتا- قرآن کہتا ہے' یہ حالت ان کے کفر کی وجہ سے ہے اور جو دل کفر پر جم جاتا ہے خدا کا قانون ہے کہ اس پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ سچائی کے لیے بھی نہیں کھلتا-

مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾

اور (نیز) اس بات کی وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم کے خلاف ایسی بات کہی جو بڑے ہی بہتان کی بات تھی۔ (۱۵۶) اور (نیز) ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو جو خدا کے رسول (ہونے کا دعویٰ کرتے) تھے (سولی پر چڑھا کر) قتل کر ڈالا' حالانکہ (واقعہ یہ ہے کہ) نہ تو انہوں نے قتل کیا' اور نہ سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا' بلکہ حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی (یعنی صورت حال ایسی ہوگئی کہ انہوں نے سمجھا ہم نے مسیح کو مصلوب کر دیا حالانکہ نہیں کر سکے تھے) اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا (یعنی عیسائیوں نے جو کہتے ہیں مسیح مصلوب ہوئے لیکن اس کے بعد زندہ ہو گئے) تو بلاشبہ وہ بھی شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۵۷) ظن وگمان کے سوا کوئی علم ان کے پاس نہیں' اور یقیناً یہودیوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا' اور اللہ سب پر غالب رہنے والا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۱۵۸) اور (دیکھو) اہل کتاب میں سے (یعنی یہودیوں میں سے جنہوں نے مسیح سے انکار کیا) کوئی نہ ہوگا جو اپنی موت سے پہلے (حقیقت حال پر مطلع نہ ہو جائے اور) اس پر (یعنی مسیح کی صداقت پر) یقین نہ لے آئے۔ ایسا ہونا ضروری ہے (کیونکہ مرنے کے وقت غفلت وشرارت کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں' اور حقیقت نمودار ہوتی ہے) اور قیامت کے دن وہ (اللہ کے حضور) ان پر شہادت دینے والا ہوگا۔ (۱۵۹) الغرض یہودیوں کے اس ظلم کی وجہ سے ہم نے (کئی ایک) اچھی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو (پہلے) حلال تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے (اور ہدایت کی راہ میں سرتاسر روک ہو گئے تھے)۔ (۱۶۰)

⇦ مصلوب کر سکے بلکہ حقیقت حال ان پر مشتبہ ہوگئی اور اللہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔

آیت میں جس اشتباہ کا ذکر ہے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت مشتبہ ہوگئی اور ان کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت مشتبہ ہوگئی۔ وہ زندہ تھے مگر انہیں مردہ سمجھ لیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے بنی اسرائیل کی اصلاح وسعادت کا آخری موقع بہم پہنچایا تھا جسے انہوں نے اپنی شقاوت سے کھو دیا اور پھر گویا ان کی قسمت پر ہمیشہ کے لیے مہر لگ گئی۔ یہاں اس واقعہ کے ذکر سے یہ بات دکھائی ہے کہ جن لوگوں کی شقاوتوں کی ایسی روئداد رہ چکی ہے اگر آج وہ دعوت حق کا مقابلہ کر رہے ہیں تو یہ کونسی انوکھی بات ہے؟

۱ جب کسی جماعت میں راست بازی اور پرہیزگاری باقی نہیں رہتی' تو مباح اور جائز باتوں کا بھی استعمال اس طرح کرنے لگتی ہے کہ طرح طرح کی برائیوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں' اور اس وقت مصلح کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ سداً للذریعۃ ان جائز باتوں کو بھی عارضی طور پر روک دے۔ چنانچہ یہودیوں کی بے لگام طبیعت کا یہی حال تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتنی ہی حلال چیزیں جن کے لیے پہلے کوئی روک ٹوک نہ تھی مصلحتاً روک دی گئیں۔ ⇦

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿١٦١﴾ لٰـكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ‌ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿١٦٢﴾ اِنَّاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا‌ ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ‌ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا‌ ﴿١٦٤﴾

ع ٢٣

نیز ان کی یہ بات کہ سود لینے لگے' حالانکہ اس سے روک دیے گئے تھے اور یہ بات کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے لگے (حالانکہ انہیں ہر انسان کے ساتھ دیانت دار ہونے کا حکم دیا گیا تھا) اور (یاد رکھو) ان میں جو لوگ (اس طرح احکام حق کے) منکر ہو گئے' ہم نے ان کے لیے (پاداش عمل میں) دردناک عذاب تیار رکھا ہے! (١٦١)

لیکن (اے پیغمبر!) ان میں سے جو لوگ (کتاب اللہ کے) علم میں پکے ہیں' تو وہ' اور مسلمان (ان گمراہیوں سے اپنی راہ الگ رکھتے ہیں۔ وہ) اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی ہے اور ان تمام کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور وہ جو نماز قائم کرنے والے ہیں' زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں' اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' تو ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں ہم عنقریب ان کا اجر عطا فرمائیں گے۔ ایسا اجر جو بہت ہی بڑا اجر ہوگا! (١٦٢)

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح پر اور ان نبیوں پر جو نوح کے بعد ہوئے' بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیم' اسمٰعیل' اسحاق' یعقوب' اولاد یعقوب، عیسیٰ' ایوب' یونس' ہارون اور سلیمان پر بھیجی' اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ (١٦٣) نیز خدا کے وہ رسول جن کا حال ہم (قرآن میں) پہلے سنا چکے ہیں اور وہ جن کا حال ہم نے تمہیں نہیں سنایا، اور (اسی طرح) اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا جیسا کہ واقعی طور پر کلام کرنا ہوتا ہے۔ (١٦٤)

⇐ یہاں اس معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سود لینے سے انہیں روکا گیا تھا' لیکن وہ باز نہ آئے اور بندگان خدا کا ناجائز طریقہ پر مال کھانے لگے۔

ل وحدت دین کی اصل عظیم کا اعلان کہ نوع انسانی کے لیے خدا کی سچائی ایک ہی ہے' اور تمام رہنماؤں نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ یہ پیروان مذاہب کی گمراہی ہے کہ گروہ بندیاں کر کے الگ الگ دین بنالیے' اور ایک دوسرے کو جھٹلانے لگے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ:

(١) قرآن نے بعض پیغمبروں کا ذکر کیا ہے' بعض کا نہیں کیا ہے' لیکن وہ سب کی تصدیق کرتا اور سب پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔

(٢) کوئی عہد اور کوئی ملک ایسا نہیں جہاں خدا نے پیغمبر نہ پیدا کیے ہوں۔

(٣) اس سے پہلے آیت (١٦٢) میں فرمایا تھا جو لوگ علم حق میں پکے ہیں وہ قرآن پر بھی اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح ⇐

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

یہ تمام رسول (خدا پرستی اور نیک عملی کے نتائج کی) خوش خبری دینے والے اور (انکار حق کے نتائج سے) متنبہ کرنے والے تھے (اور اس لیے بھیجے گئے تھے) کہ ان کے آنے (اور نیک و بد بتلانے) کے بعد لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے جو وہ خدا کے حضور پیش کر سکیں (یعنی یہ عذر کر سکیں کہ ہمیں راہ حق کسی نے نہیں دکھلائی تھی) اور خدا (اپنے کاموں میں) سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (١٦٥)

(اے پیغمبر! اگر یہ لوگ تمہاری سچائی سے انکار کرتے ہیں' تو انکار کریں) لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے وہ اسے نازل کر کے (تمہاری سچائی کی) گواہی دیتا ہے' اور اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے اور (خدا کے) فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور (جس بات پر اللہ گواہی دے تو) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے- (١٦٦)

جو لوگ (سچائی سے) منکر ہوئے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکا' تو بلاشبہ وہ (سیدھے راستے سے) بھٹک گئے' اور ایسے بھٹکے کہ دور دراز راہوں میں گم ہو گئے- (١٦٧)

جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم (میں بھی بے باک ہو گئے اور مرتے دم تک اسی حالت میں سرشار رہے) تو خدا انہیں کبھی بخشنے والا نہیں' نہ انہیں (کامیابی کی) کوئی راہ دکھائے گا- (١٦٨) بجز جہنم کی راہ کے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کے لیے ایسا کرنا بالکل سہل ہے (کوئی نہیں جو اس کے قوانین کے نفاذ میں رکاوٹ ڈال سکے)- (١٦٩)

اے افراد نسل انسانی! بلاشبہ الرسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سچائی کے ساتھ آ گیا ہے (اور اس کی سچائی اب کسی کے جھٹلائے جھٹلائی نہیں جا سکتی) پس ایمان لاؤ کہ تمہارے لیے (اسی میں) بہتری ہے اور (دیکھو) اگر تم کفر کرو گے تو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کے لیے ہے- (تمہاری شقاوت خود تمہارے ہی آگے آئے گی) اور (یاد رکھو) اللہ (سب کچھ) جاننے والا' اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے- (١٧٠)

⇦ کتابوں پر رکھتے ہیں اس لیے اب یہ حقیقت واضح کر دی کہ خدا کا دین ایک ہی ہے- اور جس طرح اب سے پہلے بے شمار پیغمبروں پر خدا کی سچائی نازل ہو چکی ہے' اسی طرح پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے-

(۴) - نیز یہودیوں کے اس گمراہانہ اعتراض کا بھی جواب ہو گیا کہ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں اتر آئی- فرمایا' یہ بے شمار نبی جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں' ان میں سے کسی پر بھی ایسی کتاب نازل نہیں ہوئی- کیونکہ ایسا ہونا سنت الٰہی کے خلاف ہے- جس طرح خدا نے ہمیشہ نبیوں کو اپنی وحی سے مخاطب کیا ہے اور ''وحی'' اشارۂ مخفی کو کہتے ہیں' اسی طرح پیغمبر اسلام بھی وحی الٰہی سے مخاطب ہوئے ہیں-

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

وقف لازم ۲۶

اے اہل کتاب[1]! اپنے دین میں غلو نہ کرو (یعنی حقیقت و اعتدال سے گزر نہ جاؤ) اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا اور کچھ نہ کہو مریم کا بیٹا عیسیٰ مسیح اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کا رسول ہے اور اس کے کلمہ (بشارت) کا ظہور ہے جو مریم پر القا کیا گیا تھا' نیز ایک روح ہے جو اس کی جانب سے بھیجی گئی پس چاہیے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ' اور یہ بات نہ کہو کہ خدا تین ہیں- دیکھو! ایسی بات کہنے سے باز آ جاؤ کہ تمہارے لیے بہتری ہو- حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ ہی اکیلا معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے کوئی بیٹا ہو- آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کے لیے ہے (وہ بھلا اپنے کاموں کے لیے اس بات کا کیوں محتاج ہونے لگا کہ کسی کو بیٹا بنا کر دنیا میں بھیجے؟) کارسازی کے لیے خدا کا کارساز ہونا بس ہے- (۱۷۱)

مسیح کو ہرگز اس بات میں عار نہیں کہ وہ خدا کا بندہ سمجھا جائے اور نہ خدا کے مقرب فرشتوں کو اس سے ننگ و عار ہے۔ جو کوئی خدا کی بندگی میں ننگ و عار سمجھے اور گھمنڈ کرے تو (وہ گھمنڈ کر کے جائے گا کہاں؟) وہ وقت دور نہیں کہ خدا سب کو (قیامت کے دن) اپنے حضور جمع کرے گا- (۱۷۲) (اس دن) ایسا ہو گا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے ہیں' تو ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ انہیں دے دے گا' اور اپنے فضل سے اس میں زیادتی بھی فرمائے گا۔ لیکن جن لوگوں نے (خدا کی) بندگی کو ننگ و عار سمجھا اور گھمنڈ کیا تو انہیں (پاداش جرم میں) ایسا عذاب دے گا جو دردناک عذاب ہو گا اور اس دن انہیں خدا کے سوا

[1] اہل کتاب کی ایک بہت بڑی گمراہی دین میں "غلو" ہے- یعنی حقیقت و اعتدال سے متجاوز ہو کر بہت دور تک چلے جانا- اگر کسی کی محبت و تعظیم پر آئے تو اتنی تعظیم کی کہ اسے خدا کے درجہ تک پہنچا دیا- مخالفت پر آئے تو اتنی مخالفت کی کہ اس کی صداقت سے ہی انکار کر دیا-

اگر زہد و عبادت کی راہ اختیار کی تو اتنی دور تک چلے گئے کہ رہبانیت تک پہنچ گئے' اگر دنیا کے پیچھے پڑے تو اتنے چھوٹ ہو گئے کہ نیک و بد کی تمیز ہی اٹھا دی!

یہود و نصاریٰ اسی گمراہی کے شکار ہوئے- یہاں خطاب عیسائیوں سے ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت و تعظیم میں اس قدر غلو کیا کہ انہیں خدا کا بیٹا بنا دیا اور ایک خدا کی جگہ تین خداؤں کا اعتقاد پیدا کر لیا- یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس -

دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِهٖ فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِىۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّيَهۡدِيۡهِمۡ اِلَيۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡـكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَـيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنۡ كَانَتَا اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

نہ تو کوئی رفیق ملے گا نہ مددگار!- (۱۷۳)

لوگو! [1] تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (یعنی دلیل و حجت) آ گئی اور ہم نے تمہاری طرف چمکتی ہوئی روشنی بھیج دی- (۱۷۴)

پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کا سہارا مضبوط پکڑ لیا تو وہ انہیں عنقریب اپنی رحمت کے سایے میں داخل کر دے گا اور ان پر اپنا فضل کرے گا اور انہیں اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھا دے گا- ایسی راہ جو بالکل سیدھی راہ ہے! (۱۷۵)

(اے پیغمبر!) لوگ [2] تم سے کلالہ کے بارے میں (یعنی ایسے آدمی کی میراث کے بارے میں جس کے نہ تو باپ ہو نہ اولاد) فتویٰ طلب کرتے ہیں- کہہ دو اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں (حسب ذیل) حکم دیتا ہے:

اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ دادا) اور اس کے بہن ہو تو جو کچھ مرنے والا چھوڑ مرا ہے اس کا آدھا بہن کا حصہ ہوگا- اور بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس (کے سارے مال) کا وارث وہ بھائی ہی ہوگا-

پھر اگر دو بہنیں ہوں (یا دو سے زیادہ) تو انہیں ترکے میں سے دو تہائی ملے گا-

اور اگر بھائی بہن (ملے جلے ہوں) کچھ مرد عورتیں تو پھر (اسی قاعدے سے حصے تقسیم ہوں گے کہ) مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ- اللہ تمہارے لیے اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تاکہ گمراہ نہ ہو اور اللہ تمام باتوں کا علم رکھنے والا ہے! (۱۷۶)

[1] دین حق ''برہان'' ہے- یعنی سرتاسر دلیل و حجت اور قرآن ''نور مبین'' ہے- یعنی واضح و آشکارا روشنی! برہان کے ساتھ جہل و گمان جمع نہیں ہو سکتا اور روشنی کے ساتھ تاریکی و کوری راہ نہیں پا سکتی!

[2] سورت کی ابتدا قرابت داروں کے حقوق و احکام سے ہوئی تھی- پھر درمیان میں بھی سلسلۂ بیان اسی طرف کو پھر گیا تھا- اب سورت کا خاتمہ بھی اسی پر ہے-

کلالہ کی میراث کا حکم جو آیت (۱۲) میں گزر چکا ہے تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت کے لیے تھا- یہاں بقیہ دو صورتوں بھی بیان کر دی ہیں- یعنی اگر کلالہ کے وارث عینی بھائی بہن ہوں یا علاتی ہوں (باپ ایک مائیں مختلف) تو ورثہ کی تقسیم بیان کردہ اصول پر کی جائے-

❋ ❋ ❋

مسلمانو![1] اپنے معاہدے پورے کرو!

تمہارے لیے مویشی جانور حلال کر دیے گئے ہیں (یعنی ان کا گوشت کھانا حلال کر دیا گیا ہے) مگر وہ جن کی نسبت (آگے چل کر حکم) سنایا جائے گا - لیکن احرام کی حالت میں ہو تو شکار کرنا حلال نہ سمجھ لو - بلاشبہ اللہ جیسا کچھ چاہتا ہے حکم دے دیتا ہے!(۱)

مسلمانو! خدا کے شعائر کی (یعنی خدا پرستی کی مقرر کی ہوئی نشانیوں اور آداب و رسوم کی) بے حرمتی نہ کرو - اور نہ ان مہینوں کی بے حرمتی کرو جو حرمت کے مہینے ہیں - اور نہ (حج کی) قربانی کی - نہ ان جانوروں کی جن کی گردنوں میں (بطور علامت کے) پٹے ڈال دیتے ہیں (اور کعبہ پر چڑھانے کے لیے دور دور سے لائے جاتے ہیں) نیز ان لوگوں کی بھی بے حرمتی نہ کرو (یعنی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالو اور انہیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ) جو بیت حرام (یعنی کعبہ) کا قصد کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کا فضل اور اس کی خوشنودی ڈھونڈھتے ہیں - ☆

[1] مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو یعنی احکام الٰہی کی اطاعت کا جو عہد کر چکے ہو اسے سچائی کے ساتھ پورا کرو - سچائی کے ساتھ پورا کرنا یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا جائے کرو جن سے روک دیا جائے رک جاؤ چنانچہ اس کے بعد اوامر و نواہی کا بیان شروع ہو جاتا ہے اور پوری سورت میں جستہ جستہ حسب ضرورت و مناسبت جاری رہتا ہے -

(۱) چارپایوں کا گوشت حلال ہے - بجز ان کے جو آگے چل کر مستثنیٰ کر دیے گئے ہیں - یہاں ''انعام'' کا لفظ آیا ہے - ''انعام'' کا زیادہ تر اطلاق اونٹ' گائے' اور بھیڑ بکری پر ہوتا ہے - (۲) حج اور عمرہ کے لیے جب احرام باندھ لیا' تو یہ احرام کی حالت ہوئی - احرام کی حالت میں شکار کرنا جائز نہیں - (۳) خدا کے شعائر کی بے حرمتی جائز نہ رکھو - یعنی جو مقدس نشانیاں خدا پرستی کی ٹھہرا دی گئی ہیں' اور جو رسوم و آداب بن چکے ہیں' ان کی بے حرمتی نہ کرو - (۴) ازاں جملہ حرمت کے مہینے ہیں - یعنی ذی قعدہ' ذی الحج' محرم' رجب' انہی مہینوں میں حاجیوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے - پس ان میں جنگ نہ کرو اور حاجیوں کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچاؤ - البتہ اگر دشمنوں کی طرف سے حملہ ہو جائے' تو تمہیں لڑنا پڑے گا - جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۹۰) میں حکم دیا جا چکا ہے - (۵) نہ تو قربانی اور خدا کے جانوروں کو لوٹو جو دور دور سے مکہ میں لائے جاتے ہیں' نہ حاجیوں اور تاجروں کو نقصان پہنچاؤ جو خدا کی عبادت کے لیے اور کاروبار تجارت کے لیے مکہ کا قصد کرتے ہیں - مقدس مقام کے جانے والوں کو نقصان پہنچانا' اس مقام کی توہین کرنا ہے -

(٦) مشرکین مکہ نے تمہیں مسجد احرام سے روکا تھا تو اب اس کے انتقام میں ایسا نہ کرو کہ ان کی جو جماعت حج کے لیے جا رہی ہو اسے روک ⇦

☆ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ مال و دولت کو خدا کے فضل سے تعبیر کرتا ہے - اس لیے یہاں فضل سے مقصود کاروبار تجارت اور اس کا فائدہ ہے -

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ

اور جب تم احرام کی حالت سے باہر آ جاؤ (یعنی حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر احرام اتار دو) تو پھر شکار کر سکتے ہو۔

اور (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ زیادتی کرنے لگو' کیونکہ انہوں نے مسجد حرام سے تمہیں روک دیا تھا۔ (تمہارا دستور العمل تو یہ ہونا چاہیے کہ) نیکی اور پرہیز گاری کی ہر بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ظلم کی بات میں نہ کرو۔ اور (دیکھو) اللہ کی (نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، یقیناً وہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے! (٢)

(مسلمانو!) تم پر (یہ چیزیں) حرام کر دی گئی ہیں:

مردار جانور۔ خون۔ سور کا گوشت۔ وہ (جانور) جو غیر خدا کے نام پر پکارا جائے۔ گلا گھونٹ کر مارا ہوا۔ چوٹ لگا کر مارا ہوا۔ وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے۔ وہ جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے۔ وہ جسے درندہ پھاڑ کھائے۔ مگر ہاں وہ (حرام نہیں) جسے تم (اس کے مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔☆

⇦ دو یا اس پر حملہ کر دو۔ ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں تمہارا دستور العمل یہ ہونا چاہیے کہ "نیک کام میں مدد کرنا۔ برائی میں نہ کرنا" وہ ظلم کریں تو یہ برائی ہے۔ اس میں مدد نہ کرو۔ لیکن اگر حج و زیارت کو جائیں تو یہ بھلائی کی بات ہے' اس میں کیوں رکاوٹ ڈالو؟

اس آیت میں جو قاعدہ بتایا گیا ہے وہ مسلمانوں کے تمام کاموں کے لیے ایک عام دستور العمل ہے۔ جو کوئی نیک کام کرے اس کی مدد کرو۔ اگر چہ مسلمان نہ ہو اور اگر چہ مخالف ہو۔ جو کوئی برائی کرے اس کی مدد نہ کرو۔ اگر چہ مسلمان ہو' اور اگر چہ تمہارا ساتھی ہو نیز یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر بت پرست بھی خدا کی تعظیم و عبادت کی کوئی بات کریں' تو اس کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ خدا کی تعظیم و عبادت بہر حال خدا ہی کی تعظیم و عبادت ہے۔

آیت (٣) میں دین کی تکمیل کا اعلان ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت (١٢٨) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل کی تھی کہ ان کی نسل میں امت مسلمہ پیدا ہو جائے۔ پھر آیت (١٥٠) میں فرمایا تھا خدا چاہتا ہے تم پر اپنی نعمت پوری کر دے۔ یہاں فرمایا' آج کے دن خدا نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور امت مسلمہ اپنے تمام مقاصد و خصائص کے ساتھ ظہور میں آ گئی۔

یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آخری حج تھا اور جس کے تقریباً تین ماہ بعد وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (بخاری عن عمر رضی اللہ عنہ)

☆ یعنی مردار' سور اور غیر خدا کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور تو ہر حال میں حرام ہیں لیکن ان کے علاوہ جنہیں حرام بتلایا گیا ہے اگر وہ ایسی حالت میں ہوں کہ مرنے سے پہلے ذبح کر سکو تو حرام نہیں۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ③ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۖ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا

وہ جانور جو کسی تھان پر (چڑھا کر) ذبح کیا جائے -(یعنی ان مقاموں میں ذبح کیا جائے جو بت پرستوں نے نذرونیاز چڑھانے کے لیے ٹھہرا رکھے ہیں)- اور یہ بات بھی کہ (کسی جانور کا گوشت یا کوئی اور چیز بطور جوے کے) تیروں کے پانسوں سے آپس میں تقسیم کرو (جیسا کہ مشرکین عرب کیا کرتے تھے) یہ گناہ کی بات ہے- (مسلمانو!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی وہ آج تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں (کہ تم راہ حق چھوڑ کر ان کا طریقہ اختیار کرنے والے نہیں) پس ان سے نہ ڈرو- مجھ سے ڈرو (اور میرے حکم کی تعمیل کرو)- آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا' اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی' اور تمہارے لیے پسند کر لیا کہ ''دین الاسلام'' ہو!- پس (دیکھو) جو کوئی بھوک سے بے بس ہو جائے' یہ بات نہ ہو کہ (دانستہ) گناہ کرنا چاہے (اور کوئی حرام چیز کھا لے) تو اللہ بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے!- (٣)

(اے پیغمبر[1]!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کیا کیا چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ تم کہو جتنی اچھی چیزیں ہیں سب تم پر حلال کر دی گئی ہیں- اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لیے سدھا رکھے ہوں اور (شکار کا طریقہ) جیسا کچھ خدا نے تمہیں سکھا دیا ہے (یعنی خدا کی دی ہوئی عقل و ذہانت سے تم نے نکال لیا ہے) انہیں سکھا دو' تو جو کچھ وہ (شکار پکڑ لیں اور) تمہارے لیے بچائے رکھیں' تم اسے (بے کھٹکے) کھا سکتے ہو- مگر چاہیے کہ (شکاری جانور چھوڑتے ہوئے) خدا کا نام لے لیا کرو (جس طرح ذبح کرتے ہوئے لیا کرتے ہو) اور (ہر حال میں) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج)

[1] جانوروں کے حلال و حرام ہونے کے احکام میں تکمیل دین کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ اسلام سے پہلے کھانے پینے میں مذہبی عقائد نہایت درجہ سخت اور تنگ تھے- یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے بے جا قیدیں ہٹا دیں' اور وہم پرستی کے عنصر سے دین کو پاک کر دیا- پس فرمایا اب کہ دین کامل ہو گیا ہے' تمہارے لیے بے جا سختیاں باقی نہیں رہیں- اگر کوئی آدمی بھوک سے مر رہا ہو اور حلال چیز میسر نہ آئے تو حرام چیز کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے-

چونکہ لوگ پچھلی پابندیوں اور سختیوں کے عادی ہو چکے تھے اس لیے بار بار پوچھتے تھے کہ ہمارے لیے کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟ آیت (٤) میں فرمایا تمام چیزیں حلال ہیں- صرف انہی چیزوں سے روک دیا گیا ہے جو اچھی نہیں ہیں-

سدھایا ہوا شکاری کتا یا پرندا گر شکار پکڑ لے اور خود نہ کھائے تمہارے پاس لے آئے' تو اس میں بھی کوئی روک نہیں- البتہ شکاری جانور چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لے لیا کرو' جس طرح ذبح کے وقت لیا کرتے ہیں-

⇦

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِيٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۖ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٥﴾ ع ٥ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ ۗ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ

آج (کہ دین حق اپنے ظہور میں کامل ہوگیا ہے) تمام اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی گئیں (جو بے جا قیدیں لوگوں نے اپنے پیچھے لگا رکھی تھیں' سب دور ہوگئیں) ان لوگوں کا کھانا جنہیں کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔

نیز تمہارے لیے مسلمان بیبیاں اور ان لوگوں کی بیبیاں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے' حلال ہیں بشرطیکہ ان کے مہر ان کے حوالے کر دُ اور مقصود قید نکاح میں لانا ہو۔ یہ بات نہ ہو کہ نفس پرستی کے لیے بدکاری کی جائے یا چوری چھپے بدچلنی کی جائے' اور (یاد رکھو) جو کوئی ایمان سے منکر ہوا' تو اس کے کام اکارت گئے' اور آخرت میں اس کی جگہ تباہ کاروں میں ہوگی!-(۵)

مسلمانو![1] جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو' تو چاہیے کہ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولیا کرو اور سر کا مسح کرلو' نیز اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھولو- اگر نہانے کی حاجت ہو تو چاہیے (نہا کر) پاک وصاف ہو جاؤ-

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر میں ہو (اور پانی کی جستجو دشوار ہو) یا ایسا ہو کہ تم میں سے کوئی جائے ضرور سے (ہو کر) آیا ہو' یا تم نے عورت کو چھوا ☆ ہو' اور پانی میسر نہ آئے' تو اس حالت میں چاہیے کہ (وضو کی جگہ) پاک مٹی سے کام لو اور (طریقہ اس کا یہ ہے کہ) اپنے منہ اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی

⇦ اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے--یعنی ان کا ذبح کیا ہوا جانور بھی تمہارے لیے حلال ہے-
ضمناً اس حکم کی بھی تصریح کر دی کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی بھی کوئی ممانعت نہیں-

[1] وضو اور تیمّم کا حکم -فرمایا ''خدا نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی طرح کی مشقت اور تنگی میں ڈالے'' یعنی وضو کا حکم اس لیے نہیں ہے کہ تمہارے پیچھے بے جا قیدیں لگا دی جائیں' بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم میں صفائی اور پاکیزگی پیدا ہو اور تمہیں پاکی و شائستگی رکھنے والی جماعت بنا کر' تم پر اپنی نعمت ہدایت پوری کر دے-

---

☆ یعنی زنا شوئی کا معاملہ کیا ہو-

عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞

طرح کی مشقت اور تنگی میں ڈالے' بلکہ چاہتا ہے' (اس طرح کے اعمال کے ذریعہ) تمہیں پاک وصاف رکھے۔ نیز یہ کہ (تمہیں ایک شائستہ جماعت بنا کر) تم پر اپنی نعمت (ہدایت) پوری کر دے تا کہ تم شکر گزار رہو (یعنی نعمت الٰہی کے قدر شناس ہو)۔(٦)

اور[1] (دیکھو) اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو اور اس کا عہد و پیمان نہ بھولو جو وہ مضبوطی کے ساتھ تم سے ٹھہرا چکا ہے جب تم نے (دعوت ایمان قبول کرتے ہوئے) کہا تھا (خدایا!) ہم نے تیرا فرمان سنا اور ہم نے اسے قبول کیا (تو خدا سے تم نے اطاعت حق کا عہد و پیمان باندھ لیا تھا) اور (دیکھو ہر حال میں) خدا (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ (تمہارے) سینوں میں چھپا ہوتا ہے وہ اسے پوری طرح جانتا ہے!(٧)

مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ خدا (کی سچائی) کے لیے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے لیے گواہی دینے والے ہو' اور (دیکھو) ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات کے لیے ابھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے۔ اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو' وہ اس کی خبر رکھنے والا ہے!(٨)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت ہوگی اور بہت ہی بڑا اجر ہوگا۔(٩)

لیکن جن لوگوں نے انکار کیا' اور ہماری آیتوں کو (سرکشی و شرارت سے) جھٹلایا تو وہ دوزخی ہیں (انہوں نے مغفرت و اجر کی جگہ تباہی و عذاب کی راہ پسند کر لی)۔(١٠)

---

[1] سورت کے آغاز میں فرمایا تھا "اپنے معاہدے پورے کرو" یعنی احکام حق کی اطاعت کا عہد پورا کرو۔ یہاں پھر مسلمانوں کو ان کا عہد ایمان یاد دلایا ہے کہ دین کامل ظہور میں آ گیا' نعمت الٰہی پوری کر دی گئی، اب تمہارا فرض ہے کہ تذکیر نعمت سے غافل نہ ہو اور اطاعت حق میں اخلاص و استقامت کے ساتھ کوشاں رہو!

اس کے بعد فرمایا دین حق کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ اپنی سیرت (کریکٹر) میں سرتا سر حق و صداقت کا پیکر بن جاؤ۔ تمہیں ﴿ قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ ﴾ اور ﴿ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ ہونا چاہیے۔ یعنی مضبوطی کے ساتھ حق کے لیے کھڑے ہونے والے اور حق و انصاف کے لیے شہادت دینے والے! اپنا ہو یا پرایا' موافق ہو یا مخالف' دوست ہو یا دشمن' جس کے ساتھ معاملہ کرو انصاف کے ساتھ کرو اور جس کے حق میں کوئی بات کہو انصاف کی کہو!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

ع ٣

مسلمانو! اپنے اوپر اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے پورا ارادہ کرلیا تھا کہ (جنگ و ہلاکت کا) تم پر ہاتھ بڑھائے‘ تو خدا نے (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیا کہ اس کے ہاتھ تمہارے خلاف بڑھنے سے رک گئے (اور تمہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچا) اور اللہ سے ڈرتے رہو- اللہ ہی ہے جس پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے! (١١)

اور[1] (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے (بھی) عہد (اطاعت) لیا تھا‘ اور ان میں بارہ سردار مقرر کر دیے تھے- اللہ نے فرمایا تھا‘ دیکھو‘ میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) اگر تم نے نماز قائم رکھی‘ زکوٰۃ ادا کرتے رہے‘ میرے تمام رسولوں پر (جو تمہاری ہدایت کے لیے آتے رہیں گے) ایمان لائے‘ اور ان کی مدد کی‘ اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہے‘ (یعنی نیکی کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے) تو میں ضرور تم پر سے تمہاری برائیاں محو کر دوں گا‘ اور تمہیں ضرور (راحت و کامرانی کے) باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی مرجھانے والی نہیں) پھر تم میں سے جس کسی نے اس کے بعد (بھی) انکار حق کی راہ اختیار کی تو یقیناً اس نے (کامیابی کی) سیدھی راہ گم کر دی- (١٢)

پس[2] اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اپنا عہد اطاعت توڑ ڈالا ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا (کیونکہ قانون الٰہی یہی ہے کہ جو کوئی حق سے پھر جاتا ہے‘ وہ رحمت سے محروم ہو جاتا ہے‘ اور اس کے دل کی اثر پذیری باقی نہیں رہتی) چنانچہ یہ لوگ (خدا کی کتاب میں) باتوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیتے ہیں (یعنی کلام میں

[1] یہاں سے سلسلۂ بیان کا رخ اہل کتاب کی طرف متوجہ ہوتا ہے‘ تاکہ ان کے حالات سے مسلمان عبرت پکڑیں- فرمایا‘ جس طرح اللہ نے تم سے ایمان و عمل کا عہد لیا ہے‘ بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا‘ لیکن انہوں نے اطاعت کی جگہ شقاوت کی راہ اختیار کی- ایسا نہ ہو کہ تم بھی ایمان و عمل کا عہد فراموش کر بیٹھو-

[2] ☆ یہودیوں کے علما کی یہ شقاوت کہ کتاب اللہ کی اطاعت کرنے کی جگہ کتاب اللہ کو اپنی خواہشوں اور رایوں کے مطابق کام میں لانا چاہتے تھے- وہ اس کی آیتوں میں تحریف کر دیتے یعنی یا تو کسی آیت کا مطلب اس طرح ٹھہراتے کہ بات کچھ سے کچھ ہو جاتی‘ یا کتاب اللہ کی آیتیں سناتے ہوئے‘ اپنی طرف سے گھٹا بڑھا دیتے کہ اصلی مطلب ظاہر نہ ہو اور جو بات بنانی چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح بن جائے- خود پیغمبر اسلام کے زمانے میں بھی مدینہ کے علمائے یہود کی ایسی خیانتیں بار بار پکڑی گئی تھیں-

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

تحریف کر دیتے ہیں) جس بات کی انہیں نصیحت کی گئی تھی' اس سے کچھ بھی فائدہ اٹھانا ان کے حصے میں نہ آیا- اسے بالکل فراموش کر بیٹھے- اور تم (اب بھی) ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر (جو وہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہوئے کرتے رہتے ہیں) اطلاع پاتے رہتے ہو- اور بہت تھوڑے ہیں جو ایسا نہیں کرتے-

پس (اے پیغمبر!) تمہیں چاہیے کہ ان کی (ان خیانتوں سے) درگزر کرو' اور ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو- بلاشبہ اللہ انہی کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں!- (١٣)

اور[١] جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ ☆ کہتے ہیں (یعنی مسیحی) ان سے بھی ہم نے (ایمان و عمل کا) عہد لیا تھا- (لیکن) پھر ایسا ہوا کہ جس بات کی نصیحت کی گئی تھی' اس سے کچھ بھی فائدہ اٹھانا ان کے حصے میں نہ آیا' اسے بالکل فراموش کر بیٹھے (اور ایک دین پر اکٹھے رہنے کی جگہ بہت سی ٹولیوں میں بٹ گئے) پس ہم نے ان کے (مختلف فرقوں کے) درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینے کی آگ بھڑکا دی (یعنی جب وہ ہدایت سے برگشتہ ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے' تو ہمارے مقررہ قانون کے مطابق ان میں باہمی بغض و عناد کی آگ بھڑک اٹھی) اور وہ وقت دور نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں' اللہ اس کی حقیقت انہیں بتا دے- (١٤)

اے اہل[٢] کتاب! یہ واقعہ ہے کہ ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا- کتاب الٰہی (یعنی تورات و انجیل) کی بہت سی باتیں جنہیں تم (ہوائے نفس سے) چھپاتے رہے ہو وہ تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے- اور بہت سی باتوں سے درگزر کر جاتا ہے (کہ

---

[١] عیسائیوں نے بھی ایمان و عمل کا عہد فراموش کر دیا اور راہ راست سے بھٹک گئے- وہ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے ہیں' اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی دشمنی میں سرگرم ہو گیا- یہ باہمی دشمنی یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ قیامت تک دور ہونے والی نہیں-

چنانچہ عیسائیوں میں صدیوں تک مذہبی فرقہ آرائی قائم رہی اور جس فرقہ کی بن پڑی' اس نے دوسرے فرقے کو خاک و خون میں ملایا- اب سیاسی اور اقتصادی فرقہ آرائی ہے' اور باہمی بغض و عداوت میں یہ فرقہ آرائی پچھلی فرقہ آرائی سے بھی زیادہ ہولناک ہے-

اس ذکر سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو عبرت ہو' اور فرقہ آرائی کی گمراہی سے اپنی نگہداشت کریں' لیکن افسوس کہ مسلمان بھی اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے!

[٢] قرآن اپنے پیروؤں کو جہل و گمراہی کی تاریکیوں سے نکالتا اور علم و بصیرت کی روشنی میں لاتا ہے- پس جو قرآن کا سچا پیرو ہے' ضروری ہے کہ اس کی راہ علم و بصیرت کی راہ ہو-

---

☆ روم میں جب مسیحیت پھیلی' تو عیسائیوں کو Nazarene یعنی نصرانی کہتے تھے- عرب میں بھی یہی نام زبانوں پر چڑھ گیا تھا اور عیسائی بھی اپنے آپ کو نصاریٰ کہا کرتے تھے- چنانچہ قرآن حکیم بھی انہیں اسی نام سے یاد کرتا ہے-

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝١٦ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٧ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ

ان کے بیان کی ضرورت نہیں) اللہ کی طرف سے تمہارے پاس (حق کی) روشنی آ چکی اور ایسی کتاب آ چکی جو (اپنی ہدایتوں میں نہایت) روشن کتاب ہے۔ (۱۵) خدا اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں پر جو (ہوائے نفس کی جگہ) خدا کی خوشنودیوں کے تابع ہوں' سلامتی کی راہ کھول دیتا ہے اور اپنے حکم سے (یعنی اپنے مقررہ قانون کے مطابق) انہیں تاریکیوں سے نکالتا' روشنی میں لاتا' اور (کامیابی کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے! (۱۶)

یقیناً[1] ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا' خدا مریم کا بیٹا مسیح ہے۔ (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو (یہ کیسی بے عقلی کی بات ہے جو تم کہتے ہو؟) اگر خدا' مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو' اور (اتنا ہی نہیں بلکہ) روئے زمین پر جتنے انسان بستے ہیں' سب کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اس کی بادشاہی میں دخل دینے کی جرأت کر سکتا ہے؟ آسمان کی' اور زمین کی' اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطانی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے! (۱۷)

اور[2] (دیکھو) یہودی اور عیسائی کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں (ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے) تم کہہ دو' اگر ایسا ہی ہے' تو پھر خدا تمہاری بدعملیوں کی وجہ سے تمہیں (وقتاً فوقتاً) عذاب کیوں دیتا رہا؟ (جس کا خود تمہیں بھی اعتراف ہے اور تمہاری کتاب خدا کی سرزنشوں اور عذابوں کی سرگزشتوں سے بھری ہوئی ہے؟) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیدا کیے ہوئے انسانوں میں سے تم بھی انسان ہو' اور (انسان کی بخشش و نجات کا سررشتہ اللہ کے ہاتھ ہے)

---

[1] عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ پیدا کر لیا۔

[2] یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے۔ (دیکھو بقرہ ۸۰ و سورۂ آل عمران ۲۴)

حضرت مسیح (علیہ السلام) نے یہودی تصور کی سختی و قہرمانی کی جگہ رحمت و شفقت کا تصور پیدا کرنے کے لیے خدا کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا' اور اس بات پر زور دیا تھا کہ شریعت کے ظواہر و رسوم کچھ سودمند نہیں اگر دل میں نیکی و محبت نہ ہو۔ عیسائیوں نے اس بات کو کچھ سے کچھ بنا لیا۔ وہ کہنے لگے' نجات کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ کفارۂ مسیح پر ایمان لے آئیں اور سمجھ لیں کہ خدا ہمارا باپ ہے وہ کبھی اپنے بیٹوں پر آسمان کی بادشاہت کا دروازہ بند نہیں کرے گا۔

قرآن ان کے اسی زعم باطل کا جواب دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے' خدا نے کسی خاص گروہ کو نجات کا پروانہ لکھ کر نہیں دے دیا ہے' تمام انسانوں کی طرح تم بھی انسان ہو اور سررشتہ نجات اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے گا' بخش دے گا۔ جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي

کے حضور) قبولیت کے لیے قربانیاں چڑھائیں تو ان میں سے ایک کی قبول ہوگئی- (یعنی ہابیل کی) دوسرے کی قبول نہیں ہوئی (یعنی قابیل کی- اس پر قابیل نے حسد سے جل کر ہابیل سے) کہا "میں یقیناً تجھے قتل کر دوں گا" (ہابیل نے) کہا "اللہ صرف متقی آدمیوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے (اگر اس نے تیری قربانی قبول نہیں کی تو اس میں میرا کیا قصور؟) (٢٧) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو (اٹھالے) پر میں تجھے قتل کرنے کے لیے کبھی ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا- میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام دنیا کا پروردگار ہے! (٢٨) میں چاہتا ہوں کہ (زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو- میری طرف سے نہ ہو اور) تو میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹ لے اور پھر دوزخیوں میں سے ہو جا کہ ظلم کرنے والوں کو یہی بدلہ ملتا ہے"- (٢٩)

پھر ایسا ہوا کہ اس کے نفس نے (یعنی قابیل کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا' اس نے (ہابیل کو) قتل کر دیا- نتیجہ یہ نکلا کہ تباہ کاروں میں سے ہوگیا- (٣٠) اس کے بعد خدا نے ایک کوا بھیجا اور وہ زمین کریدنے لگا تاکہ اسے بتادے کہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر (زمین میں) چھپانی چاہیے- (کوے کو زمین کریدتا ہوا دیکھ کر) وہ بول اٹھا- "افسوس مجھ پر! میں اس کوے کی طرح بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش (زمین کھود کر) چھپا دیتا!"

⇦ میں ہابل اور قاین بتلا دیا ہے (پیدائش:٤) اور عرب انہیں ہابیل اور قابیل کہتے تھے-

ہابل نے جو متقی انسان تھا کہا "اگر تو میرے قتل کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو بڑھا لیکن میرا ہاتھ تیرے قتل کے لیے اٹھنے والا نہیں کیونکہ میں پروردگار عالم کی سرزنش سے ڈرتا ہوں!"

اس پر بھی قابیل نے اسے قتل کر دیا- ہابیل کی صدا میں تمام نوع انسانی کی راست بازی و نیک عملی بول رہی تھی اور قابیل کے عمل میں تمام ظالم انسانوں کی سرکشی و شقاوت کا ہاتھ تھا- اب انسان کے سامنے دو راہیں کھل گئیں- نیکی و راستی کبھی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے گی- ظالم کا ہاتھ ہمیشہ رنگین رہے گا!

قرآن کہتا ہے اسی بنا پر خدا نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا ایسا ہے' گویا تمام نوع انسانی کو قتل کر دینا- اور کسی انسان کو ہلاکت سے بچالینا ایسا ہے' گویا تمام انسانوں کو بچا لیا- کیونکہ انسان کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہے اور جو انسان ایک انسان کے لیے رحم نہیں کرتا وہ تمام نوع انسانی کے لیے رحم نہیں رکھتا-

چنانچہ تالمود میں ہے "وہ جس نے ایک جان بچائی' اس کی ایسی تحسین کی جائے گی جیسے اس نے پوری کائنات کی حفاظت کی- اور وہ جس نے ایک جان ہلاک کی اسے ایسی سزا دی جائے گی جیسے اس نے پوری کائنات کو ہلاک کیا ہو" لیکن بنی اسرائیل نے اس حکم کی کچھ پروا نہ کی- رسولوں پر رسول آتے رہے اور انہیں ظلم و خوں ریزی سے روکتے رہے لیکن ان کا ہاتھ اپنے بھائیوں کے خون سے ہمیشہ رنگین رہا!

لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى

ع ٧

وہ جسے چاہے بخش دے، جسے چاہے عذاب دے- آسمانوں کی، زمین کی اور اس سب کی جوان کے درمیان ہیں، مالکی وسلطانی صرف اسی کے لیے ہے اور سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے! (١٨)

اے اہل کتاب! ایسی حالت میں کہ رسولوں کا ظہور مدتوں سے بند تھا، ہمارا رسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمہارے پاس آیا- وہ تم پر (احکام حق) واضح کر رہا ہے- تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا- نہ تو (ہدایت کی) بشارت دینے والا، نہ (گمراہی سے) متنبہ کرنے والا- تو اب (دیکھو) بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا تمہارے پاس آ گیا ہے (یعنی تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا ہے) اور اللہ ہر بات پر قادر ہے- (١٩)

اور[1] (دیکھو، وہ واقعہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا ''اے لوگو! اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو (کہ اس نے کیسی کیسی عزتوں سے تمہیں سرفراز کیا ہے؟) اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں پادشاہ بنایا، اور تمہیں وہ بات عطا فرمائی جو دنیا میں کسی کو (اب تک) نہیں دی گئی (یعنی نبوت اور پادشاہت دونوں تم میں جمع ہو گئیں'')- (٢٠) ''لوگو! مقدس سرزمین میں جسے خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے (یعنی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے عزم وہمت کے ساتھ) داخل ہو جاؤ، اور الٹے پاؤں پیچھے کی طرف نہ ہٹو کہ (کامیاب ہونے کی جگہ) نقصان وتباہی میں پڑ جاؤ!'' (٢١) لوگوں نے (اس کے جواب میں) کہا ''اے موسیٰ!

---

[1] جب ایک قوم عرصہ تک غلامی کی حالت میں رہتی ہے تو اس میں بلند مقاصد کے لیے جدوجہد کی استعداد باقی نہیں رہتی، وہ غلامی کا امن پسند کرنے لگتی ہے، اگرچہ ذلت ونامرادی کے ساتھ ہو اور مقاصد کی جدوجہد سے جی چرانے لگتی ہے، اگرچہ اس کا نتیجہ کامرانی واقبال ہو!

یہی حال بنی اسرائیل کا تھا- مقاصد امور کے لیے ان میں عزم وہمت نہ تھی- بزدلی وبے طاقتی نے قدم پکڑ لیے تھے- جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ سرزمین کنعان میں داخل ہو جو تمہاری موعودہ سرزمین ہے تو کہنے لگے، وہاں بڑے طاقتور لوگ رہتے ہیں ان کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں- جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم قدم نہیں اٹھائیں گے- تورات میں ہے کہ بنی اسرائیل جنگ کی دہشت سے اس قدر بے طاقت ہو گئے کہ رو رو کر کہتے ''خدایا! تو نے ہمیں مصر سے کیوں نکالا؟ کیا اسی لیے کہ ہم کنعانیوں کی تلوار سے قتل ہو جائیں؟'' انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مصر واپس چلے جائیں اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو چھوڑ دیں (گنتی باب ١٣-١٤)

اس پر حکم الٰہی ہوا کہ چالیس سال تک یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے میدانوں ہی میں پڑے رہیں گے- اس میں مصلحت یہ تھی کہ چالیس سال کے اندر پچھلی نسل ختم ہو جائے گی جسے مصر کی غلامانہ زندگی نے نکما کر دیا ہے، اور ایک نئی نسل پیدا ہو جائے گی- جس نے ⇐

إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ

وقف لازم

اس سرزمین میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑے ہی زبردست ہیں (ہم میں ان کے مقابلہ کی تاب نہیں) جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم اس سرزمین میں قدم رکھنے والے نہیں- ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے تو پھر ہم ضرور داخل ہو جائیں گے"-(٢٢)

(اس پر) دو آدمیوں ☆ نے کہ اللہ نے ڈرنے والوں میں سے تھے اور خدا نے انہیں (ایمان کی) نعمت عطا فرمائی تھی، لوگوں سے کہا (اس قدر بے طاقت اور بزدل کیوں ہو رہے ہو؟) ہمت کر کے ان لوگوں پر جا پڑو اور (شہر کے) دروازے میں جا داخل ہو- اگر تم (ایک مرتبہ) داخل ہو گئے تو پھر غلبہ تمہارے ہی لیے ہے- اگر تم ایمان رکھنے والے ہو، تو چاہیے کہ اللہ پر بھروسہ کرو!"(٢٣)

وہ بولے "اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم کبھی اس میں داخل ہونے والے نہیں (اور اگر تم وہاں جانے پر ایسے ہی تل گئے ہو تو) تم خود چلے جاؤ اور تمہارا خدا بھی تمہارے ساتھ چلا جائے- ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے- تم دونوں وہاں لڑتے رہنا!"(٢٤)

(یہ حالت دیکھ کر) موسیٰ نے کہا "خدایا! میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا- پس تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں (اپنے حکم سے) فیصلہ کر دے!"(٢٥)

اللہ کا حکم ہوا کہ (جب ان لوگوں کی محرومیوں کا یہ حال ہے، تو) اب چالیس برس تک وہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی (یعنی چالیس برس تک اس سے محروم کر دیے گئے) یہ اسی بیابان میں سرگرداں رہیں گے- سو (اے موسیٰ) تم نافرمان لوگوں کی حالت پر غمگین نہ ہو (وہ اپنی بدعملیوں سے اسی محرومی کے مستحق تھے!)(٢٦)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا حال سچائی کے ساتھ سنا دو- جب ان دونوں نے (خدا

⇦ بیابان کی آزادانہ آب و ہوا میں نشو و نما پائی ہو گی اور غلامانہ ذہنیت کی سمیت سے محفوظ ہو گی- چنانچہ جب چالیس سال گزر گئے اور ایک نئی نسل ظہور میں آ گئی، تو وہ بڑھی اور موعودہ سرزمین پر قابض ہو گئی-

ل بنی اسرائیل کی یہ شقاوت کہ قتل نفس میں بے باک ہو گئے تھے اور اس سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ جن کا نام تورات ⇦

☆ تورات میں ہے کہ یہ دو آدمی یوشع اور کالب تھے (گنتی باب ١٤)

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْۤا اَوْ يُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ

غرض کہ وہ (اپنی حالت پر) بہت ہی پشیمان ہوا! - (۳۱)

اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ "جس کسی نے" سوا اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو کسی جان کو قتل کر ڈالا تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچالی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی" اور (پھر) ان کے پاس (یکے بعد دیگرے) ہمارے رسول (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آتے رہے (اور ظلم وخوں ریزی سے روکتے رہے) لیکن اس پر بھی ان میں سے اکثر ایسے نکلے جو ملک میں زیادتیاں کرنے والے تھے - (۳۲)

بلاشبہ[1] ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں (یعنی رہزن اور ڈاکو ہیں) یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جہتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے (یعنی جیسی کچھ سزا ان کے لیے ضروری ہو انہیں دی جائے) یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذاب عظیم ہے - (۳۳)

مگر (ہاں) ان میں سے جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ (یعنی گرفتار کرو) توبہ کر لیں تو (پھر ان سے تعرض نہ کرو اور) جان لو کہ اللہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے - (۳۴)

مسلمانو! (ہر حال میں) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ ڈھونڈھو۔ اور

---

[1] جو لوگ باغی ہوں یا رہزن اور ڈاکو ہوں انہیں سزا دینے کا حکم۔
اگر ان میں سے کوئی مجرم گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اس سے تعرض نہ کرو۔
پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کو قتل نفس سے روکنے کا ذکر کیا تھا اور دو حالتیں مستثنیٰ کر دی تھیں۔ قصاص کی اور لوٹ مار کرنے والوں کو سزا دینے کی۔ اب یہاں اس کی مزید تشریح کر دی۔
قرآن جہاں کہیں برائیوں کے انسداد کے لیے کسی سخت طرز عمل کا حکم دیتا ہے مثلاً جنگ کا قصاص کا مجرموں کو سزا دینے کا طلاق کا تو اس کے بعد ہی خدا سے ڈرتے رہنے اور انصاف سے متجاوز نہ ہونے پر خصوصیت کے ساتھ زور دینے لگتا ہے تاکہ سختی میں آ کر لوگ ظلم و زیادتی نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ یہاں بھی سزا کے حکم کے بعد آیت (۳۵) میں تقویٰ اور اتباع حق پر زور دیا۔

سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ

اس کی راہ میں جدوجہد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔ (۳۵)

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ کبھی پاداش عمل سے بچنے والے نہیں) اگر ان کے قبضہ میں وہ تمام (مال ومتاع) آجائے جو روئے زمین میں موجود ہے' اور اتنا ہی اور بھی (کہیں سے) پالیں' پھر یہ سب کچھ روز قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دیں' جب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔ (۳۶) وہ (کتنا ہی) چاہیں گے کہ (دوزخ کی) آگ سے باہر نکل آئیں لیکن اس سے باہر ہونے والے نہیں۔ ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے! (۳۷)

اور جو[1] چور ہو خواہ مرد ہو یا عورت' تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے' یہ اس کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت کی نشانی۔ اللہ (سب پر) غالب اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۳۸) پھر جب کسی نے اپنے ظلم کے بعد (یعنی چوری کرنے کے بعد) توبہ کرلی اور اپنے کو سنوار لیا' تو اللہ اس پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے گا۔ وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے! (۳۹) (اے انسان! تو خدا کی بخشش و رحمت پر متعجب نہ ہو!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی ساری بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے' جسے چاہے بخش دے' اور وہ ہر بات پر قادر ہے! (۴۰)

(اے[2] پیغمبر!) اس گروہ میں سے جس نے زبان سے کہا "ایمان لائے" مگر ان کے دل مومن نہیں ہوئے' اور اس گروہ میں سے جو یہودی ہے' جو لوگ کفر (کے شیوے) میں تیز گام ہوئے' تو ان کی حالت تمہیں غمگین نہ کرے۔ یہ لوگ جھوٹ کے لیے کان لگانے والے ہیں اور اس لیے کان لگانے والے ہیں کہ ایک دوسرے گروہ تک جو تمہارے پاس نہیں آیا' خبریں پہنچائیں۔

---

[1] چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم

[2] کسی بات کی ٹوہ میں رہنا' جاسوسی کرنا' ادھر کی بات ادھر لگانا ایسی خصلتیں ہیں جو ایمان وراستی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ مدینہ کے علمائے یہود منافقوں کو بھیجتے تھے کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی مجلسوں میں بیٹھیں اور انہیں خبریں پہنچائیں۔ نیز انہیں کہتے معاملات وقضایا ان کے سامنے پیش کرو اور دیکھو' کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر ہمارے حکم کے مطابق ہو تو مانو' نہ ہو تو قبول نہ کرو۔ باوجودیکہ تورات کی آیتیں اپنے معانی واحکام میں ثابت وقطعی ہیں' لیکن یہ لوگ بے دھڑک ان میں تحریف کردیتے ہیں اور ان کا مطلب کچھ کا کچھ بنادیتے ہیں۔

هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْــــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ

یہ (تورات کے) کلموں کو باوجودیکہ ان کا صحیح محل ثابت ہو چکا ہے، صحیح محل سے پھیر دیتے ہیں (اور ان کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں) یہ (لوگوں سے) کہتے ہیں (جو کچھ ہم نے تورات کا حکم بتلا دیا) اگر یہی حکم دیا جائے تو قبول کر لو۔ نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو۔ (اے پیغمبر جن لوگوں کی شقاوت اس حد تک پہنچ چکی ہے، وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں۔ تم ان کے لیے بیکار کو غم نہ کھاؤ) جس کسی کے لیے اللہ ہی نے چاہا کہ آزمائش میں پڑے (اور اس کا کھوٹ کھل جائے) تو تم اس کے لیے خدا سے کچھ نہیں پا سکتے (یقین کرو) یہی لوگ ہیں کہ خدا ان کے دلوں کو پاک کرنا نہیں چاہتا۔ (کیونکہ اس کا قانون ہے کہ جو کوئی گناہوں کی آلودگی پسند کر لیتا ہے اس کے لیے پاکی و اصلاح کی راہیں بند ہو جاتی ہیں) ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہوئی اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب!۔ (۴۱)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ جھوٹ کے لیے کان لگانے والے اور برے طریقوں سے مال کھانے میں بے باک ہیں۔☆ پس اگر یہ تمہارے پاس آئیں (اور اپنے قضیے پیش کریں) تو (تمہیں اختیار ہے) ان کے درمیان فیصلہ کر دو یا ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اگر کنارہ کش ہو گئے تو یہ تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اگر (کنارہ کش نہ ہو اور) فیصلہ کرو تو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو (اور ان کی شرارتوں کی کچھ پروا نہ کرو) بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۴۲) اور پھر یہ لوگ کس طرح تمہیں منصف بناتے ہیں؟

ل تورات میں زانی کے لیے سنگسار کرنے کا اور قاتل کے لیے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جب کسی بڑے آدمی سے یہ جرائم سرزد ہو جاتے تو یہودیوں کے دنیا پرست علما انہیں سزا سے بچانے کے لیے دور از کار تاویلیں کرنے لگتے، اور طرح طرح کے شرعی حیلے نکال لیتے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کے عہد میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آ گیا۔ علمائے یہود نے خیال کیا کہ انہیں تورات کے احکام کی خبر نہیں اور اگر خبر بھی ہو تو یہ ایک نئی دعوت لے کر آئے ہیں تورات والا حکم کیوں دینے لگے؟ پس بہتر ہے کہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ مجرم سزا سے بھی بچ جائیں گے، اور ذمہ داری بھی ہمارے سر نہ پڑے گی۔ چنانچہ معاملہ پیغمبر اسلام کے سامنے پیش ہوا۔ لیکن وحی الٰہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا۔ انہوں نے تورات کے حکم کا ان سے اقرار کرایا اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا۔

یہاں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، جب ان کے پاس تورات موجود ہے تو کیوں اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور کیوں تمہارے پاس فیصلے کے لیے آتے ہیں؟ اس لیے کہ دولت مند مجرموں سے رشوت لے کر یا ان کی طاقت سے مرعوب ہو کر ⇐

☆ مثلاً رشوت اور نذرانہ لے کر فتوی دیتے ہیں اور احکام شرع کے خرید و فروخت کی دکان لگا رکھی ہے۔

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ

ع ٩ ٢ ١٠

جب تورات ان کے پاس موجود ہے اور خدا کا حکم اس میں موجود ہے (کیوں اس کے مطابق خود فیصلہ نہیں کر دیتے) یہ تورات رکھنے پر بھی اس سے روگردانی کرتے ہیں' اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان ہی نہیں رکھتے - (۴۳)

بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی - اس میں ہدایت اور روشنی ہے - خدا کے نبی جو (احکام الٰہی کے) فرمانبردار تھے' اسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے - نیز ربی اور احبار (یعنی یہودیوں کے علما و مشائخ) بھی اسی پر کاربند رہے - کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے' اور اس (کے حکموں اور ہدایتوں) پر گواہ تھے -

پس (اے گروہ یہود! اتباع حق کی راہ میں) انسانوں سے نہ ڈرو - مجھ سے ڈرو' اور میری آیتوں کو (دنیوی فائدے کے) سستے داموں فروخت نہ کرو (یاد رکھو) جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ہیں جو کافر ہیں - (۴۴)

اور ہم نے یہودیوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ "جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت' اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم - پھر جو کوئی بدلہ لینا معاف کر دے' تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا' اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے گا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں" - (۴۵)

اور پھر (ان نبیوں کے پیچھے) انہی کے نقش قدم پر ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا - تورات کی تصدیق کرتا ہوا

⇐ انہیں سزا سے بچانا چاہتے ہیں - پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ کتاب الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے - اگر ایمان رکھتے تو راست بازی کے ساتھ اس کے حکموں کا اعلان کرتے -

اس کے بعد فرمایا' ہم نے پہلے تورات نازل کی' پھر انجیل نازل کی' اور اسی طرح اب قرآن نازل ہوا ہے - انجیل تورات کی مصدق تھی اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق اور ان پر "نگہبان" ہے - "نگہبان" ہونے سے مقصود یہ ہے کہ ان کے مقاصد کی حفاظت کرنے والا ہے - اگر وہ نازل نہ ہوتا تو تمام پچھلی صداقتیں تحریف و ضلالت کی تاریکیوں میں گم ہو گئی تھیں -

آیت (۴۵) میں تورات کے جس حکم کا ذکر کیا ہے وہ خروج ۲۲:۲۴ اور استثنا ۱۹:۲۱ میں ہے -

الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

جو اس کے سامنے موجود تھی- اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے' اور تورات کی جو پہلے سے موجود تھی (سرتاسر) تصدیق ہے- نیز متقی انسانوں پر (سعادت کی) راہ کھولنے والی اور (یکسر) پندونصیحت!-(٤٦)

اور (اسی طرح) چاہیے کہ انجیل والے اسی کے مطابق حکم دیں جو کچھ انجیل میں خدا نے نازل کیا ہے، اور (یاد رکھو) جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے گا' تو ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں-(٤٧)

اور (اے پیغمبر! اسی طرح) ہم نے تمہاری طرف سچائی کے ساتھ کتاب بھیجی- ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہوئی جو پہلے سے موجود ہیں اور ان پر نگہبان- سو چاہیے کہ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور جو سچائی تمہارے پاس آ چکی ہے اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو- تم میں[1] سے ہر ایک گروہ کے لیے ہم نے ایک ''شرع'' اور ''منہاج'' ٹھہرا دی (یعنی مذہبی زندگی کا طور طریقہ ٹھہرا دیا) اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا (یعنی ایک ہی طرح کی استعداد اور حالت پر پیدا کرتا اور مختلف شریعتوں اور طور طریقوں کا اختلاف پیدا ہی نہ ہوتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا' اور اس لیے نہیں کیا) تاکہ جو کچھ (تمہاری حالت اور ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً) تمہیں دیا گیا ہے' اس میں تمہیں آزمائے (اور تمہارے لیے طلب و ترقی کی راہیں پیدا ہوں) پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرو (کہ تمام شریعتوں کا اصل مقصود یہی ہے) تم سب کو بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے-

[1] اگر تورات' انجیل اور قرآن' ایک ہی صداقت کی دعوت ہیں' اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق ہے' تو پھر شرائع و احکام میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنی ایسا کیوں ہوا کہ عبادت کے طور طریقے سب نے ایک ہی طرح کے نہیں بتلائے اور مختلف وقتوں میں مختلف شریعتیں ظاہر ہوئیں؟

قرآن نے یہاں اسی سوال کا جواب دیا ہے- وہ کہتا ہے ایک چیز ''دین'' ہے اور ایک ''شرع'' اور ''منہاج'' ہے- ''دین'' اصل ہے اور وہ خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے- ''شرع'' اور ''منہاج'' دستور العمل اور طور طریقہ ہے جو اس اصل کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ٹھہرایا جاتا ہے- ''دین'' ایک ہی ہے اور سب نے اسی کی تعلیم دی لیکن ''شرع'' اور ''منہاج'' میں اختلاف ہوا- کیونکہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف یکساں نہ تھے' اس لیے ''شرع'' اور ''منہاج'' بھی یکساں نہیں ہو سکتی تھی- پیروان مذاہب کی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی وحدت بھلا دی ہے' اور محض شرع و منہاج کے اختلاف پر گروہ بندیاں کر کے ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں-

قرآن کہتا ہے- اگر خدا چاہتا تو تمام نوع انسانی کو ایک امت بنا دیتا' مگر تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا- الگ الگ قومیں ہوئیں' الگ الگ احوال ہوئے' الگ الگ ضرورتیں ہوئیں' پس ضروری تھا کہ فروع اور ظواہر کے طور اور ڈھنگ بھی الگ الگ ہوں- ⇐

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؕ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ

ع

پھر وہ تمہیں بتلائے گا کہ جن باتوں میں باہم دگر اختلاف کرتے رہے تھے' ان کی حقیقت کیا تھی- (۴۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں حکم دیا کہ جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے' اسی کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرؤ اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو- نیز ان کی طرف سے ہوشیار رہو- کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کے کسی حکم (کی تعمیل و نفاذ) میں تمہیں ڈگمگا دیں (یعنی ایسی صورت حال پیدا کر دیں کہ کسی حکم کا نفاذ عمل میں نہ آ سکے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (اور حکم الٰہی نہ مانیں) تو جان لؤ خدا کو یہی منظور ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان پر مصیبت پڑے- اور حقیقت یہ ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے انسان (احکام حق سے) نافرمان ہیں!- (۴۹)

پھر (جو لوگ احکام الٰہی کا فیصلہ پسند نہیں کرتے تو وہ کیا چاہتے ہیں؟) کیا جاہلیت ☆ کے عہد کا سا حکم چاہتے ہیں (جب علم و بصیرت سے لوگ محروم تھے اور اپنے اوہام و خرافات پر عمل کرتے تھے؟) اور ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ (۵۰)

مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کو (جو تمہاری دشمنی میں سرگرم ہو گئے ہیں) اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ- وہ (تمہاری مخالفت میں) ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اور (دیکھو اب) تم میں سے جو کوئی انہیں رفیق و مددگار بنائے گا' تو وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا- اللہ اس گروہ پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والا گروہ ہے- (۵۱)

پھر (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے' وہ ان لوگوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں- وہ کہتے ہیں "ہم ڈرتے ہیں' (ان لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے) کسی مصیبت کے پھیر میں نہ آ جائیں" تو (یقین کرو) وہ وقت دور نہیں جب اللہ (تمہیں) فتح دے دے گا' یا اس کی طرف سے (کامیابی اور غلبہ

⇦ لیکن یہ اختلاف اصل کا اختلاف نہ ہوا جو "دین" ہے- فرع کا اختلاف ہوا جو "شرع" اور "منہاج" ہے-

☆ اسلام کے ظہور سے پہلے عرب میں جو حالت رہ چکی ہے اسے "جاہلیت" سے تعبیر کیا گیا- کیونکہ لوگ اوہام و خرافات میں مبتلا تھے اور علم و بصیرت کی کوئی روشنی موجود نہ تھی-

اَنۡ يَّاۡتِىَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَيُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِيۡنَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ‌ۙ اِنَّهُمۡ لَمَعَكُمۡ‌ؕ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿٥٣﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤٮِٕمٍ‌ؕ ذٰ لِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رَاكِعُوۡنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿٥٦﴾

کی) کوئی اور بات ظاہر ہو جائے گی' اور اس وقت یہ لوگ اس بات پر شرمندہ ہوں گے جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہے۔ (۵۲) اور (اس وقت[1]) ایمان والے کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی سخت سے سخت قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ (حالانکہ تھے دشمنوں کے ساتھ) تو (دیکھو) ان کے تمام کام (اس نفاق کی وجہ سے) اکارت گئے' اور بالآخر تباہ و نامراد ہو کر رہ گئے۔ (۵۳)

مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا' تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پھر جانے سے دین حق کو کچھ نقصان پہنچے گا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کر دے' جنہیں خدا دوست رکھتا ہو' اور وہ بھی خدا کو دوست رکھنے والے ہوں۔ مومنوں کے مقابلہ میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے' لیکن دشمنوں کے مقابلہ میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں جان لڑا دیں گے' اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جس گروہ کو چاہے عطا فرما دے' اور وہ (اپنے فضل میں) بڑی ہی وسعت رکھنے والا' اور (سب کا حال) جاننے والا ہے! (۵۴)

(مسلمانو!) تمہارا رفیق و مددگار اگر کوئی ہے تو اللہ ہے' اس کا رسول ہے' اور وہ لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں' جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ نماز قائم رکھتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور (ہر حال میں) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں! (۵۵)

اور (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کو' اس کے رسول کو' اور ایمان والوں کو اپنا رفیق و مددگار بنایا' تو (وہ اللہ کے گروہ میں سے ہوا' اور) بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا گروہ ہے۔ (۵٦)

---

[1] آیت (۵۱) میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو جو مشرکین مکہ کی طرح تمہاری دشمنی میں سرگرم ہو گئے ہیں، اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ۔ جو منافق ہیں وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں لیکن قریب ہے کہ انہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے گا۔

آیت (۵۴) میں مسلمانوں کی یہ شان بتلائی کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرم اور منکسر' لیکن دشمنوں کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں۔ اللہ کی سچائی کی راہ میں جان لڑا دینے والے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔ نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور خدا کی مددگاری پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو ایسے ہوں تو وہ ''حزب اللہ'' ہیں۔ یعنی اللہ کا گروہ ہے۔ اور جو اللہ کا گروہ ہوا تو وہ کبھی انسانوں سے مغلوب ہونے والا نہیں۔

یہ گروہ جس کی خبر دی گئی تھی مہاجرین اور انصار کا گروہ تھا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى

مسلمانو![1] یہود ونصاریٰ اور کفار (مکہ) میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے (یعنی تحقیر و تذلیل کے لیے اس کی ہنسی اڑاتے رہتے ہیں) تم انہیں اپنا مددگار ورفیق نہ بناؤ' اور اللہ (کی نافرمانی کے نتیجوں) سے ڈرو' اگر فی الحقیقت تم ایمان رکھنے والے ہو! (۵۷)

اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو (یعنی اذان دیتے ہو) تو یہ اسے تماشا بناتے اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اس لیے کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے جو سمجھ بوجھ سے یک قلم بے بہرہ ہے۔ (۵۸)

(اے پیغمبر![2] یہودیوں سے) کہو کہ اے اہل کتاب! اس کے سوا ہمارا قصور کیا ہے جس کا تم انتقام لینا چاہتے ہو کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' اور اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی' اور جو ہم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں؟ اور یہ کہ (کہتے ہیں) تم میں سے اکثر آدمی (احکام تورات سے) نافرمان ہو گئے ہیں؟۔ (۵۹)

(اے پیغمبر' تم) کہو' کیا میں تمہیں بتلاؤں' اللہ کے حضور جزا کے اعتبار سے کون زیادہ بدتر ہوا؟ وہ لوگ' جن پر خدا نے لعنت کی' اور اپنا غضب اتارا اور ان میں سے کتنوں ہی کو بندر اور سور کی طرح کر دیا' اور وہ جو شریر قوتوں کو پوجنے لگے۔ یہی لوگ ہیں جو سب سے بدتر درجے میں ہیں' اور سب سے زیادہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے! (۶۰)

اور (دیکھو) جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں' ہم ایمان لائے' حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے آئے تھے' اور کفر لیے ہوئے واپس گئے۔ اور وہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں' خدا اسے بہتر جاننے والا ہے! (۶۱)

---

[1] یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب مسلمانوں کے مذہبی اعمال کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔

[2] اہل کتاب سے خطاب کہ جب قرآن تمام پچھلی سچائیوں کی تصدیق کرتا ہے' اور کسی نئی اصل دینی کی طرف نہیں بلاتا' تو پھر تم اس کی مخالفت میں کیوں کمربستہ ہو گئے ہو؟ آخر پیروان قرآن کا قصور کیا ہے؟ کیا یہی قصور ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کی طرح تمہاری کتابوں کو بھی کلام الٰہی سمجھتے ہیں' اور تم سے کہتے ہیں کہ اپنی کتابوں پر راست بازی کے ساتھ عمل کرو؟

اس کے بعد یہودیوں کی ان شقاوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا خود یہودیوں کو بھی اعتراف ہے' اور جو ان کے یہاں کی مسلّمہ روایتیں ہیں۔ مثلاً احکام الٰہی کی نافرمانی کی وجہ سے ایک گروہ کا ملعون ہونا' اور نبیوں کا ان پر لعنت کرنا اور سبت والوں کا معاملہ۔

كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾

وقف لازم

اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور ظلم اور مال حرام کھانے میں تیز گام ہیں- (افسوس ان کے ادعائے ایمان پر!) کیا ہی برے کام ہیں جو (شب و روز) کر رہے ہیں!- (٦٢) ان کے عالموں اور پیروں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں جھوٹ بولنے اور مال حرام کھانے سے روکتے نہیں؟ (افسوس ان پر!) کیا ہی بری کارگزاری ہے جو یہ کر رہے ہیں! (٦٣)

اور یہودیوں [1] نے کہا خدا کا ہاتھ (بخشش سے) بندھ گیا ہے (کہ نہ تو تورات کے بعد کوئی دوسری کتاب بھیج سکتا ہے- نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت دے سکتا ہے- حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) انہی کے ہاتھ بندھ گئے ہیں' اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کی وجہ سے ان پر لعنت پڑی ہے- خدا کے تو دونوں ہاتھ (بخشش و کرم میں) کھلے ہیں- وہ جس طرح چاہتا ہے (اپنا فضل و کرم) خرچ کرتا ہے- اور (اسی لیے تم دیکھو گے کہ) خدا کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے' (بجائے اس کے کہ ان کے لیے ہدایت و نصیحت کا موجب ہو) ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو اور زیادہ بڑھا دے گا-

اور [2] (اسی سرکشی کا نتیجہ ہے کہ) ہم نے ان کے (مختلف فرقوں کے) درمیان عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے (کہ) قیامت تک مٹنے والا نہیں- جب کبھی لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں' اللہ اسے بجھا دیتا ہے (یعنی اس کا فتنہ تمام ملک میں پھیلنے نہیں پاتا) یہ لوگ ملک میں خرابی پھیلانے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اللہ خرابی پھیلانے والوں کو دوست نہیں رکھتا- (٦٤)

اور اگر اہل کتاب ایمان رکھتے اور پرہیزگار ہوتے' تو ہم ضرور ان پر سے ان کی خطائیں محو کر دیتے (یعنی خطاؤں کے اثرات محو کر دیتے) اور ضرور انہیں نعمت کی جنتوں میں داخل کر دیتے (مگر انہوں نے ایمان و عمل کی جگہ سرکشی و نافرمانی کی راہ اختیار کی' اس لیے خدا کی بخششوں سے محروم ہو گئے)۔ (٦٥)

---

[1] یہودی کہتے تھے' تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آ سکتی اور نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت مل سکتی ہے- خدا کے خزانے میں تو سب کچھ ہے لیکن اس کے ہاتھ بندھ گئے ہیں- وہ اب کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت نہیں دے سکتا- یہاں ان کی اسی شقاوت کی طرف اشارہ کیا ہے-

[2] عیسائیوں کی طرح یہودی بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں' اور مذہبی فرقہ بندی نے ہمیشہ کے لیے ان میں باہمی بغض و عناد کے جذبات پیدا کر دیے ہیں-

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى

ع ۱۰

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو کچھ ان کے پروردگار کی جانب سے ان پر نازل ہوا ہے' (سچائی کے ساتھ) قائم رکھتے' تو ضرور ایسا ہوتا کہ ان کے اوپر سے بھی (کہ آسمان ہے) اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی (کہ زمین ہے) انہیں برکت ملتی' (لیکن انہوں نے تورات وانجیل کی تعلیم ضائع کر دی) ان میں سے ایک گروہ ضرور درمیانہ رو ہے' لیکن زیادہ تر ایسے ہی ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں برائی ہی برائی ہے۔ (٦٦)

اے پیغمبر! تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے' اسے (خدا کے بندوں تک) پہنچا دو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (یعنی فرض رسالت ادا کرنے میں کوتاہی کی) اور اللہ تمہیں انسانوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔ وہ اس گروہ پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جس نے کفر کی راہ اختیار کی ہے! (٦٧)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ٹکنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے جب تک کہ تم[1] تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے' قائم نہ کرو۔ اور (اے پیغمبر! تم دیکھو گے کہ) جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اس کے کہ ان کے لیے تنبہ اور نصیحت کا موجب ہو) اور زیادہ ان کی سرکشی اور انکار بڑھا دے گا۔ تو تم اس گروہ کی حالت پر افسوس نہ کرو جو حق سے منکر ہو گیا۔ (٦٨)

جو لوگ (قرآن پر) ایمان لائے ہیں' وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی اور صابی اور نصاریٰ ہیں' کوئی ہو'

---

[1] اہل کتاب سے خطاب کہ تم دین کے بارے میں جو کچھ بحث وکلام کرتے ہو وہ جبھی قابل سماعت ہو سکتا ہے جبکہ تورات اور انجیل کی تعلیم پر قائم رہو' اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بتلاؤ' تمہارے پاس کون سی جگہ باقی رہ جاتی ہے جس پر کھڑے ہو سکتے ہو' اور دلیل وحجت کے ساتھ کلام کر سکتے ہو؟

نیز اس اصل کا بھی اعلان کر دیا کہ قرآن کا مطالبہ اہل کتاب سے یہ نہیں ہے کہ تورات اور انجیل کی صداقتوں سے بے پروا ہو جائیں' بلکہ تمام تر مطالبہ یہی ہے کہ ان پر سچائی کے ساتھ قائم ہوں کیونکہ وہ کہتا ہے' تمام الہامی کتابوں کی حقیقی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی ونیک عملی کی دعوت ہے۔ قرآن اسی پر تمام نوع انسانی کو جمع کر دینا چاہتا ہے۔

چنانچہ آیت (٦٩) میں فرمایا کہ نجات وسعادت کا دارومدار تمہاری بنائی ہوئی گروہ بندیاں نہیں ہیں' بلکہ ایمان وعمل کا قانون ہے' اور اصل دین یہی ہے جس کی سب نے تعلیم دی۔ اور خود تم سے بھی اسی کا عہد لیا گیا تھا۔ اس کی تشریح بقرہ: ٦٢ میں گزر چکی ہے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

وقف لازم

لیکن (اصل دین یہ ہے کہ) جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے گا' اور اچھے کام کرے گا' تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا' نہ کسی طرح کی غمگینی!-(٦٩)

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (ایمان اور عمل کا) عہد اطاعت بنی اسرائیل سے لیا' اور (اس پر قائم رکھنے کے لیے ایک کے بعد ایک) رسول بھیجے' مگر جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا' تو انہوں نے ان میں سے بعض کو تو جھٹلایا اور بعضوں کو قتل کیا-(٧٠) وہ سمجھے کہ کوئی آزمائش نہیں ہوگی' اس لیے (گمراہی کے جوش میں) اندھے بہرے ہو گئے- پھر ایسا ہوا تھا کہ خدا اپنی رحمت سے ان پر لوٹ آیا تھا (یعنی ان کی توبہ قبول کر لی تھی) لیکن پھر ان میں سے بہتیرے (از سرنو) اندھے بہرے ہو گئے- اور (اب) جیسے کچھ ان کے کرتوت ہیں' خدا انہیں دیکھ رہا ہے!(٧١)

یقیناً[1] وہ (حق سے) منکر ہوئے' جنہوں نے کہا "خدا تو یہی مسیح مریم کا بیٹا ہے" اور (خود مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ) اس نے کہا تھا: "اے بنی اسرائیل! خدا کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا' (یعنی) سب کا پروردگار ہے! بلاشبہ جس کسی نے خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی- اس کا ٹھکانا آتش دوزخ ہوا اور ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی نہیں جو مددگار ہوگا"-(٧٢)

یقیناً وہ لوگ (حق سے) منکر ہوئے جنہوں نے کہا- "خدا تین میں کا ایک ہے" (یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس) حالانکہ کوئی معبود نہیں' مگر وہی معبود یگانہ!- اور (دیکھو) جو کچھ یہ کہتے ہیں' اگر اس سے باز نہ آئے' تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار حق کیا ہے' انہیں عذاب دردناک پیش آئے گا-

انہیں کیا ہو گیا کہ اللہ کی طرف نہیں لوٹتے' اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے' حالانکہ وہ بخشنے والا رحمت

[1] عیسائیوں کو بھی اسی اصل دینی کی تعلیم دی گئی تھی' یعنی ایمان و عمل کے قانون کی' لیکن وہ بھی اس سے منحرف ہو گئے اور الوہیت مسیح اور تثلیث کا اعتقاد باطل پیدا کر لیا-

رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٧٧﴾ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾ تَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ

ركوع ١٢

رکھنے والا ہے؟ (۷۴)

مریم کا بیٹا مسیح اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا ایک رسول ہے- اس سے پہلے بھی کتنے رسول (اپنے اپنے وقتوں میں) ہو چکے- اور اس کی ماں (بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ) صدیقہ تھی (یعنی بڑی ہی راست باز انسان تھی) یہ دونوں (تمام انسانوں کی طرح) کھاتے پیتے تھے (یعنی غذا کی احتیاج رکھتے تھے' اور یہ ظاہر ہے کہ جسے زندہ رہنے کے لیے غذا کی احتیاج ہو اس میں ماورائے بشریت کوئی بات کیونکر ہو سکتی ہے) دیکھو! کس طرح ہم ان لوگوں کے لیے دلیلیں واضح کر دیتے ہیں' اور پھر دیکھو کس طرف کو یہ لوگ پھرے ہوئے جا رہے ہیں؟ (کہ اتنی موٹی سی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟) (۷۵)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کی بندگی کرتے ہو' جن کے اختیار میں نہ تو تمہارا نقصان ہے نہ نفع، اور اللہ تو سننے والا علم رکھنے والا ہے! (۷۶)

کہہ دو' اے اہل کتاب! اپنے دین میں حقیقت کے خلاف غلو نہ کرو (یعنی حد سے نہ گزر جاؤ) اور اس گروہ کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو' جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکا ہے' اور بہتوں کو گمراہ کر چکا ہے' اور (حق کی) سیدھی راہ اس پر گم ہو گئی تھی- (۷۷)

(چنانچہ دیکھو) بنی اسرائیل میں سے جو لوگ (حق سے) منکر ہوئے تھے' وہ (پہلے) داؤد اور (پھر) مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبانی لعنت کیے گئے- اور یہ اس لیے ہوا کہ نافرمانی کرتے تھے اور وہ حد سے گذر گئے تھے- (۷۸)

وہ برائیوں میں (ایک مرتبہ) پڑ جاتے تو پھر اس سے باز نہیں آتے البتہ یہ بڑی ہی برائی تھی جو وہ کیا کرتے تھے- (۷۹)

(اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کفر کرنے والوں سے (یعنی مشرکین عرب سے) مدد و رفاقت کا رشتہ رکھتے ہیں- کیا ہی بری تیاری ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے مہیا کر دی کہ ان پر خدا کا غضب ہوا اور

---

١ یہاں یہودیوں کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا کہ برائیوں میں پڑ کر پھر اس سے باز آ جانے کا احساس ان میں باقی نہیں رہا تھا- اس سے معلوم ہو جب کبھی کسی گروہ کی ایسی حالت ہو جائے کہ برائیوں میں پڑ کر پھر ان سے باز رہنے کا احساس و ولولہ پیدا نہ ہو اور اپنی ⇦

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ

عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں! (۸۰)

اور (دیکھو) اگر یہ لوگ اللہ پر اور اللہ کے نبی پر اور جو کتاب اس پر نازل ہوئی ہے اس پر (یعنی تورات پر) ایمان رکھنے والے ہوتے تو کبھی (پیروان توحید کے خلاف) مشرکوں کو مددگار و رفیق نہ بناتے - لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہی ہیں جو سچائی کی حدوں سے باہر ہو گئے ہیں! (۸۱)

(اے پیغمبر![1]) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کو پاؤ گے نیز (عرب کے) مشرکوں کو - اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں - اس لیے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں (یعنی عالم اور تارک دنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لیے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے - (۸۲) اور جب یہ (عیسائی) وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں جوش گریہ سے بہنے لگتی ہیں کیونکہ انہوں نے (اس کلام) کی سچائی پہچان لی ہے - وہ (بے اختیار) بول اٹھتے ہیں "خدایا! ہم (اس کلام پر) ایمان لائے پس ہمیں بھی انہی میں سے لکھ لے جو (تیری سچائی کی) گواہی دینے والے ہیں"! - (۸۳)

اور (وہ کہتے ہیں) "ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان

⇦ حالت پر قانع ہو جائے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ گمراہی و شقاوت کی انتہائی حالت پیدا ہو گئی -

[1] پیغمبر اسلام سے خطاب کہ تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت اپنے عہد کے یہودیوں اور عرب کے مشرکوں کو پاؤ گے اور دوستی میں سب سے زیادہ قریب عیسائی ثابت ہوں گے - کیونکہ ان میں قسیس اور منک (یعنی رہبان) ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور اس لیے کہ ان میں انجیل کی تعلیم سے فروتنی اور عاجزی پیدا ہو گئی ہے -

چنانچہ اسلام کے ابتدائی عہد میں کہ دعوت حق کی غربت و بے چارگی کا زمانہ تھا' نجاشی یعنی "نیگوش" حبش کا مسیح فرمانروا' بغیر دیکھے ایمان لے آیا - مسلمانوں کی جو جماعت ہجرت کر کے حبش چلی گئی تھی' نجاشی نے ان سے خواہش کی کہ اپنے پیغمبر کا کلام سناؤ - انہوں نے سورۂ مریم کی تلاوت کی - نجاشی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے - وہ بول اٹھا "اس کلام میں وہی روح بول رہی ہے جو مسیح میں گویا ہوئی تھی!"

نجاشی کے علاوہ خود عرب میں بھی عیسائیوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی - لیکن یہودیوں کے جمود میں جنبش نہ ہوئی - وہ برابر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے - یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خیبر سے جلاوطن کیے گئے -

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ

ع

نہ لائیں' اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ ہمیں نیک کردار انسانوں کے گروہ میں داخل کر دے؟" (۸۴)

تو (دیکھو) خدا نے ان کے اس کہنے کے صلے میں انہیں (سرور ابدی کی) جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لیے ان کی بہار کے لیے کبھی خزاں نہیں) وہ ہمیشہ ان جنتوں میں رہیں گے- ایسا ہی بدلہ ہے جو نیک کرداروں کے لیے ٹھہرا دیا گیا ہے! (۸۵) لیکن جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو (جو دو عناد سے) جھٹلایا' تو وہ دوزخی ہیں (ان کے لیے نعیم ابدی کی بخشائشوں میں کوئی حصہ نہ ہوگا) - (۸۶)

مسلمانو![1] خدا نے جو اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی ہیں' انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو' اور (روک ٹوک میں) حد سے نہ گزرو- اللہ حد سے گزر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا - (۸۷) اور جو کچھ خدا نے تمہیں رزق دے رکھا ہے اس میں سے اچھی اور حلال چیزیں (بلا تامل) کھاؤ- اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو- (۸۸)

تمہاری قسموں میں سے جو قسمیں لغو (اور بے معنی ہوں) ان پر خدا تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا - ان پر کرے گا جنہیں تم نے (سمجھ بوجھ کر) کھایا ہو- تو (اگر کوئی قسم توڑنی پڑے' تو) اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے- درمیانی درجہ کا کھانا جیسا تم اپنے بیوی بچوں کو کھلایا کرتے ہو- یا (دس مسکینوں کو کھلانے کی جگہ) کپڑا پہنا دینا' یا ایک غلام آزاد کر دینا- اور اگر (یہ سب کچھ) میسر نہ آئے' تو پھر تین دن تک (پے در پے) روزہ رکھنا چاہیے - یہ تماری قسموں کا

---

[1] سلسلہ بیان اب پھر اوامر و نواہی کی طرف پھرتا ہے- پیروان مذہب کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ انہوں نے ترک دنیا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے- چنانچہ عیسائیوں نے رہبانیت کا طریقہ نکالا اور اس میں یہاں تک بڑھے کہ دنیا کی تمام جائز لذتیں اور راحتیں اپنے اوپر حرام کر لیں- چونکہ پچھلی آیات میں عیسائی راہبوں کی نرم دلی اور فروتنی کی تعریف کی گئی تھی' اس لیے ضروری تھا کہ ان کی اس گمراہی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جاتا- چنانچہ فرمایا کہ:

(۱) جو اچھی چیزیں خدا نے حلال کر دی ہیں' یعنی زندگی کی جائز لذتیں اور راحتیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کر لو- ایسا کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے' بلکہ راہ عمل میں حد سے گزر جانا ہے-

إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا

کفارہ ہے جبکہ (سمجھ بوجھ کر) کھا بیٹھو- اور چاہیے کہ اپنی قسموں کی نگہداشت کرو (کہ کھا کر توڑنی نہ پڑیں) اللہ اس طرح اپنی آیتیں تم پر واضح کر دیتا ہے تاکہ تم کامیاب ہو- (۸۹) مسلمانو! بلاشبہ شراب' جوا' معبودان باطل کے نشان' اور پانسے' شیطانی کاموں کی گندگی ہے' تو ان سے اجتناب کرو تاکہ کامیاب ہو- (۹۰) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور تمہیں خدا کے ذکر اور نماز سے باز رکھے (کیونکہ ان دونوں چیزوں میں پڑنے کا لازمی نتیجہ یہی ہے) پھر (بتلاؤ! ایسی برائیوں سے بھی) تم باز رہنے والے ہو یا نہیں؟ (۹۱) اور (دیکھو) اللہ کی اطاعت کرو' اللہ کے رسول کی اطاعت کرو' اور (برائیوں سے) بچتے رہو- پھر اگر تم نے روگردانی کی' تو جان رکھو' ہمارے پیغمبر پر تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے- (عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے اور جیسا تمہارا عمل ہوگا' ویسا ہی نتیجہ بھی پاؤ گے)- (۹۲)

جو لوگ[۱] ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جو کچھ (حرمت کے حکم سے پہلے) کھا پی چکے ہیں' اس کے لیے ان پر کوئی گناہ نہیں- جبکہ وہ (آئندہ کے لیے) پرہیزگار ہو گئے' اور ایمان لے آئے' اور اچھے کام کیے' اور (جب انہیں کسی بات سے روکا گیا' تو اس سے رک گئے) اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے' اور اچھے کام کیے' اور (اسی طرح) پھر (روکے گئے تو پھر بھی) پرہیز کیا اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے' اور اچھے کام کیے (تو یقیناً ایسے لوگوں سے ان کی سابقہ باتوں کے لیے کوئی مؤاخذہ نہیں ہو سکتا وہ نیک کردار ہیں) اور

⇦ (۲) لوگ اس طرح کی قسمیں کھا لیتے تھے کہ فلاں حلال چیز نہیں کھائیں گے' اور فلاں راحت و لذت ہم پر حرام ہو گئی- فرمایا' لغو قسموں کا اعتبار نہیں- سمجھ بوجھ کر کھائی ہو اور توڑنی پڑے تو کفارہ دو-

(۳) شراب' جوا' معبودان باطل کے نشان' سب حرام ہیں-

[۱] (۴) سورۂ نساء (آیت: ۴۳) میں گزر چکا ہے کہ شراب کی عادت اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی' اس لیے بتدریج حکم حرمت کا اعلان کیا گیا- آخری حکم جو اس بارے میں نازل ہوا وہ اس سورت کی آیت (۹۱) ہے- اس کے علاوہ حلت و حرمت کے اور تمام احکام بھی یکے بعد دیگرے نازل ہوئے تھے- قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جن لوگوں نے حرمت سے پہلے ممنوعہ اشیا استعمال کی ہیں' کیا اس کے لیے بھی وہ جواب دہ ہوں گے؟ یہاں یہ خدشہ رفع کر دیا گیا- فرمایا' اس کے لیے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا- جن لوگوں کا شیوہ یہ رہا ہے کہ یکے بعد دیگرے انہیں کسی بات سے روکا گیا' اور ہر مرتبہ رک گئے اور ایمان و عمل میں پکے رہے' تو ظاہر ہے کہ ان سے اتباع حق میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں ہوئی' ان سے مؤاخذہ کیوں ہو؟

(۵)- احرام کی حالت میں جو شکار سے روکا گیا ہے' تو اسے ہلکی بات نہ سمجھو- اس میں تمہارے لیے اتباع و اطاعت کی آزمائش ہے- اگر کوئی ⇦

وَّ اَحْسَنُوْا ۭ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَ بَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۹۵ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹۶

ع ۱۳ / ۲

اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے! (۹۳)

مسلمانو! شکار کے معاملہ میں جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے (یعنی ہتھیار) پہنچیں خدا ضرور تمہاری (فرمانبرداری کی) ایک حد تک آزمائش کرے گا تاکہ معلوم ہو جائے کون خدا سے غائبانہ ڈرتا ہے (اور جنگلوں اور میدانوں کی تنہائی میں جہاں کسی انسان کی نگاہ دیکھنے والی نہیں اپنا ہاتھ روکے رکھتا ہے اور کون ہے جو اس کے احکام سے بے پروا ہے) پھر (دیکھو) اس (حکم) کے بعد (بھی) جو کوئی حد سے گزر جائے' تو اس کے لیے عذاب دردناک ہے۔ (۹۴)

مسلمانو! جب تم احرام کی حالت میں ہو' تو شکار کے جانور نہ مارو۔ اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر مار ڈالے تو چاہیے کہ اس کا بدلہ دے (اور وہ یہ ہے کہ) جیسے جانور کو مارا ہے' اس کے مانند مویشیوں میں سے ایک جانور کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے' اور مویشی کو تم میں سے دو منصف ٹھہرا دیں۔ یا کفارہ دے (اور وہ یہ ہے کہ) مسکینوں کو (اس کی قیمت کے لحاظ سے) کھانا کھلائے' یا پھر مسکینوں کی گنتی کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کیے کی جزا (کا مزہ) چکھ لے۔ اس سے پہلے جو ہو چکا' خدا نے اس سے درگزر کیا' لیکن جو کوئی پھر کرے گا' تو خدا اس سے (نافرمانی کا) بدلہ لے گا' اور اللہ (اپنے کاموں میں) غالب اور (ہر عمل کے لیے اس کی) جزا رکھنے والا ہے! (۹۵)

تمہارے لیے سمندر اور دریا کا شکار' اور کھانے کی چیزیں (جو بے شکار ہاتھ آ جائیں مثلاً مچھلی جو پانی سے الگ ہو کر مر گئی ہو' احرام کی حالت میں بھی) حلال ہے۔ تاکہ ان سے خود تمہیں بھی فائدہ پہنچے اور اہل قافلہ بھی فائدہ اٹھائیں۔ لیکن خشکی کا شکار' جب تک احرام کی حالت میں ہو' تم پر حرام ہے۔ پس اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو' کہ اسی کی طرف تم سب جمع کر کے لے جائے جاؤ گے! (۹۶)

⇐ جان بوجھ کر شکار کر بیٹھے تو اسے اس کا بدلہ یا کفارہ دینا چاہیے۔

(۶) لیکن حالت احرام میں دریا اور سمندر کا شکار جائز ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کے لیے قیام امن و اجتماع کا ذریعہ ٹھہرا دیا ہے' اور اس کے علم میں بے شمار مصلحتیں اور برکتیں ہیں' جو تمہیں اس معاملہ سے حاصل ہوں گی۔ پس اس کی حرمت کے شعائر و اعمال قائم رکھو' اور ان میں کسی طرح کا فتور واقع نہ ہونے دو۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

ع ۱۳

اللہ نے کعبہ کو کہ حرمت کا گھر ہے لوگوں کے لیے (امن و جمعیت کے) قیام کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ نیز حرمت کے مہینوں کو اور (حج کی) قربانی کو اور (قربانی کے) ان جانوروں کو جن کی گردنوں میں (علامت کے لیے) پٹے ڈال دیتے ہیں۔ (پس کعبہ کی اور کعبہ کے ان تمام رسوم و آداب کی حرمت قائم رکھو) یہ اس لیے کیا گیا تاکہ تم جان لو آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب کا حال جانتا ہے اور وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔ (۹۷) جان لو کہ اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے اور (ساتھ ہی) بخشنے والا رحمت والا ہے! (۹۸) خدا کے پیغمبر کے ذمے اس کے سوا کچھ نہیں کہ پیغام پہنچا دے۔ (عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے) اور جو کچھ تم کھلے طور پر کرتے ہو اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ (۹۹)

(اے پیغمبر[۱]! ان لوگوں سے) کہہ دو۔ پاکیزہ اور گندی چیز برابر نہیں ہو سکتی اگرچہ تمہیں گندی چیز کا بہت ہونا اچھا لگے۔ پس اے ارباب دانش! اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، تاکہ (نقصان و تباہی کی جگہ) فلاح پاؤ! (۱۰۰)

مسلمانو! (اپنی طرف سے کاوشیں کر کے) ان چیزوں کی نسبت سوالات نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ اگر ان چیزوں کی نسبت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو (ظاہر ہے کہ) تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (لیکن اس کا نتیجہ خود تمہارے لیے اچھا نہ ہو گا اور اب تو) خدا نے یہ بات معاف کر دی (لیکن آئندہ احتیاط کرو) اور اللہ بخشنے والا اور (انسانوں کی خطاؤں کے لیے) بہت ہی بردبار ہے! (۱۰۱)

---

[۱] (۸) خدا نے جن چیزوں سے روک دیا ہے وہ گندی اور مضر چیزیں ہیں۔ جن کی اجازت دی ہے وہ اچھی اور مفید چیزیں ہیں۔ گندی چیزیں کتنی ہی زیادہ ملیں اور اچھی چیزیں کتنی ہی کم میسر آئیں لیکن گندی چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو۔ کیونکہ دانش مند آدمی اشیا کی کثرت وقلت نہیں دیکھتا۔ ان کے نفع اور نقصان پر نظر رکھتا ہے۔

(۹) کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت (دیکھو بقرہ: ۱۰۸) فرمایا دین حق یہ نہیں چاہتا کہ انسانی معیشت کے لیے سختیاں اور جکڑ بندیاں پیدا کر دے اور تمہارے ہر عمل کو کسی نہ کسی پابندی سے ضرور ہی باندھ دے۔ جو کچھ ضروری تھا بتلا دیا گیا جو کچھ چھوڑ دیا ہے وہ معاف ہے۔ اب تم اپنے جی سے کاوشیں کر کے طرح طرح کے سوالات مت کرو (اگر کرو گے تو دین میں آسانی کی جگہ تنگی و مشقت پیدا ہو جائے گی) اور وہی حال ہو گا جو بنی اسرائیل کا ہوا۔ پہلے کاوشیں کر کے پابندیاں بڑھائیں پھر جب دائرۂ عمل تنگ ہو گیا تو سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دیا۔

(۱۰) مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے اور انہیں مقدس سمجھتے اور طرح طرح کے توہم پرستانہ عقائد ان سے وابستہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہاں ان جانوروں کا ذکر کیا ہے۔

''بحیرہ'' اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کے کان علامت کے لیے شق کر دیے گئے ہوں اور بتوں کی نیاز میں چھوڑ دی گئی ہو۔ یہ ⇦

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے ایک گروہ نے (یعنی بنی اسرائیل نے) ایسی ہی باتیں (کرید کرید کر) پوچھی تھیں' پھر نتیجہ یہ نکلا کہ (سرے سے احکام الٰہی ہی کے) منکر ہو گئے! (۱۰۲)

''بحیرہ'' اور ''سائبہ'' اور ''وصیلہ'' اور ''حام'' میں سے کوئی چیز بھی خدا نے نہیں ٹھہرائی ہے' لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی' وہ اللہ پر جھوٹ کہہ کر افترا کرتے ہیں اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے محروم ہیں- (۱۰۳)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے (عقل و بصیرت کی) اس بات کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے نیز اللہ کے رسول کی طرف رجوع ہو' تو کہتے ہیں ''ہمارے لیے تو وہی طریقہ بس کرتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے'' (ان سے پوچھو کہ) اگر ان کے باپ دادا کچھ جانتے بوجھتے نہ ہوں اور سیدھے رستے پر بھی نہ ہوں (تو کیا پھر بھی وہ انہی کی اندھی تقلید کرتے رہیں گے؟) (۱۰۴)

مسلمانو! (یاد رکھو) تم پر فقط تمہاری جانوں کی ذمہ داری ہے (تم دوسروں کے کاموں کے لیے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اور نہ دوسرے تمہارے کاموں کے لیے ذمہ دار ہیں) اگر تم سیدھے راستے پر قائم ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا (اور بالآخر) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے (اس دن) وہ بتا دے گا کہ تمہارے کام کیسے کچھ رہے ہیں! (۱۰۵)

⇦ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس سے پانچ بچے پیدا ہو جاتے تھے-

''سائبہ'' اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیا ہو- نہ تو کوئی اس پر سوار ہو سکتا تھا- نہ اس کے بال کاٹ سکتا تھا نہ اس کا دودھ اپنے کام میں لا سکتا تھا-

''وصیلہ'' اس بکری کو کہتے تھے' جس کے پہلوٹھے کے اوپر تلے دو بچے مادہ ہوتے تھے- اسے متبرک سمجھتے اور چھوڑ دیتے-

''حام'' اس اونٹ کو کہتے تھے جس کی نسل سے دس بچے پیدا ہو گئے ہوں- اسے بھی چھوڑ دیتے تھے اور سمجھتے تھے' اسے ذبح کرنا یا کام میں لانا جائز نہیں-

فرمایا یہ سب خرافات اور توہم پرستی ہے- خدا نے ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ٹھہرایا ہے-

(۱۱) اگر لوگ گمراہ ہو جائیں تو ان کی گمراہی تمہارے لیے دلیل و حجت نہیں ہو سکتی کہ تم کہو' سب گمراہ ہو رہے ہیں تو اکیلی جان ہم کیا کریں؟ ہر آدمی پر ذمہ داری خود اس کے نفس کی ہے- دوسروں کے لیے وہ ذمہ دار نہیں- اگر ساری دنیا گمراہ ہو جائے- جب بھی تمہیں حق پر قائم رہنا چاہیے- (۱۲) وصیت اور اس کی گواہی کا حکم- اصل یہ ہے کہ دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں- اگر ایسی حالت ہو کہ مسلمان نہ ملیں تو غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں- (۱۳) گواہوں کو بحلف گواہی دینی چاہیے- (۱۴) نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو فریقین اپنے اپنے گواہ پیش کریں- (۱۵) جو انکار کرے اس پر قسم ہے-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ڮ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ

ع ۱۴

مسلمانو! جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو' (اور وہ وصیت کرنی چاہے) تو وصیت کے وقت گواہی کے لیے تم میں سے دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہییں- اگر ایسا ہو کہ تم سفر میں ہو اور موت کی مصیبت پیش آ جائے (اور مسلمان گواہ نہ مل سکیں) تو مسلمان گواہوں کی جگہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں-

پھر اگر تمہیں ان (گواہوں) کی سچائی میں کسی طرح کا شبہ پڑ جائے تو انہیں نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو- وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں "ہم نے اپنی قسم کسی معاوضہ کے بدلے فروخت نہیں کی- ہمارا قریب وعزیز کیوں نہ ہو (لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں) ہم اللہ کے لیے سچی گواہی کبھی نہیں چھپائیں گے- اگر ایسا کریں تو ہم گناہگاروں میں سے ہوں"-(۱۰۶)

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (یعنی ان کی گواہی سچی نہ تھی) تو ان کی جگہ دوسرے دو گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہو جائیں جن کا حق (پچھلے) گواہوں میں سے ہر ایک نے دبانا چاہا تھا' اور یہ گواہ ان میں سے ہوں جو (فریق مظلوم سے) نزدیکی رکھنے والے ہوں- پھر یہ دونوں خدا کی قسم کھا کر کہیں "ہماری گواہی پچھلے گواہوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے- ہم نے گواہی دینے میں کسی طرح کی زیادتی نہیں کی- اگر کی ہو تو ہم ظالموں میں سے ہوں"-(۱۰۷)

اس طرح کی قسم سے زیادہ امید کی جا سکتی ہے کہ گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے' یا (کم از کم) اس بات کا انہیں اندیشہ رہے گا کہ کہیں ہماری قسمیں فریق ثانی کی قسموں کے بعد رد نہ کر دی جائیں (بہرحال) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو' اور اس کا حکم سنو اور (یاد رکھو کہ) اللہ ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا!(۱۰۸)

وہ دن[۱] کہ اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور پھر پوچھے گا "تمہیں (تمہاری امتوں کی طرف سے دعوت حق کا) کیا

---

[۱] پچھلی آیت اس بات پر ختم ہوئی تھی کہ "اللہ کی نافرمانی کے نتائج سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو" نیز یہ کہ اس کا قانون ہے "ظلم کرنے ⇐

أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١١٠﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾

وقف لازم

جواب ملا؟" (یعنی انہوں نے کہاں تک اس پر عمل کیا؟) وہ کہیں گے "ہمیں کچھ علم نہیں - یہ تو تیری ہی ہستی ہے جو غیب کی باتیں جاننے والی ہے!" (۱۰۹)

اس دن اللہ کہے گا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر جو انعام کیے ہیں انہیں یاد کرو!"

"جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے روح ☆ القدس سے تمہیں قوت دی تھی - تم لوگوں سے کلام کرتے تھے - چھوٹی عمر میں بھی کہ جھولے میں جھولتے تھے' اور بڑی عمر میں بھی (کہ مجمعوں میں منادی کرتے تھے)"

"اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھلا دی تھی"

"اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مٹی لیتے اور چڑیا کی شکل جیسی بناتے پھر اس میں پھونک مارتے اور وہ میرے حکم سے ایک چڑیا ہو جاتی"

"اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے اندھے اور برص کے بیمار کو چنگا کر دیتے"

"اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مردوں کو موت (کی حالت) سے باہر لے آتے"

"اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے بنی اسرائیل کا شر جو وہ تمہارے خلاف کر رہے تھے' روک دیا تھا - یہ وہ وقت تھا کہ تم (سچائی کی) روشن دلیلیں ان کے سامنے لے گئے تھے اور ان میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی' وہ بول اٹھے تھے "یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آشکارا جادوگری ہے" (۱۱۰)

"اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے حواریوں پر (یعنی اس جماعت پر جو حضرت مسیح پر ایمان لائی تھی) الہام کیا تھا کہ مجھ پر اور میرے رسول (مسیح) پر ایمان لاؤ - انہوں نے کہا تھا "ہم ایمان لائے اور خدایا! تو گواہ رہیو کہ ہم مسلم (یعنی فرمانبردار) ہیں" - (۱۱۱)

⇐ والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا" اب فرمایا' کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ جو احکام حق تم نے دیے تھے تمہیں ان کا کیا جواب ملا؟ یعنی جن قوموں کو دیے گئے تھے' انہوں نے کہاں تک ان پر عمل کیا؟ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے' اور اس سے تذکیر و موعظت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے -

☆ یعنی خدا کے مقدس فرشتے سے' یا اس پاک روحانیت سے جو تمہارے اندر پیدا کر دی گئی تھی -

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّٰهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَٰلَمِينَ ﴿١١٥﴾ وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ

(اور دیکھو[1]) جب ایسا ہوا تھا کہ حواریوں نے کہا تھا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تمہارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان اتار دے؟" (یعنی ہماری غذا کے لیے آسمان سے غیبی سامان کر دے) عیسیٰ نے کہا' خدا سے ڈرو (اور ایسی فرمائشیں نہ کرو) اگر تم ایمان رکھتے ہو- (۱۱۲)

انہوں نے کہا (مقصود اس سے قدرت الٰہی کا امتحان نہیں ہے بلکہ) ہم چاہتے ہیں (ہمیں غذا میسر آئے' تو) اس میں سے کھائیں' اور ہمارے دل آرام پائیں' اور ہم جان لیں کہ تو نے جو کچھ بتلایا وہ سچ تھا' اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں- (۱۱۳)

اس پر عیسیٰ کے بیٹے مریم نے دعا کی "اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج دے' کہ اس کا آنا ہمارے لیے اور ہمارے اگلے اور پچھلوں' سب کے لیے عید قرار پائے' اور تیری طرف سے (فضل و کرم) کی ایک نشانی ہو- ہمیں روزی دے- تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے!" (۱۱۴)

اللہ نے فرمایا "میں تمہارے لیے خوان بھیجوں گا- لیکن جو شخص اس کے بعد بھی (راہ حق سے) انکار کرے گا' تو میں اسے (پاداش عمل میں) عذاب دوں گا- ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا!" (۱۱۵)

اور (پھر) جب ایسا ہو گا کہ اللہ کہے گا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟"

---

[1] حضرت مسیح (علیہ السلام) کا حواریوں کی درخواست پر دعا کرنا' اور اس بارے میں فرمان الٰہی-

آیت (۱۱۰) و (۱۱۱) میں اللہ کا حضرت مسیح سے وہ مخاطبہ ہے جس کی نسبت فرمایا تھا کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے سوال کرے گا- پھر چونکہ آخری آیت میں حواریوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا تھا' اس لیے اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو حواریوں میں اور حضرت مسیح میں نزول مائدہ کی نسبت پیش آیا تھا- پھر آیت (۱۱۶) سے بدستور مخاطبہ کا مضمون جاری ہو گیا' ماحصل یہ ہوا کہ اللہ نے پہلے اپنی وہ نعمتیں یاد دلائیں جو حضرت مسیح کو عطا فرمائی تھیں- پھر فرمایا' باوجود تعلیم حق کی ان تمام روشنیوں کے' تیرے نام لیوا گمراہی میں پڑ گئے اور تجھے اور تیری ماں کو خدا بنا لیا- (کیونکہ لوتھر کی اصلاح سے پہلے حضرت مریم کی بھی پرستش کی جاتی تھی' اور کیتھولک کلیسا اب تک کر رہا ہے) اس پر حضرت مسیح علیہ السلام عرض کریں گے' میں اس سے بری ہوں-

مقصود یہ ہے کہ تمام داعیان حق نے خدا پرستی و توحید کی تعلیم دی تھی' لیکن ان کے پیروؤں نے انہی کی پرستش شروع کر دی- اس گمراہی کے لیے وہ ذمہ دار ہیں جن کی پرستش کر رہے ہیں' ان کا دامن اس سے پاک ہے-

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۖ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

عیسیٰ جواب میں عرض کرے گا "تیرے لیے پاکی ہو! بھلا مجھ سے یہ بات کیسے ہوسکتی ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں- اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو ضرور تجھے معلوم ہوگیا ہوگا- تو میرے دل کی بات جانتا ہے مجھے تیرے ضمیر کا علم نہیں- تو ہی ہے کہ غیب کی ساری باتیں جاننے والا ہے- (۱۱۶) میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی جس کے کہنے کا تو نے حکم دیا تھا- یعنی اللہ کی بندگی کرو- میرا اور تمہارا سب کا پروردگار وہی ہے- جب تک میں ان میں رہا ان کا نگران حال تھا- جب تو نے میرا وقت پورا کر دیا' تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا' اور تو ہر چیز کو دیکھنے والا اور اس کی نگہبانی کرنے والا ہے- (۱۱۷) اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے' تو وہ تیرے بندے ہیں تجھے اختیار ہے- اور اگر انہیں بخش دے' تو تو سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!" (۱۱۸)

اللہ فرمائے گا "آج وہ دن ہے کہ سچے انسانوں کو ان کی سچائی کام آئے گی- ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں- (اور اس لیے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں- اللہ ان سے رضامند ہوا اور وہ اللہ سے رضامند ہوئے- یہ ہے (انسان کے لیے) سب سے بڑی کامیابی (جو وہ جزائے عمل میں حاصل کرسکتا ہے!") (۱۱۹)

آسمانوں کی اور زمین کی اور ان میں جو کچھ ہے' سب کی پادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے- اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں! (۱۲۰)

❋ ❋ ❋

اٰیَاتُھَا : 165 — سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ — رُکُوْعَاتُھَا : 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا

ہر طرح [1] کی ستائشیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا' اور اندھیریاں اور اجالا نمودار کر دیا۔ اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہو گئے ہیں (وہ اندھیرے اور اجالے میں امتیاز نہیں کرتے اور دوسری ہستیوں کو خدا کے) برابر سمجھتے ہیں! (۱)

وہی (آسمان و زمین کا خالق) ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ظہور پذیر ہوئی) پھر تمہارے لیے (زندگی و معیشت کی) ایک میعاد ٹھہرا دی (جو ہر وجود کو مہلت عمل دیتی ہے) اور ایک دوسری میعاد بھی اس کے علم میں مقرر ہے (یعنی قیامت کا وقت جب پہلی میعاد کے نتائج کا فیصلہ ہوگا) پھر بھی تم ہو کہ (اس حقیقت پر غور نہیں کرتے اور اس میں) شک کرتے ہو! (۲)

وہی اللہ ہے۔ آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ (اس کے سوا کوئی کارفرمائے عالم نہیں) تمہاری چھپی اور کھلی ہر طرح کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔ تم جو کچھ (اچھی بری) کمائی کرتے ہو' وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں! (۳)

اور (دیکھو) ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں جو ان کے سامنے آئی ہو اور انہوں نے

---

[1] جس طرح پچھلی سورتوں میں زیادہ خطاب اہل کتاب سے تھا اسی طرح اس میں زیادہ تر خطاب مکہ کے مشرکوں سے اور ان جماعتوں سے ہے جو الہامی کتابوں کی معتقد نہیں یا خدا اور آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتیں۔

خدا نے کائنات ہستی پیدا کی' اور تاریکی اور روشنی نمودار کر دی۔ تاریکی تاریکی ہے۔ روشنی روشنی ہے۔ دونوں کا فرق ہر آنکھ محسوس کر لیتی ہے' لیکن اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہو گئے ہیں وہ دونوں میں امتیاز نہیں کرتے اور خدا کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں!

وہی خدا جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے دو "اجلیں" یعنی دو میعادیں ٹھہرا دیں۔ ایک زندگی و معیشت کی مہلت ہے۔ دوسری روز قیامت کا مقررہ وقت پہلی میعاد عمل کے لیے۔ دوسری نتائج عمل کے فیصلے کے لیے۔

افسوس انسان کی غفلت پر! وہ ہمیشہ خدا کی نشانیاں جھٹلاتا رہتا ہے۔ چنانچہ آج بھی سچائی کی جو دعوت نمودار ہوئی' منکرین حق اس سے گردن موڑے ہوئے ہیں!

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ گزشتہ قوموں کی سرگزشتوں میں تمہارے لیے درس عبرت ہے اور اس اصل عظیم کی وضاحت کہ ایمان و ہدایت کی راہ نظر و بصیرت کی راہ ہے نہ کہ تقلید کی۔ یعنی بلا دلیل بات مان لینے کی۔

عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ④ فَقَدۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ‌ ؕ فَسَوۡفَ يَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ⑤ اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّـكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ⑥ وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِىۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ بِاَيۡدِيۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ⑦ وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ مَلَكٌ‌ ؕ وَلَوۡ اَنۡزَلۡنَا مَلَـكًا لَّقُضِىَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا يُنۡظَرُوۡنَ ⑧ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ

اس سے گردن موڑلی ہو! (۴)

چنانچہ جب سچائی ان کے پاس آئی (یعنی قرآن کی دعوت نمودار ہوئی) تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا - سو جس بات کی یہ ہنسی اڑاتے رہے ہیں' عنقریب اس کی حقیقت انہیں معلوم ہو کر رہے گی! (۵)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور رہ چکے ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا؟ یہ وہ قومیں تھیں جنہیں ہم نے اس طرح (طاقت وتصرف کے ساتھ) ملکوں میں جما دیا تھا کہ اس طرح تمہیں نہیں جمایا - ہم نے ان پر آسمانی برسات اس طرح بھیج دی تھی کہ پے در پے برستی رہتی' اور ان کی آبادیوں کے نیچے نہریں چلا دی تھیں (کہ ہمیشہ جاری رہتی تھیں) لیکن پھر ہم نے (اپنے مقررہ قانون کے مطابق) ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کے دور پیدا کر دیے - (۶)

اور[1] (اے پیغمبر!) اگر ہم تم پر ایک کتاب کاغذ پر لکھی لکھائی اتار دیتے' اور یہ لوگ اسے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے کہ سچ مچ کو کتاب ہے' پھر بھی جن لوگوں نے انکار کی راہ اختیار کی ہے وہ (کبھی ماننے والے نہ تھے - وہ) کہتے یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صریح جادوگری ہے! (۷)

اور انہوں نے کہا "(اگر یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہے تو) کیوں اس پر فرشتہ نہیں اترتا (کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟)" اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ساری باتوں کا فیصلہ ہی ہو جاتا - پھر ان کے لیے مہلت ہی کب رہتی (کہ مانیں یا نہ مانیں) (۸)

اور اگر ہم کسی فرشتے کو پیغمبر کرتے' تو اسے بھی انسان ہی بناتے (کیونکہ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے کہ فرشتے اپنی ملکوتی حقیقت میں انسانوں کے سامنے آئیں) اور جیسے کچھ شبہات یہ اب کر رہے ہیں' ویسے ہی شبہوں میں اس وقت

---

[1] جن لوگوں میں سچائی کی طلب ہے ان کے لیے سچائی کی ساری باتیں دلیلیں اور نشانیاں ہیں لیکن جن کے دل سچائی سے پھر گئے ہیں' ان کے لیے کوئی نشانی بھی سودمند نہیں - ایسے لوگ سچائی کا معارضہ کرنے کے لیے کہنے لگتے ہیں کہ عجیب وغریب باتیں ہمیں کیوں نہیں دکھلائی جاتیں؟ لیکن یہ خدا کی سنت نہیں کہ اس طرح کی فرمائشیں پوری کرے - اگر اس طرح کی عجیب وغریب باتیں دکھلا بھی دی جائیں' جب بھی یہ ماننے والے نہیں' کیونکہ جو سچائی کو سچائی کے لیے قبول نہیں کرتا اسے کوئی بات بھی قبولیت حق پر آمادہ نہیں کر سکتی (دیکھو بقرہ - ۱۱۸)
دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فرشتے اتر کر انسانوں کے سامنے چلنے پھرنے لگیں - یہاں اگر فرشتے بھی آئیں گے تو انسان ہی ہوں گے -

مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

ع

بھی انہیں ڈال دیتے (یعنی یہ کہتے، یہ تو دیکھنے میں ہمارے ہی طرح کا آدمی ہے)۔(۹)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی (جیسی کہ آج تمہارے ساتھ تمسخر کیا جا رہا ہے) تو جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی، وہ جس بات کی ہنسی اڑاتے تھے، وہی بات ان پر آ پڑی (یعنی وہ اس بات کی کہ اعمال بد کا نتیجہ بد ہے، ہنسی اڑاتے تھے، تو وہی ان کے آگے آ گیا!)(۱۰)۔(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دو، زمین میں پھرو (گزری ہوئی قوموں کے آثار و بقایا پر نظر ڈالو) اور دیکھو جھٹلانے والوں کو کیسا انجام پیش آ چکا ہے؟(۱۱)

(اے پیغمبر[1]! تم ان لوگوں سے) پوچھو "آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کے لیے ہے؟" (یعنی آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہ سب کچھ کس کے لیے ہونا چاہیے؟) کہو اللہ کے لیے۔ اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ رحمت فرمائے۔ (اور یہ اس کی رحمت ہے جو تمام کائنات خلقت میں کام کر رہی ہے) وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا (کیونکہ اس کی رحمت کا مقتضا یہی ہوا کہ دنیا میں سب کو مہلت دے، اور جزائے عمل کا فیصلہ قیامت پر اٹھا رکھے) اس میں کوئی شک نہیں۔ (لیکن اے پیغمبر!) جو لوگ (اپنے ہاتھوں) اپنے کو تباہ کر چکے ہیں، وہ کبھی یقین کرنے والے نہیں۔(۱۲)

اور (دیکھو) اسی کے لیے ہے جو کچھ رات (کی اندھیری) اور دن (کے اجالے) میں ٹھہرا ہوا ہے۔ (کیونکہ وقت انہی دو حالتوں میں بٹا ہوا ہے) اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے!(۱۳)

(اے[2] پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، کیا (تم چاہتے ہو) میں خدا کو چھوڑ کر جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے کسی دوسری ہستی کو کارساز بنا لوں؟ وہ سب کو روزی دیتا ہے، لیکن کوئی نہیں جو اسے روزی دینے والا ہو۔

---

[1] رہان فضل و رحمت سے استدلال۔

تمام کائنات اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ ایک خالق و صانع ہستی موجود ہے، اور اس نے ضروری ٹھہرا لیا ہے کہ رحمت فرمائے۔ کیونکہ اگر رحمت کا قانون یہاں نہ ہوتا تو کائنات خلقت میں نہ تو بناؤ اور جمال ہوتا نہ افادہ و فیضان۔ حالانکہ اس کا کوئی گوشہ نہیں جو اس حقیقت کا ثبوت نہ ہو!

[2] خدا کی ہستی، اس کی وحدانیت، اس کی صفات اور آخرت کی نسبت کہ دین کے بنیادی عقائد ہیں، قرآن کا اسلوب بیان وہ نہیں ہے جو منطقی مقدمات و دلائل کا ہوتا ہے، بلکہ وہ سیدھے سادھے طریقہ پر انسان کے فطری وجدان و ذوق کو مخاطب کرتا اور اس کے معنوی محسوسات کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے، ایک خالق و پروردگار ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اگر وہ انکار کرتا ہے یا پرستش کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔⇐

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ۫ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ

تم کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ خدا کے آگے جھکنے والوں میں پہلا جھکنے والا ہوں' اور مجھے کہا گیا ہے کہ ایسا نہ کر کہ مشرکوں میں سے ہو جا! (۱۴) تم کہو' میں کس طرح خدا کی نافرمانی کروں؟ میں تو اس دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو (آنے والے دنوں میں) بہت بڑا دن ہے! (۱۵) اس دن جس کے سر سے عذاب ٹل گیا تو اس پر خدا نے رحم کیا اور (انسان کے لیے) بڑی سے بڑی کامیابی یہی ہے! (۱۶) اور (اے انسان!) اگر خدا تجھے دکھ پہنچائے' تو اس ٹالنے والا کوئی نہیں ہے مگر اسی کی ذات' اور اگر وہ تجھے بھلائی پہنچائے' تو (اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے؟) وہ ہر بات پر قادر ہے! (۱۷)

اور وہی ہے جو اپنے تمام بندوں پر زور و غلبہ رکھنے والا ہے' اور وہی ہے حکمت رکھنے والا اور آگاہ! (۱۸)

(اے[1] پیغمبر! تم ان سے) پوچھو- کون سی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہوئی؟ تم کہہ دو (اللہ کی گواہی ہے) اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے- اس نے مجھ پر اس قرآن کی وحی کی تا کہ اس کے ذریعہ تمہیں اور جن تک اس کی تعلیم پہنچ جائے' (انکار و بدعملی کے نتیجے سے) متنبہ کروں- (اب کہو تمہارا کہنا کیا ہے؟) کیا تم گواہی دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک ہیں؟ (اے پیغمبر!) تم کہو- (اگر تمہاری گواہی یہی ہے تو سن رکھو) میں اس کی گواہی نہیں دیتا- میری گواہی یہ ہے کہ صرف وہی معبود یگانہ ہے- اس کے ساتھ کوئی نہیں اور جو کچھ تم شریک

⇦ تو یہ اس لیے ہے کہ اس کی وجدانی بصیرت پر غفلت طاری ہو گئی- پس چاہیے کہ اسے بیدار کر دیا جائے-

چنانچہ اس مقام پر' نیز دوسرے مقامات میں جس قدر مخاطبات ہیں' انہیں اسی اصل روشنی میں دیکھا جائے-

کون ہے جس نے یہ تمام کارخانۂ ہستی پیدا کیا؟ کون ہے جس کی رحمت کا فیضان ہر طرف پھیلا ہوا ہے؟ کون ہے جو سب کو رزق دیتا ہے مگر خود کسی کا محتاج نہیں؟ تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ ایک خالق و صانع ہستی کے سوا کوئی نہیں ہے- پھر یہ کیسی گمراہی ہے کہ اس کی طرف سے گردن پھیرے ہوئے ہو؟ اور اسے چھوڑ کر دوسری ہستیوں کے آگے جھک رہے ہو؟

[1] سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ اللہ کی ہے' جو دعوت حق کو کامیاب کر کے اور معاندوں اور جاحدوں کو ناکامیاب کر کے' سچائی کے حق میں اپنی گواہی کا اعلان کر دیتا ہے!

یہاں خدا کی اس سنت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب کبھی اس کی طرف سے کوئی داعی حق آتا ہے' اور لوگ عناد و شرارت کے ساتھ اسے جھٹلاتے اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں' تو حق اور باطل میں مقابلہ شروع ہو جاتا ہے- بالآخر حق کامیاب ہوتا ہے اور باطل پرست ناکام و خاسر ہوتے ہیں- یہی اللہ کی گواہی ہے جو اس معاملہ کا فیصلہ کر دیتی ہے-

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ

وقف لازم — وقف لازم — ع ۳/۸

ٹھہراتے ہو میں اس سے بیزار ہوں! (پس اب ایک گواہی تمہاری ہوئی - ایک میری - اور فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے) - (۱۹)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنی یہود اور نصاریٰ، وہ حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہیں) وہ اس کی سچائی (یعنی پیغمبر اسلام کی سچائی) اسی طرح پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں (کہ کسی طرح کا بھی اس میں شک و شبہ نہیں ہوتا - لیکن) جن لوگوں نے (اپنے ہاتھوں) اپنے کو تباہ کر لیا وہ کبھی یقین کرنے والے نہیں - (۲۰)

اور (دیکھو) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہوا جس نے اللہ پر جھوٹ بول کر افترا کیا ہو اور اسی طرح اس سے بھی بڑھ کر کوئی نہ ہوا جو اس کی آیتوں کو جھٹلائے (اور) بلاشبہ جو ظلم کرنے والے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے - (۲۱)

اور (دیکھو) وہ دن، (جو آنے والا ہے) اس دن ہم ان سب کو اٹھا کر ایک جگہ جمع کریں گے! پھر جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے ان سے کہیں گے "بتلاؤ تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریک کہاں گئے جن کی نسبت تم زعم باطل رکھتے تھے؟" (۲۲) تو اس وقت وہ اس کے سوا کوئی شرارت نہیں کر سکیں گے کہ کہیں - "خدا کی قسم، جو پروردگار ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے" (۲۳)

دیکھو کس طرح یہ اپنے اوپر جھوٹ بولنے لگے اور جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب ان سے کھوئی گئیں! (۲۴)

اور[1] (دیکھو) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر کلام حق) سننے کے لیے تمہاری طرف کان لگاتے ہیں، اور (واقعہ یہ ہے کہ) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ ان تک بات کی سمجھ پہنچتی نہیں، اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے کہ سن نہیں سکتے (یعنی ان کی گمراہی کے جماؤ اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دل و دماغ کا یہ حال ہو گیا ہے، اور ہمارا قانون یہی ہے کہ جو کوئی ضد اور تعصب میں مبتلا ہوتا ہے اس کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے) اگر یہ (سچائی کی) ہر ایک نشانی بھی (جو انسان کے لیے ہو سکتی ہے) دیکھ

---

[1] دنیا میں سچی بات نئی نہیں ہو سکتی - سچائی سے زیادہ یہاں کوئی پرانی بات نہیں - لیکن جو لوگ سچائی سے پھرے ہوئے ہیں، انہیں جب سچائی کی باتیں سنائی جائیں، تو کہتے ہیں، یہ تو وہی پرانی کہانی ہے جو ہمیشہ سنتے آئے ہیں!

عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جماعتیں عرصہ سے موجود تھیں - وہ تورات کے قصص و ایام سنایا کرتے تھے - جب قرآن نازل ہوا، اور اس میں بھی پچھلی قوموں اور رسولوں کی سرگزشتیں آنے لگیں، تو مشرکین عرب کہنے لگے یہ تو وہی پچھلی قوموں کی پرانی داستان ہے -

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ

لیں، جب بھی یقین کرنے والے نہیں یہاں تک کہ جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں اور تم سے جھگڑتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ کہنے لگتے ہیں "یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پچھلوں کی کہانیاں ہیں (جو ہم ہمیشہ سنتے آئے ہیں")- (۲۵)

اور [1](دیکھو) یہ لوگ قرآن (کے سننے) سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں، اور خود بھی دور بھاگتے ہیں- اور وہ ایسا کر کے کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے، اپنے ہی کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، اور (شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ) اس کا شعور نہیں رکھتے- (۲۶)

اور (اے انسان!) تو تعجب کرے اگر انہیں اس حالت میں دیکھے جب یہ آتش دوزخ کے کنارے کھڑے ہوں گے- اس وقت کہیں گے "اے کاش، ایسا ہو کہ ہم پھر دنیا کی طرف لوٹا دیے جائیں، اور اپنے پروردگار کی آیتیں نہ جھٹلائیں، اور ان میں سے ہو جائیں جو ایمان والے ہیں!" (۲۷) (لیکن ان کی یہ حسرت سچے دل کی حسرت نہ ہوگی) بلکہ (اس لیے ہوگی کہ) جو کچھ یہ پہلے چھپایا کرتے تھے (یعنی دل کا روگ) اس کا بدلہ ان پر نمودار ہو گیا (اور اس سے بچنے کے لیے اظہار ندامت کرنے لگے) اگر یہ (دنیا کی طرف) لوٹا دیے جائیں تو پھر (زندگی کی غفلتوں میں سرشار ہو کر) اسی بات میں پڑ جائیں جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ یہ (اظہار ندامت میں) جھوٹے ہوں گے! (۲۸)

اور انہوں نے کہا- زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں (مر کر) پھر اٹھنا نہیں- (۲۹)

اور (اے انسان!) تو تعجب کرے، اگر انہیں اس حالت میں دیکھے جب یہ (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے- اس وقت خدا ان سے پوچھے گا "(تم مرنے کے بعد اٹھنے سے انکار کرتے تھے- اب کہ مرنے کے بعد

---

[1] آیت (۲۵) میں فرمایا "ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ بات کی سمجھ پہنچتی نہیں، اور کانوں میں بوجھ کہ سن نہیں سکتے" یہ انسانی گمراہی کی انتہائی حالت ہے- ضد اور تعصب میں آ کر وہ ایسا اندھا بہرا بن جاتا ہے کہ نہ تو کسی بات کی حقیقت سمجھتا ہے، نہ سمجھنے پر آمادہ ہوتا ہے- اسے امر حق سے ایک طرح کی کد ہو جاتی ہے- چنانچہ یہاں آیت (۲۶) میں فرمایا، یہ لوگ خود بھی قرآن کے سننے سے بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں- یعنی معاملہ حق اور ناحق کا نہیں رہا، بلکہ دشمنی اور کد ہو گئی ہے-

آیت (۲۹) میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو آخرت کے قائل نہیں- پھر آیت (۳۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عقل و بصیرت کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتی- کیونکہ دنیا کی زندگی ایسی سریع و فانی ہے، جیسے چار گھڑی کا کھیل تماشا ہو- پھر کیا یہ تمام کارخانۂ ہستی اسی لیے بنایا گیا ہے کہ چند دنوں تک کھیلو کودو اور اس کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے؟

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب اس لیے کہا کہ اس کی مہلت چشم زدن میں ختم ہو جاتی ہے- نیز اس لیے کہ اگر نتائج و ثمرات عمل کے لیے کوئی دوسری زندگی نہ ہو تو جو کچھ ہے، لہو و لعب سے زیادہ نہیں-

ع ۳ ۹

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

پھر جی اٹھے ہو بتلاؤ) کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟" یہ کہیں گے "ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی قسم"- اس پر خدا فرمائے گا "تم جو (دنیا میں اس زندگی سے) انکار کرتے رہے ہو تو اب اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو!" (۳۰)

یقیناً وہ لوگ نقصان و تباہی میں پڑے جنہوں نے (مرنے کے بعد) خدا کی ملاقات ہونے کو جھٹلایا- یہاں تک کہ جب (آنے والی) گھڑی اچانک ان پر آ جائے گی (یعنی موت کی گھڑی) تو اس وقت کہیں گے "افسوس اس پر جو کچھ ہم سے اس بارے میں تقصیر ہوئی!" وہ اس وقت اپنے گناہوں کا بوجھ پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے- (۳۱) سو دیکھو کیا ہی برا بوجھ ہوا جو یہ (اپنی پیٹھوں پر) لا د رہے ہیں! (۳۲)

اور دنیا کی زندگی تو کچھ نہیں ہے مگر (ایک طرح کا) کھیل اور تماشا- جو متقی ہیں ان کے لیے آخرت ہی کا گھر بہتر ہے- (افسوس تم پر!) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟

(اے پیغمبر[1]!) ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (انکار و تعصب کی) جیسی کچھ باتیں کہتے ہیں وہ تمہارے لیے ملال خاطر کا موجب ہوتی ہیں- یہ دراصل تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم جان بوجھ کر اللہ کی آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں! (۳۳)

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے بھی خدا کے رسول جھٹلائے گئے سو انہوں نے لوگوں کے جھٹلانے اور دکھ دینے پر صبر کیا (اور اپنے کام میں لگے رہے) یہاں تک کہ (بالآخر) ہماری مدد آ پہنچی اور (یاد رکھو یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے اور) کوئی نہیں جو اس کی (ٹھہرائی ہوئی) باتوں کو بدل دینے والا ہو- اور رسولوں کی خبروں میں سے بہت سی چیزیں تو تم تک پہنچ ہی چکی ہیں- (۳۴)

اور (اے پیغمبر!) اگر ان لوگوں کی روگردانی تم پر کٹھن گزرتی ہے تو (تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو، یہ کبھی باز آنے والے

---

[1] پیغمبر اسلام سے خطاب موعظت کہ معاندوں کی حق فراموشیوں کی محرومی پر دل گرفتہ نہ ہو- تم داعی حق ہو اور تمہیں مومنوں کی مستعدی اور منکروں کی محرومی دونوں دیکھنی پڑیں گی اور تمہیں دونوں باتوں کے لیے تیار رہنا چاہیے- تم جوش دعوت میں چاہتے ہو سب کو سیدھے رستے پر دیکھ لو لیکن تمہیں بھولنا نہیں چاہیے کہ ایسا نہیں ہو سکتا- اگر خدا چاہتا تو سب کو دین حق پر جمع کر دیتا لیکن اس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں اپنی اپنی حالت اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ ہو- پس لوگوں کے انکار و جحود پر ملول نہ ہو- اپنے کام میں لگے رہو-

تمہاری صدائے حق کا جواب وہ دے سکتے ہیں جو زندہ ہوں- جن کے دل مردہ ہو چکے انہیں پکارنا بے سود ہے- کوئی دعوت کوئی دلیل کوئی نشانی کوئی اچنبھا مردوں کو زندہ نہیں کر دے سکتا- تم آسمان پر چڑھ جاؤ یا زمین میں چلے جاؤ وہ کبھی سچائی قبول کرنے والے نہیں!

إِعۡرَاضُهُمۡ فَإِنِ ٱسۡتَطَعۡتَ أَن تَبۡتَغِيَ نَفَقٗا فِي ٱلۡأَرۡضِ أَوۡ سُلَّمٗا فِي ٱلسَّمَآءِ فَتَأۡتِيَهُم بِـَٔايَةٖۚ وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى ٱلۡهُدَىٰۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسۡتَجِيبُ ٱلَّذِينَ يَسۡمَعُونَۘ وَٱلۡمَوۡتَىٰ يَبۡعَثُهُمُ ٱللَّهُ ثُمَّ إِلَيۡهِ يُرۡجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُواْ لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ ءَايَةٞ مِّن رَّبِّهِۦۚ قُلۡ إِنَّ ٱللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰٓ أَن يُنَزِّلَ ءَايَةٗ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِن دَآبَّةٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا طَٰٓئِرٖ يَطِيرُ بِجَنَاحَيۡهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمۡثَالُكُمۚ مَّا فَرَّطۡنَا فِي ٱلۡكِتَٰبِ مِن شَيۡءٖۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمۡ يُحۡشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَٱلَّذِينَ كَذَّبُواْ بِـَٔايَٰتِنَا

نہیں) اگر تم سے ہو سکے تو زمین کے اندر کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالو یا آسمان میں کوئی سیڑھی مل جائے (تو اس پر چڑھ جاؤ) اور اس طرح انہیں ایک نشانی لا دکھاؤ (لیکن پھر بھی وہ انکار ہی کریں گے) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو دین حق پر جمع کر دیتا (اور سب ایک ہی راہ پر ہو جاتے مگر تم دیکھ رہے ہو کہ ایسا نہیں ہوا) پس دیکھو ان میں سے نہ ہو جاؤ جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے! (۳۵) تمہاری دعوت کا وہی جواب دے سکتے ہیں جو تمہاری پکار سنتے ہیں' لیکن جو مردے ہیں (ان سے جواب کی امید کیوں رکھو؟) انہیں تو اللہ ہی (قبروں سے) اٹھائے گا- پھر اس کے حضور لوٹائے جائیں گے- (۳۶) اور انہوں[1] نے کہا "کیوں اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اس پر نہیں اتاری گئی؟" (اے پیغمبر!) کہہ دو خدا یقیناً اس پر قادر ہے کہ ایک نشانی اتار دے- لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو (حقیقت حال) نہیں جانتے- (۳۷) اور (دیکھو) زمین میں چلنے والا کوئی حیوان اور ہوا میں پروں سے اڑنے والا کوئی پرند ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح اپنی امتیں نہ رکھتا ہو- (یعنی تمہاری طرح ان میں سے ہر گروہ اپنی اپنی معیشت اور اپنا اپنا سروسامان کار نہ رکھتا ہو) ہم نے نوشتہ میں کوئی بات بھی فروگزاشت نہیں کی (یعنی کائنات کی ہر مخلوق کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ سب کچھ اس کے لیے لکھ دیا- کسی مخلوق کے لیے بھی فروگزاشت نہیں ہوئی) پھر سب (بالآخر) اپنے پروردگار کے حضور جمع کیے جائیں گے (کہ آخری مرجع وہی ہے-) (۳۸) اور (دیکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں- (تو

---

[1] جو لوگ نشانیاں مانگتے ہیں' ان کے جواب میں فرمایا خدا یقیناً نشانیاں دکھانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس نے نشانیاں دکھلا بھی دی ہیں' لیکن بہت کم ہیں جو انہیں سمجھتے ہوں-

اگر تم نشانیوں کی ڈھونڈھ میں ہو' تو بتلاؤ تمام کائنات خلقت میں جو کچھ موجود ہے' وہ کیا ہے؟ تمام فضائے ہستی جن حیرت انگیز اچنبھوں سے بھری ہوئی ہے' ان کے لیے تمہاری بولی میں کونسا نام ہے؟ یہ سب کچھ اس کی ہستی وصفات کی نشانیاں نہیں ہیں تو اور کیا ہے؟ زمین کے تمام جانوروں کو دیکھو جو تمہارے قدموں کے پاس ہیں- ہوا کے پرندوں کو دیکھو جو تمہارے چاروں طرف اڑ رہے ہیں- کس طرح ہم نے تمہاری ہی طرح ان کی بھی امتیں بنا دی ہیں- ہر امت اپنی پیدائش' اپنی معیشت اور اپنی ضروریات زندگی کے لیے ایک قانون حیات رکھتی ہے- پس جو لوگ علم و بصیرت رکھنے والے ہیں انہیں صحیفۂ فطرت کی نشانیوں کے بعد اور کسی نشانی کی احتیاج نہیں ہو سکتی!

لیکن جن لوگوں نے خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت تاراج کر دی اور گونگے اور بہرے ہو کر تاریکیوں میں گم ہو گئے' تو ان کے لیے کوئی نشانی بھی سودمند نہیں- کیونکہ جو آدمی گونگا اور بہرا ہوا اور تاریکی میں کھو گیا' تو اسے کیونکر راہ مل سکتی ہے؟ تم اسے راہ دکھانے کے لیے پکارو تو سنے گا نہیں- خود پکارنا چاہے تو پکار سکتا نہیں- ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اسے جبراً اٹھا کر روشنی میں لے آئے' تو ہدایت ایسی چیز نہیں جو جبراً کسی کے حلق میں ٹھونس دی جائے-

⇦

صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

ان کا حال ایسا ہو گیا ہے، گویا) بہرے گونگے تاریکیوں میں گم ہوں! خدا جس کسی پر چاہے راہ (کامیابی) گم کر دے، جسے چاہے کامیابی کی سیدھی راہ پر لگا دے (اس نے اس بارے میں جو قانون ٹھہرا دیا ہے، تم اسے بدل نہیں سکتے)-(۳۹)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر خدا کا عذاب تم پر آ جائے، یا (موت کی) آنے والی گھڑی سامنے آ کھڑی ہو، تو اس وقت بھی تم خدا کے سوا دوسروں کو پکارو گے؟ (جواب دو) اگر تم سچے ہو! (۴۰)

نہیں، اسی کو پکارو گے- اور اگر وہ چاہے گا، تو تمہاری مصیبت دور کر دے گا، اور اس وقت بھول جاؤ گے، جو کچھ تم شرک کرتے رہے تھے! (۴۱)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ہم نے ان کی طرف (اپنے رسول) بھیجے اور انہیں (اپنے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق) سختی اور محنت میں گرفتار کیا کہ عجب نہیں (بدعملیوں سے باز آ جائیں، اور اللہ کے حضور) عجز و نیاز کریں۔ (۴۲) پھر (غور کرو) ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو وہ (بدعملیوں سے توبہ کر لیتے اور ہمارے سامنے) گڑگڑاتے؟ اسی لیے کہ ان کے دل سخت پڑ گئے تھے، اور جو کچھ بدعملیاں کر رہے تھے، انہیں شیطان نے ان کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا- (۴۳)

پھر جب[1] ایسا ہوا کہ جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی، اسے انہوں نے بھلا دیا، تو ہم نے (بظاہر) ان پر ہر طرح (کی خوش حالیوں) کے دروازے کھول دیے- یہاں تک کہ (اپنی کامرانیوں پر) خوشیاں منانے لگے۔ لیکن جب ایسا ہوا تو اچانک (جزائے

⇦ آیت (۴۲) میں فرمایا کہ جب بدعملیوں کے استعداد سے کسی گروہ کے دل سخت پڑ جاتے ہیں، اور برائیاں جم جاتی ہیں، تو کوئی بات بھی اسے توبہ و اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکتی-

[1] بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم ظلم اور بدعملی میں مبتلا ہوتی ہے، اس پر بھی ہر طرح کی خوش حالیاں اسے ملتی رہتی ہیں- تب لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں، اور کہتے ہیں، ظلم و بدعملی کے نتائج کیا ہوئے؟ لیکن یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ جزائے عمل کا قانون موجود نہیں، بلکہ اس لیے کہ خدا نے ہر چیز کی طرح مفاسد کے نشوونما اور بلوغ کے لیے بھی مقدار و اوقات کا قانون ٹھہرا دیا ہے- جب تک وہ وقت نہیں آتا، نتائج ⇦

أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ
كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ
يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ

عمل کا قانون حرکت میں آ گیا اور) ہم نے انہیں پکڑ لیا- پس ناگہاں ناامید ہو کر رہ گئے! تو (دیکھو) اس طرح اس گروہ کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظلم کرنے والا تھا' اور تمام ستائشیں اللہ ہی کے لیے ہیں' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے! (۴۵)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو تم نے (کبھی) اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر (یعنی عقلوں پر) مہر لگا دے' تو اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں یہ (نعمتیں) واپس دلا سکتا ہے؟ دیکھو ہم کس طرح گوناگوں طریقوں سے بیان کرتے ہیں- پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ منہ پھیرے ہوئے ہیں!

(ان سے ۱) کہو تم نے (کبھی) اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر تم پر خدا کا عذاب اچانک آ جائے یا (جتا کر) آشکارا آئے' تو ظالموں کے گروہ کے سوا کونسا گروہ ہو سکتا ہے جو ہلاک کیا جائے گا؟ (پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ظلم و شرارت سے باز نہیں آتے؟) (۴۷)

اور (ہمارا قانون تو یہ ہے کہ) ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر اسی لیے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) خوش خبری سنائیں اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) متنبہ کریں- پھر جو کوئی یقین لایا' اور اپنے کو سنوار لیا' تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہو گا نہ کسی طرح کی غمگینی- مگر جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں' تو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں- (۴۸-۴۹)

(اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے) کہہ دو' میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے غیبی خزانے ہیں' نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب کا جاننے والا ہوں' نہ میرا یہ کہنا ہے کہ میں (انسانیت سے ماورا) فرشتہ ہوں' میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اسی بات پر چلتا ہوں

⇐ آشکارا نہیں ہوتے- چنانچہ اسی حقیقت کی طرف آیت (۴۴) میں اشارہ کیا ہے- قرآن نے اس حقیقت کو قانون ''امہال'' سے بھی تعبیر کیا ہے- یعنی مہلت اور ڈھیل دینے کا قانون-

۱ دین کے بارے میں انسان کی عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ ہمیشہ ماورائے فطرت عجائب و غرائب کا خواہشمند رہتا ہے' اور اس کی عجائب پسند طبیعت اس پر قانع نہیں ہوتی کہ سچائی سادی شکل میں نمایاں ہو جائے- یہی گمراہی ہے جس نے پیروان مذہب کی راہ کو تو ہم پرستیوں کی راہ بنا دیا' اور اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے داعیوں کو انسانیت کی سطح سے بلند کر کے الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا-

لیکن قرآن اس لیے آیا تھا کہ اس طرح کی گمراہیوں کی راہ بند کر دے- آیت (۵۰) میں پیغمبر اسلام ﷺ کی حیثیت واضح ⇐

إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ

جس کی خدا نے مجھ پر وحی کر دی ہے" (اور اسی کی طرف تمہیں بھی بلاتا ہوں۔ پھر) ان سے پوچھو" کیا وہ جو اندھا ہے (اور حقیقت کے لیے کوئی علم و یقین نہیں رکھتا) اور جو بینا ہے (کہ حقیقت کی روشنی دیکھ رہا ہے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟" (۵۰)

(اے پیغمبر!) تم (ان منکروں کو جو ماننے والے نہیں' چھوڑ دو' اور) ان لوگوں کو وحی الٰہی سنا کر (انکار حق کے نتائج سے) متنبہ کر دو جو (آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں' اور) اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لے جائے جائیں اور اس دن اس کے سوا نہ تو کوئی مددگار ہوگا نہ سفارشی- عجب نہیں کہ متقی ہو جائیں- (۵۱)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو جو (دعوت حق پر ایمان رکھتے ہیں' اور) صبح و شام خدا کے حضور مناجات کرتے اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں' اپنے پاس سے نہ نکالو- ان کے کاموں کی جواب دہی تمہارے ذمے نہیں نہ تمہاری جواب دہی ان کے ذمے ہے کہ (اس ڈر سے) نکال دو- اگر ایسا کرو گے تو زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے-

(۵۲) اور (دیکھو!) اسی طرح ہم نے (دنیا میں اختلاف حالت سے) بعض انسانوں کو بعض انسانوں کے ساتھ آزمایا ہے کہ (جاہ و دولت کا گھمنڈ رکھنے والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں" کیا یہی لوگ ہیں جنہیں خدا نے اپنے انعام کے لیے ہم میں سے چن لیا ہے؟" (یعنی غریب و بے نوا مومنوں کو دیکھ کر از راہ تحقیر کہیں' کیا یہی ہیں جنہیں ایمان کی دولت ملی ہے؟ لیکن اے گھمنڈ کرنے والو!) کیا خدا (تم سے) بہتر جاننے والا نہیں کہ کون (اس کی نعمت کی) قدر کرنے والے ہیں؟ (۵۳) اور (اے پیغمبر!) جب وہ لوگ تمہارے پاس

⇐ کر دی ہے- فرمایا میرا دعویٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی وحی نے راہ حق دکھلا دی ہے- خود بھی اسی پر چلتا ہوں' دوسروں کو بھی اسی کی طرف بلاتا ہوں- اس سے زیادہ میں کچھ نہیں ہوں-

آیت (۵۱) سے (۵۴) تک دعوت و اصلاح امت کے دو اہم اصول بیان کیے ہیں:

آیت (۵۱) میں فرمایا جن لوگوں کی شقاوت کا یہ حال ہے' ان کی ہدایت کی سعی میں وقت ضائع نہ کرو- بلکہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاؤ جن کی ایمانی استعداد ظاہر ہو چکی ہے- یہ لوگ کتنے ہی حقیر و ذلیل ہوں' لیکن اگر تربیت یافتہ ہو کر متقی ہو گئے' تو تمہاری دعوت کے لیے یہی نتیجہ کفایت کرے گا- اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کو چاہیے اپنی قوت اصلاح مستعد طبیعتوں کی تربیت میں صرف کرے اگرچہ تھوڑے اور کمزور ہوں- ان لوگوں کے پیچھے وقت ضائع نہ کرے جن میں قبولیت کی استعداد نہیں رہی' اگرچہ بظاہر طاقتور اور بہت سے ہوں-

ابتدائے اسلام میں زیادہ تر مسکین و غریب ایمان لائے تھے' اور ہمیشہ قبولیت حق میں سبقت کرنے والا یہی طبقہ ہوتا ہے- روایات سے ⇐

يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ

ع ۶ / ۱۲

آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں' تو تم (شفقت و مرحمت سے پیش آؤ' اور) کہو "تم پر سلام ہو! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم ٹھہرالی ہے۔ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کر لے اور اپنی حالت سنوار لے تو (خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو) وہ بخشنے والا' رحمت رکھنے والا ہے"۔ (۵۴)

اور (دیکھو) ہم اسی طرح کھول کھول کے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں' اور اس لیے (بیان کرتے ہیں) تاکہ مجرموں کی راہ نمایاں ہو جائے (اور راست بازوں کی راہ ان کی راہ سے مشتبہ نہ ہو)۔ (۵۵)

(اے پیغمبر! منکرین حق سے) کہو' مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ (نیز) کہو میں کبھی تمہاری نفسانی خواہشوں پر چلنے والا نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو میں گمراہ ہو چکا' اور ان میں نہ رہا جو راہ پانے والے ہیں۔ (۵۶)

تم کہو۔ بلاشبہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور دلیل پر ہوں (یعنی اس نے حقیقت و یقین کی راہ مجھے دکھادی ہے) اور تم نے اسے جھٹلایا ہے (پس اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کیوں اس کا فیصلہ فوراً ظاہر نہیں ہو جاتا' تو) تم جس (فیصلہ) کے لیے جلدی مچا رہے ہو' وہ کچھ میرے اختیار میں تو ہے نہیں۔ حکم تو بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی حق کی باتیں بیان کرتا ہے' اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۵۷)

(اے[1] پیغمبر! تم) کہہ دو' جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو (یعنی از راہ شرارت کہہ رہے ہو کہ خدا کی طرف سے فیصلہ ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ تو) اگر وہ میرے اختیار میں ہوتا' تو مجھ میں اور تم میں کب کا فیصلہ ہو گیا ہوتا (لیکن وہ

⇐ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے بعض رئیسوں نے جنہیں اپنی دولت و شرافت کا گھمنڈ تھا کہا' ہم چاہتے ہیں تمہاری باتیں سنیں لیکن تمہارے پاس ادنیٰ درجے کے لوگوں کا مجمع رہتا ہے۔ ان کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ فرمایا ان مغروروں کے کہنے سے تم ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالو جو خدا پرستی میں سرگرم ہیں اور جن کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیوی جاہ و حشمت نہیں رکھتے۔

اس کے بعد آیت (۵۴) میں فرمایا۔ اگر اہل ایمان و استعداد سے کچھ بھول چوک ہو جائے تو ان پر سختی نہ کرو بلکہ خدا کی رحمت کا پیام پہنچاؤ اور اس کی مغفرت کی بشارت سے ان کے دلوں کو تسکین دو۔

آیت (۵۷) میں فرمایا "میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور دلیل پر ہوں' اسی طرح دوسرے مقامات میں بھی بار بار اس ت پر زور دیا ہے' کہ وحی و نبوت کی راہ دلیل و یقین اور علم و بصیرت کی راہ ہے' اور جو منکر ہیں ان کے پاس شک و گمان کے سوا کچھ نہیں۔ یت (۵۰) میں گزر چکا ہے کہ کیا اندھے اور بینا کا حکم ایک ہو سکتا ہے؟ وہ کہتا ہے' یہاں راہیں دو ہوئیں۔ ایک شک و گمان کی' دوسری ⇐

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ

تو اللہ کے ہاتھ ہے اور اس نے ہر بات کی طرح اس کے لیے بھی خاص وقت ٹھہرا دیا ہے) اور وہ ظلم کرنے والوں کی حالت اچھی طرح جاننے والا ہے (ان سے غافل نہیں)- (۵۸)

اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں (یعنی غیب کے ذخیروں کا مالک ہے) اسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- جو کچھ خشکی میں ہے اور جو سمندروں میں ہے سب کا وہ علم رکھتا ہے- درختوں سے کوئی پتہ نہیں گرتا اور زمین کے اندر کی اندھیریوں میں کوئی دانہ نہیں پھوٹتا' مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے- کوئی خشک اور تر پھل نہیں گرتا مگر یہ کہ (علم الٰہی کے) واضح نوشتہ میں مندرج ہے- (۵۹)

اور (دیکھو) وہی ہے' جو رات کے وقت تم پر موت طاری کر دیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے) اور جو کچھ تم نے دن (کی حرکت اور ہشیاری) میں کاوشیں کی تھیں' ان سے بے خبر نہیں ہے- پھر (جب رات بھر سو لیتے ہو' تو) دن کے وقت تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے' تا کہ (بدستور اپنی کوششوں میں لگ جاؤ' اور زندگی کی) ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو جائے- پھر (اس میعاد کے بعد) تم سب خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اور جیسے کچھ تمہارے کام رہے ہیں' اس کی حقیقت وہ تمہیں بتا دے گا- (۶۰)

اور وہی اپنے بندوں پر زور اور غلبہ رکھنے والا ہے' اور تم پر حفاظت کرنے والی (قوتیں) بھیجتا ہے- یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے' تو اس کے بھیجے ہوئے (فرشتے) اسے وفات دے دیتے ہیں اور وہ (ہمارے ٹھہرائے ہوئے احکام کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کرتے ہیں- اس میں) کسی طرح کا قصور نہیں کرتے - (۶۱) پھر تمام بندے اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں

⇐ یقین و بصیرت کی- جو لوگ خدا اور آخرت کے منکر ہیں' یا پرستش کی گمراہیوں میں پڑ گئے ہیں' ان کے پاس انکار کے لیے کوئی بصیرت نہیں- زیادہ سے زیادہ بات جو وہ کہہ سکتے ہیں' یہی ہے کہ "لا ادری" ہم نہیں جانتے - ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں' ہم محسوسات کی سرحد سے آگے نہیں بڑھ سکتے - پس ان کی جگہ شک اور گمان کی ہوئی- لیکن جو انسان اعلان کرتا ہے کہ میں اس بارے میں علم و یقین رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ اس کی جگہ یقین کی جگہ ہے' شک اور گمان کی اس پر پرچھائیں بھی نہیں پڑی- اب سوال یہ ہے کہ تمہیں کس طرف جانا چاہیے؟ اس کی طرف جو زیادہ سے زیادہ یہ جانتا ہے کہ کچھ نہیں جانتا' یا اس کی طرف جس کی پکار کی پہلی بات ہی یہ ہے کہ میرے پاس سرتا سر دلیل و یقین ہے؟ فھل یستوی الاعمی والبصیر ؟

اسی آیت میں "استعجال بالعذاب" کا بھی ذکر کیا ہے- یعنی منکرین حق جو خدا کے احکام و سنن سے بے خبر ہیں کہتے ہیں! تم خدا کے جس فیصلہ کا ذکر کرتے ہو اگر سچ مچ کو ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ فرمایا' اگر میرے اختیار میں ہوتا تو اسی آن فیصلہ کر دیتا' لیکن وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے' اس نے جو قانون مقرر کر دیا ہے اسی کے مطابق اس کا ظہور ہو گا- چنانچہ اپنے وقت پر وہ ظاہر ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کامیابی کس فریق کے لیے ہوئی تھی-

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۗ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ

جوان کا مالک حقیقی ہے- یاد رکھو' حکم اسی کا حکم ہے اور حساب لینے والوں میں اس سے جلد حساب لینے والا کوئی نہیں- (۶۲)

(اے[1] پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو- وہ کون ہے جو تمہیں بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں نجات دیتا ہے اور جس کی جناب میں آہ وزاری کرتے ہوئے اور کبھی (دل ہی دل میں) پوشیدہ دعائیں مانگتے ہو' اور کہتے ہو' "اگر خدا' ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دے' تو پھر ہم (کبھی اس کی طرف سے غافل نہ ہوں گے اور) ضرور شکر گزار بندے ہو کر رہیں گے؟" (۶۳)

(اے پیغمبر!) تم کہو' اللہ ہی ہے جو تمہیں اس بلا سے اور ہر طرح کے دکھ سے نجات دیتا ہے' لیکن اس پر بھی تم ہو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو- (۶۴)

(اے پیغمبر!) کہہ دو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے (یعنی فضائے آسمانی سے) کوئی عذاب بھیج دے' یا تمہارے پاؤں تلے سے (یعنی زمین ہی سے) کوئی عذاب اٹھا دے- یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو' اور ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) کی شدت کا مزہ چکھے- سو دیکھو! کس طرح ہم گوناگوں طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں' تاکہ وہ سمجھیں بوجھیں- (۶۵)

اور (اے پیغمبر!) تیری قوم نے اسے جھٹلایا ہے حالانکہ وہ حق ہے (یعنی قرآن کو جھٹلایا ہے اور وہ حق ہے' تو ضرور ہے کہ اس کا نتیجہ اس کے آگے آئے- پس) تم کہہ دو (اگر تم جھٹلاتے ہو تو جھٹلاؤ) میں تم پر کچھ نگہبان نہیں ہوں (کہ تمہیں حق کے مان لینے پر مجبور کر دوں) (۶۶) ہر خبر کے لیے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے (کہ اس وقت اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے) اور قریب ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے گا- (۶۷) اور جب[2] تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں

---

[1] فطرت انسانی کے احوال اور واردات سے استشہاد-

وہ کون ہے' جس نے بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے' اور جو تمہاری دعائیں سنتا اور تمہاری آہ وزاریوں کو قبول کر لیتا ہے؟ جب تم مصیبت میں پڑتے ہو تو اسے پکارتے ہو' اور کہتے ہو اگر اس مصیبت سے نجات پا جائیں تو پھر ہم شکر گزار بندوں کی سی زندگی بسر کریں گے- لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اسے بھلا دیتے ہو اور بدستور گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہو-

آیت (۶۵) میں فرمایا "یا ایسا ہو کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو" اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک یہ بھی ایک عذاب ہے کہ کوئی امت ایک طریقہ پر جمع رہنے کی جگہ مختلف گروہ بندیوں میں بٹ جائے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانے لگے- افسوس کہ مسلمان بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوئے-

[2] جن لوگوں میں حق کی طلب نہ ہو' اور محض اپنی بات کی پچ کرنے کے لیے اور مطالب حق کو رد و کد کا مشغلہ بنانے کے لیے بحث و نزاع ⇐

يَخُوضُونَ فِيٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ

(انکار و شرارت سے) کاوشیں کرتے ہیں' تو تم (ان کے ساتھ بحث کرنے میں وقت ضائع نہ کرو اور) ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں غور و غوض کرنے لگیں۔ اور اگر ایسا ہو کہ شیطان تمہیں (یہ بات) بھلا دے (یعنی تم سہو و نسیان میں پڑ کر ان سے بحث و نزاع کرنے لگو) تو چاہیے کہ یاد آ جانے کے بعد ایسے گروہ (کی مجلسوں) میں نہ بیٹھو جو ظلم کرنے والے ہیں۔ (۶۸) اور جو لوگ پرہیز گاری کی راہ چلنے والے ہیں تو ان پر ایسے لوگوں کی کوئی ذمہ داری نہیں (کہ ان کی فکر میں پڑیں) جو کچھ ان کے ذمے ہے' وہ تو یہ ہے کہ خود نصیحت پکڑیں تاکہ (برائیوں سے) بچیں۔ (۶۹)

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے' اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے تو ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور کلام الٰہی کے ذریعے نصیحت کرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی انسان اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیا جائے۔ (کیونکہ اگر چھوڑ دیا گیا' تو) اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا مددگار ہوگا' یا اس کی شفاعت کر کے اسے بچا لے گا۔ (بدعملیوں کے) جس قدر بدلے بھی ہو سکتے ہیں' اگر وہ سب دے دے تو بھی اس سے نہ لیا جائے (کہ بدعملی کے نتیجہ سے کوئی فدیہ نہیں بچا سکتا) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیے گئے۔ ان کے لیے کھولتا ہوا پانی پینے کو ہو گا۔ اور انکار حق کی جزا میں دردناک عذاب۔

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو "کیا تم چاہتے ہو ہم خدا کو چھوڑ کر انہیں پکاریں' جو (ہماری ہی طرح بے بس اور عاجز مخلوق ہیں') نہ تو ہمیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں' نہ نقصان؟ اور باوجودیکہ خدا ہمیں (خدا پرستی کی) سیدھی راہ دکھا چکا ہے' لیکن ہم (گمراہی کی طرف) الٹے پاؤں پھر جائیں؟ اور ہماری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیطان نے بیابان میں

⇦ کریں' تو راست باز انسان کو چاہیے ان سے کنارہ کش ہو جائے۔ کیونکہ جدل و نزاع کی راہ ہدایت کی راہ نہیں ہے' اور جدل کرنے والے کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔ (دیکھو بقرہ: ۲۵۸)

[1] "مومن" وحی و نبوت کی ہدایت اور علم و یقین کی روشنی اپنے سامنے رکھتا ہے' اس لیے فلاح و سعادت کی شاہراہ سے کبھی نہیں بھٹک سکتا۔ لیکن منکر حق کے سامنے کوئی روشنی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی بیابان میں کھویا گیا ہو اور حیران و سرگرداں پھر رہا ہو۔ کبھی ایک طرف کو دوڑے' کبھی دوسری طرف کو۔ کوئی معین اور یقینی راہ' اس کے سامنے نہ ہو۔

ایمان اور کفر کی حقیقت سمجھنے کے لیے اس مثال پر غور کرو۔ جس قدر غور کرتے جاؤ گے' حقیقت کی وضاحت بڑھتی جائے گی۔ ⇦

حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ۬ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ

الثلثة

گمراہ کر دیا ہو- حیران و پریشان پھر رہا ہے اور اس کے ساتھی ہیں جو اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ تو کدھر کھویا گیا- ادھر آ! (اے پیغمبر!) کہہ دو "خدا کی ہدایت تو وہی اَلْهُدٰى ہے (یعنی ہدایت کی حقیقی راہ جو ہمیشہ سے موجود ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے سر اطاعت جھکا دیں- (۷۰)

نیز ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور (ہر حال میں) خدا (کی نافرمانیوں کے نتائج) سے ڈرتے رہو- اور اسی کی طرف (بالآخر) تم سب اکٹھے لے جائے جاؤ گے- (۷۱) اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو علم و حقیقت کے ساتھ پیدا کیا (یعنی مصلحت و حکمت کے ساتھ بنایا) اور (اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ) جس دن وہ کہہ دے "ہو جا" تو (جیسا اس نے چاہا) ویسا ہی ہو جائے- اس کا قول حق ہے (یعنی وہ جو کچھ حکم دیتا ہے علم و حکمت کے ساتھ دیتا ہے)

اور جس دن صور پھونکا جائے گا (قیامت کے برپا ہونے کا اعلان ہوگا) تو اس دن اسی کے لیے پادشاہی ہوگی- وہ غیب اور شہادت کا (یعنی جو کچھ تمہارے لیے محسوس ہے اور جو کچھ غیر محسوس) جاننے والا ہے- اور وہ حکمت رکھنے والا' اور آگاہ ہے- (۷۳)

اور[1] (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا "کیا تم (پتھر کے) بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے"- (۷۴) اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھا دیئے تا کہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے- (۷۵) پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اس پر رات کی اندھیری چھا گئی'

⇦ آیت (۷۲) میں "تخلیق بالحق" کی طرف اشارہ کیا ہے- یعنی کائنات خلقت کی تمام باتیں یقین دلاتی ہیں کہ یہ کارخانہ علم و حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے- اور کوئی بنانے والا ہے جو چاہتا تھا کہ ایک منظم' مرتب' کامل اور حسن و خوبی رکھنے والا کارخانہ وجود میں آ جائے (دیکھو آل عمران: ۱۹۰)

جن چیزوں کو ہم اپنے پانچ حاسوں سے محسوس کر سکتے ہیں وہ ہمارے لیے مشہود ہیں- جنہیں محسوس نہیں کر سکتے وہ پوشیدہ ہیں- قرآن ان کے لیے عالم شہادت اور عالم غیب کا لفظ بولتا ہے-

[1] توحید الٰہی کی حجت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر القا کی گئی' اور جو تمام رسولوں کی دعوت رہی ہے-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور ایک ایسے عہد اور ملک میں ہوا جب بابل اور نینویٰ کی عظیم الشان قومیں اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھیں اور شہر اُور میں زہرہ، چاند اور سورج کے مندر تھے' جہاں صبح و شام پرستاری کے لیے لوگ جمع ہوا کرتے تھے- لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب سلیم پر خدا پرستی کی صداقت کھول دی گئی- خدا نے ان پر اپنی پادشاہت اور کامرانی کے جلوے کچھ اس طرح روشن کر دیے کہ جہل و غفلت کا کوئی پردہ بھی ان کی معرفت میں حائل نہ ہو سکا! یہ حقیقت جب ان پر کھولی گئی' تو علم و بصیرت کی کونسی حجت تھی ⇦

الَّیۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ فِی اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ

تو اس نے (آسمان پر) ایک ستارہ (چمکتا ہوا) دیکھا - اس نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا "نہیں، میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں" (یعنی طلوع وغروب ہوتے رہتے ہیں) (۷۶) پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے"، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا، تو کہا "اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھادی ہوتی، تو میں ضرور اسی گروہ میں سے ہو جاتا جو سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے!" (۷۷)

پھر (جب صبح ہوئی) اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے، یہ سب سے بڑا ہے"، لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا، تو اس نے کہا "اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بیزار ہوں - (۷۸) میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے جو (کسی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ) آسمان اور زمین کی بنانے والی ہے (اور جس کے حکم اور قانون پر آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات چل رہی ہیں) اور میں ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں! (۷۹)

اور (پھر) ابراہیم سے اس کی قوم نے ردوکد کی - ابراہیم نے کہا "کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردوکد کرتے ہو؟

⇦ جس نے ان کی رہنمائی کی؟ قرآن نے ایک ایسے پیرایہ بیان میں جو اس کی عجیب وغریب بلاغت کا مظہر ہے یہاں اس کا مرقع ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے -

جب شام ہوئی تو زہرہ نمودار ہوئی، اور اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردۂ شب سے جھانکنے لگی - حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے کہا، یہ چمکتا ہوا ستارہ میرا پروردگار ہے کیونکہ اسی کی مورتی کی پوجا کی جاتی ہے - جب کچھ دیر کے بعد وہ ڈوب گیا، تو انہوں نے کہا جو ہستیاں ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہیں، میں ان کا پرستار نہیں - کیونکہ جو ہستی اپنے طلوع وغروب میں کسی ٹھہرائے ہوئے قاعدہ وحکم کی پابند ہوئی، تو وہ پروردہ ہوئی - پروردگار نہیں ہو سکتی! پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا، اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا - وہ بولے "یہ پروردگار ہے -" لیکن وہ بھی نہ ٹک سکا اور غروب ہو گیا - اب صبح ہوئی اور مہر جہانتاب درخشاں ہو گیا - یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑا اجرام سماویہ میں کوئی نہیں - لیکن دیکھو یہ بھی تو کسی کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہے - اس کی روشنی کو بھی قرار نہیں - پہلے بڑھنے لگی، پھر ڈھلنے لگی، پھر رفتہ رفتہ چھپ گئی! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا نہیں، ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہو سکتا - کیونکہ سب زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم مختار نہیں، مجبور ہیں - حاکم نہیں، محکوم ہیں - ہم سے بھی ایک بالا ہستی ہے، جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدوں کے آگے جھکا رکھا ہے - پس وہ جوان سب سے بالاتر اور ان سب کا بنانے والا ہے، میں صرف اسی کا ہو رہا - میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں - پھر جب ان کی قوم نے ردوکد کی تو انہوں نے کہا - تم مجھے اپنے معبودان باطل سے نہ ڈراؤ - دیکھو، ہم دو فریق ہیں - ایک میں ہوں کہ انہیں نہیں مانتا، جن کے ماننے کے لیے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں - ایک تم ہو کہ ان سب کی پرستاری کرتے ہو، جن کی پرستاری کے لیے کوئی دلیل وروشنی موجود نہیں - بتلاؤ، دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی؟ ⇦

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ

ع ۱۵ وقف لازم

حالانکہ اس نے مجھے راہ حق دکھادی ہے (اور میں حق کی معرفت کے بعد جہل اور گمراہی اختیار کرنے والا نہیں- باقی رہی یہ بات کہ تم مجھے اپنے معبودان باطل کا ڈر دکھاتے ہو تو یاد رکھو) جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے' میں ان سے نہیں ڈرتا- میں جانتا ہوں کہ جب تک میرا پروردگار مجھے نقصان پہنچانا نہ چاہے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا- میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے- پھر کیا تم (حقیقت کی اتنی وضاحت پر بھی) نصیحت نہیں پکڑتے؟" (۸۰)

"اور (دیکھو) میں ان ہستیوں سے کیوں ڈروں جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ جس کے لیے کوئی سند اور دلیل تم پر نہیں اتری؟ بتلاؤ ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی' اگر تم علم وبصیرت رکھتے ہو؟" (۸۱)

جن لوگوں نے خدا کو مانا' اور اپنے ماننے کو ظلم سے (یعنی شرک سے) آلودہ نہیں کیا' تو ان ہی کے لیے امن ہے' اور وہی ٹھیک راستے ہوئے"- (۸۲)

اور (دیکھو) یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر دی تھی- ہم جس کے مرتبے بلند کرنا چاہتے ہیں' (اسے علم ودلیل کا عرفان دے کر) بلند کردیتے ہیں' اور یقیناً تمہارا پروردگار حکمت دینے والا' علم عطا کرنے والا ہے- (۸۳)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور (اسحٰق کا بیٹا) یعقوب دیا- ہم نے ان سب کو سیدھی راہ دکھائی اور ابراہیم سے پہلے نوح کو دکھا چکے تھے- اور ابراہیم کی نسل میں سے داؤد' سلیمان' ایوب' یوسف' موسیٰ' ہارون کو بھی (یہی راہ دکھلائی) ہم اسی طرح نیک کرداروں کو (ان کی نیک کرداری کا) بدلہ دیتے ہیں- (۸۴)

اور زکریا' یحییٰ' عیسیٰ اور الیاس کو' کہ یہ سب نیک انسانوں میں سے تھے- اور نیز اسمٰعیل' الیسع' یونس اور لوط کو'

⇐ یہ حقیقت کہ پرستش اسی کی کرنی چاہیے جس کی پرستش کے لیے علم وبصیرت کی شہادت موجود ہو اور بنیاد اس معاملے کی علم وحقیقت ہے نہ کہ رسم وتقلید' وہ حجت بالغہ ہے جو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر کھول دی تھی- یہی بنیادی صداقت ہے جس سے خدا پرستی کی راہ کی تمام روشنیاں ظہور میں آئیں-

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا

ع ۸ ۱۶

ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی-(۸۵) اور ان کے آباواجداد اور ان کی نسل اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو (ہم نے اسی راہ پر چلایا) ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا تھا' اور (فلاح وسعادت کی) سیدھی راہ ان پر کھول دی تھی-(۸۶) یہ اللہ کی[1] ہدایت ہے- اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کی روشنی دکھادے- اور اگر یہ لوگ (توحید کی راہ چھوڑ کر) شرک کرتے' تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت جاتا-(۸۸)

(اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت (کی نعمت) عطا فرمائی- پھر اگر یہ (مشرکین عرب) اس نعمت سے انکار کرتے ہیں (تو انکار کریں- ان کے انکار سے کچھ بگڑنے والا نہیں) ہم نے اس کی (پیروی وحفاظت) ایک ایسے گروہ کے حوالے کردی ہے جو (ان لوگوں کی طرح) سچائی سے انکار کرنے والا نہیں ہے (بلکہ اس کا قدرشناس ہے)-(۸۹)

(اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے راہ حق دکھا دی- پس تم بھی انہی کی راہ کی پیروی کرو- تم کہہ دو "میں اس رہنمائی پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا- یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام دنیا کے لیے نصیحت ہے (اور جب نصیحت ہے' تو تم مجھے کتنا ہی دکھ دو میں ادائے فرض سے باز آنے والا نہیں")-(۹۰)

اور[2] (دیکھو) جب ان لوگوں نے کہا "خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے" (یعنی وحی وتنزیل سے انکار کیا) تو خدا کی خدائی کا جو اندازہ کرنا چاہیے' وہ انہوں نے نہیں کیا- (اے پیغمبر!) تم کہو (اگر ایسا ہی ہے تو) کس نے وہ کتاب اتاری جسے موسیٰ لایا تھا؟ (وہ کتاب) جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہے' اور جسے تم اوراق کا مجموعہ بنا کر لوگوں کو دکھاتے ہو اور اس کے مطالب واحکام

---

[1] حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی نسل کی یہ تمام شخصیتیں جن کا ذکر کیا گیا دین حق پر کہ توحید کی راہ ہے' کاربند ہوئے' اور خدا نے انہیں کتاب ونبوت کی برگزیدگی کے لیے چن لیا- پس اے پیغمبر! تم بھی انہی کے نقش قدم پر چلو- عنقریب خدا ایک گروہ سچے مومنوں کا پیدا کردے گا جو اس راہ کی پیروی وحفاظت اپنے ذمہ لے لے گا اور انکار کرنے کی جگہ سچائی کا شناسا ہوگا- چنانچہ مہاجرین وانصار کا گروہ پیدا ہوگیا جس نے اس راہ کی حفاظت اپنے ذمے لے لی-

[2] یہاں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو وحی وکتاب کے نزول پر تعجب کرتے تھے' اور کہتے تھے' خدا کی طرف سے کوئی کتاب انسان پر نازل نہیں ہوسکتی- یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے- منکرین تنزیل میں دو طرح کے لوگ تھے- پہلا گروہ علمائے اہل کتاب کا تھا- یہ لوگ اگرچہ وحی وتنزیل کے منکر نہ تھے لیکن تعصب اور نفسانیت کی وجہ سے نزول قرآن پر اظہار تعجب کرتے' اور کہتے خدا کا کلام کبھی اس طرح نازل نہیں ہوسکتا- چونکہ عرب میں یہی لوگ پڑھے لکھے اور باخبر سمجھے جاتے تھے اس لیے مشرک بھی ان کی باتوں سے حجت پکڑتے- دوسرا گروہ منکرین وحی ونبوت کا تھا- ⇦

وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۚ وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُوا أَنتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩١﴾ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم

میں سے) بہت سی باتیں پوشیدہ رکھتے ہو؟ نیز (جس کتاب کے ذریعے) تمہیں وہ وہ باتیں سکھائی گئیں جو پہلے نہ تو تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے؟ (اے پیغمبر!) تم کہو "اللہ نے!" اور پھر انہیں ان کی کاوشوں (اور کج بحثیوں) میں چھوڑ دو کہ (اس بات کا کوئی معقول جواب نہ پا کر اپنی ہرزہ سرائیوں میں) کھیلتے رہیں۔(۹۱)

اور (دیکھو) یہ کتاب (قرآن) ہے جسے ہم نے (تورات کی طرح) نازل کیا۔ برکت والی، اور جو (کتاب) اس سے پہلے (نازل ہو چکی ہے) اس کی تصدیق کرنے والی اور اس لیے نازل کی تاکہ تم ام القریٰ (یعنی شہر مکہ) کے باشندوں کو اور ان کو جو اس کے چاروں طرف بستے ہیں (گمراہیوں کے نتیجوں سے) متنبہ کرو۔ سو جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور (ایمان لانے کے بعد ایسے ہو گئے ہیں کہ) اپنی نمازوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے۔(۹۲)

اور اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہے جو خدا پر جھوٹ بول کر افترا کرے؟ یا کہے مجھ پر وحی کی گئی ہے اور حقیقت میں اس پر کوئی وحی نہیں آئی؟ اور اس سے بھی جو (خدا کی وحی کا مقابلہ کرے اور) کہے میں بھی ایسی ہی بات اتار دکھاؤں گا جیسی خدا نے اتاری ہے؟ اور (اے پیغمبر!) تم تعجب کرو اگر ظالموں کو اس حالت میں دیکھو جب وہ جانکنی کی بے ہوشیوں میں (بے دم) پڑے ہوں گے اور فرشتے (ان کی جان نکالنے کے لیے) ہاتھ بڑھائے ہوں گے کہ "اپنی جانیں (اپنے جسم سے) نکال باہر کرو۔ آج کا دن وہ دن ہے کہ جو کچھ خدا پر تہمتیں باندھتے تھے اور اس کی آیتوں کی تصدیق سے گھمنڈ کرتے تھے اس کی پاداش میں تمہیں رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے۔"(۹۳)

اور (پھر خدا فرمائے گا) "دیکھو بالآخر تم ہمارے حضور اکیلے جان آ گئے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا گیا تھا اور جو کچھ (ساز و سامان) تمہیں (دنیا میں) دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ (آج) ہم تمہارے ساتھ ان ہستیوں کو نہیں دیکھتے

⇦ پس یہاں پہلے علمائے اہل کتاب کو الزامی جواب دیا ہے۔ اگر خدا اپنا کلام نازل نہیں کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کس نے تورات نازل کی تھی جسے اوراق و صحائف میں لکھتے رہتے ہو اور جس کی صورت لوگوں پر ظاہر کرتے ہو۔ لیکن جس کے احکام ہوائے نفس سے چھپاتے ہو؟

پھر فرمایا یہ کلام حق جو نازل ہوا ہے باشندگان مکہ کو برائیوں سے روکتا ہے نیکیوں کی دعوت دیتا ہے اور اپنی دعوت سے اس نے ایسی جماعت پیدا کر دی ہے جو عبادت الٰہی میں ثابت قدم ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جو انسان ایک ایسے مبارک کلام کا حامل ہو وہ اللہ پر افترا کرنے والا ہو جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہگاری کا کام نہیں ہو سکتا؟ اس کے بعد آیت (۹۵) سے (۹۹) تک منکرین تنزیل کو حقیقی جواب دیا گیا ہے۔

مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

ع ۱۷

جنہیں تم نے شفاعت کا وسیلہ سمجھا تھا' اور جن کی نسبت تمہارا زعم تھا کہ تمہارے کاموں میں وہ خدا کے شریک ہیں- تمہارے (اعتماد باطل کے) سارے رشتے ٹوٹ گئے- جو کچھ تم زعم رکھتے تھے' سب کے سب تم سے کھوئے گئے"- (۹۴)

(دیکھو) [1] یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ (بیج کے) دانے اور گٹھلی کو (جو زمین میں ڈال دی جاتی ہے یا خود بخود گر جاتی ہے) شق کر دیتا ہے (اور ایک خشک دانے سے زندہ اور پھلنے پھولنے والا درخت پیدا ہو جاتا ہے) وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے' اور وہی ہے جو مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے- وہی (پروردگار حکیم) خدا ہے- پھر (افسوس تمہاری سمجھ پر!) تم کدھر کو بہکے جا رہے ہو؟ (۹۵) رات کا پردہ چاک کر کے صبح نمودار کرنے والا' (اور رات کی اندھیری کو دن کے اجالے میں بدل دینے والا) اس نے رات کو (تمہارے لیے) راحت و سکون کا سامان بنا دیا اور سورج اور چاند (کے طلوع و غروب کا ایسا ڈھنگ رکھا کہ) حساب کا معیار بن گئے (ممکن نہیں ایک پل کے لیے بھی کمی بیشی ہو جائے) یہ اس کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جو سب پر غالب ہے اور علم رکھنے والا ہے- (۹۶) اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنا دیے کہ بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں ان کی علامتوں سے راہ پالو- بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں اپنی (ربوبیت و رحمت کی) نشانیاں کھول کھول کے بیان کر دی ہیں- (۹۷)

---

[1] منکرین وحی و تنزیل کا حقیقی جواب-

ان کا انکار نقل کرتے ہوئے آیت (۹۱) میں فرمایا تھا "خدا کی خدائی کا جو اندازہ کرنا چاہیے تھا' انہوں نے نہیں کیا" یعنی خدا کے صفات و اعمال کی انہیں معرفت ہوتی تو کبھی ایسا خیال نہ کرتے- یہ مجمل جواب تھا- اب یہاں اس کی تشریح کر دی ہے- جس پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ حال ہے کہ اس نے تمہاری زندگی و معیشت کے لیے ہر طرح کا سروسامان مہیا کر دیا اور کارخانۂ خلقت کی کوئی چیز نہیں جو فیضان و افادہ نہ رکھتی ہو' کیسے ممکن تھا کہ تمہارے جسم کی ہدایت و پرورش کے لیے تو سب کچھ کر دیتا' مگر تمہاری روح کی ہدایت و پرورش کے لیے کچھ بھی نہ کرتا؟

روح کی ہدایت و پرورش کا یہی سروسامان ہے جو وحی و تنزیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے- اگر تم کہتے ہو کہ ایسا ہونا ضروری نہیں تو یقیناً تم نے خدا کی صنعتوں اور کاموں کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی' اور اسے اس منزلت سے گرا دینا چاہا جس کی تمام کائنات ہستی شہادت دے رہی ہے- وہ' جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے' کیا تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دے گا؟ وہ جو ستاروں کی روشن علامتوں سے بیابانوں اور سمندروں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے' کیا تمہاری روح کو چھوڑ دے گا کہ بھٹکتی رہے اور اس کی رہنمائی کے لیے کوئی روشنی نہ ہو؟ تم اس بات پر تو کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ کھیت لہلہا رہے ہیں اور آسمان سے باران رحمت برس رہی ہے- پھر اس پر کیوں متعجب ہوتے ہو کہ انسان کی روحانی پرورش کے لیے سامان زندگی مہیا ہے' اور خدا کی وحی نازل ہو رہی ہے؟ افسوس تم پر' تم نے ایسا سمجھ کر خدا کی رحمت و ربوبیت کی بڑی ہی ناقدری کی-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

ع ۱۸

اور (پھر دیکھو) وہی ہے' جس نے تمہیں اکیلی جان سے نشو ونما دی - پھر تمہارے لیے قرار پانے کی جگہ ہے (یعنی شکم مادر) اور سپردگی کا مقام ہے (یعنی مرنے کی جگہ) بلاشبہ جو لوگ بات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں' ان کے لیے ہم نے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں - (۹۸) اور (دیکھو) وہی ہے' جو آسمان سے (یعنی بلندی سے) پانی برساتا ہے - پھر اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا کر دیتا ہے - پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں' اور ٹہنیوں سے دانے نمودار ہو جاتے ہیں - ایک دانے سے دوسرا دانہ ملا ہوا - اور (اسی طرح) کھجور کے درخت سے (بھی پھل پیدا ہو جاتے ہیں) جس کی شاخوں میں گچھے جھکے پڑتے ہیں - اور (اسی طرح) انگور' زیتون' اور انار کے باغ پیدا کیے - صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے' اور ایک دوسرے سے الگ الگ - ان کے پھلوں کو دیکھو' جب درخت پھل لاتا ہے (کہ کیسے عجیب وغریب طریقے سے ٹہنیوں اور جڑوں میں سے نکلتے ہیں' اور پھر ایک مقررہ انتظام کے ساتھ درجہ بدرجہ بڑھتے اور پختگی سے قریب ہوتے جاتے ہیں؟) اور پھر ان کے پکنے کو دیکھو (کہ پکنے کے بعد اپنے جرم، اپنی رنگت' اپنی خوشبو اور اپنے مزے میں کیسی عجیب نوعیت پیدا کر لیتے ہیں؟) بلاشبہ جو لوگ یقین رکھتے ہیں' ان کے لیے اس بات میں (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں - (۹۹) اور (دیکھو[1]) ان لوگوں نے خدا کے ساتھ جنوں کو (طاقت وتصرف میں) شریک ٹھہرا لیا ہے' حالانکہ (یہ مانتے ہیں کہ تمام مخلوقات کی طرح) انہیں بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے - اور انہوں نے بغیر اس کے کہ علم کی کوئی روشنی اپنے سامنے رکھتے ہوں' خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بھی تراش لی ہیں - خدا کی پاکی ہو! اس کی ذات تو ان تمام باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں - (۱۰۰) وہ آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے (یعنی بغیر کسی سابق مثال کے محض اپنے علم وقدرت سے بنانے والا ہے) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو جبکہ کوئی اس کی بیوی نہیں -

[1] پچھلی آیتوں میں ایک طرف تو منکرین وحی وتنزیل کو جواب دیا ہے' دوسری طرف کارخانۂ ہستی کے ''نظام ربوبیت'' سے خدائے واحد کی ہستی پر استدلال کیا ہے' اور یہ قرآن کا عام اسلوب بیان ہے - ''نظام ربوبیت'' سے مقصود یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں' تمام کائنات خلقت ہماری پرورش وکارسازی میں سرگرم ہے' اور اس کی تمام باتیں کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے بڑی ہی حکمت اور دقیقہ سنجی کے ساتھ ہماری ہر طرح کی احتیاجات پرورش کا اندازہ کر لیا اور اس کے لیے ایک پورا کارخانہ جاری کر دیا ہے - قرآن کہتا ہے' اگر ایک پروردگار ہستی موجود نہیں تو پھر وہ کون ہے جس نے ربوبیت کا یہ پورا نظام قائم کر رکھا ہے؟ وہ توحید پر بھی اسی سے استدلال کرتا ہے - تم نے خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے ان میں سے کون ہے جسے اس کارخانۂ ربوبیت کے بنانے یا چلانے میں کچھ بھی دخل ہو؟

قرآن کا یہ استدلال ''برہان ربوبیت'' کا استدلال ہے - ⇦

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ

اسی نے تمام چیزیں پیدا کیں اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے؟ (۱۰۱) یہی خدا تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی۔ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ سو دیکھو! اسی کی بندگی کرو۔ ہر چیز اسی کے حوالے ہے۔ (۱۰۲)

اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں، لیکن وہ تمام نگاہوں کو پا رہا ہے۔ وہ بڑا ہی باریک بیں اور آگاہ ہے۔ (۱۰۳)

(دیکھو) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس علم و دلیل کی روشنیاں آ چکی ہیں (جہل و نادانی کا اب کوئی عذر باقی نہیں رہا) پس اب جو کوئی دیکھے اور سمجھے، تو (اس کا فائدہ) خود اسی کے لیے ہے، اور جو کوئی (اپنی آنکھوں سے کام نہ لے اور) اندھا ہو جائے، تو اس کا وبال اسی کے سر آئے گا، اور (اے پیغمبر! تم کہہ دو) میں تم پر کچھ پاسبان نہیں ہوں (کہ جبراً تمہاری آنکھیں کھول دوں)۔ (۱۰۴) اور (دیکھو) اسی طرح ہم گونا گوں طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں (تاکہ حجت تمام ہو جائے) اور تاکہ وہ بول اٹھیں، تم نے (بیان حق میں کوئی کمی نہیں کی۔ سب کچھ) پڑھ سنایا۔ نیز اس لیے کہ جو لوگ جاننے والے ہیں ان کے لیے (دلائل حق) روشن کر دیں۔ (۱۰۵)

(اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے، تم اس کی پیروی کرو کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اسی کی ذات، اور مشرکوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ (۱۰۶)

اور[۱] اللہ اگر چاہتا، تو (اس کی قدرت رکھتا تھا کہ انسان کو اس طرح کا بنا دیتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہوتے، اور) یہ لوگ شرک نہ کرتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی مشیت کا یہی فیصلہ ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے۔ پس تم جو کچھ کر سکتے ہو، یہی ہے کہ سچائی کی راہ دکھا دو۔ انہیں جبراً اپنی راہ پر چلا نہیں دے سکتے) ہم نے تمہیں نہ تو

⇐ آیت (۱۰۰) میں مشرکین عرب کے عقائد کا رد کیا ہے۔ یہ لوگ جنوں کی نسبت طرح طرح کے توہم پرستانہ خیالات رکھتے تھے اور سمجھتے تھے وہ جس انسان کو چاہیں مافوق الفطرت طریقہ پر نقصان پہنچا دیں، جسے چاہیں عجیب عجیب طاقتیں دے دیں، نیز ان کا خیال تھا کہ پاک روحیں یعنی فرشتے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور وہ کارخانہ عالم میں طرح طرح کے تصرفات کر سکتے ہیں۔

[۱] یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے، اور تم تمام انسانوں کو ایک ہی فکر و رائے کا نہیں بنا دے سکتے۔ پس جس بات کو تم حق سمجھتے ہو، اس کی دعوت دو، لیکن اس کی کد نہ کرو کہ سب لوگ تمہاری بات ضرور ہی مان لیں۔ جن کی سمجھ میں آئے گی، مانیں گے۔ جن کی سمجھ میں نہیں آئے گی، نہیں مانیں گے۔ تم لوگوں پر پاسبان نہیں بنا دیے گئے ہو کہ ان کے ہر فکر و عمل کی پاسبانی کرو۔ نہ تم میں سے کسی پر اس کی ذمہ داری ہے کہ دوسرے کو ضرور ہی نیک بنا دے۔

اگر خدا چاہتا تو انسان کو بھی حیوانات کی طرح بنا دیتا کہ سب اپنی حالت میں ایک ہی طرح کے ہوتے، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس ⇐

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ
قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ
اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ
اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ
يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

ع ۱۳ / ۱۹

ان پر پاسبان بنایا ہے (کہ ان کی رائے اور عمل کی نگہبانی کرو) نہ تمہارے حوالے ان کی ذمہ داری ہے (کہ ان کے نہ ماننے کے لیے اپنے کو ذمہ دار سمجھو)-(۱۰۷) اور (مسلمانو!) جو لوگ خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں' تم ان کے معبودوں کو گالیاں نہ دو کہ پھر وہ بھی حد سے متجاوز ہو کر بے سمجھے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں- ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کے کاموں کو خوشنما بنا دیا ہے' (کہ ہر قوم اپنی راہ رکھتی ہے اور اپنی ہی راہ اسے اچھی دکھائی دیتی ہے) پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے- اس وقت وہ ان سب پر ان کے کاموں کی حقیقت کھول دے گا جو وہ (دنیا میں) کرتے رہے ہیں-(۱۰۸)

اور یہ (منکرین حق) خدا کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں "اگر کوئی نشانی ان کے سامنے آ جائے' تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے"- (اے پیغمبر!) تم کہہ دو "نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں" (کسی بندے کے اختیار میں نہیں) اور (مسلمانو!) تمہیں (ان لوگوں کا حال) کیا معلوم؟ اگر نشانیاں آ بھی جائیں' جب بھی یہ یقین کرنے والے نہیں-(۱۰۹)

ہم ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو الٹ دیں (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے بموجب ان کی سمجھ اور ان کی نظر کام نہ دے- یہ نشانیاں دیکھ کر بھی اسی طرح انکار کیے جائیں) جس طرح پہلی دفعہ قرآن سے انکار کیا- اور ہم انہیں چھوڑ دیں کہ اپنی سرکشیوں میں بھٹکتے رہیں-(۱۱۰) اور (یقین کرو) اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور (قبروں سے) مردے (اٹھ کر) ان سے باتیں کرنے لگتے' اور جتنی چیزیں بھی (دنیا میں) ہیں' سب ان کے سامنے لا کھڑی کرتے' جب بھی یہ ایسا کرنے والے نہیں کہ ایمان لے آئیں' الا یہ کہ اللہ ہی کی مشیت ہو- لیکن ان میں اکثر ایسے ہیں جو (یہ حقیقت) نہیں جانتے-(۱۱۱)

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے (جب اس کی دعوت کا ظہور ہوا) انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں

⇐ نے ایسا نہیں چاہا- اس نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی کہ ہر گروہ اپنی اپنی سمجھ' اپنی اپنی رائے اور اپنی اپنی پسند رکھتا ہے' اور ہر گروہ کی نظر میں وہی کام اچھا ہے جو وہ کر رہا ہے- تمہاری نظروں میں اس کی راہ کتنی ہی بری ہو لیکن اس کی نظروں میں تو وہ ویسی ہی اچھی ہے جیسی تمہاری نظروں میں تمہاری راہ- پس ضروری ہے کہ اس بارے میں برداشت اور رواداری سے کام لو- اس کے بعد فرمایا' جو لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں تم انہیں دعوت حق دو مگر برا بھلا نہ کہو- اگر تم ان بتوں کو برا بھلا کہو گے تو وہ بھی خدا کو برا بھلا کہیں گے- نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم انہیں گالیاں دو گے' وہ تمہیں دیں گے- طلب حق کی بات نہیں رہے گی- آپس میں گالی گلوچ کرنا ہو گا-

يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ﴿١١٣﴾ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ

کو دشمن ٹھہرا دیا' جو آپس میں ایک دوسرے کو دکھاوے کی خوشنما باتیں سکھاتے' تا کہ لوگوں کو فریب دیں- اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا' تو (یقیناً ایسا کرسکتا تھا کہ) وہ دشمنی نہ کرتے (مگر اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی اور حق کے ساتھ باطل بھی اپنی نمود رکھے) پس (ان کی مخالفت سے دل گرفتہ نہ ہو اور) انہیں ان کی افترا پردازیوں میں چھوڑ دو- (۱۱۲)

اور (خدا کے نبیوں کے یہ دشمن اس طرح کی باتیں اس لیے سکھاتے ہیں) تا کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل (پرفریب باتیں سن کر) ان کی طرف جھک پڑیں' اور ان کی باتیں پسند کریں' اور جیسی کچھ بدکرداریاں وہ خود کرتے رہتے ہیں' ویسی ہی وہ بھی کرنے لگیں- (۱۱۳)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو) کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ) میں (اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لیے) خدا کے سوا کوئی دوسرا منصف ڈھونڈوں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر الکتاب نازل کر دی جو کھول کھول کے (باتیں) بیان کرنے والی ہے-

اور (دیکھو) جن لوگوں کو (تم سے پہلے) ہم نے کتاب دی ہے (یعنی یہود اور نصاریٰ) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے- پس ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو (فیصلہ الٰہی کے بارے میں) شک کرنے والے ہیں- (۱۱۴)

اور (یاد رکھو) تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ (پوری ہو کر رہے گی- یوں سمجھو کہ) پوری ہو گئی- اس کی باتوں کا (یعنی اس کے قانونوں کا) کوئی بدلنے والا نہیں- وہ (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے- (۱۱۵)

اور[1] (اے پیغمبر!) اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو جو آج روئے زمین میں سب سے زیادہ ہیں' تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں (کیونکہ وہ سب کے سب بھٹکے ہوئے ہیں) وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی- وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں

---

[1] اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ حق و باطل کے معاملے میں انسانوں کی قلت و کثرت معیار نہیں ہو سکتی' بلکہ حقیقت اور سچائی کے بنیادی اصولوں ہی پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے- بسا اوقات گمراہی و حق فراموشی کے ایسے اوقات آ جاتے ہیں کہ نوع انسانی کی اکثریت حق و یقین کی روشنی سے محروم ہو جاتی ہے- ایسا ہی دور نزول قرآن کے وقت بھی دنیا پر چھایا ہوا تھا- پس فرمایا گمراہوں کی کثرت نہ دیکھو- ⇦

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ

کہ شک اور گمان میں قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں-(۱۱۶) بلاشبہ تمہارا پروردگار ہی اس بات کو بہتر جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک رہا ہے اور کون ہیں جنہوں نے راہ پالی-(۱۱۷)

پس (گمراہوں کے وہم و گمان کی پیروی نہ کرو اور) جس (جانور) پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام لیا گیا ہے اسے بلا تامل کھاؤ- اگر تم خدا کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو-(۱۱۸)

اور تمہارے لیے کون سی بات روکنے والی ہے کہ جس (جانور) پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام لیا گیا ہے اسے نہ کھاؤ' (اور مشرکوں کے اوہام و خرافات کا اثر قبول کرو؟) حالانکہ جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ خدا نے کھول کے بیان کر دیا ہے- ہاں حالت کی مجبوری تمہیں جو کچھ کھلا دے وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی حلال چیز میسر نہ ہو اور جان بچانے کے لیے حرام چیز کھالو' تو اس کی تمہیں اجازت دے دی گئی ہے) اور بہت سے لوگ ہیں جو بغیر علم کے محض اپنی نفسانی خواہشوں سے (طرح طرح کی باتیں نکال کر) لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں-(تو اے پیغمبر! یقین رکھو) تمہارا پروردگار انہیں اچھی طرح جانتا ہے جو (حد سے گزر کر) زیادتی کرنے والے ہیں-(۱۱۹)

اور (دیکھو) ظاہری گناہ ہو یا چھپا گناہ ہو' ہر حال میں گناہ کی باتیں ترک کر دو- جو لوگ گناہ کماتے ہیں' وہ (انسانوں کی نگاہ سے کتنا ہی چھپ کر کریں' لیکن) جو کچھ کرتے رہے ہیں' ضرور اس کا بدلہ پائیں گے-(۱۲۰) اور جس[1] جانور پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام نہیں لیا گیا ہے' اس کا گوشت نہ کھاؤ- اس میں سے کھانا البتہ نافرمانی کی بات ہوگی- اور (دیکھو) شیطان تو اپنے ساتھیوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ تم سے کج بحثی کریں- اگر تم نے ان کا کہا مان لیا' تو پھر سمجھ رکھو

⇐ یہ دیکھو کہ کون سی راہ یقین اور بصیرت کی راہ ہے' اور کون سی جہل و گمان کی راہ ہے- اس کے بعد مشرکین عرب کے ان خیالات کا رد کیا ہے جن کے لیے ان کے پاس اوہام و خرافات کے سوا علم و بصیرت کی کوئی روشنی نہ تھی- وہ کہتے تھے جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا ہے' وہ مقدس ہو گئے اور اگر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے' تو بتوں کی نیاز چڑھایا ہوا جانور جو مختلف طریقوں سے مارا جاتا ہے' کیوں حلال نہیں؟

[1] مشرکین مکہ میں سے بعض اشخاص جو مخالفت میں پیش پیش تھے' احکام الٰہی کے خلاف کج بحثیاں کرتے' اور طرح طرح کے شبہات پیدا کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے- مثلاً جب ذبح کرنے کا حکم دیا گیا' تو وہ کہنے لگے اگر تمہارا مارا ہوا جانور حلال ہے تو خدا کا مارا ہوا جانور (یعنی مردار) کیوں حرام ہو گیا؟ یہاں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جدل و نزاع کرنے والوں کی راہ طلب حق کی راہ نہیں ہے- شریعت نے جس چیز سے روکا اس میں حکمتیں ہیں' اور چونکہ ہر سمجھ مصالح اور حکم کا ادراک نہیں کر سکتی ⇐

لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ

تم بھی شرک کرنے والے ہوئے! (۱۲۱) پھر کیا وہ آدمی کہ مردہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کر دیا' اور اس کے لیے نور ٹھہرا دیا کہ اس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان (بے کھٹکے) چلے پھرے' اس آدمی جیسا ہو سکتا ہے' جس کا حال یہ ہو کہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے باہر نکلنے والا نہیں؟ (کبھی نہیں! سو دیکھو جس طرح ایک شخص باوجود اندھیروں میں گھرے ہونے کے اپنی حالت پر قانع ہو جاتا ہے) اسی طرح کافروں کی نظروں میں وہی باتیں خوش نما دکھائی دیتی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں- (۱۲۲)

اور (دیکھو' جس طرح آج مکہ کے رئیس دعوت حق کی مخالفت میں سرگرم ہیں) اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بدکردار آدمیوں کے سردار بنا دیئے' تاکہ وہاں مکروفریب کے جال پھیلائیں- (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق جمعیت بشری کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے) اور فی الحقیقت وہ مکروفریب نہیں کرتے مگر اپنے ہی ساتھ' لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے- (۱۲۳)

اور جب ان کے پاس (سچائی کی) نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم کبھی یقین کرنے والے نہیں جب تک ہمیں ویسی ہی بات نہ ملے جیسی اللہ کے رسولوں کو مل چکی ہے- (حالانکہ) اللہ ہی اس بات کو بہتر جاننے والا ہے' کہ کہاں اور کس طرح اپنی پیغمبری ٹھہرائے- جو لوگ (انکار حق کے) جرم کے مرتکب ہوئے عنقریب انہیں خدا کے حضور ذلت و حقارت ملے گی- اور جیسی کچھ مکاریاں کرتے رہے ہیں' اس کی پاداش میں سخت عذاب- (۱۲۴)

پس جس کسی کو خدا چاہتا ہے (سعادت و کامرانی کی) راہ کھا دے' اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول

⇦ اس لیے چاہیے کہ راست بازی کے ساتھ اطاعت کی جائے کج بحثیاں نہ کی جائیں-

پھر آیت (۱۲۲) میں ایمان و کفر کی مثال بیان کی- ایمان زندگی ہے اور علم و بصیرت کی روشنی ہے- کفر موت ہے اور اوہام وظنون کی تاریکی- پھر کیا وہ آدمی جس کے سامنے روشنی ہو' اس جیسا ہو جا سکتا ہے جس کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہو؟ پس مومن کے لیے جس کے تمام عقائد و اعمال علم و یقین پر مبنی ہیں' کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ کفر و شرک کے اوہام و خرافات کا اثر قبول کرے؟

آیت (۱۲۳) میں فرمایا' جب کسی آبادی میں کوئی داعی حق کھڑا ہوتا ہے تو وہاں کے سردار محسوس کرتے ہیں کہ اگر دعوت حق کامیاب ہو گئی تو ان کے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہو جائے گا' اس لیے انہیں ایک طرح کی ذاتی دشمنی اور کد ہو جاتی ہے- وہ طرح طرح کی مکاریاں کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ دعوت حق قبول نہ کریں-

ازاں جملہ سرداران مکہ کی ایک مکاری یہ تھی کہ کہتے معجزے دکھاؤ- چنانچہ بار بار ان کے اس حیلہ کا رد کیا گیا- آیت (۱۲۵) میں گمراہی کے جماؤ کی وہ حالت بتلائی جب آدمی کی سمجھ ایسی ٹیڑھی پڑ جاتی ہے کہ کتنا ہی سوچے سیدھی بات سمجھ میں آتی نہیں- فرمایا' ایسے آدمی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بلندی پر چڑھنا چاہے اور اس کا دم پھول جائے- کتنی ہی چڑھنے کی کوشش کرے لیکن اس کے قدم اٹھ نہیں سکیں گے-

لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

دیتا ہے☆ (اور وہ اس کی سچائی پالیتا ہے) اور جس کسی پر (کامیابی وسعادت کی) راہ گم کر دینی چاہتا ہے اس کے سینہ کو اس طرح تنگ اور رکا ہوا کر دیتا ہے گویا بلندی پر چڑھ رہا ہو۔ (اور بلندی پر چڑھنے کی وجہ سے دم پھول گیا ہو۔ کتنی ہی کوشش کرے مگر بے دم ہو کر رہ جائے گا) اسی طرح اللہ ان لوگوں پر عذاب بھیج دیتا ہے جو (خدا کی سچائی پر) ایمان نہیں رکھتے! (۱۲۵)

اور یہ (اسلام کی راہ) تمہارے پروردگار کی سیدھی راہ ہے۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پر دھیان دینے والے ہیں (راہ حق کی) نشانیاں کھول کھول کے بیان کر دی ہیں۔ (۱۲۶)

ان لوگوں کے لیے (جنہوں نے خدا کی سیدھی راہ پر قدم اٹھایا) ان کے پروردگار کے حضور سلامتی وعافیت کا گھر ہے' اور جیسے کچھ ان کے (نیک) عمل رہے ہیں' ان کی وجہ سے وہ ان کا مددگار و رفیق ہے۔ (۱۲۷)

اور (دیکھو) اس دن کیا ہوگا جب خدا ان سب کو (اپنے حضور) جمع کرے گا' (اور فرمائے گا) اے گروہ جن! (یعنی شیاطین!) ''تم نے تو انسانوں میں سے بڑی تعداد (اپنی وسوسہ اندازیوں سے) اپنے ساتھ لے لی' اور انسانوں میں سے جو لوگ ان کے ساتھی رہے ہیں' وہ (اعتراف حقیقت پر مجبور ہو کر) کہیں گے ''اے پروردگار! (دنیا میں) ہم ایک دوسرے سے (گمراہی و شقاوت کے کاموں میں) فائدہ اٹھاتے رہے (یعنی گمراہ انسانوں نے شیطانوں کا ہاتھ بٹایا' اور شیطانوں نے انسانوں کا) اور (بالآخر) میعاد کی اس منزل تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے ٹھہرا دی تھی (اب ہماری قسمتوں کا فیصلہ تیرے ہاتھ ہے) خدا فرمائے گا ''تمہارا ٹھکانا آتش دوزخ ہے۔ اسی میں ہمیشہ رہو گے۔ بجز ان کے جنہیں ہم نجات دینا چاہیں''۔ (اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہارا پروردگار (اپنے کاموں میں) حکمت رکھنے والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔ (۱۲۸)

اور (دیکھو) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ان کی اس کمائی کی وجہ سے جو وہ (اپنی بدعملیوں سے) حاصل کرتے رہتے ہیں۔ (۱۲۹)

☆ ''جس کسی کو خدا چاہتا ہے راہ دکھا دے'' یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون سعادت وشقاوت کے مطابق جس کسی کو راہ کامیابی ملنے والی ہے اس کا دل اسلام کے لیے کھل جاتا ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ دنیا میں خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کے مطابق جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے کیونکہ اسی کے ٹھہرائے ہوئے قوانین ہیں۔ ''جس کسی پر راہ گم کر دینی چاہتا ہے'' یعنی جس کسی پر اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق راہ کامیابی گم ہو جانے والی ہوتی ہے ۱۲۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۗ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

(نیز ہم اس دن پوچھیں گے کہ) "اے گروہ جن و انس! (تم جو اپنی گمراہیوں کا آج اعتراف کر رہے ہو تو) کیا تمہارے پاس ہمارے پیغمبر جو تم ہی میں سے تھے نہیں آئے تھے؟ انہوں نے ہماری آیتوں تمہیں نہیں سنائی تھیں؟ اور آج کے دن سے جو تمہیں پیش آیا ہے نہیں ڈرایا تھا؟" وہ عرض کریں گے "خدایا! ہم اپنے اوپر آپ گواہی دیتے ہیں (کہ بلاشبہ آئے تھے اور انہوں نے ہمیں سب کچھ بتایا تھا۔ پر ہم نے ان کا کہنا نہ مانا") حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی (چندروزہ) زندگی نے انہیں فریب میں ڈال دیا تھا' اور اب وہ خود ہی اپنے خلاف گواہ ہو گئے کہ بلاشبہ سچائی سے انکار کرنے والے تھے۔ (۱۳۰)

(اے پیغمبر!) یہ (پیغمبروں کا ظہور اور دعوت حق کا اعلان) اس لیے ہوا کہ تمہارے پروردگار کا یہ ڈھنگ نہیں کہ وہ ناانصافی سے بستیوں کو ہلاک کر دے' اور وہاں کے رہنے والے (راہ حق سے) بے خبر ہوں۔ (۱۳۱)

اور (قانون الٰہی کی رو سے) سب کے (الگ الگ) درجے ہیں۔ ان کے کاموں کے مطابق۔ (اور انہی درجوں کے مطابق انہیں نتائج پیش آتے ہیں) اور جیسے کچھ انسان کے کام ہیں تمہارا پروردگار اس سے غافل نہیں۔ (۱۳۲)

اور[2] (دیکھو) تمہارا پروردگار بے نیاز اور رحمت والا ہے۔ (بے نیاز ہے' اس لیے وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کا محتاج نہیں۔ رحمت والا ہے اس لیے اس کی رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ دنیا میں بگاڑ اور فساد قائم نہ رہے) اگر وہ چاہے تو تمہیں ہٹا دے' اور تمہارے بعد جس (گروہ) کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ جس طرح ایک دوسرے گروہ کی نسل سے تمہیں اٹھا کھڑا کیا ہے۔ (۱۳۳)

جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے' وہ یقیناً آنے والی ہے' اور تمہارے بس میں نہیں کہ (خدا کو) مجبور کر دو۔ (۱۳۴)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو' "اے میری قوم! (اگر تم جہل و انکار سے باز نہیں آتے' تو میرا اور تمہارا فیصلہ خدا کے ہاتھ

[1] انسانوں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے' جہاں خدا کے پیغمبر پیدا نہ ہوئے ہوں اور انہوں نے راہ حق نہ دکھا دی ہو۔ خدا کا یہ قانون نہیں کہ وہ کسی قوم اور ملک کو ہدایت وحی سے محروم رکھے اور پھر اس سے مؤاخذہ کرے۔ ہر فرد اور ہر گروہ کے لیے اس کے اعمال کے مطابق مختلف درجے ہیں' اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھائی کے درجے ہیں۔ برے ہیں تو برائی کے درجے ہیں' اور انہی کے مطابق نتائج و عواقب پیش آتے ہیں۔

[2] مشرکین مکہ سے اتمام حجت کہ اگر وہ دعوت حق کی مخالفت سے باز نہیں آئیں گے تو خدا انہیں راہ سے ہٹا دے گا اور ان کی جگہ ایک دوسرا گروہ کھڑا کر دے گا۔ وہ اسی طرح پچھلی قوموں کو گراتا اور نئی قوموں کو اٹھاتا رہتا ہے۔

آیت (۱۳۵) میں فرمایا کہ اعلان کر دو' اب میرا اور تمہارا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں کو داعی حق کے مقابلہ میں کامیابی نہیں دیتا۔ پس وہ ہم دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو کامیاب کر کے بتلا دے گا کہ سچائی کس کے ساتھ تھی اور کون سچائی کو جھٹلانے والا تھا۔ چنانچہ بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اور خدا کے فیصلہ نے حقیقت آشکارا کر دی۔

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ہے) تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ- میں بھی (اپنی جگہ) کام کر رہا ہوں- عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخر کار کس کا انجام بخیر ہے- یقیناً ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے- اور[1] (دیکھو) جو کچھ خدا نے کھیتی اور مویشی میں سے پیدا کیا ہے' اس میں سے ایک حصہ یہ اپنے زعم باطل کے مطابق خدا کے لیے ٹھہراتے ہیں' اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے' اور (ایک حصہ بتوں کے لیے ٹھہرا کر کہتے ہیں) یہ ان کے لیے جنہیں ہم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے- پس جو کچھ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے' وہ تو خدا کی طرف پہنچتا نہیں (یعنی اس میں سے خدا کے لیے خرچ نہیں کر سکتے) لیکن جو کچھ خدا کے لیے ہے وہ ان کے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے (یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے حصے میں سے بتوں کے لیے خرچ ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں) کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں- (۱۳۶) اور (دیکھو) اسی طرح بہت سے مشرک ہیں کہ ان کے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں نے ان کی نظروں میں قتل اولاد (جیسا وحشیانہ فعل بھی) خوش نما کر دکھایا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں- اور ان کے دین کی راہ ان پر مشتبہ کر دیں- (اے پیغمبر!) اگر خدا چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے (یعنی ان کی طاقت سلب کر لیتا' لیکن اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں ہر طرح کی راہیں اور ہر طرح کے اعمال ہوں) پس انہیں اور ان کی افترا پردازیوں کو ان کے حال میں چھوڑ دو (وہ تمہارے کہے سے ماننے والے نہیں)- (۱۳۷)

---

[1] مشرکین عرب کے بعض اوہام و خرافات اور مشرکانہ اعمال:

(۱) وہ منتیں مانتے کہ اپنی زراعت اور مویشی میں سے اتنا حصہ خدا کے لیے نکالیں گے' اور اتنا بتوں کے لیے- خدا کا حصہ فقیروں کو دے دیتے اور بتوں کا ان کے مجاوروں کو- اگر خدا کے حصے میں سے کچھ کم و بیش ہو جاتا تو اس کی پروا نہ کرتے' لیکن بتوں کی نیاز کی بڑی نگہداشت کرتے اور کہتے ان کے حصے میں سے کچھ کم نہ ہونا چاہیے-

(۲) لڑکیوں کو قتل کر دیتے' اور اسے بڑے فخر اور شرافت کی بات سمجھتے- ان کے کاہنوں اور بزرگوں نے انہیں حکم دیا تھا کہ ایسا کیا کریں-

(۳) اپنی فصل اور مویشی کا ایک حصہ بت خانوں کے لیے مخصوص کر دیتے' اور کہتے مجاوروں کے سوا اور کسی کو یہ کھانا جائز نہیں-

(۴) بتوں کے نام جانور چھوڑ دیتے' اور سمجھتے کہ اب ان سے کام لینا جائز نہیں-

(۵) جو جانور بتوں کے لیے قربان کرتے' ان پر خدا کا نام نہ لیتے- (۶) جانور ذبح کیا جاتا اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا تو اگر زندہ ہوتا' صرف مرد کھاتے- عورتوں کے لیے جائز نہ تھا- مردہ ہوتا' تو عورتیں بھی کھا سکتی تھیں!

فرمایا یہ ساری باتیں انتہائے جہالت و حشت کی ہیں- اصل یہ ہے کہ خدا نے نباتات و حیوانات میں سے جتنی اچھی چیزیں پیدا کی ہیں' سب انسان کے استعمال کے لیے ہیں- کھاؤ پیؤ' مگر اسراف نہ کرو' اور خدا کی راہ میں بھی خرچ کرو- یہی بات راستی و دانشمندی کی ہے- اس کے سوا جو کچھ ہے شیطانی وسوسہ ہے-

وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ۖ لَّا يَطۡعَمُهَآ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ‌ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ‌ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ وَصۡفَهُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّالنَّخۡلَ وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ‌ ؕ كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ‌ ۖ وَلَا تُسۡرِفُوۡا‌ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَةً وَّفَرۡشًا‌ ؕ كُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

اور کہتے ہیں "یہ کھیت اور چار پائے ممنوع ہیں- انہیں اس آدمی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا جسے ہم اپنے خیال کے مطابق کھلانا چاہیں" (یعنی جن بتوں کی نیاز کر دیں' صرف اس کے مجاور کھا سکتے ہیں' دوسرے کے لیے جائز نہیں) اور (اسی طرح) کچھ جانور ہیں کہ (ان کے خیال میں) ان کی پیٹھ (پر سوار ہونا یا سامان لادنا) حرام ہے اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ (ذبح کرتے ہوئے) ان پر خدا کا نام نہیں لیتے' کیونکہ خدا پر افترا کر کے انہوں نے یہ طریقہ نکال لیا ہے- (سو) جیسی کچھ یہ افترا پردازیاں کرتے رہتے ہیں' قریب ہے کہ خدا انہیں اس کی سزا دے- (۱۳۸)

اور کہتے ہیں ان چار پایوں کے پیٹ میں سے جو زندہ بچہ نکلے' وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے- ہماری عورتوں کے لیے حلال نہیں- اور اگر مردہ ہو تو پھر (اس کے کھانے میں مرد و عورت) سب شریک ہیں! (کیسی جہالت کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں)! قریب ہے کہ خدا انہیں ان کی ان (بے اصل) تقسیموں کی سزا دے (جو اپنے جی سے انہوں نے گھڑ لی ہیں) بلاشبہ وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے- (۱۳۹)

یقیناً وہ لوگ تباہ و برباد ہوئے جنہوں نے جہالت سے اپنی اولاد (اپنے ہاتھوں) مار ڈالی اور جو کچھ خدا نے ان کے لیے روزی پیدا کی ہے اسے خدا پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرایا- بلاشبہ وہ گمراہ ہوئے اور بلاشبہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے نہ تھے- (۱۴۰)

اور (دیکھو) وہ خدا ہی ہے جس نے (طرح طرح کے درختوں کے) باغ پیدا کر دیے- ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر اس کے (جیسے تنا دار تمام درخت ہوتے ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسموں کے ہوتے ہیں- نیز زیتون اور انار کے درخت- صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے' اور ایک دوسرے سے الگ- سو (خدا کی اس پیداوار کے) پھل شوق سے کھاؤ جب اس میں پھل لگ جائیں' اور چاہیے کہ جس دن فصل کاٹو تو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) بھی دے دیا کرو' اور اسراف نہ کرو- خدا انہیں دوست نہیں رکھتا جو اسراف کرنے والے ہیں- (۱۴۱)

اور (دیکھو) اسی خدا نے (تمہارے لیے) چار پایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے پیدا کر دیے (جیسے اونٹ اور گھوڑا) اور کچھ زمین سے لگے ہوئے (یعنی بلند قامت نہیں کہ سواری اور لادنے کے کام آئیں جیسے بھیڑ' بکری) سو جو کچھ

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

خدا نے تمہاری روزی کے لیے پیدا کر دیا ہے اسے (بلا تامل) کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو- وہ بلاشبہ تمہارا آشکارا دشمن ہے- (۱۴۲)

چار پایوں میں (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) آٹھ قسمیں پیدا کیں- بھیڑ میں سے دو قسم (یعنی نر اور مادہ) اور بکری کی دو قسمیں (نر اور مادہ)- اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو (تم نے اپنے وہم و خیال سے جو حلال و حرام کے قاعدے بنا رکھے ہیں' تو بتاؤ) خدا نے ان میں سے کس جانور کو حرام کیا ہے؟ دونوں قسموں کے نروں کو' یا مادہ کو' یا پھر اس بچے کو جسے دونوں قسموں کی مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے؟ اگر تم سچے ہو تو مجھے علم کے ساتھ اس کا جواب دو (یعنی اس کی کوئی اصل اور سند پیش کرو)- (۱۴۳)

اور (دیکھو اسی طرح) اونٹ میں سے دو قسمیں ہیں اور گائے میں سے دو قسمیں (یعنی نر و مادہ) تم ان سے پوچھو' کیا ان میں سے نر کو حرام کر دیا ہے یا مادہ کو یا اس کو جو ان دونوں کی مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوتی ہے؟ پھر تم (جو بغیر کسی علم و بنیاد کے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کہہ رہے ہو تو) کیا تم اس وقت خدا کے پاس حاضر تھے جب اس نے تمہیں اس بارے میں حکم دیا تھا؟ پھر بتلاؤ' اس آدمی سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہوا' جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے خدا پر افترا پردازی کرے' اور اس کے پاس (اس بارے میں) کوئی علم نہ ہو؟ بلاشبہ خدا ان لوگوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں- (۱۴۴)

(اے[1] پیغمبر!) تم کہہ دو- جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے' میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اس کا کھانا حرام ہو' بجز اس کے کہ مردار ہو' یا بہتا ہوا خون ہو' یا سور کا گوشت ہو' کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندگی ہیں' یا پھر جو چیز گناہ کا موجب ہو کہ غیر خدا کا نام اس پر پکارا گیا' (تو بلاشبہ وہ بھی حرام ہے) اور اگر کوئی آدمی (حلال چیزیں نہ ملنے کی وجہ سے) مجبور ہو جائے-

[1] جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں اعلان کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے' ان میں سے صرف وہی چیزیں حرام ہیں' جو بیان کر دی گئیں- ان کے سوا سب اوہام و خرافات ہیں-

بلاشبہ یہودیوں کو ناخن والے جانوروں اور گائے بکری کی چربی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا- مگر اس لیے نہیں کہ یہ چیزیں حرام ہیں' بلکہ اس لیے کہ یہودیوں کی بے قید اور ناہموار طبیعتوں کی زجر و توبیخ کے لیے ضروری تھا کہ عارضی طور پر بعض مباحات روک دی جائیں- (دیکھو سورۂ نساء- ۱۶۰)

عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾

اور مقصود نافرمانی نہ ہو نہ حد ضرورت سے گزر جانا (اور وہ جان بچانے کے لیے ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھا لے) تو بلاشبہ تمہارا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے۔(۱۴۵) اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے' اور گائے اور بکری میں سے ان کی چربی بھی حرام کر دی تھی۔ مگر وہ چربی نہیں جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں میں ہو' یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی (یہ بات نہ تھی کہ یہ چیزیں فی نفسہ حرام ہوں) اور بلاشبہ ہم (بیان کرنے میں) سچے ہیں۔(۱۴۶)

پھر اگر (اے پیغمبر!) یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں' تو ان سے کہہ دو۔ تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت رکھنے والا ہے (اس لیے اس نے مہلتوں پر مہلتیں دے رکھی ہیں) مگر مجرموں پر سے اس کا عذاب کبھی ٹلنے والا نہیں!(۱۴۷)

جن لوگوں[1] نے شرک کا ڈھنگ اختیار کیا ہے وہ کہیں گے "اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے' اور نہ کسی چیز کو (اپنی رائے سے) حرام ٹھہراتے" سو (دیکھو) اسی طرح ان لوگوں نے بھی (سچائی کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ (بالآخر) ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا۔ (اے پیغمبر!) تم کہو' کیا تمہارے پاس (اس بارے میں) کوئی علم کی روشنی ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہو؟ (اگر ہے تو پیش کرو!) اصل یہ ہے کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر محض وہم اور اٹکل کی' اور تم (اپنی باتوں میں) اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بے سمجھے بوجھے باتیں بنانے والے ہو۔(۱۴۸)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو۔ اللہ ہی کے لیے پہنچی ہوئی اور پکی دلیل ہے (جو اس نے سمجھ بوجھ رکھنے والوں پر واضح کر دی ہے) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ دکھا دیتا (کیونکہ اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں' مگر اس نے ایسا نہیں چاہا' اور اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا)(۱۴۹)

---

[1] مشرکین عرب کہتے تھے اگر ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا طریقہ گمراہی کا طریقہ ہے' تو کیوں خدا نے ہمیں گمراہ ہونے دیا؟ کیوں اس نے ایسا نہ چاہا کہ ہم گمراہ نہ ہوتے؟ جب سب کچھ اس کی مشیت سے ہوتا ہے' تو جو کچھ ہم کر رہے ہیں' یہ بھی اسی کی مشیت سے ہے۔

قرآن ان کے اس خیال کو جہل و کوری کا خیال قرار دیتا ہے اور کہتا ہے' اس بارے میں ان کے سامنے کوئی روشنی نہیں۔

بلاشبہ اگر خدا چاہے' تو سب کو ایک ہی راہ چلا دے' اس کی قدرت سے یہ بات باہر نہیں۔ لیکن اس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو عقل اور ارادہ و قدرت دے' اور ہر حالت کے لیے سبب اور ہر عمل کے لیے نتیجہ ٹھہرا دے۔ پس یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی' حق کے ساتھ باطل اور ہدایت کے ساتھ گمراہی کی راہیں بھی کھل گئیں۔ اب جس کا جی چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے' جس کا جی چاہے گمراہی کی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک یہ کہنا کہ "اگر خدا چاہتا تو ہم برائی نہ کرتے" جہل و کفر کی بات ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

ع ۱۸ / ۵

(اے پیغمبر!) ان سے کہو (اگر تم اپنے گھڑے ہوئے قاعدوں سے ان جانوروں کو حرام ٹھہراتے ہو تو) اپنے گواہوں کو (یعنی حکم دینے والوں کو) بلاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ خدا نے (سچ مچ کو) یہ چیز حرام کر دی ہے- پھر اگر (بالفرض) ان کے (جھوٹے گواہ) اس کی گواہی بھی دے دیں، جب بھی تم ان کے ساتھ ہو کر اس کا اعتراف نہ کرو (کیونکہ یہ حقیقت کے صریح خلاف ہے) تم ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دوسری ہستیوں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں- (۱۵۰)

(اے[1] پیغمبر!) ان سے کہو آؤ میں تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سنا دوں جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دیا ہے: خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ- ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو- اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو- ہم تمہیں روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے- اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ- کھلے طور پر ہوں یا چھپی ہوں- اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھہرا دیا ہے، ہاں یہ کہ کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے (جیسے قصاص میں) یہ ہیں وہ باتیں جن کی خدا نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو! (۱۵۱)

اور (اسی طرح) یتیموں کے مال کی طرف نہ بڑھو (یعنی اس میں تصرف کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو) الا یہ کہ اچھے طریقے پر ہو (یعنی ان کے فائدے اور نگہداشت کے لیے نگہبانی کرنی چاہو) یہ بھی اس وقت تک کہ یتیم اپنی عمر کو پہنچ جائیں اور انصاف و دیانت کے ساتھ ماپ تول پورا کرو- ہم کسی جان پر اس کے مقدور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (پس جہاں تک تمہارے بس میں ہے، انصاف و دیانت کی کوشش کرو) اور جب کبھی کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ معاملہ اپنے قرابت دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے، اسے پورا کرو- یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم

---

[1] جن چیزوں کو تم نے اپنے اوہام و خرافات سے حرام سمجھ رکھا ہے، فی الحقیقت وہ حرام نہیں ہیں- حرام تو وہ اعمال و اشیا ہیں جو حقیقت اور راستی کے خلاف ہیں، اور جن سے خدا کے تمام پیغمبروں نے متفقہ طور پر نوع انسانی کو روکا ہے-

اس کے بعد ان برائیوں کا ذکر کیا ہے جو انسانی شقاوت کی بنیادی برائیاں ہیں، اور ان اچھائیوں کی دعوت دی ہے جو راست بازی کی بنیادی سچائیاں ہیں-

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ
ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾
اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ
بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ

ع ۱۹

دیا ہے تاکہ نصیحت پکڑو۔ (۱۵۲)

اور اس[1] نے بتلایا کہ (خدا پرستی اور نیک عملی کی) یہی راہ میری (ٹھہرائی ہوئی) سیدھی راہ ہے۔ سو اسی پر چلو اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ خدا کی راہ سے بھٹکا کر تمہیں تتر بتر کر دیں۔ یہ بات ہے جس کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔ (۱۵۳)

پھر (دیکھو) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی کہ جو کوئی نیک عمل ہوا اس پر اپنی نعمت پوری کر دیں' اور ہر بات کو کھول کھول کر بیان کر دیں اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہو' تاکہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ (۱۵۴)

اور (اسی طرح) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ برکت والی (یعنی اپنی پیروؤں پر برکت کی راہ کھولنے والی) پس چاہیے کہ اس کی پیروی کرو' اور پرہیز گاری کا ڈھنگ اختیار کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۱۵۵)

(اے عرب کے بسنے والو!) ہم نے یہ کتاب اس لیے نازل کی کہ تم یہ نہ کہو کہ خدا نے تو صرف دو جماعتوں (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں) ہی پر کتاب نازل کی' جو ہم سے پہلے تھے' اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی۔ (۱۵۶)

یا کہو اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی' تو ہم ان جماعتوں سے (جن پر کتاب نازل ہوئی) زیادہ ہدایت والے ہوتے۔ سو دیکھو تمہارے پاس بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل' ہدایت' اور رحمت آ گئی۔ پھر بتلاؤ' اس سے بڑھ کر ظالم انسان کون ہے جو اللہ کی نشانیاں جھٹلائے' اور ان سے گردن موڑے (یاد رکھو) جو لوگ ہماری نشانیوں سے گردن موڑتے ہیں' ہم انہیں اس کی پاداش میں عنقریب سخت عذاب دینے والے ہیں (یعنی نامرادی کا عذاب جو بالآخر مشرکین مکہ کو پیش آیا)۔ (۱۵۷)

پھر یہ لوگ (جو سچائی کی نشانیاں دیکھنے پر بھی سرکشی سے باز نہیں آتے تو) کس بات کے انتظار میں ہیں؟ اس بات کے انتظار میں کہ (آسمان سے) فرشتے ان کے پاس آ جائیں' یا خود تمہارا پروردگار ان کے سامنے آ کھڑا ہو' یا پھر تمہارے پروردگار

---

[1] سچائی اور حقیقت کی سیدھی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ راہیں سچائی کی نہیں ہو سکتیں۔ پس ایک ہی راہ پر چلو۔ بہت سی راہوں میں متفرق ہو کر بھٹک نہ جاؤ!

اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ

کی بعض نشانیاں نمودار ہو جائیں؟ (یعنی قیامت کے آثار نمودار ہو جائیں؟) تو (اگر یہ لوگ اسی بات کی راہ تک رہے ہیں' تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں گی' اس دن کسی انسان کو جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیکی نہ کمائی ہو' ایمان لانا سودمند نہ ہوگا۔ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو- (اگر تمہیں انتظار ہی کرنا ہے تو) انتظار کرتے رہو- ہم بھی (فیصلہ حق و باطل کا) انتظار کرتے ہیں-(۱۵۸) (اے[1] پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا' اور الگ الگ گروہ بن گئے' تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں (تمہاری راہ دین حقیقی کی راہ ہے- نہ کہ لوگوں کی بنائی ہوئی گروہ بندیوں کی) ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے- پھر وہی بتلائے گا کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں' اس کی حقیقت کیا تھی-(۱۵۹) (یاد رکھو) جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس کے عمل نیک سے دس گنا زیادہ ثواب ہوگا' اور جو کوئی برائی لائے گا' تو وہ برائی کے بدلے اتنی ہی سزا پائے گا' جتنی برائی کی ہوگی (یعنی نیکی کے اجر میں زیادتی ہے' مگر برائی کی سزا میں زیادتی نہیں) اور ایسا نہ ہوگا کہ (جزائے عمل میں) لوگوں کے ساتھ ناانصافی کی جائے-(۱۶۰) کہہ دو- مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے- وہی درست اور صحیح دین ہے- ابراہیم کا طریقہ کہ ایک خدا ہی کے لیے ہو جانا' اور ابراہیم ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا-(۱۶۱)

کہہ دو- میری نماز' میرا حج' میرا جینا' میرا مرنا' سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے-(۱۶۲) اس کا کوئی شریک نہیں - مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے' اور میں مسلموں میں (یعنی خدا کے فرمانبرداروں میں) پہلا

[1] پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین میں تفرقہ ڈال کر الگ الگ گروہ بندیاں اور باہم دگر مخالف جتھے بنا لیے- نتیجہ یہ نکلا کہ نجات و سعادت کا دارمدار ایمان و عمل پر نہ رہا' گروہ بندیوں پر آ ٹھہرا- پس فرمایا' جن لوگوں کا شیوہ یہ رہا ہے' تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں- تم ان کی جس بات کی تصدیق کرتے ہو' وہ اصل دین ہے- نہ کہ ان کی بنائی ہوئی گروہ بندیاں-

چونکہ پچھلی آیتوں میں تورات و انجیل کا ذکر کیا تھا' اور اہل عرب سے کہا تھا کہ نزول قرآن کے بعد تم کتب سماوی سے بے خبر رہنے کا عذر نہیں کر سکتے' اس لیے یہاں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اصل دین سب کے لیے ایک ہی تھا' اور قرآن کی دعوت بھی اسی اصل کے لیے ہے-

اس کے بعد فرمایا' یہ اصل دین' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے- اس وقت نہ تو یہودی گروہ بندی پیدا ہوئی تھی' نہ مسیحی گروہ بندی- ایک خدا کی پرستش کرو' اس کے حکموں کے آگے جھک جاؤ' اور ہر انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جیسا کچھ اس کا عمل ہوگا- یہی ملت ابراہیمی ہے' اور یہی صراط مستقیم ہے!

سورت کے خاتمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح پچھلے عہدوں میں مختلف قومیں ایک دوسرے کی جانشیں ہوتی رہیں' وقت آ گیا ہے کہ اسی طرح پیروان قرآن پچھلی قوموں کے جانشیں ہوں-

وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

فرمانبردار ہوں۔ (۱۶۳)

تم ان لوگوں سے پوچھو۔ کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ) میں خدا کے سوا کوئی دوسرا پروردگار ڈھونڈوں' حالانکہ وہی ہر چیز کا پرورش کرنے والا ہے؟ اور (دیکھو) ہر آدمی اپنے عمل سے جو کچھ کماتا ہے' وہ اسی کے ذمے ہوتا ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر (بالآخر) تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے' اور (جب اس کے سامنے حاضر ہو گے تو) وہ بتلائے گا کہ جن باتوں میں اختلاف کیا کرتے تھے' ان کی حقیقت کیا تھی! (۱۶۴)

اور وہی ہے جس نے تمہیں (ایک دوسرے کا) زمین میں جانشین بنایا' اور تم میں سے بعض کو بعض پر (اعمال کے لحاظ سے) مرتبے دیے تاکہ جو کچھ (اختیار) تمہیں دیا گیا ہے' اس میں تمہیں آزمائے (اور طلب اور کوشش کا موقع دے۔ اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) جلد سزا دینے والا ہے' اور بلاشبہ وہ بخشنے والا' رحمت والا ہے! (۱۶۵)

❋ ❋ ❋

إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اسلامی اکادمی
۷ اردو بازار لاہور فون: ۰۴۲-۷۳۵۷۵۸۷